تحفۃ الالمعی

شرح

سنن الترمذی

جلد چہارم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

تُحفۃُ الالمعی

شرح

سُنَنِ التِّرمذی

جلد چہارم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اردو بازار، کراچی

کتاب کا نام ـــــــ تحفۃ الالمعی سنن الترمذی جلد چہارم

تاریخ اشاعت ـــــــ جنوری ۲۰۱۱ء

باہتمام ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ـــــــ ۶۴۰

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers,com

ملنے کے دیگر پتے

فہرست مضامین

أبواب الطلاق و اللعان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب البيوع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(ابھی ابواب البیوع باقی ہیں)

أبواب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الديات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الحدود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الصيد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الأضاحي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الأيمان والنذور عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب السير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

عربی ابواب کی فہرست

أبواب الطلاق واللعان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب البيوع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

﴿بقيةُ أبواب البيوع﴾

أبواب الديات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الحدود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الصيد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الأضاحی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب النذور والأيمان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب السير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلی الله عليه وسلم

أبواب الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الطَّلَاقِ واللِّعَانِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

طلاق ولعان کا بیان

بابُ ماجاءَ في طلاقِ السُّنَّةِ

طلاق دینے کا مسنون طریقہ

طلاق کی تین قسمیں ہیں: طلاق احسن، طلاقِ حسن اور طلاق بدعی۔

طلاقِ احسن: (طلاق دینے کا سب سے اچھا طریقہ) یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک صریح طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو، پھر مزید طلاق نہ دے بلکہ عدت گذر جانے دے، چونکہ اس صورت میں عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے اور عدت کے بعد بھی تدارک ممکن ہوتا ہے اس لئے طلاق دینے کا یہ سب سے افضل طریقہ ہے۔

طلاقِ حسن: یہ ہے کہ جس طہر میں صحبت نہ کی ہو اس میں ایک صریح (رجعی) طلاق دے پھر دوسرے طہر میں دوسری صریح طلاق دے، پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے، چونکہ اس صورت میں صرف دو طلاقوں تک غور وفکر کرنے کا موقع رہتا ہے پھر معاملہ تنگ ہو جاتا ہے اس لئے اس کا نمبر دوسرا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس پر سنت کا اطلاق اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس طریقہ سے طلاق دینا پسندیدہ ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ طریقہ بھی شریعت میں جائز ہے اور ایسا کرنا موجب مؤاخذہ نہیں۔

طلاقِ بدعی: مذکورہ دونوں طریقوں کے علاوہ طلاق دینے کی ہر صورت بدعی (بری) ہے مثلاً: ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کی ہو، یا حیض کی حالت میں طلاق دینا یا ایک سے زیادہ طلاقیں ایک ساتھ دینا بدعی ہے اس لئے کہ جب طہر میں صحبت کی گئی تو احتمال ہے کہ حمل ٹھہر گیا ہو، پس عورت اگلا حیض آنے تک شش وپنج میں رہے گی کہ اسے عدت حیض سے گذارنی ہے یا وضع حمل سے؟ عورت کو اس الجھن سے بچانے کے لئے ایسے طہر میں

صحبت کی ممانعت کردی گئی جس میں طلاق دینی ہے اور حیض میں طلاق دینا اس لئے ممنوع ہے کہ حیض میں عام طور پر عورت میلی کچیلی اور بوسیدہ کپڑوں میں رہتی ہے پس احتمال ہے کہ شوہر نے فطری نفرت کی بناء پر طلاق دی ہو اور پاکی کی حالت میں جب عورت کی طرف میلان ہوتا ہے مرد عورت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے طلاق پر اقدام کرے تو یہ حقیقی اور واقعی ضرورت کی علامت ہے اس لئے طلاق دینے کے لئے طہر کا زمانہ متعین کیا گیا ہے اور حیض کی حالت میں طلاق دینے کی ممانعت کردی ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر حیض میں طلاق دی جائے گی تو عورت کی عدت لمبی ہوجائے گی کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک عدت طہر سے گذرتی ہے اور جس طہر میں طلاق دی گئی ہے وہ طہر عدت میں شمار کیا جاتا ہے، پس یہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے خواہ مخواہ گذارنا پڑے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حیض سے عدت گذرتی ہے مگر یہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے شمار نہیں کیا جاتا اس لئے عدت لمبی ہوجائے گی۔

اور ایک طہر میں تین طلاقیں دینا، یا ایک مجلس میں یا ایک لفظ میں تین طلاقیں دینا بھی طلاق بدعی ہے، چونکہ اس صورت میں معاملہ تنگ ہوجاتا ہے اور عدت کے اندر اور عدت کے بعد تدارک کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی اور کبھی کف افسوس ملنے کی نوبت آتی ہے اس لئے اس طرح سے طلاق دینا ناپسندیدہ ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک من حیث الوقت طلاق بدعی ہوتی ہے، من حیث العدد نہیں ہوتی، ان کے نزدیک ایک سے زیادہ طلاقیں ایک ساتھ دینا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

حدیث: یونس بن جبیر کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی کو طلاق دے درانحالیکہ وہ حائضہ ہو، آپؓ نے فرمایا: کیا تو عبداللہ بن عمرؓ کو جانتا ہے؟ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی درانحالیکہ وہ حائضہ تھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے ابن عمرؓ کو رجوع کرنے کا حکم دیا، یونس کہتے ہیں: میں نے پوچھا: کیا وہ طلاق (جو حیض میں دی گئی) شمار ہوگی؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: تو کیا؟ اگر شوہر عاجز ہوگیا اور اس نے حماقت بھرا کام کیا!

تشریح:

۱- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جوانی میں شادی ہوئی اور بیوی سے بے حد تعلق ہوگیا (جیسا کہ حدیث ۱۱۷۴ میں آرہا ہے) نماز کے لئے جدا ہونا بھی شاق گذرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ بیٹا تباہ ہوگیا، بیوی بے شک محبت کرنے کی چیز ہے، بیوی سے محبت نہیں کرے گا تو کس سے کرے گا؟ مگر بیوی کے پیچھے پاگل ہوجانا عقلمندی کی بات نہیں، اس لئے حضرت عمرؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا، ابن عمرؓ نبی ﷺ کے پاس پہنچے اور آپؐ سے اس کا تذکرہ کیا، کیونکہ صحابہ کے پاس آخری چارہ آپؐ کی ذات تھی، مگر آپؐ نے بھی فرمادیا: أَطِعْ أَبَاكَ:

اپنے والد کا کہنا مانو! اب آخری سہارا بھی جاتا رہا، چنانچہ جب دوسری مرتبہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تو فوراً طلاق دیدی، پھر عرض کیا کہ بیوی اس وقت حالت حیض میں ہے، یہ بات پہلے اس لئے نہیں کہی کہ کہیں ابا اس کو حیلہ خیال نہ کریں، اب حضرت عمرؓ کو فکر دامن گیر ہوئی، وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور ماجرا عرض کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عبداللہ سے کہو: بیوی کو نکاح میں واپس لیلے، پھر اس کو روکے رہے تا آنکہ وہ پاک ہوجائے، پھر اسے دوسرا حیض آئے پھر پاک ہو، پھر اگر اس کی رائے ہو تو پاک ہونے کی حالت میں صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے، یہی وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے (بخاری حدیث ۵۲۵۱ کتاب الطلاق)

اور نبی ﷺ نے بیچ میں ایک طہر چھوڑنے کا حکم ایک مصلحت سے دیا تھا، مسئلہ کی رو سے ایسا کرنا ضروری نہیں، کسی نے حیض میں طلاق دی ہو پھر رجوع کرلیا ہو تو پاک ہونے کے بعد طلاق دے سکتا ہے ایک طہر درمیان میں خالی چھوڑنا ضروری نہیں، اور آپؐ نے یہ حکم تعلقات کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لئے دیا تھا، چنانچہ اس طہر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہوگیا کہ اب تعلق میں اعتدال پیدا ہوگیا ہے اس لئے آپ نے خود ہی طلاق دینے سے منع کردیا اور وہ بیوی ابن عمرؓ کے نکاح میں باقی رہی، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انتہائی محبت کے باوجود طلاق دی تو اس کا ردعمل ہوا، جیسے انتہائی ٹھنڈے پانی پر گرم پانی پڑتا ہے تو اعتدال پیدا ہوجاتا ہے، وہی صورت یہاں بھی پیش آئی۔

۲- عدتیں دو ہیں: ایک: عدت الطلاق ہے، جس کا نام عدت النساء بھی ہے، دوسری: عدت التطلیق ہے یعنی طلاق دینے کا مقررہ وقت۔ عدت التطلیق کا تعلق مرد سے ہے اور عدت الطلاق کا تعلق عورت سے ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) میں عدتِ الطلاق کا ذکر ہے۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قروء سے مراد حیض ہے، اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک طہر مراد ہے۔ اور عدت التطلیق کا ذکر سورۃ الطلاق کی پہلی آیت میں ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ اے پیغمبر! جب آپ لوگ عورتوں کو طلاق دیں تو ان کو ان کی عدت میں طلاق دیں یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دیں، یہ عدت التطلیق ہے، اور آپ لوگ عدت کو شمار کریں، یہ عدت النساء ہے۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ طلاق طہر میں دی جائے گی، حیض میں طلاق دینا گناہ ہے، اور قروء کے معنی کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قروء کے معنی طہر کے ہیں، عورت عدت طہر سے گذارے گی، اور جس طہر میں طلاق دی ہے وہ طہر عدت میں شمار ہوگا، خواہ طہر کے بالکل آخر میں طلاق دی ہو۔ اور امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قروء کے معنی حیض کے ہیں، اور ثمرۂ اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ تیسرا حیض عدت میں داخل ہے یا خارج؟ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک عدت سے خارج ہے اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک داخل ہے۔

اور جو ائمہ قروء کے معنی طہر کے لیتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں بالاجماع عدت

سے طہر مراد ہے پس ﴿وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ میں بھی وہی مراد ہوگا۔ اور جب یہاں دونوں جگہ طہر مراد ہے تو قروء کے معنی طہر کے متعین ہوگئے۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: عدتیں دو ہیں: عدت الطلاق اور عدت التطلیق، اول کا تعلق عورت سے ہے اور ثانی کا تعلق مرد سے۔ اور ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ اور ﴿وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ میں عدت النساء (عدت الطلاق) مراد ہے، اور ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں عدت التطلیق مراد ہے، اور دلیل یہ حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فتلك العدةُ التی أمَرَ اللّٰهُ أن تُطلَّقَ لها النساء: یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے (بخاری حدیث ۵۲۵۱) اس ارشاد میں نبی ﷺ نے عدت التطلیق کا ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ دونوں جگہ عدت کے ایک معنی نہیں، اور آپؐ نے جو قید بڑھائی ہے کہ اس پاکی میں عورت سے صحبت نہ کی ہو یہ قید بھی ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں داخل ہے، یعنی ایسا ہی طہر طلاق دینے کا وقت ہے۔ غرض دو اماموں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عدت الطلاق اور عدت التطلیق ایک ہیں اور دو اماموں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں۔ یہ قروء کے معنی میں اختلاف کی بنیاد ہے۔

۳- چاروں ائمہ متفق ہیں کہ طلاق بدعی خواہ وہ من حیث الوقت بدعی ہو یا من حیث العدد: واقع ہو جاتی ہے اور ابن تیمیہؒ اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ طلاق بدعی ناجائز ہے، پس وہ کیسے واقع ہوسکتی ہے؟ لہٰذا اگر کوئی شخص حیض کے زمانہ میں طلاق دے تو وہ واقع نہیں ہوگی، یا ایک ساتھ ایک سے زیادہ طلاقیں دے تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ غیر مقلدین نے اسی کو اختیار کیا ہے، باب کی حدیث ائمہ اربعہ کا مستدل ہے اس لئے کہ اس میں حیض میں دی گئی طلاق میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، ظاہر ہے رجوع طلاق کے وقوع کے بعد ہی ہوتا ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک حیض میں طلاق واقع ہوگی اور محسوب ہوگی اور شوہر آئندہ صرف دو طلاق کا مالک رہے گا۔ اور ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک حیض کی طلاق باطل ہے پس شوہر بدستور تین طلاق کا مالک رہے گا۔

۴- فمَه؟ کی اصل فَما؟ ہے اس میں ما استفہامیہ ہے اور ہ سکتہ کی ہے جو الف کے عوض میں ہے أی فما یکون إن لم یُحْتَسَبْ؟ حیض میں دی ہوئی طلاق کیا ہوگی اگر شمار نہیں ہوگی؟ اگر شوہر صحیح طریقہ پر طلاق دینے سے عاجز ہوگیا اور اس نے بحالت حیض طلاق دے کر حماقت کا کام کیا تو یہ بات طلاق کے وقوع سے مانع نہیں بن سکتی، طلاق یقیناً واقع ہوجائے گی، اور جب طلاق واقع ہوگئی تو وہ محسوب بھی ہوگی۔

اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں: مَهْ اسم فعل ہے اس کے معنی ہیں: کُفَّ، دور ہو! اگر شوہر درماندہ ہوگیا اور اس نے حماقت بھرا کام کیا تو کیا شریعت بھی اس کی موافقت کرے گی؟ اور اس نے جو گناہ کا کام کیا ہے اس کو نافذ کرے گی؟ مگر مسلم شریف کی روایت سے جمہور کی تائید ہوتی ہے، خود ابن عمرؓ فرماتے ہیں: قال ابن عمر: فراجعتُها وحَسِبْتُ لها التطليقةَ التی طلقتُها (مسلم ۱: ۴۷۵ باب تحریم طلاق الحائض إلخ) یعنی میں نے بیوی کو نکاح

میں واپس لے لیا اور میں نے اس طلاق کو شمار کیا جو میں نے اس کو دی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الطلاق واللعان

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في طلاقِ السُّنَّةِ

[۱۱۵۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، نا حَمَّادُ بنَ زَيْدٍ، عن أَيُّوْبَ، عن مُحَمَّدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عن يُوْنُسَ بنِ جُبَيْرٍ، قالَ: سَأَلْتُ ابنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَقَالَ: هَلْ تَعْرِفُ عَبْدَ اللّهِ بنَ عُمَرَ؟ فَإِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَسَأَلَ عُمَرُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا، قالَ: قُلْتُ: فَيُعْتَدُّ بِتِلْكَ التَّطْلِيْقَةِ؟ قالَ: فَمَهْ، أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ؟!

[۱۱۵۹-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيْعٌ، عن سُفْيَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ؛ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي الْحَيْضِ، فَسَأَلَ عُمَرُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فقالَ: "مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا"

حَدِيْثُ يُوْنُسَ بنِ جُبَيْرٍ، عنِ ابنِ عُمَرَ، حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وكَذٰلِكَ حديثُ سَالِمٍ عن ابنِ عُمَرَ. وقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم. وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ طَلَاقَ السُّنَّةِ: أَنْ يُطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ.

وقالَ بَعْضُهُمْ: إِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهِيَ طَاهِرٌ، فَإِنَّهُ يَكُوْنُ لِلسُّنَّةِ أَيْضًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَايَكُوْنُ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ، إِلَّا أَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وإسحاق.

وَقَالُوْا فِيْ طَلَاقِ الْحَامِلِ: يُطَلِّقُهَا مَتَى شَاءَ، وَهُوَ قَوْلُ الشافعيِّ وأحمدَ وإسحاق.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُطَلِّقُهَا عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ تَطْلِيْقَةً.

ترجمہ: یونس کی حدیث (نمبر ۱۱۵۸) اور اسی طرح سالم کی حدیث (نمبر ۱۱۵۹) دونوں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں اور اس حدیث کی دیگر سندیں بھی ہیں، اور اس پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے کہ طلاق سنت یہ ہے کہ آدمی عورت کو پاک

ہونے کی حالت میں طلاق دے، صحبت کئے بغیر یعنی حالت حیض میں یا پاکی میں صحبت کر کے طلاق دینا شرعی طریقہ نہیں۔اور بعض علماء کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے تین طلاقیں دیں درانحالیکہ عورت پاک ہے تو یہ بھی طلاق سنت ہے یعنی طلاق من حیث العدد بدعی نہیں ہوتی، اور یہ شافعی اور احمد کا قول ہے۔اور بعض علماء کہتے ہیں: تین طلاقیں دینا سنت نہیں، صرف ایک ہی طلاق دینا اسلامی طریقہ ہے (یعنی طلاق سنت یہ ہے کہ ایک طہر میں صرف ایک طلاق دے پھر دوسری دوسرے طہر میں اور تیسری تیسرے طہر میں، اور یہ احناف کا مذہب ہے اور ایک طہر میں تینوں طلاقیں دینا خواہ متفرق دے یا مجتمع: طلاق بدعی ہے، اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ بھی طلاق سنت ہے) اور یہ سفیان ثوریؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے۔اور حاملہ کو طلاق دینے کے بارے میں علماء نے کہا: اس کو طلاق دے: جب چاہے اور بعض علماء کہتے ہیں: ہر مہینے ایک طلاق دے (یہ احناف کا قول ہے)

فائدہ: حاملہ کو صحبت کرنے کے بعد بھی طلاق دے سکتے ہیں اور یہ مسئلہ اجماعی ہے اس لئے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل متعین ہے اور حاملہ کو طلاق احسن دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے پھر کوئی طلاق نہ دے بلکہ عدت گذر جانے دے، اور طلاق حسن کا طریقہ یہ ہے کہ تین ماہ میں تین طلاقیں دے، ہر ماہ ایک طلاق دے، حاملہ کو بھی ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا خواہ متفرق دے یا مجتمع حنفیہ کے نزدیک بدعی ہے، اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک یہ بھی طلاق سنت ہے ـــــ اور غیر مدخول بہا کو حالت حیض میں طلاق دینا بھی جائز ہے کیونکہ اس پر عدت واجب نہیں۔

بابُ ماجاء فی الرَّجُلِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ

اگر کوئی بیوی کو لفظ اَلْبَتَّۃَ سے طلاق دے تو کیا حکم ہے؟

بَتَّ (ن،ض) بَتًّا کے معنی ہیں: کاٹنا، اسی سے البتۃ ہے۔بَتٌّ (مصدر) کے آخر میں ۃ وصفی بڑھائی ہے اور شروع میں ال تعریف کا بڑھایا ہے۔ یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے، مگر اردو میں اس کے معنی ہیں: بیشک، ضرور، بالیقین۔ اور عربی میں اس کے معنی ہیں: کاٹا ہوا یعنی ایسی طلاق جو بیوی کو شوہر سے کاٹ دے، جدا کر دے۔

مذاہبِ فقہاء: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: أَنْتِ الْبَتَّـةُ تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اگر طلاق کی نیت ہے یا حالت غضب یا مذاکرۂ طلاق میں کہا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی، کیونکہ یہ کنائی لفظ ہے، پھر اگر ایک کی نیت ہے تو ایک، اور تین کی نیت ہے تو تین واقع ہونگی اور دو کی نیت ہے تو ایک ہی واقع ہوگی، اس لئے کہ کنائی الفاظ میں فرد حقیقی (ایک) یا فرد حکمی (تین) کی نیت کی جاسکتی ہے اور دو عدد محض ہے، اس لئے اس کی نیت صحیح نہیں، البتہ اگر بیوی باندی ہو تو دو کی نیت صحیح ہے، کیونکہ دو اس کے حق میں فرد حکمی ہیں اور طلاق بائن میں رجوع نہیں ہوسکتا، نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح کرنا ضروری ہے۔اور تین کی نیت ہے تو حلالہ بھی ضروری ہے۔اور امام

شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ البتۃ سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور دو کی نیت بھی صحیح ہے، یعنی اگر شوہر دو طلاق کی نیت کرے تو دو طلاق رجعی واقع ہونگی اور عدت کے اندر رجوع صحیح ہوگا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر یہ لفظ مدخول بہا سے کہا ہے تو تین طلاقیں واقع ہونگی اگرچہ نیت نہ کی ہو۔

حدیث: حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ (جو عرب کے مشہور پہلوان تھے اور جن کی آنحضرت ﷺ سے مکی دور میں کشتی ہوئی تھی) فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی ہے، نبی ﷺ نے پوچھا: تمہاری کیا نیت تھی؟ میں نے عرض کیا: ایک طلاق دینے کی نیت تھی؟ آپؐ نے فرمایا: واللہ! یعنی اللہ کی قسم کھاتے ہو؟ میں نے کہا: واللہ! یعنی میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں! آپؐ نے فرمایا: جو تم نے نیت کی اسی کا اعتبار ہے، یعنی نبی ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جو ابو داؤد (حدیث ۲۱۹۶) اور مسند احمد (۱:۲۶۵ مسند ابن عباس) میں ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے تین طلاقیں دی تھیں اور آنحضور ﷺ نے ان کو ایک قرار دیا تھا۔ غیر مقلدین اس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک واقع ہوتی ہیں، مگر تمام محدثین نے ترمذی کی روایت کو اصل قرار دیا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت کو روایت بالمعنی قرار دیا ہے یعنی حضرت رکانہؓ نے تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ ایسا لفظ استعمال کیا تھا جس میں تین طلاق کا احتمال تھا، اس لئے راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے إن ركانةَ طَلَّقَ امرأته ثلاثا کہہ دیا، چنانچہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: البتۃ والی روایت اصح ہے، کیونکہ وہ حضرت رکانہ کے اہل خاندان سے مروی ہے اور گھر والے گھر میں پیش آنے والے معاملات کو بہتر جانتے ہیں (ابوداؤد باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث) حافظ رحمہ اللہ نے التلخيص الحبير میں طَلَّقَ ثَلاثًا والی حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے: هو معلول أيضاً (ص:۳۱۹) یعنی اس میں پوشیدہ خرابی ہے۔ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کو داؤد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رہی وہ روایت جس کو مخالفین روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں اور حضور ﷺ نے ان کو ایک قرار دیا تھا یہ روایت ضعیف ہے، مجہول راویوں سے مروی ہے اور حضرت رکانہ کی طلاق کے سلسلہ میں صحیح روایت وہی ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ انھوں نے لفظ البتۃ سے طلاق دی تھی اور لفظ البتۃ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ضعیف روایت کے راوی نے یہ سمجھا ہو کہ لفظ البتۃ کا مقتضی تین طلاقیں ہیں، پس اس نے روایت بالمعنی کردی کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دیں، اور راوی نے اس کو سمجھنے میں اور روایت بالمعنی کرنے میں غلطی کی (نووی شرح مسلم ۱:۴۷۸) علاوہ ازیں طلق ثلاثا والی روایات میں اضطراب ہے، کیونکہ مسند احمد کی روایت میں طلاق دینے والا کا نام رکانہ آیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ابو رکانہ ہے جب کہ البتۃ والی روایت اس

اضطراب سے خالی ہے اوراس میں صاحب واقعہ متعین طور پر حضرت رکانہ کو قرار دیا گیا ہے۔ غرض غیر مقلدین اپنے دعوی کے ثبوت میں جو حدیث پیش کرتے ہیں: کسی محدث نے اس کی تصحیح وتحسین نہیں کی، بلکہ اس کی تضعیف کی ہے اوراس کو حد درجہ کمزور قرار دیا ہے۔

غیرمقلدین کی دوسری دلیل: ابن عباسؓ ہی کی ایک موقوف حدیث ہے جو مسلم (۱: ۴۷۷ باب طلاق الثلاث) میں ہے: ابوالصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کی ابتداء میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں معلوم ہے، لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں کو نافذ کر دیا۔

اس روایت کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: یہ حدیث غیر مدخولہ کے بارے میں ہے عام نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤد (حدیث ۲۱۹۹) میں اس کی صراحت ہے اوراس کی تفصیل یہ ہے کہ شروع میں لوگ غیر مدخولہ کو الگ الگ لفظوں میں اس طرح طلاق دیتے تھے: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، اوراس طرح طلاق دینے کی صورت میں غیر مدخولہ پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو کر نکاح سے نکل جاتی ہے، اوراس پر عدت لازم نہیں ہوتی، اس لئے دوسری اور تیسری طلاق لغو ہو جاتی ہے، کیونکہ بیوی طلاق کا محل ہی نہیں رہتی، چنانچہ کہا گیا کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، بعد میں لوگوں نے جلد بازی شروع کی اور غیر مدخولہ کو بھی ایک ساتھ ایک لفظ میں تین طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہونگی، اور مسئلہ بھی یہی ہے، اگر غیر مدخولہ کو ایک لفظ میں تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہونگی اور وہ مغلظہ ہو جائے گی۔

دوسرا جواب: حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں عموماً لوگوں کی نیت أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق سے تاکید کی ہوتی تھی، تأسیس کی نیت نہیں ہوتی تھی، اوراس زمانہ میں لوگوں میں خوف آخرت اور خوفِ خدا کا غلبہ تھا، دنیا کی خاطر دروغ بیانی کا خطرہ نہیں تھا، اس بناء پر ان کی بات پر اعتماد کر کے ایک طلاق کا حکم دیا جاتا تھا، چنانچہ حدیث میں کہا گیا کہ اس زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، مگر جیسے جیسے عہدِ نبوی سے بُعد ہوتا گیا اور تقوی اور خوفِ آخرت کا معیار کم ہونے لگا اور پہلی جیسی سچائی، امانت داری اور دیانت داری باقی نہ رہی اور بیوی کی خاطر دروغ بیانی ہونے لگی تو قضاءً حکم بدل گیا۔ موطا مالک (ص: ۲۰۰ باب ماجاء فی الخلیة والبریة إلخ) میں واقعہ ہے کہ ایک عراقی اپنی بیوی کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جھوٹی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا، مگر حرم شریف کی عظمت وتقدس کا لحاظ کر کے اس نے کذب بیانی سے احتراز کیا، فاروق اعظمؓ نے جب یہ حالت دیکھی اور یہ محسوس فرمایا کہ دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اس لئے

اگرلوگوں کے بیانات کوقضاءً قبول کرنے کا سلسلہ جاری رہاتو لوگ جھوٹ بول کرحرام کا ارتکاب کریں گے، پس آپؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اعلان کیا کہ اب جو شخص تین مرتبہ طلاق کے الفاظ بولے گا: ہم اسے تین ہی قرار دیں گے، تمام صحابہ نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا، کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہیں کی، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی ایک صحابی سے بھی یہ منقول نہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا ہو، اور اس قدر بات اجماع کے لئے کافی ہے (حاشیہ ابوداؤد ا:۳۰۶، نووی شرح مسلم ا:۴۷۸) اور صحابہ کرام اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے، یہاں تک کہ خود ابن عباسؓ جن کی مذکورہ روایت پر غیر مقلدین کو ناز ہے، امام ابوداؤد نے ان کا یہ واقعہ اپنی سنن میں نقل کیا ہے: مجاہد فرماتے ہیں: میں ابن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ وہ اپنی بیوی کو یکبارگی تین طلاقیں دے کر آیا ہے، ابن عباسؓ چپ رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دیں گے، پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ابن عباس! ابن عباس! بیشک خدا نے فرمایا ہے: جو خدا سے ڈرتا ہے اس کے لئے چھٹکارے کی راہ ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لئے تیرے واسطے کوئی مَخْلَص (چھٹکارے کی راہ) نہیں، تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی، اس واقعہ کو نقل کر کے امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جن حضرات نے ابن عباس سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ابن عباسؓ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا'' (ابوداؤد حدیث ۲۱۹۷) غرض عہد رسالت اور عہدِ صدیقی میں نیت تاکید کو قضاءً بھی قبول کرلیا جاتا تھا لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے اس کو قضاء قبول کرنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ختم فرمادیا، ہاں دیانۃً یہ نیت آج بھی معتبر ہے، درمختار میں اس کی صراحت ہے، غرض ابن عباسؓ کی حدیث کا یہی مطلب ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے خود تین طلاقوں کے نفاذ کا فتوی دیا ہے اور یہ دوسرا جواب میرے نزدیک اصح ہے۔

ملحوظہ: لفظ البتۃ سے طلاق بائن پڑے گی یا رجعی؟ اسی طرح اس لفظ سے دو طلاقوں کی نیت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ دونوں مسئلے اجتہادی ہیں اور مختلف فیہ ہیں، حدیث میں منصوص (مصرح) نہیں ہیں۔

[٢-] باب ماجاء فى الرَّجُلِ طَلَّقَ امرَأتَهُ الْبَتَّةَ

[١١٦٠-] حدثنا هَنَّادٌ، نَا قَبِيْصَةُ، عَنْ جَرِيْرِ بنِ حَازِمٍ، عنِ الزُّبَيْرِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ يَزِيْدَ بنِ رُكَانَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: أَتَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ طَلَّقْتُ امرَأَتِيَ الْبَتَّةَ، فَقَالَ: "مَا أَرَدْتَ بِهَا؟" قُلْتُ: وَاحِدَةً، قَالَ: "وَاللهِ؟" قُلْتُ: وَاللهِ! قَالَ:

"فَهُوَ مَا أَرَدْتَ"، هٰذَا حديثٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ طَلَاقِ الْبَتَّةَ: فَرُوِىَ عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ جَعَلَ الْبَتَّةَ وَاحِدَةً، وَرُوِىَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ جَعَلَهَا ثَلَاثًا.

وَقَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: فِيْهِ نِيَّةُ الرَّجُلِ: إِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ، وإِنْ نَوَى ثِنْتَيْنِ لَمْ تَكُنْ إِلَّا وَاحِدَةً، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

وَقَالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ فِي الْبَتَّةِ: إِنْ كَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا فَهِيَ ثَلَاثُ تَطْلِيْقَاتٍ.

وقَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ، يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ، وَإِنْ نَوَى ثِنْتَيْنِ فَثِنْتَيْنِ، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ.

ترجمہ: صحابہ وغیرہ اہل علم کا طلاق البتۃ کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے البتۃ کو ایک قرار دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس کو تین قرار دیا (ان دونوں قولوں میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جو واقعہ آیا ہوگا اس میں شوہر نے یہ بیان دیا ہوگا کہ اس کی ایک طلاق دینے کی نیت تھی، پس حضرت عمرؓ نے ایک طلاق کا فیصلہ کیا اور حضرت علیؓ سے شوہر نے تین طلاق کی نیت کی بات کہی ہوگی پس انھوں نے تین طلاق کا فیصلہ کیا) اور بعض اہل علم کہتے ہیں: اس میں آدمی کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک کی نیت ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور تین کی نیت ہے تو تین ہونگی، اور اگر دو کی نیت ہے تو ایک ہی ہوگی اور یہ سفیان ثوری اور کوفہ والوں کا قول ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ طلاق البتۃ کے بارے میں فرماتے ہیں: اگر وہ عورت جس کو لفظ البتۃ سے طلاق دی گئی ہے مدخول بہا ہے تو تین طلاقیں واقع ہونگی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ایک کی نیت ہے تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوگا، اور دو کی نیت ہے تو دو اور تین کی نیت ہے تو تین طلاقیں پڑیں گی۔

بابُ ماجاءَ فی أَمْرُكِ بِيَدِكِ

تفویضِ طلاق یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں کہنے کا حکم

یہ دو باب ہیں، ان میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: أَمْرُكِ بيدكِ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں) یا کہے: اخْتَارِیْ نَفْسَكِ (اختیار کر تو تیری ذات کو) یا کہے: أنتِ طالق إن شِئْتِ (اگر تو چاہے تو تجھے طلاق) اور عورت شوہر کو اختیار کرے اور اپنے اوپر کوئی طلاق واقع نہ کرے تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ

یہ الفاظِ تفویض ہیں، الفاظِ تطلیق نہیں، اور اگر عورت اپنے نفس کو اختیار کرے یعنی علحدہ ہونے کا فیصلہ کرے تو حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: القضاءُ ما قَضَتْ: عورت جو فیصلہ کرے وہی معتبر ہے یعنی وہ جتنی اور جیسی طلاق واقع کرے وہی واقع ہوگی۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں، اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں: اگر تفویضِ طلاق کی وجہ سے عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کیں پھر مرد یہ دعوی کرے کہ اس کی نیت ایک طلاق کی تھی تو اس سے قسم لی جائے گی، اگر وہ قسم کھالے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی، یعنی شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا، اسحاق بن راہویہ اس کی طرف گئے ہیں۔

حدیث: حماد بن زیدؒ کہتے ہیں: میں نے ایوب سختیانی رحمہ اللہ سے پوچھا: کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو أمرُكِ بيدكِ میں تین طلاق کا قائل ہو، سوائے حسن بصری کے؟ یعنی حسن بصری تو اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص أمرك بيدك کے ذریعہ تفویضِ طلاق کرے اور بیوی اپنے نفس کو اختیار کرے یعنی شوہر سے علحدہ ہونے کا فیصلہ کرے تو تین طلاقیں واقع ہونگی، مگر ان کے علاوہ کوئی اور یہ بات کہتا ہے؟ ایوب سختیانی نے فرمایا: نہیں! مگر حسن، یعنی حسن بصری کے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہو یہ بات میرے علم میں نہیں ہے، پھر ان کو ایک حدیث یاد آئی، پس انھوں نے فرمایا: اللہ معاف کرے! اس مسئلہ میں حدیث ہے، پھر انھوں نے قتادہ، عن كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم کی سند سے یہ حدیث سنائی کہ مذکورہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہونگی۔

ایوب سختیانی کہتے ہیں: پھر میری ملاقات کثیر سے ہوئی، میں نے ان سے یہ حدیث پوچھی تو انھوں نے انکار کیا اور اس حدیث کو نہیں جانا۔ پھر میں نے یہ بات اپنے استاذ قتادہ سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: مجھ سے یہ حدیث کثیر نے بیان کی ہے مگر وہ اسے بھول گئے (۱)

---

(۱) راوی کا کسی حدیث کے متعلق انکار کرنا کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں کی: دو طرح کا ہوتا ہے، جزم ویقین کے ساتھ اور شک واحتمال کے ساتھ:

جزماً انکار: یہ ہے کہ حدیث جس شیخ سے روایت کی جارہی ہے وہ شیخ اس سے قطعی طور پر منکر ہو، مثلاً کہتا ہے: ''یہ مجھ پر جھوٹ ہے'' یا کہتا ہے کہ: ''میں نے یہ روایت بیان نہیں کی'' ایسی صورت میں وہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ استاذ اور شاگرد میں سے کوئی ایک لاعلی التعیین بالیقین جھوٹا ہے اور جھوٹے کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

اور احتمالی انکار: یہ ہے کہ شیخ کہے: ''مجھے یہ حدیث یاد نہیں'' یا کہے کہ: ''میں یہ حدیث نہیں جانتا'' ایسی صورت میں اصح مذہب یہ ہے کہ حدیث مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، کیونکہ جب راوی ثقہ ہے تو قوی احتمال یہی ہے کہ شیخ نے بالیقین روایت بیان کی ہوگی مگر وہ بھول گئے۔

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، سلیمان بن حرب سے اوپر اس کی یہی ایک سند ہے اور یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے، نبی ﷺ کا ارشاد نہیں ہے یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے استاذ علی بن نصر ثقہ اور حافظ حدیث تھے اور انھوں نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

[٣-] باب ماجاء في أمرُكِ بيدِكِ

[١١٦١-] حدثنا عَلِيُّ بنُ نَصرِ بنِ عَلِيّ، نَا سُلَيْمَانُ بنُ حَرْبٍ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَيُّوبَ: هَلْ عَلِمتَ أَنَّ أَحَدًا قَالَ فِيْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ: أَنَّهَا ثَلَاثٌ إِلَّا الْحَسَنَ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا الْحَسَنَ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ غَفْرًا! إِلَّا مَاحَدَّثَنِيْ قَتَادَةُ، عَنْ كَثِيْرٍ مَوْلَى بَنِي سَمُرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ هريرة، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال: "ثَلَاثٌ" قالَ أَيُّوبُ: فَلَقِيْتُ كَثِيْرًا مَوْلَى بَنِيْ سَمُرَةَ، فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ، فَرَجَعْتُ إِلَى قَتَادَةَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: نَسِيَ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بنِ حَرْبٍ، عَنْ حَمَّادِ بنِ زَيْدٍ، وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، فَقَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بنُ حَرْبٍ، عَنْ حَمَّادِ بنِ زَيْدٍ بِهٰذَا، وَإِنَّمَا هُوَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَوْقُوْفٌ، وَلَمْ يَعْرِفْ حديثَ أَبِيْ هُريرةَ مَرْفُوْعًا، وَكَانَ عَلِيُّ بنُ نَصْرٍ حَافِظاً صَاحِبَ حَدِيْثٍ.

وَقَد اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ، فَقَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ مَسْعُوْدٍ: هِيَ وَاحِدَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ.

وَقَالَ عُثْمَانُ بنُ عَفَّانَ وَزَيْدُ بنُ ثَابِتٍ: الْقَضَاءُ مَا قَضَتْ.

وقالَ ابنُ عُمَرَ: إِذَا جعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا، وَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا، وَأَنْكَرَ الزَّوْجُ، وَقَالَ: لَمْ أَجْعَلْ أَمْرَهَا بِيَدِهَا إِلَّا فِيْ وَاحِدَةٍ: اسْتُحْلِفَ الزَّوْجُ، وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ مَعَ يَمِيْنِهِ.

وَذَهَبَ سُفْيَانُ وَأَهْلُ الْكُوْفَةِ إِلَى قَوْلِ عُمَرَ وعَبْدِ اللّٰهِ، وأَمَّا مَالِكُ ابنُ أَنَسٍ فَقَالَ: الْقَضَاءُ مَاقَضَتْ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَأَمَّا إِسْحَاقُ فَذَهَبَ إِلَى قَوْلِ ابنِ عُمَرَ.

ترجمہ: علماء کا أمرك بيدك میں اختلاف ہے، بعض اہل علم کہتے ہیں صحابہ میں سے، جن میں حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں کہ اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور یہ تابعین اور ان کے بعد کے متعدد اہل علم کا قول ہے۔ اور حضرت عثمان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فیصلہ وہ ہے جو عورت کرے، یعنی عورت جتنی

طلاقیں واقع کرے، واقع ہونگی (یہ حضرت زید کی ایک روایت ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، موطا محمد ص:۲۵۸) اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں: جب شوہر نے طلاق کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیدیا اور عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کیں اور شوہر انکار کرے اور کہے: میں نے اس کو صرف ایک طلاق کا اختیار دیا ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی، اور شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے قول کی طرف گئے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت جو فیصلہ کرے وہی معتبر ہے اور یہی امام احمدؒ کا قول ہے اور اسحاق بن راہویہ ابن عمر کے قول کی طرف گئے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الخِیَارِ

طلاق کا اختیار دینے کا حکم

اگر شوہر: عورت کو جدائی (طلاق) کا اختیار دے اور عورت شوہر کو اختیار کرے تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، نبی ﷺ نے اپنی تمام بیویوں سے ایک مہینے کے لئے ایلاء کیا تھا، یعنی ایک مہینہ کے لئے سب بیویوں سے علحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی، جبکہ انھوں نے خرچہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تھا، جب مہینہ پورا ہوا تو سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع جس میں سات آیتیں ہیں نازل ہوا، اور نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دیں کہ وہ یا تو جس حال میں آپؐ ان کو رکھیں راضی رہیں اور اگر خوش عیشی چاہیں تو طلاق لے لیں اور جہاں چاہیں جائیں، چنانچہ آپؐ نے تمام ازواج کو اختیار دیا اور سب نے حضور اقدس ﷺ کو اختیار کیا اور سب نے معافی مانگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا پس ہم نے آپؐ کو اختیار کیا تو کیا وہ طلاق ہوئی؟'' اس میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے یعنی آپؐ کو اختیار کرنے کی وجہ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، اور اگر عورت اپنے نفس کو اختیار کرے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اسی کے قائل ہیں، اور ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ہوگی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر عورت اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور شوہر کو اختیار کرے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر عورت شوہر کو اختیار کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اپنے نفس کو اختیار کرے تو تین طلاقیں واقع ہونگی۔

فائدہ: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک أمرُكِ بيدكِ میں شوہر کا تین کی نیت کرنا صحیح ہے اور اختاری نفسك میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور تین کی نیت غیر معتبر ہے اور احد الزوجین کے کلام میں لفظ نفس کا ہونا ضروری ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں طلاق رجعی ہوگی اور شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اور دو کی

نیت بھی صحیح ہوگی (اوجز المسالک ۱۰: ۶۵ بدائع الصنائع ۳: ۱۸۷)

[٤-] باب ماجاء في الخيار

[١١٦٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا سُفْيَانُ، عن إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَيَّرَنَا رَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَاخْتَرْنَاهُ، أَفَكَانَ طَلَاقًا؟

حدثنا بُنْدَارٌ، نا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عن أَبِيْ الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِمِثْلِهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

واختَلَفَ أهلُ الْعِلْمِ فِيْ الخِيَارِ: فَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: إِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَوَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ، وَرُوِيَ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا قَالَا أَيْضًا: وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ، وَإِنِ اخْتَارَ زَوْجَها فَلَاشَيْئَ.

وَرُوِيَ عن عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ: إِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَوَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ، وإِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَوَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ.

وَقَالَ زَيْدُ بنُ ثَابِتٍ: إِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَوَاحِدَةٌ، وإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَثَلَاثٌ.

وَذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِيْ هٰذَا الْبَابِ إِلَى قَوْلِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللّٰهِ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، وَأَمَّا أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ فَذَهَبَ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ.

ترجمہ: علماء کا خیار میں اختلاف ہے حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان دونوں نے فرمایا: اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی اور ان دونوں سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایک طلاق واقع ہوگی اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا، یعنی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو اختیار کرے تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر اپنے شوہر کو اختیار کیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر اپنے شوہر کو اختیار کیا تو ایک طلاق اور اپنے نفس کو اختیار کیا تو تین طلاقیں واقع ہونگی، اور صحابہ اور بعد کے اکثر علماء اور فقہاء اس باب میں حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف گئے ہیں، اور سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اہل کوفہ اسی کے قائل ہیں، رہے امام احمد رحمہ اللہ تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف گئے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی المُطَلَّقَةِ ثَلاثًا: لَاسُکْنٰی لَهَا وَلَانَفَقَةَ

مطلقہ ثلاثہ کے لئے نہ سکنی ہے نہ نفقہ

مذاہبِ فقہاء: مبتوتہ حائلہ کے لئے نفقہ اور سکنی ہے یا نہیں؟ —— مبتوتہ: کے معنی ہیں: کاٹی ہوئی، یعنی وہ عورت جس کو ایک یا دو طلاق بائنہ دی گئی ہوں اور جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ تو مبتوتہ ہے ہی! اور الحائلة: کے معنی ہیں: غیر حاملہ، تمام ائمہ متفق ہیں کہ مطلقہ رجعیہ کو نفقہ بھی ملے گا اور سکنی بھی، نیز مبتوتہ حاملہ کو بھی دونوں چیزیں ملیں گی، البتہ مبتوتہ حائلہ کے بارے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اسے بھی نفقہ اور سکنی دونوں ملیں گے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اسے نہ نفقہ ملے گا نہ سکنی، اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صرف سکنی ملے گا نفقہ نہیں ملے گا۔

اس مسئلہ میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جو تفصیل سے ابواب النکاح باب ۳۶ میں گذر چکی ہے۔ ان کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں، وہ فرماتی ہیں: مجھے نبی ﷺ نے نہ نفقہ دلوایا نہ سکنی۔ امام احمدؒ نے اسی حدیث کو لیا ہے، وہ عدم نفقہ اور عدم سکنی کے قائل ہیں، اور حنفیہ نے اس حدیث کو نہیں لیا اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے سکنی والے جزء کو نہیں لیا اور نفقہ والے جز کو لیا، سکنی والا جز اس لئے نہیں لیا کہ قرآنِ مجید کی آیت اس کے معارض ہے، سورۃ الطلاق آیت ٦ میں ہے: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾: رہنے دو تم ان کو جہاں تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے موافق، یعنی مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے (اس کو سکنی کہتے ہیں) یہ آیت عام ہے، رجعیہ، مبتوتہ حائلہ اور حاملہ سب کو شامل ہے، پس ہر عورت کو سکنی ملے گا، اور نفقہ کے سلسلہ میں کوئی آیت معارض نہیں، اس لئے اس جزء کو لیا اور نفقہ واجب نہ ہونے کی بات کہی، حنفیہ کہتے ہیں کہ اسی آیت سے نفقہ کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ نفقہ جزائے احتباس ہے، جب قرآن سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورت شوہر کے گھر میں عدت گذارے گی تو احتباس کے تقاضہ سے نفقہ خود بخود ثابت ہوجائے گا اس لئے کہ نفقہ جزاء احتباس ہے۔ اور رہی حدیث تو حضرت عائشہؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور دوسرے صحابہ وتابعین نے اس کا انکار کیا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اگر فاطمہ یہ حدیث بیان نہ کرتیں تو بہتر ہوتا یعنی انھوں نے یہ حدیث قبول نہیں کی (مسلم ۱: ۴۸۵) اور فاروق اعظمؓ نے فرمایا: ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب کو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے، ہم نہیں جانتے کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا، یہاں تک روایت مسلم (۱: ۴۸۵) میں ہے۔ اور طحاوی میں ہے: حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے خود نبی ﷺ سے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لئے نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی (طحاوی ۲: ۴۰ باب المطلقة طلاقا بائنا إلخ) یہ حدیث ٹھیک ہے

اوراس پر جواعتراض کیا گیا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کا حضرت عمرؓ سے سماع نہیں تو جاننا چاہئے کہ محدثین کے نزدیک ابراہیم نخعی کے مراسیل حجت ہیں، پس حدیث کا یہ آخری جزء بھی حجت ہے۔ علاوہ ازیں فاطمہ بنت قیس کو نفقہ دیا گیا تھا، پیچھے حدیث گذری ہے کہ ان کا شوہر دس قفیز غلّہ رکھ کر سفر میں گیا تھا مگر حضرت فاطمہؓ نے اس مقدار سے زائد کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا، یعنی حضور اقدس ﷺ نے اس سے زائد نفقہ نہیں دلوایا اور سکنی اس لئے نہیں دلوایا کہ وہ سسرال والوں سے سخت کلامی کرتی تھیں، پس آپؐ نے عدت گذارنے کے لئے دوسری جگہ تجویز فرمائی۔ غرض اس واقعہ میں درحقیقت سکنی اور نفقہ دونوں دلوائے گئے ہیں، پس اس سے استدلال درست نہیں۔

حدیث (۱): فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے لئے نہ سکنی ہے نہ نفقہ'' مغیرہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: حضرت عمرؓ نے اس پر یہ فرمایا ہے کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے، ہم کو نہیں معلوم کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی اور حضرت عمرؓ مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی اور نفقہ مقرر کرتے تھے۔

حدیث (۲): شعبیؒ کہتے ہیں: میں فاطمہ بنت قیسؓ کے پاس گیا اور ان سے نبی ﷺ کے اس فیصلہ کے بارے میں پوچھا جو آپؐ نے ان کے واقعہ میں کیا تھا، انھوں نے فرمایا: ان کے شوہر نے ان کو طلاق البتۃ دی تھی، پس انھوں نے شوہر پر سکنی اور نفقہ کے سلسلہ میں مقدمہ کیا (یہ مجاز ہے مدعی علیہ (شوہر) حاضر نہیں تھا سفر میں تھا، مقدمہ درحقیقت شوہر کے چچازاد بھائی پر تھا) پس نبی ﷺ نے ان کے لئے نہ سکنی کا فیصلہ کیا نہ نفقہ کا۔ اور داؤد کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: اور مجھے حکم دیا کہ میں ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گذاروں۔

تشریح: فاطمہ بنت قیسؓ کو ان کے شوہر نے دو طلاقیں یکے بعد دیگرے دی تھیں اور دونوں دفعہ رجوع کر لیا تھا پھر تیسری طلاق دی تھی اس اعتبار سے تین طلاقیں ہوئیں اور لفظ البتۃ میں تین کا احتمال ہے یعنی اس سے تین طلاقیں مراد لی جاسکتی ہیں اس اعتبار سے حضرت فاطمہؓ نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

[۵-] باب ماجاء فی المطلقةِ ثلاثاً: لاسکنی لَهَا وَلَا نَفَقَةَ

[۱۱۶۳-] حدثنا هَنَّادٌ، نَاجَرِيْرٌ، عَنْ مُغِيْرَةَ، عنِ الشَّعْبِيِّ، قال: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ: طَلَّقَنِي زَوْجِيْ ثَلَاثًا عَلَى عَهْدِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَاسُكْنَى لَكِ وَلَانَفَقَةَ" قالَ مُغِيْرَةُ: فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ: قَالَ عُمَرُ: لَانَدَعُ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم لِقَوْلِ امْرَأَةٍ، لَا نَدْرِيْ أَحَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ، وكَانَ عُمَرُ يَجْعَلُ لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةَ.

[١١٦٤-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا هُشَيْمٌ، أَنبَأنَا حُصَيْنٌ، وَإِسمَاعِيلُ، وَمُجَالِدٌ، قَالَ هُشَيْمٌ: وَأَخبَرَنَا دَاوُدُ أَيضًا عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى فَاطِمَةَ ابْنَةِ قَيسٍ فَسَأَلْتُهَا عَنْ قَضَاءِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيهَا، فَقَالَتْ: طَلَّقَهَا زَوْجُهَا الْبَتَّةَ، فَخَاصَمَتْهُ فِي السُّكْنَى وَالنَّفقَةِ، فَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم سُكْنَى وَلاَ نَفَقَةَ. وَفِي حديثِ دَاوُدَ: قَالَتْ: وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُوْمٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَهُوَ قَوْلَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، وَعَطَاءُ بنُ أَبِيْ رَبَاحٍ، وَالشَّعْبِيُّ، وبِهِ يَقُوْلُ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ، وَقَالُوْا: لَيْسَ لِلْمُطَلَّقَةِ سُكْنَى وَلاَنفقة، إِذَا لَمْ يَمْلِكْ زَوْجُهَا الرَّجْعَةَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ عُمَرُ وَعَبْدُ اللّٰهِ: إِنَّ الْمُطَلَّقَةَ ثَلاَثًا: لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: لَهَا السُّكْنَى وَلاَنفقَةَ لَهَا، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَاللَّيْثِ بنِ سَعْدٍ، وَالشَّافِعِيِّ.

وَقَالَ الشَّافعيُّ: إِنَّمَا جَعَلْنَا لَهَا السُّكْنَى بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: ﴿ لاَتُخرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلاَ يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ قَالُوْا: هُوَ الْبَذَاءُ: أَنْ تَبْذُوَ عَلَى أَهْلِهَا، وَاعْتَلَّ بِأَنَّ فَاطِمَةَ ابْنَةَ قَيْسٍ لَمْ يَجْعَلْ لَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم السُّكْنَى: لِمَا كَانَتْ تَبْذُو عَلَى أَهْلِهَا.

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَلاَ نَفَقَةَ لَهَا، لِحَدِيثِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ قِصَّةِ حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ.

ترجمہ: امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں: مطلقہ کے لئے نہ سکنی ہے اور نہ نفقہ جب کہ اس کا شوہر رجوع کا مالک نہ ہو، یعنی مطلقہ رجعیہ کے لئے تو نفقہ اور سکنی ہے، مگر مطلقہ مبتوتہ کے لئے نہیں ہے، اور صحابہ میں سے بعض اہل علم جن میں حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں فرماتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی اور نفقہ ہے، اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی ہے اور نفقہ نہیں، یہ امام مالک، امام لیث بن سعد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ہم نے مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی قرآن کریم کی وجہ سے گردانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نہ نکالو تم ان کو ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ لائیں وہ صریح بے حیائی'' وہ کہتے ہیں: صریح بے حیائی: بدزبانی ہے کہ وہ شوہر کے گھر والوں سے بلا وجہ لڑے جھگڑے، اور انھوں نے بہانہ بنایا (یعنی تاویل کی۔ یہ امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ پر چھینٹا ڈالا) بایں طور

کہ کہا: فاطمہ بنت قیسؓ کے لئے نبی ﷺ نے سکنی اس لئے نہیں گردانا کہ وہ شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدزبانی کرتی تھیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے لئے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی وجہ سے نفقہ نہیں ہے یعنی چونکہ آنحضور ﷺ نے فاطمہ کو نفقہ نہیں دلوایا اور کوئی معارض آیت نہیں اس لئے مطلقہ ثلاثہ کو نفقہ نہیں ملے گا۔

تشریح: فاحشة مبينة: قرآنِ کریم کی اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: نشوز، البذاء (بدزبانی) سے اس کی تفسیر ٹھیک نہیں، اور سکنی کا اصل ثبوت آیت کریمہ: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ﴾ سے ہے۔ اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے لئے عدم سکنی کا فیصلہ بایں وجہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنی سسرال والوں سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ جاننا چاہئے کہ مطلقہ شوہر کے گھر عدت گذارے گی، اور اس کا بے وجہ میکے میں عدت گذارنا بے حیائی ہے اس کی وجہ سے سکنی اور نفقہ کا وجوب مرد کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔

بابُ ماجاءَ لَاطَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ

نکاح سے پہلے طلاق نہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس چیز کا آدمی مالک نہیں اس کی منت نہیں، اور جس غلام کا آدمی مالک نہیں اس کی آزادی نہیں، اور جس عورت کا آدمی مالک نہیں اس کی طلاق نہیں''

تشریح: اگر کوئی شخص کسی چیز کی منت مانے درانحالیکہ وہ اس کا مالک نہیں، یا غیر کے غلام کو آزاد کرے، یا اجنبیہ کو طلاق دے تو یہ منت، عتاق اور طلاق لغو ہیں۔ اسی طرح ان کی تعلیق بھی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک لغو ہے، یعنی ان کے نزدیک یہ حدیث تنجیز (فی الفور) اور تعلیق (آویزاں کرنا) دونوں کو عام ہے، پس اگر کسی نے کہا کہ اگر وہ فلاں عورت سے نکاح کرے تو اسے طلاق، یا فلاں غلام کا مالک ہو یا خریدے تو وہ آزاد: یہ تعلیق لغو ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حدیث تنجیز کے ساتھ خاص ہے، تعلیق اس حدیث کا مصداق نہیں، وہ فرماتے ہیں: اگر شرط وجزاء کے درمیان مناسبت ہو یعنی طلاق وعتاق وغیرہ کی ملک یا سبب ملک کی طرف نسبت کی گئی ہو تو تعلیق معتبر ہے ورنہ نہیں، مثلاً: کہا: إن ملكتُ العبد فهو حرٌ (ملک پر تعلیق کی مثال) إن اشتريت العبد فهو حر (سبب ملک پر تعلیق کی مثال) إن ملكت الحلوى/ إن اشتريت الحلوى فللّٰه عليَّ أَنْ أَتَصدَّقَ به یا کہا: إن تزوجتُ فلانةً فهي طالق. ان سب صورتوں میں تعلیق صحیح ہے۔ اور اگر اجنبیہ سے کہا: إن دخلتِ الدار فأنت طالق تو یہ تعلیق لغو ہے، کیونکہ شرط وجزاء کے درمیان مناسبت نہیں۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت اور غلام وغیرہ کا پوری طرح یا فی الجملہ متعین ہونا ضروری ہے، مثلاً کہا کہ وہ فاطمہ سے/ فلاں علاقہ کی لڑکی سے/ فلاں قبیلہ کی لڑکی سے نکاح کرے تو اسے طلاق: یہ تعلیق صحیح ہے اور اگر کہا: اگر وہ

نکاح کرے تو طلاق: یہ تعلیق لغو ہے، کیونکہ عورت متعین نہیں، نہ پوری طرح، نہ فی الجملہ (کسی درجہ میں) اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شرط وجزاء میں مناسبت کافی ہے تعیین ضروری نہیں، پس مذکورہ مثال میں بھی تعلیق صحیح ہے۔

امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کی پہلی دلیل موطا مالک (ص:۲۰۳ ظهار الحر كتاب الطلاق) کی روایت ہے: قاسم بن محمدؒ سے دریافت کیا گیا: ایک شخص نے کسی عورت کی طلاق کو اس سے نکاح پر معلق کیا تو کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا: ایک شخص نے ایک عورت سے ظہار کو اس سے نکاح پر معلق کیا تھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا کہ اگر وہ اس سے نکاح کرے تو پہلے ظہار کا کفارہ دے پھر صحبت کرے، پس جب ظہار کی تعلیق صحیح ہے تو طلاق کی بھی صحیح ہے۔

دوسری دلیل: امام طحاوی رحمہ اللہ کی مشکل الآثار (۱:۲۸۱) میں یہ روایت ہے کہ ابن شہاب زہریؒ سے کہا گیا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے: ''نکاح سے پہلے طلاق نہیں'' امام زہریؒ نے کہا: کیوں نہیں! معلوم ہے۔ مگر تم نے اس کا وہ مطلب لیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مراد نہیں، صورت یہ تھی کہ ایک شخص پر اصرار کیا جاتا کہ فلاں عورت سے نکاح کر، وہ جان بچانے کے لئے کہتا: میں نے اسے طلاق دی! تو یہ کہنا لغو ہے، مگر جو کہے: إن تزوجتُ فهي طالق تو وہ اس کو فی الحال طلاق نہیں دے رہا، بلکہ نکاح کے بعد دے رہا ہے، پس وہ معتبر ہے۔ غرض امام زہریؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت عام نہیں، اس سے صرف تنجیز مراد ہے۔

فائدہ: تعلیق کے لئے فی الفور مصداق چاہئے یا نہیں؟ یہ اصول فقہ کا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، چھوٹے دو اماموں کے نزدیک ہر کلام کے لئے فی الفور مصداق چاہئے جس پر وہ تعلیق واقع ہو اور چونکہ تعلیقات میں فی الحال کوئی مصداق نہیں ہوتا اس لئے تعلیقات لغو ہیں، کیونکہ کرسی کے بغیر تعلیق کہاں بیٹھے گی؟ اور بڑے دو اماموں کے نزدیک فی الحال مصداق ضروری نہیں، تعلیق اَدّھر (معلّق) رہتی ہے، جب مصداق وجود میں آتا ہے تب وہ اترتی ہے، جیسے کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر کو پیغام بھیجا جائے اور کمپیوٹر بند ہو تو پیغام معلق رہتا ہے، جب کمپیوٹر کھلتا ہے فوراً پیغام اس میں داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح تعلیق بھی لٹکی رہتی ہے، جب مصداق پایا جاتا ہے تب اترتی ہے، اس سے پہلے اس کو کرسی کی ضرورت نہیں، اسی طرح موبائل سے پیغام بھیجنے کا معاملہ ہے، اگر سامنے والا موبائل بند ہو تو پیغام منڈلاتا رہتا ہے، جب بھی وہ موبائل اُون کرے گا پیغام داخل ہو جائے گا، اس طرح یہ تعلیق بھی منڈلاتی رہے گی جب محل پایا جائے گا اتر پڑے گی۔

[٦-] باب ماجاء لاطلاق قبل النكاح

[١١٦٥-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، نَا هُشَيْمٌ، نَا عَامِرٌ الأَحْوَلُ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَنَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيْمَا لاَيَمْلِكُ، وَلاَ عِتْقَ لَهُ

فِيمَا لَايَمْلِكُ، وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَايَمْلِكُ"

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَمُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، وَجَابِرٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ.

حديثُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهُوَ أَحْسَنُ شَيْئٍ رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، رُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، وَالْحَسَنِ، وَسَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، وَعَلِيِّ بنِ الْحُسَيْنِ، وَشُرَيْحٍ، وَجَابِرِ بنِ زَيْدٍ، وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ، وَبِهِ يَقُوْلُ الشَّافِعِيُّ.

وَرُوِيَ عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَنْصُوْبَةِ: أَنَّهَا تُطَلَّقُ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ، وَالشَّعْبِيِّ، وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ العِلْمِ، أَنَّهُمْ قَالُوْا: إِذَا وَقَّتَ نُزِّلَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بنِ أَنَسٍ: أَنَّهُ إِذَا سَمَّى امْرَأَةً بِعَيْنِهَا، أَوْ وَقَّتَ وَقْتًا، أَوْ قَالَ: إِنْ تَزَوَّجْتُ مِنْ كُوْرَةِ كَذَا، فَإِنَّهُ إِنْ تَزَوَّجَ فَإِنَّهَا تُطَلَّقُ.

وَأَمَّا ابنُ الْمُبَارَكِ فَشَدَّدَ فِي هٰذَا الْبَابِ، وَقَالَ: إِنْ فَعَلَ لَا أَقُوْلُ: هِيَ حَرَامٌ، وَذُكِرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ؛ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ حَلَفَ بِالطَّلَاقِ أَنْ لَّايَتَزَوَّجَ ثُمَّ بَدَالَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ: هَلْ لَهُ رُخْصَةٌ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِ الْفُقَهَاءِ الَّذِيْنَ رَخَّصُوْا فِي هٰذَا؟ فَقَالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: إِنْ كَانَ يَرَى هٰذَا الْقَوْلَ حَقًّا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُبْتَلَى بِهٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ، فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِهِمْ، فَأَمَّا مَنْ لَمْ يَرْضَ بِهٰذَا، فَلَمَّا ابْتُلِيَ أَحَبَّ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِهِمْ، فَلَا أَرَى لَهُ ذٰلِكَ.

وَقَالَ أَحْمَدُ: إِنْ تَزَوَّجَ لَا آمُرُهُ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: أَنَا أُجِيْزُ فِي الْمَنْصُوْبَةِ لِحَدِيْثِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَإِنْ تَزَوَّجَهَا لَا أَقُوْلُ تَحْرُمُ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ، وَوَسَّعَ إِسْحَاقُ فِي غَيْرِ الْمَنْصُوْبَةِ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے نوصحابہ وتابعین کے نام لئے ہیں کہ ان کے نزدیک مذکورہ حدیث عام ہے یعنی تنجیز وتعلیق دونوں کوشامل ہے، یہ بات اگر چہ امام ترمذیؒ نے صراحۃً نہیں کہی، مگران کی یہی مراد ہے۔ اوراسی کے امام شافعی رحمہ اللہ قائل ہیں۔ اورحضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے منصوبہ (وہ عورت جو متعین کردی گئی ہو، اس کومنسوبہ (سین سے) بھی کہہ سکتے ہیں) کے بارے میں فرمایا: اس پرطلاق واقع ہوگی یعنی معین عورت میں تعلیق صحیح ہے (حضرت ابن مسعودؓ کا یہ فتوی حنفیہ کے خلاف نہیں، کیونکہ سائل نے معین عورت کا حکم دریافت کیا ہوگا تو ابن مسعودؓ نے اسی کا جواب دیا، اگرکوئی غیرمعین عورت کا حکم پوچھتا تو اس کا جواب بھی شاید آپؓ یہی دیتے، مگراس زمانہ میں نہ فرضی باتیں پوچھی جاتی تھیں، نہ بیان کی جاتی تھیں۔ ہاں اگرکوئی شخص غیرمعین عورت کے بارے میں پوچھتا اورابن مسعودؓ اس کوغیرصحیح قراردیتے توفتوی حنفیہ کے خلاف ہوتا مگرایسانہیں ہوا) اورابراہیم

نخعیؒ اور شعبیؒ وغیرہ اہل علم سے مروی ہے کہ اگر زمانہ متعین کرے (یہی فی الجملہ تعیین ہے) تو تعلیق معتبر ہے (ابراہیم نخعی اور شعبی کے فتاوی امام اعظم کے نزدیک حجت نہیں، کیونکہ وہ بھی امت کے مجتہد ہیں اور امام اعظم بھی مجتہد ہیں، اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی پیروی لازم نہیں، البتہ حضرت ابن مسعودؓ صحابی ہیں اور صحابہ کے اقوال وافعال احناف کے نزدیک حجت ہیں، یعنی مجتہد کی رائے سے مقدم ہیں) اور یہ سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ جب کسی عورت کو پوری طرح متعین کردے یا شادی کا وقت متعین کرے (مثلاً کہے کہ ایک مہینہ کے اندر شادی کروں تو اسے طلاق) یا کہے: اگر میں فلاں علاقہ کی عورت سے نکاح کروں (یہ دونوں مثالیں فی الجملہ تعیین کی ہیں) پھر اس نے نکاح کیا تو وہ عورت مطلقہ ہوگی۔

رہے ابن المبارک تو انھوں نے مسئلہ میں سختی برتی ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی ایسا کرے یعنی تعلیق کے بعد نکاح کرے تو میں حرام نہیں کہتا یعنی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ تعلیق غیر معتبر ہے (یہی رائے چھوٹے دواماموں کی ہے اور یہ مسئلہ کا بیان ہے، ابھی ابن المبارک کی سختی کا تذکرہ نہیں آیا) اور ابن المبارک سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے طلاق کی قسم کھائی کہ وہ نکاح نہیں کرے گا، پھر اس کے لئے ظاہر ہوا کہ نکاح کرے تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ان فقہاء کا قول لے جنھوں نے اس مسئلہ میں آسانی کی ہے؟ ابن المبارک نے فرمایا: اگر وہ اس رائے کو برحق سمجھتا تھا اس سے پہلے کہ وہ اس مسئلہ میں مبتلا ہو تو اس کے لئے ان کے قول پر عمل کرنا جائز ہے، لیکن وہ شخص جو اس قول سے راضی نہیں تھا پھر جب وہ پھنسا تو اب چاہتا ہے کہ وہ ان فقہاء کا قول لے تو میں اس کے لئے اس بات کو جائز نہیں سمجھتا (یہ ابن المبارک کی سختی کا بیان ہے) اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر وہ نکاح کرے تو میں اس کو بیوی علحدہ کرنے کا حکم نہیں دوں گا (یعنی امام احمدؒ کے نزدیک تعلیق غیر معتبر ہے یہی رائے امام شافعیؒ کی بھی ہے) اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں: میں تعلیق کو معتبر قرار دیتا ہوں متعین عورت میں ابن مسعودؓ کی حدیث کی وجہ سے (یعنی منصوبہ میں تعلیق معتبر ہے) اور اگر اس نے تعلیق کے بعد نکاح کیا تو میں نہیں کہوں گا کہ اس پر اس کی بیوی حرام ہے، اور امام اسحاق نے غیر منصوبہ میں گنجائش دی، یعنی اگر عورت پوری طرح یا فی الجملہ متعین نہ ہو تو تعلیق معتبر نہیں، ایسی صورت میں نکاح کرنا درست ہے (امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہے)

تشریح: ابن المبارک کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جن ائمہ کے نزدیک تعلیق معتبر ہے ان کے متبعین میں سے اگر کوئی قسم کھائے کہ اگر وہ نکاح کرے تو عورت کو طلاق، پھر وہ نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے اس دوسرے امام کا قول لینا جس کے نزدیک تعلیق غیر معتبر ہے: جائز نہیں، کیونکہ ہر شخص پر اپنے ہی امام کی پیروی واجب ہے۔ ہاں جو شخص اس امام کا مقلد ہے جس کے نزدیک تعلیق درست نہیں: وہ نکاح کرسکتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ابن المبارک نے مسئلہ میں بہت سختی کردی! مگر آج چاروں فقہاء کے متبعین یہی بات کہتے ہیں کہ تقلید شخصی یعنی

کسی معین امام کی تقلید واجب ہے کیونکہ اگر یہ بات واجب نہیں قرار دی جائے گی تو تشہّی (خواہش کی پیروی) کا دروازہ کھل جائے گا، لوگ مجتہدین کی فقہوں میں سے رخصتیں تلاش کریں گے، پس یہ دین پر عمل کہاں رہا یہ تو خواہش کی پیروی ہوگئی جو حرام ہے۔ اس لئے تقلید شخصی واجب ہے مگر واجب لعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے اور واجب لغیرہ پر دلیل کا مطالبہ درست نہیں (تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی ۱:۸۰اور۲:۴۱۴ باب ۲۷۳ دیکھیں)

اس حکم سے ایک صورت مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی مسلک کے اکابر ضرورت کے وقت دوسرے امام کی کوئی رائے اپنے مذہب میں لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے زوجۂ مفقود کے احکام حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں فقہ مالکی سے لئے، اور اب تمام احناف کا اس پر عمل ہے۔

سوال: جب چاروں مذاہب برحق ہیں تو دوسرے امام کے مسلک پر علم کرنے کی گنجائش کیوں نہیں؟

جواب: چاروں مذاہب فی نفسہ برحق ہیں، مع غیرہ برحق نہیں مثلاً: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک فاتحہ خلف الامام مکروہ تحریمی ہے یہ فی نفسہ برحق ہے، مگر امام شافعیؒ کے مذہب کے اعتبار سے برحق نہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک فاتحہ خلف الامام فرض ہے، یہ بات ان کے مذہب کے اعتبار سے برحق ہے، مگر امام اعظمؒ کے مذہب کے اعتبار سے برحق نہیں۔ یعنی اگر حنفی فاتحہ پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور شافعی فاتحہ نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، بالفاظ دیگر: ہر مذہب فی نفسہ برحق ہے یعنی عمل کے اعتبار سے برحق ہے، لیکن چاروں مذاہب بالنسبۃ الی الآخر برحق نہیں، ان میں سے کوئی ایک برحق ہے، نفس الامر کے اعتبار سے یا تو مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا برحق ہے یا نہ پڑھنا اور اس سے پردہ آخرت میں کھلے گا۔ آگے ابواب الاحکام میں یہ مسئلہ آئے گا کہ اختلافی مسائل میں عمل کے اعتبار سے حق متعدد ہے اور نفس الامر کے اعتبار سے حق واحد ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مجتہد حق کو پالے اس کے لئے دوہرا اجر ہے اور جو حق کو چوک جائے اس کے لئے ایک اجر ہے، دونوں کو ثواب ملنا دلیل ہے کہ عمل کے اعتبار سے دونوں حق ہیں لیکن نفس الامر میں حق واحد ہے جو مجتہد اس کو پائے گا اسی کو ڈبل ثواب ملے گا، پس جب کسی حنفی یا مالکی نے تعلیق کی تو اس کے مذہب میں نکاح کی گنجائش نہیں، اب اگر وہ فقہ شافعی پر عمل کرنا چاہے تو جائز نہیں۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی بات بھی صحیح ہے کہ ابن المبارک نے مسئلہ بہت سخت کر دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ترمذی شریف جس زمانہ میں لکھی گئی ہے اس زمانہ میں مذاہبِ فقہیہ دو ہی تھے: حجازی اور عراقی۔ اور تعلیق کی صحت وعدم صحت کا مسئلہ حجازی مکتب فکر میں مختلف فیہ تھا، امام مالک اور امام اسحاق کے نزدیک عورت متعین ہونے کی صورت میں تعلیق درست تھی۔ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تعلیق درست نہیں تھی، اور ابھی حجازی مکتب فکر تین مذاہب فقہیہ میں منقسم نہیں ہوا تھا اور ایک مکتبِ فکر میں اگر مسئلہ میں اختلاف ہو تو دوسری رائے لی جاسکتی ہے، جیسے ایک حنفی دیوبند کے بجائے سہارن پور کی رائے لے یا اس کے برعکس تو یہ درست ہے، پس امام ترمذیؒ کی بات بھی صحیح ہے اور ابن المبارکؒ

کی بات دومختلف مکاتبِ فکر سے متعلق ہے، یعنی عراقی مکتبِ فکر کا معتقد تعلیق کرے پھر حجازی مکتبِ فکر کے مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے قول پر عمل کرنا چاہے تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہ تقلید میں تلفیق ہے یعنی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ملانا ہے جو حرام ہے، معین راہ اپنانا ضروری ہے، پھر جب حجازی مکتبِ فکر تین مختلف مذاہب میں منقسم ہوگیا تو ان کے تعلق سے بھی ابن المبارک کی بات صحیح ہوگئی۔ واللہ اعلم

بابُ ماجاءَ أَنَّ طَلَاقَ الأَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ

باندی کی طلاقیں دو ہیں

حنفیہ کے نزدیک طلاق میں عورت کا اعتبار ہے، عورت اگر آزاد ہے تو شوہر تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، اور عورت اگر باندی ہے تو دو طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کا اعتبار ہے، اگر شوہر آزاد ہے تو تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی، اور اگر شوہر غلام ہے تو دو طلاقیں دے سکتا ہے، بیوی خواہ آزاد ہو یا باندی، یہ مسئلہ پہلے ابواب النکاح باب ۴۳ میں بھی ضمناً گذر چکا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں''

تشریح: باندی کی عدت آدھی ہے، حیض یا طہر سے قطع نظر اور یہ اجماعی مسئلہ ہے یعنی عدت میں عورت کا اعتبار ہے، عورت اگر باندی ہے تو اس کی عدت دو حیض (حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک) یا دو طہر (امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک) ہیں اور اگر عورت آزاد ہے تو عدت تین حیض یا تین طہر ہیں۔ اور اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

اول: طلاق میں اعتبار عورت کا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: باندی کی طلاقیں دو ہیں، معلوم ہوا: طلاق میں اعتبار عورت کا ہے۔

دوم: قروء کے معنی حیض کے ہیں، کیونکہ جب باندی کے حق میں قروء کے معنی حیض کے ہیں تو آزاد عورت کے حق میں بھی اس کے معنی حیض ہی کے ہونگے۔

ملحوظہ: یہ حدیث مظاہر بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر اس مسئلہ میں کہ طلاق میں اعتبار عورت کا ہے: احناف کے پاس دلیل ہے، اگرچہ ضعیف ہے اور ائمہ ثلاثہ کے پاس تو کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں۔ انھوں نے قروء کے معنی طہر اس دلیل سے سمجھے ہیں جس کا تذکرہ کتاب الطلاق کے پہلے باب میں گذر چکا ہے۔

[۷-] باب ماجاء أَنَّ طلاق الأمة تَطْلِيْقَتَان

[۱۱۶۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ يَحْيىَ النَّيْسَابُوْرِيُّ، نا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: نَا مُظَاهِرُ بنُ أَسْلَمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: '' طَلَاقُ

الْأَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ"
قَالَ مُحَمَّدُ بنُ يَحْيىٰ: نَا أَبُوْ عَاصِمٍ، نَا مُظَاهِرٌ بِهٰذَا، قَالَ: وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ.
حديثُ عَائِشَةَ حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ، لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُظَاهِرِ بْنِ أَسْلَمَ، وَمُظَاهِرٌ: لَايُعْرَفُ لَهُ فِي الْعِلْمِ غَيْرُ هٰذَا الْحَدِيْثِ.
وَالْعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وضاحت: هٰذَا کا مشارٌ الیہ باندی کی عدت ہے اس میں اجماع ہے۔ باندی کی طلاق مشار الیہ نہیں کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔

بَابُ ماجاءَ فِي مَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ

طلاق کا خیال (وسوسہ) آنے سے طلاق نہیں ہوتی

دل ودماغ میں طلاق کا وسوسہ اور خیال آئے اور آدمی اپنے دل سے باتیں کرے کہ اس نے بیوی کو طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک منہ سے طلاق کا تلفظ نہ کرے۔ اور تلفظ کرنے کی دو صورتیں ہیں: جہری اور سری، جہری تلفظ تو ظاہر ہے اور سری کی ادنی مقدار تصحیح حروف ہے یعنی زبان حرکت کرے۔ مخارج پر جا کر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو اور سر کا اعلیٰ درجہ إسماعُ النفس ہے یعنی خود کو سنانا، جب سر کا کم سے کم درجہ پایا جائے گا تو طلاق واقع ہوگی۔ دل ودماغ میں خیال پکانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے فائدہ کے لئے ان باتوں سے (مَا سے پہلے عَنْ پوشیدہ ہے) درگذر کیا ہے جن کے ساتھ امت کے نفوس باتیں کرتے ہیں، یعنی جن باتوں کو آدمی سوچتا ہے ان سے اللہ تعالیٰ نے درگذر فرمایا ہے جب تک اس بات کو منہ سے نہ بولے (تکلّم کی تقدیر: تَتَكَلَّم ہے) یا اس پر عمل نہ کرے (تَعْمَل سے پہلے لَمْ پوشیدہ ہے)

تشریح: اس حدیث کا سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۴ ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ سے تعارض ہے، آیتِ پاک میں ارشاد یہ ہے کہ جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری ان کی وجہ سے داروگیر فرمائیں گے، معلوم ہوا کہ دل کی باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا پس طلاق بھی واقع ہونی چاہئے؟ اس تعارض کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث احکام دنیا سے متعلق ہے اور آیتِ پاک احکام آخرت سے متعلق ہے، پس کوئی

تعارض نہیں۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نکاح، طلاق، عتاق، بیع اور ہبہ وغیرہ محض دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہوجاتے ان کا تلفظ ضروری ہے، اور آیتِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقائد فاسدہ، اخلاق مذمومہ، اور گناہوں کا پختہ ارادہ کرنے کی صورت میں بھی آخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حدیث میں مراد وساوس اور غیر اختیاری خیالات ہیں جو انسان کے دل میں بغیر قصد وارادہ کے آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف کا ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں، ایسی غیر اختیاری باتوں کو اس امت پر مہربانی کرتے ہوئے معاف کردیا گیا ہے۔ اور آیتِ پاک میں مراد وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے کسب واختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور اس کو عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے، مگر اتفاق سے کچھ موانع پیش آجاتے ہیں، جن کی بناء پر ان پر عمل نہیں کر پاتا، قیامت کے دن ان پر محاسبہ ہوگا، جیسے دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، کیونکہ مقتول مرنے نہیں آیا تھا مارنے آیا تھا، مگر اتفاق سے مار نہ سکا مر گیا پس وہ بھی حقیقت میں قاتل ہے۔ یہ مضمون صحیح حدیث میں آیا ہے۔

[۸-] باب ماجاء فيمن يحدث نفسهُ بطلاقِ امْرأَتِهِ

[۱۱۶۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أَبُوْ عَوانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بنِ أَوْفَى، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "تَجاوَزَ اللّٰهُ لِأُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا، مَالَمْ تَكَلَّمْ بِهِ، أَوْ تَعْمَلْ بِهِ"

هٰذَا حَدِيثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا حَدَّثَ نَفْسَهُ بِالطَّلَاقِ، لَمْ يَكُنْ شَيْئًا حَتَّى يَتَكَلَّمَ بِهِ.

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنے نفس سے طلاق کے بارے میں بات کرے یعنی دل میں طلاق کا خیال آئے تو وہ کچھ نہیں، تا آنکہ وہ اس کو زبان سے بولے۔

باب ماجاءَ فِي الْجِدِّ والْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

طلاق میں سنجیدگی اور دل لگی برابر ہیں

جِدٌّ کے معنی ہیں: سنجیدگی یعنی کوئی کلام بول کر اس کے معنی مراد لینا۔ اور هَزْلٌ کے معنی ہیں: دل لگی، یعنی کوئی کلام بول کر اس کے معنی مراد نہ لینا، بس یونہی کوئی بات بول دینا۔ ابواب الرضاع باب ۳ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ وہ معاملات جن میں اقالہ نہیں ہوسکتا یعنی جو ہونے کے بعد ختم نہیں ہوسکتے، فقہاء کی اصطلاح میں وہ ''یمین'' کہلاتے ہیں، اور جن معاملات میں اقالہ ہوسکتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں وہ ''بیوع'' کہلاتے ہیں۔ اب یہ قاعدہ جان لیں

کہ جو باتیں ایمان کے قبیل سے ہیں ان میں سنجیدگی اور دل لگی یکساں ہیں، سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی، دل لگی کے طور پر کہی ہوئی بات بھی سنجیدگی ہے۔ اور جو امور از قبیلِ بیوع ہیں ان میں سنجیدگی: سنجیدگی ہے اور دل لگی: دل لگی ہے۔
اس حدیث میں پہلی قسم کے معاملات کی تین مثالیں دی ہیں: نکاح، طلاق اور رجعت۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے، دل لگی بھی سنجیدگی ہے، اگر واقعی طلاق دینا مقصود ہے تو بھی طلاق ہوگی اور مذاق میں طلاق دی تو بھی طلاق ہو جائے گی، فقہاء نے اس حدیث سے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ایمان میں ہزل اثر انداز نہیں ہوتا، مذاق کے طور پر نکاح کیا یا قسم کھائی یا رجعت کی تو بھی یہ معاملات ہو گئے۔

[۹-] باب ماجاء فی الجِدِّ والهَزْلِ فی الطَّلَاقِ

[۱۱۶۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَرْدَكَ مَدِيْنِيٌّ، عَنْ عَطَاءٍ، عنِ ابنِ مَاهَكَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ"
هٰذَا حَدِيْثٌ حسنٌ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَغَيْرِهِمْ.
وَعَبْدُ الرحمٰنِ: هُوَ ابنُ حَبِيْبِ بنِ أَرْدَكَ، وابنُ مَاهَكَ: هُوَ عِنْدِيْ يُوْسُفُ بنُ مَاهَكَ.

بابُ ماجاءَ فی الخُلْعِ

خلع کا بیان

خلع کا مسئلہ قرآنِ مجید میں صراحۃً آیا ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ یعنی اگر تم لوگ ڈرو کہ زوجین اللہ کے حکم کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دیدے اور نکاح سے نکل جائے (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹) اور جب یہ مسئلہ قرآن میں آگیا تو اب حدیثوں میں نہیں آئے گا اور اگر آئے گا تو اس کا شانِ نزول آئے گا کہ کس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔
جاننا چاہئے کہ دو چیزیں ہیں: خلع اور طلاق علی المال۔ دونوں حقیقت میں ایک ہیں، صرف لفظوں کا فرق ہے۔ اگر زوجین کی گفتگو میں لفظ خلع آیا ہے تو خلع ہے اور لفظ طلاق آیا ہے تو طلاق علی المال ہے، مثلاً: عورت نے شوہر سے کہا: آپ مجھے ایک ہزار روپے کے عوض میں طلاق دیں اور شوہر نے کہا: میں نے دی تو یہ طلاق علی المال ہے اور ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور اگر عورت کہے: ہزار روپے میں میرا خلع کر دیں اور شوہر نے کہا: میں نے کر دیا تو یہ

خلع ہے اوراس سے بھی ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، یا شوہر بیوی سے کہے: میں تجھے ہزار روپے کے عوض میں طلاق دیتا ہوں تو یہ طلاق علی المال ہے، اور اگر کہے: میں ہزار روپے کے عوض تیرا خلع کرتا ہوں تو یہ خلع ہے، اور دونوں صورتوں میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور عورت پر ایک ہزار روپے واجب ہوجائیں گے۔

غرض خلع میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے مگر یہ کہ باہمی گفتگو میں دو یا تین طلاقوں کا ذکر آئے پس اتنی طلاقیں واقع ہونگی جتنی ذکر کی گئی ہیں اور مختلِعہ (خلع کرنے والی عورت) کی عدت تین حیض یا تین طہر ہیں، اور اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے ہیں، البتہ بعض شوافع اور ابن تیمیہ کے نزدیک خلع: فسخ نکاح ہے، پس مختلعہ کی عدت ایک حیض یا ایک طہر ہے، ان کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

حدیث (۱): حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے زمانہ میں اپنے شوہر سے خلع کیا، پس نبی ﷺ نے یا کسی نے ان کو حیض سے عدت گذارنے کا حکم دیا۔

تشریح: حضرت ربیع کے شوہر کون تھے؟ اور یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے؟ شوہر کا نام تو کسی روایت میں نہیں آیا، البتہ یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ کا ہے، جبکہ حضرت عثمان محصور (نظر بند) تھے، نسائی (حدیث ۳۴۹۷) اور ابن ماجہ (حدیث ۲۰۵۸) میں اس کی صراحت ہے، مگر چونکہ آئندہ واقعہ بھی حضرت ربیع بیان کرتی ہیں (نسائی حدیث ۳۴۹۷) اس لئے بعض روات کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے حضرت ربیع کے واقعہ کو بھی عصر نبوی کا قرار دیدیا، پس اس روایت میں جو شک راوی ہے: أَمَرَهَا النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ: أُمِرَتْ: اس میں صحیح أُمِرَتْ ہے کیونکہ یہ واقعہ نبی ﷺ کے زمانہ کا نہیں ہے، اور نسائی (۶: ۱۸۶ مصری) میں صراحت ہے کہ ان کے بھائی عثمان نے یہ حکم دیا تھا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی بات فرمائی ہے۔

حدیث (۲): حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کی پٹائی کی اور ان کا ہاتھ توڑ دیا، یہ مقدمہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، شوہر نے کہا: میں نے مہر میں کھجور کا ایک باغ دیا ہے، ان کی بیوی نے وہ باغ ان کو واپس کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: باغ واپس لے لو اور بیوی کو طلاق دیدو۔ بخاری (حدیث ۵۲۷۳) میں ہے: أقبل الحدیقةَ و طلِّقها تطلیقة اس حدیث میں آپؐ نے خلع کو طلاق کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہی ائمہ اربعہ کی رائے ہے کہ خلع سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ خلع فسخ نکاح نہیں، پھر نبی ﷺ نے جو ان کو حیض سے عدت گذرانے کا حکم دیا تھا، اس سے جنسِ حیض مراد ہے یعنی خلع کرنے والی عورت حیض سے عدت گذارے گی، مہینوں سے عدت نہیں گذارے گی، اور نسائی کی روایت میں جو واحدة کی قید ہے اس سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے، کیونکہ ایک حیض عدت فسخ نکاح میں گذاری جاتی ہے، مگر ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی کا تصرف ہے اس نے حیضةٌ کی ۃ کو تاء وحدت سمجھ لیا، اور واحدةٌ بڑھا دیا۔

[١٠-] باب ماجاء في الخُلْعِ

[١١٦٩-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنْ سُفْيَانَ، نَا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَهُوَ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ،عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بنِ عَفْرَاءَ: أَنَّهَا اخْتَعَلَتْ عَلَى عَهْدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم، أَوْ: أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

وَفِي الْبَابِ: عنِ ابنِ عبَّاسٍ، قالَ أبو عيسىٰ: حديثُ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ: الصَّحِيْحُ: أَنَّهَا أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

[١١٧٠-] حدثنا محمدُ بنُ عَبدِ الرحيمِ الْبَغْدَادِيُّ، حدثنا عَلِيُّ بنُ بَحْرٍ، حدثنا هِشَامُ بنُ يُوْسُفَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عنِ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ،واخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ عِدَّةِ الْمُخْتَلِعَةِ:فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: إِنَّ عِدَّةَ الْمُخْتَلِعَةِ عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، وَبِهِ يَقُوْلُ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ، قَالَ إِسْحَاقُ: وَإِنْ ذَهَبَ ذَاهِبٌ إِلَى هٰذَا فَهُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ.

وضاحت: پہلی حدیث میں لفظ أُمِرَتْ صحیح ہے، أَمَرَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم صحیح نہیں، کیونکہ حضرت ربیع کا واقعہ دورِ نبوی کا نہیں ہے۔

ترجمہ: مختلعہ کی عدت میں علماء کا اختلاف ہے، صحابہ وغیرہ میں سے اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ مختلعہ کی عدت وہی ہے جو مطلقہ کی ہے...... اور بعض کہتے ہیں: مختلعہ کی عدت ایک حیض ہے (کیونکہ خلع: فسخ نکاح ہے) حضرت اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کوئی اس مذہب کو اختیار کرے تو یہ بھی قوی مذہب ہے (مگر حضرت نے خود اس کو اختیار نہیں کیا، معلوم ہوا کہ اقوی مذہب جمہور کا ہے)

بابُ ماجاءَ في الْمُخْتَلِعَاتِ

خلع کرنے والی عورتوں کے لئے وعید

بعض مرد ایسے ہوتے ہیں جو بیوی کو اس لئے طلاق دیتے ہیں کہ اس کی جگہ دوسری لا کر نیا مزہ چکھیں، اور بعض عورتیں بھی اسی غرض سے شوہروں سے طلاق لیتی ہیں۔ یہ مرد و زن اللہ کو پسند نہیں۔ طبرانی کی معجم کبیر میں روایت

ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ذَوّاقین (چکھنے والے مردوں) اور ذوّاقات (چکھنے والی عورتوں) کو پسند نہیں فرماتے۔ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''خلع لینے والی عورتیں ہی منافق ہیں۔ جس طرح منافق کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے اسی طرح جو عورتیں بلاوجہ خلع لیتی ہیں وہ بہ ظاہر ہمیشہ کے لئے نکاح کرتی ہیں، مگر ان کی نیت کچھ اور ہوتی ہے، اس اعتبار سے ان کو منافق کہا گیا ہے۔ اور حضرت ثوبانؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت اپنے شوہر سے کسی سختی کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، ہاں اگر کسی عورت کو کسی مرد کے ساتھ رہنے میں واقعی بہت تکلیف ہے اور وہ طلاق طلب کرے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ آدھا مضمون ہے، یہی حکم مردوں کا بھی ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء في المختَلِعَاتِ

[۱۱۷۱-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا مُزَاحِمُ بنُ ذَوَّادِ بنِ عُلْبَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ أَبِيْ الْخَطَّابِ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عن أَبِيْ إِدْرِيْسَ، عَنْ ثَوْبَانَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ.

[۱۱۷۲-] وَرُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " أَيُّمَا امرأَةٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ، لَمْ تَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ" حدثنا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حدثنا عبدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، حدثنا أَيُّوْبُ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ ثَوْبَانَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: " أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ"

وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ، ويُرْوَى هٰذَا الحديثُ عَنْ أَيُّوْبَ، عن أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ: عَنْ أَيُّوْبَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وضاحت: حدیث نمبر ۱۱۷۱ میں ذوّاد بن علبہ ضعیف راوی ہے، اور ابوالخطاب مجہول ہے، اور حدیث نمبر ۱۱۷۲ ایوب سختیانی سے مرفوع بھی مروی ہے اور موقوف بھی۔ اور عَمَّنْ حَدَّثَهُ سے ابواسماء مراد ہیں۔

بابُ ماجاءَ في مُدَارَاةِ النِّسَاءِ

عورتوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ (خاطر داری) کا معاملہ کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک عورت پسلی کی طرح ہے ـــــــ اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی پسلی اوپر کی ہے، یعنی اس نہایت کج پسلی سے عورتیں پیدا کی

گئی ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۳۲۳۸) ـــــ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ بیٹھوگے اور اگر اس کو چھوڑ دوگے تو اس سے کجی کے باوجود فائدہ اٹھاتے رہوگے۔

تشریح:

۱- اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی جبلّت اور سرشت میں کجی ہے جس طرح پسلی کی فطرت میں کجی ہے، لہٰذا مرد کو عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، اس کے درپے نہیں ہونا چاہئے کہ اس کو سیدھا کرکے چھوڑے، یہ بات ناممکن ہے، اگر ایسا چاہے گا تو وہ پسلی کو توڑ بیٹھے گا، اور اس کا توڑنا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت آجائے گی۔ مسلم شریف میں ہے: وکسرُها طلاقُها: اور عورت کو توڑ دینا اس کو طلاق دینا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۲۳۹) اس لئے مردوں کو چاہئے کہ ان کی معمولی غلطیوں کو نظر انداز کریں اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں، اس طرح وہ عورت سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں مدارت کا بیان ہے، مداہنت کا نہیں۔ اگر عورت کی چال چلن صحیح نہ ہو یا عورت نافرمان ہو اور اس کے نشوز کا علاج مقصود ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات پیش نظر ہو تو سخت معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے، قرآنِ کریم میں اور احادیث میں اس کی صراحت ہے۔

۲- اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے بلکہ نسوانی فطرت میں نہایت کجی کی تمثیل ہے، عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان ہے یعنی عورت شوہر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے، بہت سی عورتیں زندگی بھر شادی نہیں کرتیں، اور بعض عورتیں شوہر سے پہلے پیدا ہوتی ہیں وہ کس کی پسلی سے پیدا ہوتی ہیں؟ غرض یہ بات بدیہی البطلان ہے اور قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں کوئی واضح بات نہیں، اور سورۃ النساء کی پہلی آیت میں جو ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ آیا ہے اس سے نفسِ انسانی مراد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وہاں صراحۃً ذکر نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی اصطلاح میں یہ روحِ اعظم (انسانِ اکبر) ہے، عالم مثال میں اس کا وجود ہے، اور تمام انسان مذکر بھی اور مؤنث بھی اسی کے افراد ہیں، اور بعد از مرگ سب اسی میں جاکر مل جاتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر صنف کا جوڑا اسی صنف سے پیدا کیا گیا ہے، اسی صورت میں باہمی مودت ورحمت کا تحقق ہوسکتا ہے، اگر انسان کا جوڑا بھینس یا بکری ہوتی تو باہم کیا موافقت ہوتی؟ آیتِ کریمہ میں یہی مضمون ہے کہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی نفس انسانی سے پیدا کیا ہے، پھر ان دونوں سے نسل پھیلائی ہے۔

اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی سب سے اوپر کی پسلی سے پیدا کی گئیں ہیں، یہ تصور بائبل (کتاب پیدائش باب ۲ آیات ۲۲-۲۴) کا ہے، پھر وہاں سے اسلامی روایات

میں آیا ہے جبکہ روح المعانی میں سورۃ النساء کی اسی آیت کی تفسیر میں حاشیہ میں خود مفسر نے امام باقر رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے تھے اس کے باقی ماندہ سے حضرت حواء رضی اللہ عنہا پیدا کی گئی تھیں، اور یہی بات قرینِ عقل ہے، تمام حیوانات جن میں توالد وتناسل کا سلسلہ قائم ہے ان کے پہلے افراد (مذکر ومؤنث) مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، کوئی مادہ: نر کی پسلی سے نہیں پیدا کی گئی۔ واللہ اعلم

[۱۲-] باب ماجاء فی مُدَارَاةِ النِّسَاءِ

[۱۱۷۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ أَبِيْ زِيَادٍ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ بنِ سَعْدٍ، ثَنَا ابنُ أَخِيْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلَعِ، إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا، وَإِنْ تَرَكْتَهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا عَلَى عِوَجٍ"

وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، وَسَمُرَةَ، وَعَائِشَةَ، حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: مدارات کے معنی ہیں: رکھ رکھاؤ، طرح دینا، خاطر کرنا، اس طرح معاملہ کرنا کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ حافظ شیرازی کے ایک شعر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجائے گی، فرماتے ہیں:

آسائشِ دوگیتی تفسیر ایں دوحرف است ❁ بادوستاں تلطف، بادشمناں مدارا

یعنی دونوں جہاں کا آرام ان دو باتوں میں مضمر ہے÷ دوستوں کے ساتھ نرمی اور دشمنوں کے ساتھ وضع داری۔ اسی طرح بیویوں کے ساتھ بڑا پن برتا جائے اور اوچھا معاملہ نہ کیا جائے تو گاڑی پٹری سے اترنے نہیں پائے گی۔

بابُ ماجاءَ فی الرَّجُلِ یَسْأَلُهُ أَبُوْهُ أَنْ یُّطَلِّقَ امْرَأَتَهُ

باپ: بیوی کو طلاق دینے کے لئے کہے تو بیٹا کیا کرے؟

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے نکاح میں ایک عورت تھی، وہ مجھے بہت پسند تھی اور میرے ابا اس کو (میرے لئے) ناپسند کرتے تھے، پس میرے ابا نے مجھے حکم دیا کہ اس کو طلاق دیدو، میں نے انکار کیا (یعنی فوراً طلاق نہیں دی) اور میں نے آنحضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابن عمرؓ! اپنی بیوی کو طلاق دیدو یعنی اپنے باپ کا کہنا مانو۔

تشریح:

۱- یہ حدیث تفصیل سے ابواب الطلاق کے شروع میں گذر چکی ہے، وہاں بتلایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ایک مصلحت سے طلاق دینے کا حکم دیا تھا، اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ اگر والدین کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو تو ان کی اطاعت واجب ہے، البتہ ناجائز اور گناہ کے کاموں میں والدین کی کیا کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۹۶) اور والدین کا بھی ہر حکم واجب الاطاعہ نہیں۔ تفصیل کے لئے تفسیر ہدایت القرآن ۵: ۶۰ پارہ ۱۵ رکوع ۳ دیکھیں۔

۲- حضرت ابن عمرؓ نے طلاق دینے سے زبانی انکار نہیں کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات ممکن نہیں تھی، پھر ابن عمرؓ جیسے اطاعت شعار بیٹے سے اس کی امید بھی کیسے کی جاسکتی ہے؟! بلکہ انھوں نے یہ خیال کر کے کہ نبی ﷺ سے سفارش کرائیں گے: فوراً طلاق نہیں دی، پس یہ فعلی انکار تھا، قولی نہیں۔

[۱۳-] باب ماجاء في الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ أَبُوْهُ أَنْ يُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ

[۱۱۷۴-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمّدٍ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ الْحَارِثِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَمْزَةَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عنِ ابنِ عُمَرَ: قَالَ: كَانَتْ تَحْتِيْ امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا، وَكَانَ أَبِيْ يَكْرَهُهَا، فَأَمَرَنِيْ أَبِيْ أَنْ أُطَلِّقَهَا، فَأَبَيْتُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "يَا عَبْدَ اللّٰهِ بنَ عُمَرَ! طَلِّقِ امْرَأَتَكَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابنِ أَبِيْ ذِئْبٍ.

بابُ ماجاءَ لَاتَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا

سوکن کی طلاق کا مطالبہ

معاشرتی خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوتی ہیں تو ہر بیوی اپنی سوکن کے خلاف شوہر کے کان بھرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ ایک غالب آجاتی ہے پس شوہر دوسری کو طلاق دے دیتا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے'' —— سوکن کو ''بہن'' جذبۂ ترحم ابھارنے کے لئے کہا گیا ہے —— تاکہ وہ (اپنے برتن میں) انڈیل لے اس چیز کو جو اس (دوسری) کے برتن میں ہے، یعنی وہ اپنے شوہر کے لئے خالص ہوجائے، سوکن کا کانٹا درمیان سے نکل جائے۔ آپؐ نے یہ مضمون بہترین انداز سے تمثیلی پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

[۱۴-] باب ماجاء لَاتسألِ المرأةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا

[۱۱۷۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ

هُرَيْرَةَ، يُبْلُغ بِهِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" لَاتَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا، لِتَكْفِيءَ مَا فِي إِنَائِهَا"وفي الباب: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، حديثُ أَبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في طَلَاقِ الْمَعْتُوْهِ

مجنون کی طلاق کا حکم

معتوہ: کے لغوی معنی ہیں: آفت زدہ، کم عقل، مگر مراد مکمل پاگل ہے۔ اگر پاگل اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ لغو ہے، کیونکہ وقوعِ طلاق ایک حکم شرعی ہے اور تکلیف کا مدار عقل پر ہے جو پاگل میں مفقود ہے، اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، نیز پاگل کی طرف سے ولی یا وکیل بھی طلاق نہیں دے سکتا، پس اگر کسی عورت کا شوہر پاگل ہو، اور وہ اس سے چھٹکارا چاہتی ہو تو اس کو قاضی، امارتِ شرعیہ یا شرعی پنچایت میں جانا چاہئے، وہ اس کا مسئلہ حل کریں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی پاگل ایسا ہو جو کبھی ٹھیک ہوتا ہو، جیسے گرمیوں میں پاگل ہو گیا اور سردیوں میں ٹھیک ہو گیا، وہ اگر افاقہ کی حالت میں طلاق دے تو طلاق واقع ہوگی۔

[١٥-] باب ماجاء في طلاقِ الْمَعْتُوْهِ

[١١٧٦-] حدثنا محمدُ بنُ عَبدِ الأَعْلَى، ثَنَا مَرْوَانُ بنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بنِ عَجْلَانَ، عَنْ عِكْرِمَةَ بنِ خَالِدٍ الْمَخْزُوْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ، إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ الْمَغْلُوْبِ عَلَى عَقْلِهِ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَطَاءِ بنِ عَجْلَانَ، وَعَطَاءُ بنُ عَجْلَانَ ضَعِيْفٌ، ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ.

وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ؛ أَنَّ طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ الْمَغْلُوْبِ عَلَى عَقْلِهِ لَايَجُوْزُ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَعْتُوْهًا يُفِيْقُ الْأَحْيَانَ، فَيُطَلِّقُ فِي حَالِ إِفَاقَتِهِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر طلاق نافذ ہے سوائے معتوہ کی طلاق کے جس کی عقل ماری گئی ہو (چونکہ معتوہ کم عقل کو کہتے ہیں اس لئے عطف بیان لائے کہ یہاں معتوہ سے کامل پاگل مراد ہے) اس حدیث کو صرف عطاء بن عجلان نے مرفوع کیا ہے اور عطاء بن عجلان ضعیف ہے، اس کو اپنی حدیثیں یاد نہیں تھیں، اور اس پر صحابہ وغیرہ اہلِ علم کا عمل ہے کہ معتوہ کی طلاق جس کی ساری عقل ماری گئی ہو نافذ نہیں ہوگی، مگر یہ کہ وہ معتوہ ایسا ہو جس کو بعض اوقات میں افاقہ ہوتا ہو، پس وہ اپنے افاقہ کی حالت میں طلاق دے تو درست ہے۔

بابٌ

طلاقوں کی تحدید کب عمل میں آئی؟

زمانۂ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تحدید نہیں تھی، لوگ جتنی چاہتے تھے طلاقیں دیتے تھے، بس شرط یہ تھی کہ عدت میں رجوع کرلے تو بیوی بچ جائے گی، اور اگر عدت گذر گئی تو بیوی نکاح سے نکل گئی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ پیش آیا: ایک شوہر نے اپنی بیوی سے کہا: اَدھر لٹکا دوں گا! بیوی نے پوچھا کیسے؟ شوہر نے کہا: طلاق دوں گا، پھر جب عدت پوری ہونے کو آئے گی تو رجوع کرلوں گا، پھر فوراً طلاق دوں گا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلوں گا، اسی طرح کرتا رہوں گا نہ بیوی بنا کر رکھونگا نہ چھوڑونگا۔ وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور واقعہ بیان کیا، حضرت عائشہؓ خاموش رہیں، جب نبی ﷺ آئے تو حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو یہ واقعہ بتلایا، اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ یعنی طلاقیں یکے بعد دیگرے دو ہیں اور دو طلاقوں تک شوہر رجوع کرسکتا ہے، اگر چاہے تو بھلے طریقہ پر روک لے اور چاہے تو اچھی طرح چھوڑ دے یعنی عدت گذر جانے دے، عدت کے بعد عورت نکاح سے نکل جائے گی، لیکن اگر شوہر تیسری طلاق دے تو عورت مغلظہ ہوجائے گی، اب جب تک وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے از سرِ نو عمل شروع کیا اور جو لوگ اس سے پہلے طلاقیں دے چکے تھے انھوں نے بھی اس حکم شرعی کے مطابق عمل شروع کیا۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے تحدید طلاق کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی وجہ: تین سے کثرت کا آغاز ہوتا ہے، کیونکہ اقل جمع تین ہیں، پس تین طلاقیں بہت ہوگئیں، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

دوسری وجہ: قیاس کا مقتضی یہ تھا کہ طلاق ایک ہی ہوتی مگر چونکہ طلاق کے بعد غور وفکر اور سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض لوگوں کو بیوی کی قدر و قیمت جدائی کے بعد معلوم ہوتی ہے، مشہور ہے: قدر نعمت بعد زوال نعمت! اس لئے ایک سے زیادہ طلاقیں مشروع کی گئیں تاکہ شوہر کے لئے سوچنے کا موقع رہے، اور اصل تجربہ ایک طلاق سے ہوجاتا ہے اور دو سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے تین کے بعد زمامِ اختیار ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

[۱٦-] بابٌ

[۱۱۷۷-] حدثنا قتيبةُ، ثَنَا يَعْلَى بنُ شَبِيْبٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ: وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَاشَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا، وَهِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي

الْعِدَّةِ، وإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ، حَتَّى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ: وَاللّٰهِ! لَا أُطَلِّقُكِ فَتَبِيْنِيْنَ مِنِّيْ، وَلَا أُوِيْكِ أَبَدًا، قَالَتْ: وَكَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: أُطَلِّقُكِ، فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ أَنْ تَنْقَضِيَ رَاجَعْتُكِ، فَذَهَبَتِ الْمَرْأَةُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَى عَائشةَ فَأَخْبَرَتْهَا، فَسَكَتَتْ عَائشةُ حَتَّى جَاءَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، حَتَّى نَزَلَ الْقُرآنُ: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ قَالَتْ عائشةُ: فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ مُسْتَقْبَلًا: مَنْ كَانَ طَلَّقَ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ طَلَّقَ.

حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ إِدْرِيْسَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيْثِ بِمَعْنَاهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عن عائشةَ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ يَعْلَى بنِ شَبِيْبٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگ تھے، اور آدمی اپنی بیوی کو جس قدر چاہتا طلاق دیتا تھا اور وہ اس کی بیوی رہتی تھی جب اس کو عدت میں نکاح میں واپس لیلے اگرچہ سو یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دی ہوں یعنی طلاقوں کی کوئی حد نہیں تھی، یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: قسم بخدا! نہ میں تجھے طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو جائے اور نہ میں تجھے کبھی بھی ٹھکانہ دوں گا، عورت نے کہا: ایسا کس طرح کرے گا؟ اس نے کہا: میں تجھے طلاق دوں گا، پھر جب تیری عدت پوری ہونے کو آئے گی تو رجوع کرلوں گا، پس عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور ان کو یہ واقعہ بتلایا، صدیقہ خاموش رہیں، یہاں تک کہ نبی ﷺ تشریف لائے۔ صدیقہ نے آپؐ کو یہ بات بتلائی تو آپؐ بھی خاموش رہے یہاں تک کہ قرآنِ مجید نازل ہوا کہ طلاقیں دو بار ہیں اس کے بعد یا تو بیوی کو رجوع کر کے بھلے طریقہ سے روک لینا ہے یا اچھے طریقہ سے چھوڑ دینا ہے۔ صدیقہ فرماتی ہیں: پس لوگوں نے طلاق دینے کو از سر نو شروع کیا، ان لوگوں نے بھی جو طلاق دے چکے تھے اور انھوں نے بھی جنھوں نے طلاق نہیں دی تھی۔

اس حدیث کو یعلی بن شبیب نے مسند کیا ہے یعنی آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے، اور عبداللہ بن ادریس نے مرسل کیا ہے یعنی آخر میں حضرت عائشہ کا تذکرہ نہیں کیا، سند عروہ پر روک دی ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اسی کو یعنی مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے (کیونکہ آپ اسی سند کو ترجیح دیتے ہیں جس میں کوئی کمزوری ہو، یہ آپ کا مزاج ہے)

بابُ ماجاءَ فى الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَضَعُ

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

وہ عورت جس کے شوہر کا اس حال میں انتقال ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور یہ اجماعی

مسئلہ ہے۔ دور اول میں اس مسئلہ میں تھوڑا اختلاف تھا، حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے یعنی وضع حمل اور چار مہینے دس دنوں میں سے جو مدت لمبی ہے: عورت وہ عدت گذارے گی، لیکن جب سُبیعہؓ کا واقعہ لوگوں کے سامنے آیا تو اختلاف ختم ہوگیا، سبیعہ کے شوہر سعد بن خَولی کا فتح مکہ میں یا حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا، اس وقت سبیعہ حاملہ تھیں، ۲۳ یا ۲۵ دن کے بعد بچہ پیدا ہوا، جب ان کا نفاس بند ہوا تو انھوں نے نکاح کی تیاری شروع کی، یعنی سوگ ختم کر دیا اور بن سنور کر اور اچھے کپڑوں میں رہنے لگیں تاکہ لوگ متوجہ ہوں۔ ابو السنابل نے جو انہی کے خاندان کے تھے اعتراض کیا تو سبیعہؓ ازواج مطہرات کے پاس گئیں اور مسئلہ پوچھا آپؐ نے فرمایا: وہ نکاح کر سکتی ہیں ان کی عدت پوری ہوگئی، جب یہ حدیث لوگوں کے سامنے آئی تو اختلاف ختم ہوگیا، اب اتفاق ہے کہ حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت وضع حمل ہے۔

حدیث (۱): ابو السنابل کہتے ہیں: سُبیعہؓ نے ان کے شوہر کی وفات کے ۲۳ یا ۲۵ دن کے بعد بچہ جنا، پس جب وہ اونچی ہوگئیں یعنی نفاس بند ہوگیا تو وہ نکاح کے لئے جھانکنے لگیں یعنی بن سنور کر رہنے لگیں، ان پر اس سلسلہ میں انکار کیا گیا (یہ اعتراض کیا گیا کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، چار ماہ دس دن پر عدت پوری ہوگی، یہ اعتراض ابو السنابل ہی نے کیا تھا، بعد میں انھوں نے ہی سبیعہ سے نکاح کیا) پس یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی گئی تو آپؐ نے فرمایا: وہ نکاح کر سکتی ہیں کیونکہ ان کی عدت پوری ہو چکی۔

وضاحت: اس حدیث کو ابو السنابلؓ سے اسود نے روایت کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو السنابلؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں انتقال ہوگیا تھا، پس اسود کا ابو السنابلؓ سے روایت کرنا ممکن نہیں، حدیث میں انقطاع ہے، مگر دیگر محدثین کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا اعتراض صحیح نہیں، ابو السنابل رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک حیات رہے ہیں۔

حدیث (۲): سلیمان بن یسار کہتے ہیں: ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ اور ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن (جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں اور تابعی ہیں) کے درمیان یہ مسئلہ چھڑا کہ متوفی عنہا زوجہا جو حاملہ ہو اور شوہر کی وفات کے بعد بچہ جن دے تو اس کی عدت کیا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آخر الاجلین اس کی عدت ہے، ابو سلمہ نے کہا: وہ وضع حمل پر حلال ہو جائے گی یعنی وضع حمل اس کی عدت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہ کے ساتھ ہوں، پھر انھوں نے کسی کو یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو ام سلمہؓ نے یہی حدیث سنائی کہ سبیعہؓ نے شوہر کے انتقال کے چند دن کے بعد بچہ جنا تھا، پس انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی بابت پوچھا، تو آپؐ نے ان کو نکاح کی اجازت دی، یعنی وضع حمل کو عدت قرار دیا۔

[١٧-] باب ماجاء في الحاملِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَضَعُ

[١١٧٨-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِي السَّنَابِلِ بنِ بَعْكَكٍ قَالَ: وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِثَلَاثَةٍ وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا، أَوْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا، فَلَمَّا تَعَلَّتْ تَشَوَّفَتْ لِلنِّكَاحِ، فَأُنْكِرَ عَلَيْهَا ذٰلِكَ، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" إِنْ تَفْعَلْ فَقَدْ حَلَّ أَجَلُهَا"

حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ نَحْوَهُ.

وَفِيْ الْبَابِ: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، حَدِيْثُ أَبِي السَّنَابِلِ حَدِيْثٌ مَشْهُوْرٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَا نَعْرِفُ لِلْأَسْوَدِ شَيْئًا عَنْ أَبِي السَّنَابِلِ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُوْلُ: لَا أَعْرِفُ أَنَّ أَبَا السَّنَابِلِ عَاشَ بَعْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْحَامِلَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا وَضَعَتْ فَقَدْ حَلَّ التَّزْوِيْجُ لَهَا، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، وَهُوَ قَوْلُ سفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أهلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: تَعْتَدُّ آخِرَ الْأَجَلَيْنِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

[١١٧٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، وابنَ عبَّاسٍ، وَأَبَا سَلَمَةَ بنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ تَذَاكَرُوْا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا الْحَامِلُ تَضَعُ عِنْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا، فَقَالَ ابنُ عَبَّاسٍ: تَعْتَدُّ آخِرَ الْأَجَلَيْنِ، وَقَالَ أَبُوْ سَلَمَةَ: بَلْ تَحِلُّ حِيْنَ تَضَعُ، وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: أَنَا مَعَ ابنِ أَخِيْ، يَعْنِيْ أَبَا سَلَمَةَ، فَأَرْسَلُوْا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ: قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الْأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيْرٍ، فَاسْتَفْتَتْ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے کہ وہ حاملہ جس کا شوہر اس سے وصول کرلیا گیا، جب بچہ جن دے تو اس کے لئے نکاح جائز ہے اگرچہ اس کی عدت یعنی چار مہینے دس دن پورے نہ ہوئے ہوں، اور یہ سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم صحابہ وغیرہ کہتے ہیں: وہ دونوں مدتوں میں سے جو لمبی مدت ہو اس کے اعتبار سے عدت گذارے اور پہلا قول اصح ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي عِدَّةِ الْمُتوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس پر عدت میں سوگ لازم ہے

اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کی بیوی حمل سے نہ ہو تو اس کی عدت بالا جماع چار مہینے دس دن ہے، اور یہ مسئلہ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۳۴) میں صراحۃً مذکور ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ یہ آیت مطلق ہے حاملہ یا غیر حاملہ کی اس میں کوئی قید نہیں، مگر حاملہ کی عدت کا بیان سورۃ الطلاق (آیت ۴) میں ہے: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یہ آیت بھی مطلق ہے مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا کی اس میں کوئی قید نہیں، پس حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے اول الذکر آیت میں غیر حاملہ کی قید بڑھائیں گے یعنی چار ماہ دس دن غیر حاملہ کی عدت ہے، اور سورۃ الطلاق کی آیت عام ہوگی، ہر حاملہ کی عدت وضع حمل ہوگی خواہ وہ مطلقہ ہو یا متوفی عنہا زوجہا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب کی حدیث میں عدت کا مسئلہ نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے جب یہ مسئلہ قرآن میں صراحۃً آ گیا تو اب حدیثوں میں کیوں آئے گا؟ بلکہ اس حدیث میں احداد یعنی سوگ کرنے کا مسئلہ ہے۔ پس ممکن ہے باب میں إحْدَاد کا عِدَّة ہو گیا ہو۔

جاننا چاہئے کہ مرد کے لئے تو سوگ کرنا قطعاً حرام ہے اس لئے کہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، مرد کاروبار کرنے والا، رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے والا ہے، اگر وہ سوگ کرے گا یعنی عدت میں بیٹھے گا تو زندگی کی گاڑی رک جائے گی۔ البتہ عورتوں کے لئے سوگ کرنا جائز ہے، پھر شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے اور شوہر کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار وفات پا جائے تو تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔

حدیث: حضرت ام سلمہؓ کی صاحبزادی اور آنحضور ﷺ کی ربیبہ حضرت زینت نے حمید بن نافع کو تین حدیثیں سنائیں۔ امام ترمذیؒ ان کو بیان کر رہے ہیں (جاننا چاہئے کہ زینب آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بچی تھیں ان کا آپؐ سے سماع نہیں)

پہلی حدیث: زینب کہتی ہیں: جب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو سفیان کا انتقال ہوا تو میں ام حبیبہ کے پاس گئی، یہ ان کے انتقال کا تیسرا دن تھا، انھوں نے خوشبو منگوائی جس میں صفرہ تھا یعنی اس خوشبو میں زعفران پڑی ہوئی تھی، انھوں نے وہ خوشبو ہاتھوں میں لی پھر پہلے وہ خوشبو ایک بچی کے لگائی پھر ہاتھوں کو اپنے گالوں پر پھیرا یعنی باقی ماندہ خوشبو خود لگائی، پھر فرمایا: مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں (کیونکہ میرے شوہر کا انتقال ہو چکا) مگر آج میرے والد کے

انتقال کو تین دن پورے ہو رہے ہیں، اس لئے میں نے خوشبو لگا کر عملی طور پر سوگ ختم کیا، کیونکہ نبی ﷺ سے میں نے یہ ارشاد سنا ہے کہ کسی بھی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، علاوہ شوہر کے، اس کی وفات پر عورت چار مہینے دس دن تک سوگ کرے گی۔

دوسری حدیث: زینب کہتی ہیں: جب ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تو میں ان کے پاس گئی انھوں نے بھی خوشبو منگوائی اور کچھ خوشبو گالوں پر اور بدن پر لگائی پھر فرمایا: قسم بخدا! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں مگر میں نے خوشبو اس لئے لگائی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کسی بھی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہو جائز نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے علاوہ شوہر کے، اس کے انتقال پر عورت چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھے گی۔

تیسری حدیث: زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اپنی امی حضرت ام سلمہؓ سے سنا کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے داماد کا انتقال ہو گیا ہے اور میری بیٹی کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا ہم اس کے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس نے دو یا تین مرتبہ آ کر یہی مسئلہ پوچھا آپؐ ہر مرتبہ یہی فرماتے تھے کہ نہیں۔ پھر آخری مرتبہ ارشاد فرمایا: عدت کے چار ماہ دس دن ہی تو ہیں (اتنے دن بھی تم صبر نہیں کر سکتیں) اور زمانۂ جاہلیت میں تم میں سے ایک سال پورا ہونے پر مینگنیاں پھینکتی تھی (وہ دن بھول گئیں!)

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں عدت کا دستور یہ تھا کہ بیوہ کسی تنگ و تاریک کمرے میں بدترین کپڑے پہن کر سال بھر مقید رہتی تھی اور ہر طرح کی زینت سے احتراز کرتی تھی، نہاتی تک نہیں تھی۔ پھر سال پورا ہونے پر اس کو کبوتر کے مانند کوئی پرندہ دیا جاتا تھا جس کو وہ اپنی شرم گاہ پر ملتی تھی تا آنکہ وہ پرندہ مر جاتا تھا، پھر ٹوکری بھر کر مینگنیاں دی جاتیں تھیں جس کو وہ محلہ محلہ اور گلی گلی پھینکتی تھی، تب اس کی عدت پوری ہوتی تھی۔

مسئلہ: عذر کی صورت میں معتدہ رات میں سرمہ لگا سکتی ہے، اور تکلیف زیادہ ہو تو دن میں بھی لگا سکتی ہے اور آپؐ نے اس عورت کو اجازت اس لئے نہیں دی تھی کہ آپؐ کے خیال میں اس عورت کا مرض اس درجہ کا نہیں تھا کہ سرمہ لگانا ضروری ہو۔

[۱۸-] بابُ ماجاء فی عِدَّةِ المتوفی عنها زوجها

حدثنا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنُ بنُ عِيْسَى، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِیْ بَكْرِ بنِ مُحَمَّدِ بنِ عَمْرِو بنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِیْ سَلَمَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ بِهٰذِهِ الأَحَادِيْثِ الثَّلَاثَةِ، قَالَ:

[۱۱۸۰-] قَالَتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ تُوُفِّيَ أَبُوْهَا أَبُوْسُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ، فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فِيْهِ صُفْرَةُ خَلُوْقٍ أَوْ غَيْرِهِ، فَدَهَنَتْ بِهِ جَارِيَةً، ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: وَاللّٰهِ! مَالِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا"

[۱۱۸۱-] قَالَتْ زَيْنَبُ: فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ أَخُوْهَا، فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَتْ: وَاللّٰهِ! مَالِيْ فِيْ الطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا"

[۱۱۸۲-] قَالَتْ زَيْنَبُ: وَسَمِعْتُ أُمِّي أُمَّ سَلَمَةَ، تَقُوْلُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ ابْنَتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا، أَفَنَكْحَلُهَا؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا" مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ: "لَا" ثُمَّ قَالَ: "إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا! وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ!"

وفي البابِ: عَنْ فُرَيْعَةَ ابْنَةِ مَالِكِ بنِ سِنَانٍ، أُخْتِ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وَحَفصَةَ بِنْتِ عُمَرَ، حديثُ زَيْنَبَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَتَّقِيْ فِيْ عِدَّتِهَا الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، ومالكٍ، والشافعيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ کا عمل ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر وصول کرلیا گیا ہو وہ عدت میں خوشبو اور زینت سے بچے اور یہ سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

تشریح: عدت میں عورت خوشبو، زینت اور نکاح سے احتراز کرے اور سخت ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلے اس کے علاوہ جتنی چیزیں لوگوں نے بڑھائی ہیں مثلاً: گھر کے سب سے تاریک کمرہ میں رہنا، سورج سے پردہ کرنا، کوئی رنگین کپڑا نہ پہننا، ضرورت کے باوجود پردہ کے پیچھے سے بھی غیر محرم سے بات نہ کرنا، شوہر کی وفات پر چوڑیاں توڑ دینا اور عدت کے پورے زمانہ میں نہ نہانا یہ سب لغو باتیں ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور احداد (سوگ) صرف ترکِ زینت کا نام ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الْمُظاهِرِ یُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ یُکَفِّرَ

ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے تو کیا حکم ہے؟

ظہار: بیوی کو محرمات ابدیہ کے ساتھ یا ان کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس کا دیکھنا حرام ہے، جیسے بیوی سے کہا: تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یعنی اب میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کرونگا، تجھ سے صحبت کرنے کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں تو ظہار ہوگیا۔ اور ظہار کا حکم اٹھائیسویں پارہ کے شروع میں تفصیل سے آیا ہے۔ ظہار کرنے سے عورت موقت طور پر حرام ہوجاتی ہے، مگر اسی کے نکاح میں رہتی ہے، اور جب تک کفارہ ادا نہ کرے صحبت اور دواعی صحبت حرام ہیں۔ اور کفارہ ترتیب وار غلام آزاد کرنا، یا دو مہینے مسلسل روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اور اگر ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرلے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ توبہ ضروری ہے مگر اس کی وجہ سے ڈبل کفارہ واجب نہیں ہوتا اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ متقدمین میں سے بعض اس صورت میں دو کفاروں کے قائل تھے، مگر وہ رائے ان کے ساتھ ختم ہوگئی، اب اس کا قائل کوئی نہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ سے اس ظہار کرنے والے کے بارے میں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرلے مروی ہے کہ اس پر ایک کفارہ ہے یعنی ڈبل کفارہ واجب نہیں۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص (سلمۃ بن صخر البیاضی) نبی ﷺ کے پاس آئے، انھوں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، پھر اس سے صحبت کرلی تھی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، پھر میں نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کرلی، آپؐ نے پوچھا: آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ اللہ آپ پر رحم فرمائیں! انھوں نے عرض کیا: میں نے چاندنی رات میں اس کے پازیب دیکھ لئے (جس کی وجہ سے بے قابو ہوگیا) آپؐ نے فرمایا: اب اس کے قریب نہ جانا یہاں تک کہ آپ وہ کفارہ ادا کریں جس کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے۔

تشریح: حضرت سلمۃ بن صخر بیاضیؓ (ان کا نام سلمان بھی ہے) بیوی سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے جب رمضان قریب آیا تو ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں روزہ کی حالت میں گناہ نہ ہوجائے، چنانچہ انھوں نے رمضان بھر کے لئے ظہار کرلیا، بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تو رمضان بھر میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، چونکہ حرمت سے رغبت کم ہوجاتی ہے اس لئے انھوں نے ظہار کیا تھا اور یہ غایت درجہ کا تقوی تھا، مگر نصف رمضان میں رات میں چاند کی روشنی میں بیوی کے پازیب پر نظر پڑگئی تو بے قابو ہوگئے اور صحبت کرلی، پھر جب غلطی کا احساس ہوا تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے پوچھا: ایسا کیوں کیا؟ اس درجہ کا متقی شخص غلطی کرے یہ عجیب بات ہے!

انھوں نے وجہ بیان کی تو آپؐ نے فرمایا: اب جب تک کفارہ ادا نہ کرو بیوی کے پاس نہ جانا۔

مسئلہ: اگر ہمیشہ کے لئے ظہار نہیں کیا کچھ مدت مقرر کردی، جیسے یوں کہا: سال بھر کے لئے یا چار مہینے کے لئے تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو جتنی مدت مقرر کی ہے اتنی مدت تک ظہار رہے گا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کرنا چاہے تو کفارہ دیوے، اور اگر اس مدت کے بعد صحبت کرے تو کچھ نہ دینا پڑے گا، عورت حلال ہوجائے گی۔ (بہشتی زیور۴: ۵۹)

[١٩-] باب ماجاء فی المُظاهر یُواقِعُ قبل أن یکفِّر

[١١٨٣-] حدثنا أَبُوْ سَعِیْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ إِدْرِیْسَ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ محمدِ بنِ عَمْرِوْ بنِ عَطَاءٍ، عَنْ سُلَیْمَانَ بنِ یَسَارٍ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ صَخْرٍ الْبَیَاضِیِّ، عنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم فِیْ الْمُظَاهِرِ یُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ یُکَفِّرَ، قَالَ: "کَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ، وَالعَمَلُ عَلَی هٰذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ، وَمَالِكٍ، وَالشافعیِّ، وأحمدَ وإسحاقَ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا وَاقَعَهَا قَبْلَ أَنْ یُکَفِّرَ فَعَلَیْهِ کَفَّارَتَانِ، وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ مَهْدِیٍّ.

[١١٨٤-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ الحُسَیْنُ بنُ حُرَیْثٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَی، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الْحَکَمِ بنِ أَبَانَ، عَنْ عِکْرِمَةَ، عنِ ابنِ عباسٍ؛ أَنَّ رَجُلًا أَتَی النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم، قَدْ ظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ فَوَقَعَ عَلَیْهَا، فَقَالَ: یَارسولَ اللّٰهِ! إِنِّیْ ظَاهَرْتُ مِنِ امْرَأَتِیْ فَوَقَعْتُ عَلَیْهَا قَبْلَ أَنْ أُکَفِّرَ، فَقَالَ: "مَاحَمَلَكَ عَلَی ذٰلِكَ؟ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ؟!" قالَ: رَأَیْتُ خَلْخَالَهَا فِیْ ضَوْءِ الْقَمَرِ، قَالَ: "فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰی تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ.

بابُ ماجاءَ فی کَفَّارَةِ الظِّهَارِ

ظہار کے کفارہ کا بیان

حدیث: قبیلۂ بنو بیاضہ کے ایک شخص سلمان بن صخر الانصاری نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح قرار دیا یہاں تک کہ رمضان گذر جائے یعنی رمضان بھر کے لئے ظہار کیا۔ پس جب نصف رمضان گذر گیا تو رات میں انھوں نے بیوی سے صحبت کرلی، پس وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ایک غلام آزاد کرو، انھوں نے کہا: میرے پاس غلام نہیں، آپؐ نے فرمایا: دو ماہ

کے مسلسل روزے رکھو، انھوں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، یعنی شبق (شدتِ شہوت) کا عذر پیش کیا، آپؐ نے فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انھوں نے کہا: میرے پاس اتنا مال نہیں۔ آپؐ نے فروۃ بن عمرو سے (جو عشر وزکوٰۃ کی مد کے ذمہ دار تھے) فرمایا: ان کو ایک عرق دیدو ــــــ عرق: اس بورے کو کہتے ہیں جس میں پندرہ یا سولہ صاع غلہ آتا ہے ــــــ ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے۔

تشریح: ظہار کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم دینا ضروری ہے اور پندرہ یا سولہ صاع سے کفارہ ادا ہوجانا سلمان بن صخر کی خصوصیت تھی، یعنی یہ تشریع کے وقت کی ترخیص تھی۔ تفصیل کتاب الصوم باب ۲۸ تحفہ ۳: ۹۶ میں گذر چکی ہے۔

[۲۰-] باب ماجاء فی کفارۃ الظھار

[۱۱۸۵-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا هَارُوْنُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ الخَزَّازُ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ، ثَنَا أَبُوْ سَلَمَةَ، وَمُحمدُ بنُ عَبدِ الرحمنِ: أَنَّ سَلْمَانَ بنَ صَخْرٍ الأَنْصَارِيَّ، أَحَدُ بَنِيْ بَيَاضَةَ، جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتَّى يَمْضِيَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا مَضَى نَصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلاً، فَأَتَى رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "أَعْتِقْ رَقَبَةً" قَالَ: لَا أَجِدُهَا، قَالَ: "فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ" قَالَ: لَا أَسْتَطِيْعُ، قَالَ: "أَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا" قَالَ: لَاأَجِدُ، فقالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم لِفَرْوَةَ بنِ عَمْرٍو: "أَعْطِهِ ذٰلِكَ الْعَرَقَ ــــ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا ــــ إِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، يُقَالُ: سَلْمَانُ بنُ صَخْرٍ، ويقالُ: سَلْمَةُ بنُ صَخْرٍ الْبَيَاضِيُّ، والعملُ عَلَى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ أَهْلِ العلمِ فِيْ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ.

بابُ ماجاءَ فی الإِیْلاءِ

ایلاء (بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانے) کا بیان

ایلاء: باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ اور ایلاء کی دو قسمیں ہیں: ایلاء لغوی اور ایلاء شرعی۔ چار مہینے یا اس سے زیادہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ایلاء شرعی ہے اور چار مہینے سے کم کسی بھی مدت تک بیوی سے علحدہ رہنے کی قسم کھانا ایلاء لغوی ہے۔

اور ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علحدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر

بیوی سے صحبت کرلی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر وہ مدت پوری کرلی پھر صحبت کی تو کچھ واجب نہیں۔ اور ایلاء شرعی میں چار مہینے سے پہلے قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر چار مہینے تک بیوی سے علحدہ رہا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ خود بخود واقع ہوجائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت قاضی کے پاس جائے گی، قاضی شوہر کو بلائے گا اور حکم دے گا کہ یا تو قسم توڑ دو یعنی بیوی سے صحبت کرو اور کفارہ ادا کرو، ورنہ اپنی بیوی کو طلاق دو، یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی بلکہ قاضی طلاق دلوائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں دو واقعے پیش آئے ہیں: ایک واقعہ میں آپؐ نے اپنی تمام بیویوں سے ایک مہینے تک علحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی یعنی ایلاء لغوی کیا تھا اور آپؐ نے یہ مدت پوری کی تھی۔ دوسرے واقعہ میں آپؐ نے اپنی سُرِّیہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کو حرام کیا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ شہد کو حرام کیا تھا اس سلسلہ میں سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئی تھیں، پس آپؐ نے شہد استعمال کیا اور حضرت ماریہؓ سے تعلق قائم کیا، اور قسم کا کفارہ دیا اس لئے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے۔ اسی طرح حرام کو حلال کرنا بھی قسم ہے اور اس آخری صورت میں فوراً کفارہ واجب ہوگا۔

[۲۱-] باب ماجاء في الإِيْلَاءِ

[۱۱۸٦-] حدثنا الحَسَنُ بنُ قَزَعَةَ البَصْرِيُّ، ثَنَا مَسْلَمَةُ بنُ عَلْقَمَةَ، ثَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: آلٰى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ نِسَائِهِ، وَحَرَّمَ، فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلالاً، وَجَعَلَ فِي اليَمِيْنِ كَفَّارَةً.

وَفِي البابِ: عن أَبِيْ مُوْسَى، وأَنَسٍ: حديثُ مَسْلَمَةَ بنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ دَاوُدَ: رَوَاهُ عَلِيُّ بنُ مُسْهِرٍ وَغَيْرُهُ عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً، وَلَيْسَ فِيْهِ: عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ مَسْلَمَةَ بنِ عَلْقَمَةَ.

وَالإِيْلَاءُ: أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَقْرُبَ امْرَأَتَهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَأَكْثَرَ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْهِ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ: فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ، فَإِمَّا أَنْ يَفِيءَ وَإِمَّا أَنْ يُطَلِّقَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشافعيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ فَهِيَ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ سفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام بیویوں سے ایلاء کیا (یہ پہلا واقعہ ہے) اور حرام کیا (یہ دوسرا واقعہ ہے) پس بنایا حرام کو حلال (یعنی شہد استعمال کیا اور حضرت ماریہؓ سے تعلق قائم کیا) اور قسم کا کفارہ ادا کیا ـــــــ اس حدیث کو مسلمۃ نے مسند بیان کیا ہے اور علی بن مُسہر وغیرہ نے مرسل بیان کیا ہے یعنی انھوں نے سند میں مسروق اور حضرت عائشہ کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ عامر شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے مرسل روایت کو اصح قرار دیا ہے۔

اور ایلاء یہ ہے کہ آدمی قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چار مہینے یا اس سے زیادہ صحبت نہیں کرے گا۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے جب چار مہینے گذر جائیں، صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گذر جائیں تو شوہر کھڑا کیا جائے گا یعنی قاضی اس کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا، پس وہ یا تو عورت کی طرف لوٹے یا طلاق دے۔ اور یہ مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں: جب چار مہینے گذر جائیں تو وہ ایک طلاق بائنہ ہے اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

بابُ ماجاء فی اللِّعَانِ

لعان کا بیان

یہ مسئلہ سورۃ النور آیات ۶-۹ میں تفصیل سے آیا ہے۔ اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو گواہوں سے اس کو ثابت کرے، اور نہ کرسکے تو حکم یہ ہے کہ زوجین باہم لعان کریں یعنی چند مؤکد قسمیں کھائیں بایں طور کہ پہلے مرد چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ یقیناً سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی پھٹکار! پھر عورت چار مرتبہ قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو، جب لعان ہو جائے تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کردے۔ یہ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی یعنی لعان کا مسئلہ ایلاء کے مسئلے کے برعکس ہے، ایلاء میں چار ماہ گذرنے پر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک خود بخود طلاق واقع ہوتی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قاضی طلاق دلواتا ہے۔ اور یہاں امام اعظمؒ کے نزدیک قاضی کی تفریق ضروری ہے جبھی نکاح ختم ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود بخود طلاق واقع ہوگی، قاضی کی تفریق کی حاجت نہیں۔

حدیث: سعید بن جبیر کہتے ہیں: مجھ سے لعان کرنے والوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان کے درمیان قاضی تفریق کرے گا؟ یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب مدینہ کا گورنر مصعب بن الزبیر تھا، میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں، چنانچہ میں فوراً کھڑا ہوا اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا، میں نے اجازت طلب کی تو مجھ سے

کہا گیا کہ وہ قیلولہ کررہے ہیں، ابن عمرؓ نے میری آواز سن لی اور پہچان لیا، فرمایا: ابن جبیر؟ آجاؤتم کسی ضرورت ہی سے آئے ہوگے (خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کے لئے نہیں آئے ہوگے) سعید کہتے ہیں: میں گھر میں داخل ہوا، میں نے دیکھا کہ آپؓ اونٹ پر بچھانے کے بورے پر لیٹے ہیں، میں نے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا لعان کرنے والوں کے درمیان قاضی تفریق کرے گا؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: سبحان اللہ! کرے گا۔ یعنی عجیب بات ہے اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے۔ پھر انھوں نے لعان کی آیات جس واقعہ میں نازل ہوئی ہیں وہ واقعہ سنایا، فرمایا: پہلا شخص جس نے اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے دریافت کیا فلاں تھا وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ کیا فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھے تو کیا کرے؟ اگر وہ منہ سے بولے تو بڑی بات بولے گا (یعنی زنا ثابت کرنا مشکل ہوگا اور حد قذف لگے گی) اور اگر خاموش رہے تو اس بڑی بات پر کیسے خاموش رہے؟ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: پس نبی ﷺ خاموش رہے اور اس کو کوئی جواب نہ دیا، پھر جب آئندہ دن ہوا تو وہ شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: بیشک وہ بات جو میں نے آپ سے پوچھی تھی اس میں میں پھنس گیا (یعنی کل تک تو شک تھا اور احتمال کے درجہ میں میں نے بات پوچھی تھی مگر اب میں نے بیوی کو زنا کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے) پس وہ آیات جو سورۂ نور میں ہیں: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ رکوع کے ختم تک نازل ہوئیں، آپؐ نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سامنے یہ آیات تلاوت کیں اور اس کو نصیحت وموعظت کی اور بتلایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے، یعنی اگر تو نے جھوٹا الزام لگایا ہے تو اقرار کرلے، حد قذف جاری ہوگی اور یہ ہلکا عذاب ہے، اس شخص نے کہا: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے اس پر جھوٹی تہمت نہیں لگائی، پھر دوسرے نمبر پر عورت کو بلایا اور اس کو بھی نصیحت وموعظت کی اور بتلایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے یعنی اگر تو نے زنا کیا ہے تو اقرار کرلے، زنا کی سزا جاری ہوگی اور یہ ہلکا عذاب ہے، اس نے کہا: نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! وہ سچا نہیں۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: پس آپؐ نے مرد سے ابتدا کی، اس نے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دی کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہا: اس پر اللہ کی لعنت ہے اگر وہ جھوٹا ہو! پھر دوسرے نمبر پر عورت کو بلایا اس نے بھی چار مرتبہ قسم کھا کر گواہی دی کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا: اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر شوہر سچا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درمیان تفریق کردی یعنی نکاح ختم کردیا۔

تشریح: یہ حدیث امام اعظم رحمہ اللہ کا مستدل ہے اور ان کا استدلال واضح ہے، نبی ﷺ نے تفریق کی تھی، معلوم ہوا کہ قاضی جب لعان سے فارغ ہونگے تو تفریق کرے گا اور اسی سے نکاح ختم ہوگا، اور بچہ کے نسب کا انکار کرنا بھی زنا کی تہمت ہے، پس اس صورت میں بھی لعان ہوگا اور لعان کے بعد بچہ ماں کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، باپ سے اس کا نسب منقطع ہوجائے گا، ایک لعان کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے بچہ کو ماں کی طرف منسوب کیا

تھا اور اب اس بچہ کو اور اس کی ماں کو طعنہ دینا جائز نہیں، کیونکہ ارشاد پاک ہے: ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ یعنی لعان کرنے سے عورت سے عذاب ٹل جاتا ہے اور بچہ کو یا ماں کو طعنہ دینا بھی عذاب ہے پس یہ حرام ہے۔

[٢٢-] باب ماجاء في اللعان

[١١٨٧-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ قَالَ: سُئِلْتُ عَنِ الْمُتَلاَعِنَيْنِ فِيْ إِمَارَةِ مُصْعَبِ بنِ الزُّبَيْرِ، أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُوْلُ. فَقُمْتُ مَكَانِيْ إِلَى مَنْزِلِ عَبْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ، فَقِيْلَ لِيْ: إِنَّهُ قَائِلٌ، فَسَمِعَ كَلاَمِيْ، فَقَالَ: ابنُ جُبَيْرٍ! ادْخُلْ، مَا جَاءَ بِكَ إِلَّا حَاجَةٌ.

قَالَ: فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْدَعَةَ رَحْلٍ لَهُ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عبدِ الرحمنِ! الْمُتَلاَعِنَانِ: أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ! نَعَمْ، إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ فُلاَنُ بنُ فُلاَنٍ، أَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يَارسولَ الله! أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَحَدَنَا رَأَى امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ، كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيْمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى أَمْرٍ عَظِيْمٍ، قَالَ: فَسَكَتَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يُجِبْهُ.

فَلَمَّا كَانَ بَعدَ ذٰلِكَ، أَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنَّ الَّذِيْ سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيْتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ الآيَاتِ الَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ النُّوْرِ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ﴾ حَتَّى خَتَمَ الآيَاتِ، فَدَعَا الرَّجُلَ فَتَلاَهُنَّ عَلَيْهِ، وَوَعَظَهُ وَذَكَّرَهُ، وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الآخِرَةِ، فقالَ: لاَ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا، وَأَخْبَرَهَا أَن عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الآخِرَةِ، فَقَالَتْ: لاَ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَاصَدَقَ، قَالَ، فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ، وَالْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ، ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ فَشَهِدَتْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ، وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ، ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

وفي البابِ عن سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَحُذَيْفَةَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، حديثُ ابنِ عمرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ عَلَى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ أَهْلِ العلمِ.

[١١٨٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: لاَعَنَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ، وَفَرَّقَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُمَا، وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالأُمِّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العلمِ.

بابُ ماجاءَ أَيْنَ تَعْتَدُّ الْمُتُوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے وہ عدت کہاں گذارے؟

تمام ائمہ متفق ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا شوہر کے ساتھ اس کی زندگی میں جہاں رہتی تھی وہیں عدت گذارے گی اور اس کے لئے سکنی اور نان ونفقہ نہیں، وہ اپنا خرچ خود برداشت کرے گی، اور کھانے پینے کے لئے کچھ نہ ہو تو دن میں جاکر کما سکتی ہے اور مجبوری ہو مثلاً: مکان کرائے کا ہو یا عاریت پر ہو اور مالک: مکان خالی کرنے پر اصرار کرے یا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اس جیسی کوئی مجبوری ہو تو پھر عورت میکے میں جاکر عدت گذار سکتی ہے یا جہاں ممکن ہو عدت گذارے۔ دورِ اول میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا، بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے عدت گذارے، مگر بعد میں یہ اختلاف ختم ہو گیا۔ اب اتفاق ہے کہ شوہر کے ساتھ اس کی زندگی میں عورت جہاں رہتی تھی وہیں عدت گذارے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک کے شوہر کے چند غلام بھاگ گئے تھے وہ ان کو ڈھونڈھنے کے لئے تنہا نکلے طَرف القدوم نامی جگہ میں وہ سب اکٹھا ہو کر آگئے اور اپنے آقا کو قتل کر دیا پس حضرت فریعہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور پورا واقعہ بیان کیا اور مسئلہ پوچھا کہ وہ میکے میں عدت گذار سکتی ہیں؟ کیونکہ جس مکان میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں وہ مکان عاریت کا تھا، شوہر کی ملکیت نہیں تھا؟ آپؐ نے اجازت دی، جب وہ جانے لگیں تو آدھے کمرے سے یا آدھی مسجد سے واپس بلایا اور فرمایا: تم نے کیا مسئلہ پوچھا تھا دوبارہ پوچھو انھوں نے وہی بات دوہرائی، تو آپؐ نے فرمایا: جہاں تم شوہر کے ساتھ رہتی تھیں وہیں عدت گذارو۔ پہلے آپؐ نے خیال کیا ہوگا کہ مکان شوہر کی ملکیت نہیں اس لئے آپؐ نے میکے جانے کی اجازت دی، پھر خیال آیا کہ عاریت پر دینے والا شخص مکان خالی کرنے کا مطالبہ نہیں کر رہا، پس میکے جانے کا جواز نہیں، اس لئے آپؐ نے واپس بلا کر منع کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تو انھوں نے فریعہ کو بلا کر یہ حدیث سنی پھر اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

[۲۳-] باب ماجاء أَيْنَ تَعْتَدُّ المتوفی عنها زوجها؟

[۱۱۸۹-] حدثنا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعْدِ بنِ إِسْحَاقَ بنِ كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، عَنْ عَمَّتِهِ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ: أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بنِ سِنَانٍ، وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِيْ بَنِيْ

خُدْرَةَ، وَأَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِيْ طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوْا، حَتَّى إِذَا كَانَ بِطَرَفِ الْقَدُّوْمِ لِحَقَهُمْ فَقَتَلُوْهُ، قَالَتْ: فَسَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِيْ، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِيْ مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ، وَلَا نَفَقَةَ، قَالَتْ: فقال رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ" قَالَتْ: فَانْصَرَفْتُ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِيْ الْحُجْرَةِ أَوْ: فِيْ الْمَسْجِدِ نَادَانِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَوْ: أَمَرَ بِيْ فَنُوْدِيْتُ لَهُ فَقَالَ: كَيْفَ قُلْتِ؟ قَالَتْ: فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِيْ ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِيْ، قال: "امْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ" قَالَتْ: فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، قَالَتْ: فَلَمَّا كانَ عُثْمَانُ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِيْ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَاتَّبَعَهُ، وقَضَى بِهِ.

حدثنا محمدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحيىَ بنُ سَعيدٍ، ثنا سَعدُ بنُ إِسْحَاقَ بنِ كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ عَلَى هذَا الحديثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَمْ يَرَوْا لِلْمُعْتَدَّةِ أَنْ تَنْتَقِلَ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُها، وَهوَ قَوْلُ سفيانَ الثَّوْرِيِّ، والشافعيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ.

وقالَ بعضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ: لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَعْتَدَّ حَيْثُ شَاءَتْ، وإِنْ لَمْ تَعْتَدَّ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے وہ معتدہ کے لئے شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کو جائز نہیں کہتے تا آنکہ اس کی عدت پوری ہوجائے۔ اور بعض اہل علم صحابہ وغیرہ میں سے کہتے ہیں کہ عورت کے لئے جائز ہے کہ جہاں چاہے عدت گذارے، اگرچہ شوہر کے گھر میں عدت نہ گذارے اور پہلا قول اصح ہے۔

﴿الحمدللہ! ابواب الطلاق کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الْبُيُوْعِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیوع: بیع کی جمع ہے، اس کے مشہور معنی ہیں: بیچنا، خریدنا۔ مگر یہاں عام معاملات مراد ہیں، خواہ خرید وفروخت سے ان کا تعلق ہو یا دیگر معاملات ہوں سبھی ابواب البیوع ہیں، اور ان ابواب کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے، اور درمیان میں ابواب الاحکام یعنی ابواب القضاء آئے ہیں۔

معاملات کی درستگی نہایت ضروری ہے اس پر عبادتوں کی قبولیت کا مدار ہے، امام محمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: آپ کی فقہ میں بہت تصنیفات ہیں پس کیا آپ نے تصوف میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مبسوط کی کتاب البیوع میں نے تصوف میں لکھی ہے'' اس لئے کہ تمام عبادتوں کی قبولیت کا مدار اکل حلال پر ہے اور اکل حلال کا مدار احکام معاملات کے جاننے پر ہے، اس قول سے بیوع (معاملات) کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ معاملات کے سلسلہ میں احادیث تھوڑی ہیں اور عبادات: طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث بہت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کو شریعت نے مشروع کیا ہے، جاہلیت کے لوگ ان سے نابلد تھے، طہارت کا تو ان میں تصور ہی نہیں تھا اور نماز ان کی سیٹیاں اور تالیاں تھیں، ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً﴾ (سورۃ الانفال آیت ۳۵) یعنی ان کی نماز کعبہ شریف کے پاس سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے۔ یہی حال دیگر عبادتوں: زکوۃ، روزے اور حج کا تھا، پس گویا ان عبادتوں کو شریعت ہی نے مشروع کیا ہے اس لئے ان کی تفصیلات ناگزیر تھیں، اور معاملات دنیا میں لوگ پہلے سے کرتے چلے آرہے تھے اس لئے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں تھی، البتہ کچھ ضابطے بیان کرنے ضروری تھے اور جو معاملات بالکلیہ حرام تھے، جیسے: سود، جوا، شراب وغیرہ ان کی ممانعت ضروری تھی اور جن معاملات میں دھوکا تھا ان کی وضاحت ضروری تھی، چنانچہ شریعت نے ان معاملات کو حرام کیا اور باقی معاملات کو برقرار رکھا اور ان میں جو ناجائز پہلو تھے ان سے منع فرمایا۔ اس وجہ سے معاملات کی روایتیں کم ہیں، اور وہ اصولی رنگ لئے ہوئے ہیں، اس لئے ان کو غور سے پڑھنا ضروری ہے۔ یہاں

ابواب البیوع کے شروع میں تمہیدی روایات ہیں، پھر تفصیلی روایات آئیں گی۔

بابُ ماجاءَ فی تَرْكِ الشُّبُهاتِ

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: حلال واضح ہے، اور حرام واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال میں سے ہیں یا حرام میں سے؟ پس جس نے مشتبہ امور کو چھوڑ دیا تاکہ اس کا دین اور اس کی آبرو محفوظ رہے تو وہ یقیناً بچ گیا، اور جو شخص ان میں سے کسی چیز میں گھسا تو قریب ہے کہ وہ حرام میں جا گھسے، جس طرح یہ بات ہے کہ جو شخص سرکاری چراگاہ کے آس پاس جانور چراتا ہے وہ قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے، سنو! ہر بادشاہ کے لئے محفوظ چراگاہ ہے، سنو! اور اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ محرمات (حرام کئے ہوئے کام) ہیں۔

تشریح: یہ حدیث نہایت اہم ہے اور ایک اصولی ہدایت اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، امام ابوداؤد رحمہ اللہ صاحب سنن نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چار ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو حفاظت دین کے لئے کافی وافی ہیں:

پہلی حدیث: إنما الأعمال بالنیات یعنی اعمال کی قبولیت وعدم قبولیت کا مدار صحیح اور فاسد نیت پر ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا وہی صلہ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، مثلاً ہجرت ایک عمل ہے اگر ہجرت کرنے والے کی نیت صحیح ہے تو اس کی ہجرت مقبول ہے ورنہ اس کی ہجرت پر کوئی ثواب مترتب نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث: من حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ: یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں سے کنارہ کش ہو جائے، بے کار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے یہی بہترین مسلمان ہے۔

تیسری حدیث: لایکون المؤمنُ مؤمنا حتی یَرضیٰ لِأخیه ما یَرضاه لنفسه: یعنی آدمی صحیح معنی میں مؤمن اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے وہی باتیں پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

چوتھی حدیث: الحلالُ بَیِّنٌ: اس حدیث میں مؤمن کا ایک خاص مزاج بنایا گیا ہے، مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہئے کہ وہ محتاط زندگی گذارے، فرمایا: حلال واضح ہے، پس اسے بے تکلف اختیار کرو اور حرام بھی واضح ہے پس اس کے قریب بھی مت جاؤ، اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کی تفصیل ادھر ادھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اسی حدیث کے اگلے جملہ میں اس کی وضاحت ہے، فرمایا: جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال میں سے ہیں یا حرام میں سے؟ یہی مشتبہ امور ہیں، بڑے علماء تو ان کے احکام جانتے ہیں کہ وہ جائز ہیں یا ناجائز، مگر عام مسلمان جب وہ چیزیں پہلی مرتبہ ان کے سامنے آتی ہیں تو وہ ان کا حکم شرعی

نہیں جانتے، وہ ان کے حق میں مشتبہ چیزیں ہیں ایسی چیزوں کے بارے میں کچھ لوگوں کا ذہن اور مزاج یہ ہوتا ہے کہ ابھی کرلو، جب عدم جواز کا فتوی آئے گا چھوڑ دیں گے، یہ مزاج اور ذہن غلط ہے، اس حدیث میں یہ اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ ایسی مشتبہ چیزوں کے بارے میں مؤمن کا مزاج اور ذہن یہ ہونا چاہئے کہ ابھی بچو جب جواز کا فتوی آئے گا تب ان کو اختیار کریں گے، اس صورت میں آدمی کا دین اور آدمی کی عزت محفوظ رہے گی، اگر حکم شرعی معلوم ہونے سے پہلے بے احتیاطی سے اس امر کا ارتکاب کرلیا پھر عدم جواز کا فتوی آیا تو اب کیا ہوت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت! وہ تو ناجائز امر کا ارتکاب کر چکا، چنانچہ اس حدیث میں فرمایا کہ جس نے مشتبہ امور کو چھوڑ دیا تاکہ اس کا دین اور اس کی آبرو محفوظ رہے تو وہ یقیناً بچ گیا، کیونکہ ہر جائز کام کرنا ضروری نہیں، البتہ ہر ناجائز کام سے بچنا ضروری ہے، اور جو شخص ان امور میں سے کسی امر میں گھسا تو قریب ہے کہ وہ حرام میں جا گھسے یعنی تحقیق سے پہلے وہ کام کرلیا، اس کے مزاج میں احتیاط نہیں ہے تو حرام کے ارتکاب میں بھی اس کو کیا باک ہوگا؟ شتر بے مُہار جہاں چاہے منہ مار لے، اس کو روکنے والا کون ہے؟

اس مضمون کو حدیث کے آخر میں ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جو شخص سرکاری چراگاہ کے آس پاس جانور چراتا ہے وہ قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے، چرواہا ذرا غافل ہوا کہ جانور ریزروایریے میں جا گھسیں گے اور پولیس مار مار کر بھرتا بنادے گی اور جو چرواہا محتاط ہے، سرکاری چراگاہ سے ایک میل دور جانور رکھتا ہے وہ اگر غافل بھی ہوگیا اور جانور آگے بھی بڑھ گئے تو وہ چراگاہ تک نہیں پہنچیں گے۔

پس سنو! جس طرح حکومتیں سرکاری جانوروں کے لئے چراگاہ مخصوص کرتی ہیں جن میں پبلک کو جانور چرانے کی اجازت نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ نے جو کام حرام کئے ہیں وہ ان کا محفوظ ایریا ہیں، مؤمنین کو اس کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، نادانستہ بھی اس علاقہ میں قدم رکھنا روا نہیں۔ پس احتیاط کی بات یہی ہے کہ حرام امور سے اتنا دور رہے کہ کسی حرام کے ارتکاب کا امکان ہی باقی نہ رہے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب تحقیق کے بعد اقدام کرے، جب تک کسی چیز کا حلال ہونا معلوم نہ ہوجائے اس سے کنارہ کش رہے۔ یہی مزاج اور یہی ذہن بنانا اس حدیث کا مقصود ہے، ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو اس طرح سمجھایا ہے: دَعْ مَایُرِیْبُكَ إلی مالایُریبك، فإن الصدق طُمَأْنِیةٌ والکذب رِیْبَةٌ: یعنی جو بات کھٹک پیدا کرے اسے چھوڑ دو اور بے کھٹک بات اختیار کرو، مثلاً: سچ بولو اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ سچ بولنے سے قلب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا دل کی بے چینی کا سبب ہوتا ہے۔

غرض حدیث پر دوبارہ نظر ڈالیں، حلال واضح ہے یعنی دین اسلام میں کیا چیزیں جائز ہیں ان کو تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے، اسی طرح حرام بھی واضح ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ دین اسلام نے کن باتوں سے منع کیا ہے ان موٹی موٹی باتوں کی واقفیت تو عام ہے، البتہ دونوں کے درمیان کچھ الجھے ہوئے امور ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ

نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ مشتبہ اور الجھے ہوئے ہونے کا یہی مطلب ہے، پس جو شخص ان نامعلوم الاحکام امور کو چھوڑ دے تاکہ اس کا دین اور اس کی آبرو محفوظ رہے (استبراءً مفعول لہ ہے) پس وہ یقیناً ارتکاب حرام سے محفوظ رہے گا، اور جو شخص بے باکی سے مشتبہ امور کا ارتکاب کرے گا وہ بعید نہیں کہ حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھے، پھر یہی بات ایک محسوس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث عام ہے، سارے ہی دین سے اور تمام ابواب فقہیہ سے اس کا تعلق ہے، لیکن ابواب البیوع کے شروع میں خصوصی طور پر یہ حدیث اس لئے لائی گئی ہے کہ معاملات کی اہمیت واضح ہو، لوگ عام طور پر مال کے حریص ہوتے ہیں، ہر طرح سے ہاتھ مارتے ہیں، اس لئے معاملات میں احتیاط کرنا ان کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے، پس اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کی کہ معاملات میں خاص طور پر آدمی کو احتیاط برتنی چاہئے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبو اب البيو ع

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في تَرْكِ الشُّبُهَاتِ

[۱۱۹۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "اَلْحَلاَلُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ: لاَيَدْرِىْ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: أَمِنَ الْحَلاَلِ هِىَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ؟ فَمَنْ تَرَكَهَا اسْتِبْرَاءً لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ، وَمَنْ وَاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ، كَمَا أَنَّهُ مَنْ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلاَ! وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلاَ! وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ"

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بن أَبِىْ زَائِدَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند میں مجالد بن سعید ہیں، جو ضعیف راوی ہیں، مگر اس سے حدیث کی صحت متاثر نہیں ہوتی، کیونکہ اس حدیث کو شعبی سے زکریا وغیرہ بہت سے روات نقل کرتے ہیں۔

بابُ ماجاء فِی أَکْلِ الرِّبَا

سود کھانے پر وعید

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملے کے دو گواہوں اور سودی دستاویز لکھنے والے پر لعنت فرمائی۔

تشریح: نبی ﷺ نے سود خوری کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے، اور سود خور کے ساتھ سود دینے، سودی دستاویز لکھنے اور سودی معاملے میں گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے جواز روئے قرآن مجید حرام ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۲)

جاننا چاہئے کہ سود لینے سے تمام مال حرام ہوجاتا ہے جب سود دوسرے مال کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو سب مال حرام ہوجائے گا۔ اور سود دینے سے باقی مال حرام نہیں ہوتا، اس ایک فرق کے علاوہ سود لینا اور دینا دونوں یکساں ہیں، یعنی دونوں کا گناہ برابر ہے، بلکہ سودی معاملے کا گواہ بننے والا اور سودی دستاویز لکھنے والا بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے، مگر یہ برابری نفس لعنت کے اعتبار سے ہے یعنی یہ سبھی ملعون ہیں، مگر مراتب جنایت کے تفاوت سے لعنت میں بھی تفاوت ہوگا، الکوکب الدری میں اس کی صراحت ہے۔

فائدہ: چونکہ معاملات میں سود کا چلن بہت زیادہ ہوتا ہے، اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے، اصل سود سے بچ بھی جائے تو اس کے دھویں اور گرد و غبار سے نہیں بچ سکتا، معاملات فاسدہ بھی بحکم سود ہیں، وہی سود کا دھواں ہیں اس لئے بطور تحذیر یہ باب لائے ہیں تاکہ مؤمن چوکنا ہوکر معاملات کرے اور سود میں نہ پھنسے۔

[۲-] باب ماجاء فی أکل الربا

[۱۱۹۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: لَعَنَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم آكِلَ الرِّبَا، وَمُوْكِلَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَكَاتِبَهُ.

وَفِيْ الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، حديثُ عبدِ اللّٰهِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی التَّغْلِيْظِ فِي الْكِذْبِ وَالزُّوْرِ وَنَحْوِهِ

سادہ جھوٹ، مزین جھوٹ اور اس قسم کی دوسری باتوں پر سخت وعید

کِذْب (مصدر) کے معنی ہیں: جھوٹ بولنا۔ اور الکَذِبَ (اسم) کے معنی ہیں: جھوٹ۔ یہاں مصدر اور اسم

دونوں ہوسکتے ہیں، بہتر مصدر پڑھنا ہے۔اور زور کے معنی ہیں: خلافِ واقعہ بات کو مزین کر کے پیش کرنا، یعنی اگر بات سو فیصد خلافِ واقعہ ہوتو وہ کذب ہے اور اس سے زیادہ ہوتو وہ زور ہے، مثلاً: جھوٹی بات قسم کھا کر بیان کی یا جھوٹ بولنے کے ساتھ جھوٹا بل بھی پیش کردیا یا کسی اور طرح سے جھوٹ کو مؤکد کیا تو یہ زور ہے اور ان کے مانند چیزوں میں: صحیح اور غلط کو خلط ملط کرنا، مبیع یا ثمن کا عیب چھپانا اور معاملات میں جھوٹا وعدہ کرنا وغیرہ امور شامل ہیں۔

نبی ﷺ نے سات گناہوں کو مُوبِقات: تباہ کن قرار دیا ہے، وہ آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک کردیتے ہیں ان میں ایک قول زور بھی ہے پس اس سے بھی اور کذب سے بھی احتراز چاہئے، عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ تجارت میں جھوٹ بولے بغیر کام نہیں چلتا، پس جھوٹ بولنا حلال ہے ان کا یہ خیال غلط ہے اسی کی تردید کے لئے یہ حدیث لائی گئی ہے، بلکہ جھوٹ وغیرہ سے تو تجارت کو نقصان پہنچتا ہے، ایک مرتبہ تو گاہک پھنس جاتا ہے، مگر ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اور سچ، دیانتداری، امانت داری اور حقوق شناسی وہ خوبیاں ہیں جن سے تجارت کو فروغ ملتا ہے اس لئے معاملات میں جھوٹ اور زور سے بچنا چاہئے اور سچائی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

[۳-] باب ماجاء فی التغلیظ فی الکذب والزُّور ونحوہ

[۱۱۹۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰى الصَّنْعَانِيُّ، ثَنَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ أَبِىْ بَكْرِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِی الْكَبَائِرِ، قَالَ:" الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَقَوْلُ الزُّوْرِ"

وفی الباب: عَنْ أَبِىْ بَكْرَةَ، وأَيْمَنَ بنِ خُرَيْمٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے کبائر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور آراستہ جھوٹ بولنا۔

بابُ ماجاء فی التُّجَّارِ، وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِيَّاهُمْ

تاجروں کا تذکرہ اور یہ نام ان کو نبی ﷺ نے دیا ہے

کاروباری لوگوں کے لئے پہلے لفظ سماسرۃ مستعمل تھا، یہ سمسار کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: آڑتی اور دلال، پھر لفظ تجار استعمال ہونے لگا، یہ تاجر کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: نفع کمانے والا، اور یہ لفظ سب سے پہلے نبی ﷺ نے کاروباری لوگوں کے لئے استعمال فرمایا ہے، لوگوں کو یہ لفظ اتنا پسند آیا کہ بس یہی لفظ چل پڑا اور پرانا نام متروک ہوگیا، البتہ دلال کے لئے یعنی اس شخص کے لئے جو بائع اور مشتری کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یہ لفظ آج

بھی مستعمل ہے۔

حدیث (۱): قیس بن ابی غرزہ (جو صرف اسی ایک حدیث کے راوی ہیں) فرماتے ہیں: ہمارے پاس (مارکیٹ میں) نبی ﷺ تشریف لائے اس وقت ہمیں سماسرہ کہا جاتا تھا، آپؐ نے خطاب فرمایا: اے تاجرو! (لفظ تجار سب سے پہلے آپؐ نے استعمال فرمایا) بیع (کاروبار) میں شیطان اور گناہ دونوں موجود رہتے ہیں، یعنی شیطان معاملات میں دخل دے کر گناہ میں مبتلا کرتا رہتا ہے، پس تم اپنے کاروبار کو صدقہ کے ساتھ ملاؤ۔

تشریح: اس حدیث میں تاجروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کاروبار کے ساتھ خیرات بھی کرتے رہیں، اس سے ان کے گناہ معاف ہونگے۔ شَابَ (ن) الشیئَ بالشیئِ کے معنی ہیں: ملانا یعنی کاروبار کے ساتھ صدقہ کو ملایا جائے، کیونکہ لوگ عام طور پر خرید وفروخت میں کچھ نہ کچھ جھوٹ بول جاتے ہیں، قسمیں بھی کھاتے ہیں، مبیع کا عیب بھی چھپاتے ہیں اور کردنی ناکردنی کرتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اور صدقہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو کم کرتا ہے، اس لئے کاروبار کے ساتھ خیرات کا حکم دیا تاکہ نادانستہ جو بات ہوگئی ہو وہ بھی دھل جائے۔ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خیرات دیدیا کرو اور جو چاہو کرو، ایسا خیال کرنا حماقت ہے۔ کاروبار میں احتیاط تو غایت درجہ کرنی ہے، پھر بھی انسان مال کی محبت میں غلطی کر بیٹھتا ہے اور اس کا احساس تک نہیں ہوتا، صدقہ اس کا علاج ہے۔

حدیث (۲): نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو تاجر نہایت سچا اور نہایت امانت دار ہے، وہ (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (اور صالحین کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ خود صالح ہے)

تشریح:

۱- جس تاجر میں دو خوبیاں ہوتی ہیں: سچائی اور امانت داری اس کو مرتبہ میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، ان کے ساتھ حشر ہونے کا یہی مطلب ہے جیسے وہ شخص جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا ہو وہ حقیقی شہید ہے، اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ ملحق ہیں جن کی تعداد پچاس سے زائد ہے، اور یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے، شہید فی سبیل اللہ کے تمام فضائل ان کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے اسی طرح انبیاء، صدیقین اور شہداء کے تمام فضائل اس تاجر کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے، یہ الحاق ہی اس کے لئے فضیلت ہے۔

اس کی نظیر: ایک مرتبہ صحابہ میں سپہ گری میں مقابلہ ہوا، آنحضرت ﷺ بھی موجود تھے، دونوں پارٹیوں کے لیڈروں نے اپنے لئے آدمیوں کا انتخاب کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بچ گئے، نبی ﷺ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا اور فرمایا: سلمانُ مِنَّا أهلَ البیت: سلمانؓ ہمارے گھرانے میں سے ہیں، یہ الحاق ہی حضرت سلمانؓ کے لئے فضیلت ہے، اہل بیت کے جو فضائل ہیں وہ سب حضرت سلمان فارسیؓ کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے۔

دوسری نظیر: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: من خرج یطلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع: جو

شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلا وہ جب تک گھر لوٹ نہ آئے اللہ کے راستہ میں ہے، یعنی طالب علم: مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق ہے اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہے، مجاہد فی سبیل اللہ کے دیگر فضائل اس طالب علم کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے۔

مگر اب تبلیغی جماعت کے احباب مسلسل یہ غلطی کر رہے ہیں اور ان کو اس بات پر اصرار بھی ہے کہ ہمارا کام فی سبیل اللہ ہے (یہاں تک بات ٹھیک ہے) پھر مجاہد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں جو آیات واحادیث ہیں ان کا مصداق اپنے کام کو قرار دیتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے، پس یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو آیات واحادیث مجاہدین کے ساتھ خاص ہیں، تبلیغی کام ان کا مصداق نہیں، حدیث شریف میں طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے، مگر کوئی بھی شخص طالب علم کے لئے ان آیات واحادیث کو ثابت نہیں کرتا اور اہل بیت کے تمام فضائل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت نہیں کرتا، اسی طرح تبلیغی کام بلاشبہ دین کا کام ہے مگر اس کام کو ان آیات واحادیث کا مصداق قرار دینا جو مجاہدین کے لئے ہیں: سخت غلطی ہے۔

۲- صدوق وامین تاجر کو انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کرنے میں اس طرح اشارہ ہے کہ تجارت میں جھوٹ اور خیانت سے بالکلیہ احتراز کرنا اور ہمیشہ سچائی اور امانت داری برتنا نہایت دشوار کام ہے، مگر ناممکن نہیں پس ہر تاجر کو یہ دو خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے، تاکہ کائنات کی عظیم المرتبت ہستیوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

حدیث (۳): حضرت رفاعہؓ سے مروی ہے: وہ نبی ﷺ کے ساتھ عیدگاہ کی طرف نکلے (اس میدان میں بازار لگتا تھا) وہاں آپؐ نے لوگوں کو کاروبار میں مشغول پایا، پس فرمایا: اے تاجرو! لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیا اور اپنی گردنیں اور نگاہیں آپؐ کی طرف اٹھادیں، یعنی سب تاجر آپؐ کی طرف متوجہ ہوگئے، آپؐ نے فرمایا: ''تاجر قیامت کے دن فاجر اٹھائے جائیں گے'' یعنی جو لوگ خوف خدا، احکام شریعت اور سچائی ونیکوکاری سے آزاد ہو کر تجارت کرتے ہیں وہ قیامت کے دن بدکار مجرموں کی طرح بارگاہ خداوندی میں حاضر کئے جائیں گے، ''مگر وہ تاجر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (اور جائز طریقے پر تجارت کرتا ہے) اور نیکوکاری وسچائی اختیار کرتا ہے'' (اس کا حشر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا)

[٤-] باب ماجاء في التُّجَّارِ، وتسميةِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم إياهُمْ

[١١٩٣-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِي غَرَزَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ، فَقَالَ: ''يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ!

إِنَّ الشَّيْطَانَ وَالإِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ، فَشُوْبُوْا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ"

وفي الباب: عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، وَرِفَاعَةَ، حديثُ قَيْسِ بنِ أَبِيْ غَرَزَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، رَوَاهُ مَنْصُوْرٌ، وَالأَعْمَشُ، وَحَبِيْبُ بنُ أَبِيْ ثَابِتٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ غَرَزَةَ، وَلاَ نَعْرِفُ لِقَيْسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم غَيْرَ هٰذَا.

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ غَرَزَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَهٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[١١٩٤-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا قَبِيْصَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ"

حدثنا سُوَيْدٌ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، مَنْ حديثِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ، وَأَبُوْ حَمْزَةَ: اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ جَابِرٍ، وَهُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ.

[١١٩٥-] حدثنا يَحْيَى بنُ خَلَفٍ، ثَنَا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُثْمَانَ بنِ خُثَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ عُبَيْدِ بنِ رِفَاعَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْمُصَلَّى، فَرَأَى النَّاسَ يَتَبَايَعُوْنَ، فَقَالَ: "يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ!" فَاسْتَجَابُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَفَعُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ إِلَيْهِ، فَقَالَ: " إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا، إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَيُقَالُ: إِسْمَاعِيْلُ بنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ رِفَاعَةَ أَيْضًا.

وضاحت: حضرت قیس کی حدیث (نمبر ۱۱۹۳) دوسندوں سے روایت کی ہے، پہلی سند عاصم کی ہے، وہ ابووائل شقیق بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ منصور، اعمش اور حبیب وغیرہ بھی اس حدیث کو ابووائل سے روایت کرتے ہیں یعنی ان سے اوپر یہی ایک سند ہے، اور حضرت قیس سے یہی ایک حدیث مروی ہے، پھر امام اعمش کی سند بیان کی ہے ـــــ اور دوسری حدیث (نمبر ۱۱۹۴) قبیصہ کی سند سے روایت کی ہے، وہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں، پھر ان کے متابع عبداللہ بن المبارک کی سند ذکر کی ہے، سفیان سے اوپر اس حدیث کی یہی ایک سند ہے۔

بابُ ماجاء في مَنْ حَلَفَ على سِلْعَةٍ كَاذِبًا

کسی سامان کے بارے میں جھوٹی قسم کھانا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر نہیں فرمائیں

گے اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کریں گے یعنی ان کے گناہ بغیر سزا کے معاف نہیں کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ حضرت ابوذرؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو بڑے ناکام اور نامراد ہونگے! آپؐ نے فرمایا: ''احسان جتلانے والا، لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، اور اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعہ چلانے والا''

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہت سے گنہ گاروں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے مگر تین شخصوں کو معافی نہیں ملے گی، ان کو ان کے گناہوں کی سزا ضرور ملے گی، مہربانی کی نظر نہ کرنے اور گناہوں سے پاک نہ کرنے کا یہی مطلب ہے، وہ تین شخص یہ ہیں:

۱- مَنَّان: مِنَّۃٌ (احسان) سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: بہت زیادہ احسان جتلانے والا، وہ شخص جو صدقہ، زکوۃ، امداد یا کسی اور طریقہ سے کسی کے ساتھ مدد کرے، پھر دوسرے وقت اس کو اس کے منہ پر مارے کہ میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے تو وہ شخص ناکام ونامراد ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف نہیں کریں گے، کیونکہ احسان کرنے والے کو ثواب کی شکل میں احسان کا بدلہ فوراً مل جاتا ہے، پس یہ بلاوجہ احسان جتلانا ہے اور اس کی قباحت ظاہر ہے۔

۲- لنگی اور پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہتا ہے، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور تکبر اللہ کو سخت ناپسند ہے، شوافع کی کتابوں میں یہ مسئلہ تکبر کی قید کے ساتھ مذکور ہے اور احناف کی کتابوں میں مطلق ہے۔ تکبر کے طور پر نہ ہو تو بھی حرام ہے، کیونکہ ہر شخص بہانہ بنا سکتا ہے کہ میری نیت تکبر کی نہیں ہے، پھر تکبر ایک مخفی چیز ہے بہت سوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا اور امور خفیہ میں شریعت کسی امر ظاہر کو امر خفی کے قائم مقام کرکے اس پر احکام دائر کرتی ہے، یہاں بھی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کو تکبر کی علامت قرار دے کر اس کو حرام کیا گیا ہے، اور حدیث میں خُیلاء (تکبر) کی قید اتفاقی ہے اور اِزار کی قید بھی اتفاقی ہے، اسبال ہر کپڑے میں ہوتا ہے، ہر کپڑا پہننے کا جو معروف طریقہ ہے اس کے خلاف پہننا اسبال ہے، مثلاً: ٹوپی بہت زیادہ اونچی پہننا، کرتا نصف پنڈلی سے بھی نیچے لٹکانا اسبال ہے۔ آنحضور ﷺ کی قمیص نصف پنڈلی تک ہوتی تھی، اور اب عرب جو توب (ثوب) پہنتے ہیں جو زمین کے قریب تک ہوتا ہے وہ عورتوں کا کرتہ ہے، اسی طرح بہت بڑی پگڑی باندھنا بھی اسبال ہے اور ممنوع ہے۔

۳- جھوٹی قسم کے ذریعہ سامان فروخت کرنے والا بھی حق جل مجدہ کی عنایات سے محروم رہے گا، حَلْف (مصدر) کے معنی ہیں: قسم کھانا اور حَلِف (اسم) کے معنی ہیں: قسم، جھوٹی قسم کھا کر سامان چلانا: گاہک کو دھوکہ دینا ہے، اور اسلام میں دھوکہ دہی کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے اس کا گناہ بھی بغیر سزا کے معاف نہیں ہوگا۔

[۵-] باب ماجاء فيمن حلف على سِلعةٍ كاذبًا

[۱۱۹۶-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيلانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنبأَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بنُ مُدْرِكٍ،

قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بنَ عَمْرِو بنِ جَرِيْرٍ، يُحَدِّثُ عَنْ خَرَشَةَ بنِ الْحُرِّ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " ثَلاَثَةٌ لاَيَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يُزَكِّيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ، قُلْتُ: مَنْ هُمْ؟ يَارسولَ اللّٰهِ! فَقَدْ خَابُوْا وَخَسِرُوْا! قَالَ:" الْمَنَّانُ، وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ"

وَفِيْ الْبَابِ عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وأَبِيْ أُمَامَةَ بنِ ثَعْلَبَةَ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَمَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ، حديثُ أَبِيْ ذَرٍّ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في التَّبْكِيرِ بِالتِّجَارَةِ

صبح سویرے کاروبار شروع کرنا

حدیث: حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! میری امت کے سویرے کے کاموں میں برکت فرما'' حضرت صخرؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو دن کے اول حصے میں (فجر کے فوراً بعد) روانہ کرتے، اور حدیث کے راوی حضرت صخر غامدیؓ تاجر تھے اور کوفہ میں رہتے تھے وہ اپنے نوکروں کو صبح ہی مارکیٹ روانہ کرتے تھے، چنانچہ وہ دولت مند ہوگئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا (عطف تفسیری ہے)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کا شروع حصہ برکت والا ہے، اس وقت کاروبار کرنا، تجارت یا جہاد کے لئے سفر کرنا، مطالعہ کرنا یا کوئی اور کام کرنا برکت کا باعث ہوتا ہے، لیکن اب ساری دنیا میں غیروں کا نظام الاوقات چل رہا ہے، اسی کے مطابق کاروبار ہوتا ہے، اسی کے مطابق آفسیں کھلتی ہیں اس لئے سویرے کام شروع کرنے میں دشواری ہے، اور یہ دشواری نیک بندوں کے لئے زیادہ ہے، وہ فجر سے پہلے بیدار ہوتے ہیں، بلکہ بعض بندے تو تہجد کے وقت اٹھ جاتے ہیں، پھر فجر کے بعد سونا رزق سے محرومی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: نَوْمُ الصُّبْحَةِ يَمْنَعُ الرِّزْقَ: فجر کے بعد سونے سے روزی کم ہوجاتی ہے (رواہ احمد ترغیب ۲: ۵۳۰) پس دس بجے تک قوتِ عمل ختم ہوجاتی ہے۔ سعودیہ میں اسلامی نظام الاوقات ہے، وہاں فجر کے بعد فوراً کاروبار شروع ہوتا ہے اور دوپہر میں دوکانیں اور آفسیں بند ہوجاتی ہیں، لوگ کھانے اور نماز سے فارغ ہوکر قیلولہ کرتے ہیں، وہاں کسی کے لئے کوئی دشواری نہیں، غرض کچھ اسلامی احکام ایسے ہیں جن پر بسہولت عمل اسلامی نظام ہی میں ممکن ہے، کافرانہ نظام میں اگر کوئی صبح سے دوکان کھول کر بیٹھ جائے گا تو کیا فائدہ ہوگا؟ گاہک تو دس بجے کے بعد آئیں گے۔

[٦-] باب ماجاء في التبكير بالتجارة

[١١٩٧-] حدثنا يَعْقُوبُ بنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا يَعْلَى بنُ عَطَاءٍ، عَنْ عُمَارَةَ بنِ حَدِيْدٍ، عَنْ صَخْرٍ الْغَامِدِيِّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا" قَالَ: وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا، وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تُجَّارَهُ: بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، فَأَثْرَى، وَكَثُرَ مَالُهُ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَبُرَيْدَةَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَأَنَسٍ، وابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، حديثُ صَخْرٍ الْغَامِدِيِّ حديثٌ حسنٌ ،وَلَانَعْرِفُ لِصَخْرٍ الْغَامِدِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ، وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ.

ملحوظہ: ذہبی نے اس حدیث کوضعیف قرار دیا ہے کیونکہ صخر غامدی: صحابہ میں معروف نہیں، اوران سے روایت کرنے والاعمارۃ مجہول راوی ہےاوران سے صرف یعلی روایت کرتا ہے،ثوری بھی شعبہ کے واسطہ سے یعلی ہی سے روایت کرتے ہیں (مگر یہ حدیث دسیوں صحابہ سے مروی ہے)

بابُ ماجاء في الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءَ إِلى أَجَلٍ

ادھارخریدنا جائز ہے

ادھارخریدنا بالاتفاق جائز ہےاورادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا بھی بالاجماع جائز ہے، مثلاً: ایک کتاب نقد دس روپے کی ہے اور کوئی ادھار خریدے اور بائع بارہ روپے کی دے تو یہ جائز ہے، اگرچہ یہ سود کے مشابہ ہے، البتہ ادھار میں ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنا ضروری ہےاوراس مقررہ وقت سے پہلے بائع ثمن طلب نہیں کرسکتا، اسی طرح جو چیز قسطوں پرخریدی جاتی ہے وہ بھی شراءالی الاجل (ادھار) ہے اس میں بھی مقرروقت پرمقررہ قسط ہی کا بائع مطالبہ کرسکتا ہے، اس سے پہلے اوراس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اوراس طرح خریدنا کہ مشتری کہے: ابھی میرے پاس پیسے نہیں، جب آئیں گے دیدونگا، یا کہے: بعد میں دیدوں گا، یہ نقدخریدنا ہے، اس صورت میں بائع کو ہروقت قیمت طلب کرنے کا حق ہے، وہ جب تک چشم پوشی کرے اس کا احسان ہے۔ اسی طرح کسی نے دو ماہ کے وعدہ پرقرض لیا تو قرض دینے والا ہروقت قرض کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ قرض میں ادھار نہیں ہوتا، اور جو دو ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے وہ محض وعدہ اوراحسان ہے، اس کی وجہ سے قرض ادھار نہیں ہوجاتا، البتہ دو ماہ یااس سے بھی زیادہ مدت تک قرض دینے والا چشم پوشی کرے اورقرض طلب نہ کرے تو یہ اس کا احسان

ہے، اسی طرح نقد بیع میں جب تک بائع چشم پوشی کرے اس کا احسان ہے، لیکن اس کو ہر وقت ثمن طلب کرنے کا حق ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں دو حدیثیں ہیں: پہلی حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے سوتی کپڑا خریدنے کا ارادہ فرمایا، اور قیمت آسانی ہونے پر یعنی انتظام ہونے پر ادا کرنے کا وعدہ کیا، یہ نقد بیع ہے، ادھار خریدنا نہیں، پس یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے۔ اور دوسری حدیث یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر کی ضرورت کے لئے ایک یہودی کی دوکان سے بیس صاع جو خریدے اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی، اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے وہ جو ادھار خریدے ہوں اور بائع کے اطمینان کے لئے زرہ گروی رکھی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ نقد خریدے ہوں اور ثمن کا انتظام ہونے پر قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا ہو، اور بائع کے اطمینان کے لئے زرہ گروی رکھی ہو۔ غرض یہ حدیث مجمل ہے، ادھار خریدنے کے بارے میں صریح نہیں۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کے پاس دو قطری موٹی چادریں تھیں (ایک چادر لنگی کی جگہ اور دوسری چادر کرتے کی جگہ استعمال فرماتے تھے) جب آپؐ (کسی مجلس میں) دیر تک بیٹھتے اور آپؐ کو پسینہ آتا تو وہ کپڑے آپؐ پر بھاری ہو جاتے یعنی ایک تو کپڑا موٹا پھر جب وہ پسینہ میں تر ہو جاتا تو بوجھ بن جاتا تھا۔ پس شام سے فلاں یہودی کے پاس سوتی کپڑا آیا، میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: کیا اچھا ہو کہ آپؐ اس یہودی کے پاس آدمی بھیجیں اور اس سے آسانی ہونے تک کے وعدہ پر دو کپڑے خرید لیں، آپؐ نے کسی کو اس کے پاس بھیجا، اس نے کہا: میں بالیقین جانتا ہوں محمد (ﷺ) کا کیا ارادہ ہے، وہ میرا مال یا کہا: میرے دراہم ہضم کر جانا چاہتے ہیں، آدمی واپس آیا اور ماجرا عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا: اس نے جھوٹ کہا: وہ بالیقین جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ دوسرے کا حق ادا کرنے والا ہوں (مگر مذہبی تعصب میں اور مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے اس نے وہ بات کہی ہے)

تشریح: اس حدیث میں وسعت ہونے پر قیمت ادا کرنے کی جو بات کہی گئی ہے وہ نقد خریدنا ہے، پس یہ حدیث بھی باب سے غیر متعلق ہے، اور اگر یہ توجیہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو مشورہ دیتے وقت لفظ میسرۃ استعمال کیا تھا، مگر جب آپؐ نے یہودی سے معاملہ کیا تو ادائے ثمن کے لئے کوئی وقت متعین کیا ہوگا، پس یہ ادھار خریدنا ہے: تو اس صورت میں حدیث کا باب سے تعلق قائم ہو جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث کی عمارۃ بن ابی حفصہ سے اوپر یہی ایک سند ہے اور عمارۃ سے اس حدیث کو یزید کے علاوہ امام شعبہؒ بھی روایت کرتے ہیں، اور امام ترمذیؒ: محمد بن فراس بصریؒ کی سند سے ابو داؤد طیالسیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں تلامذہ نے شعبہؒ سے یہ حدیث سنانے کی فرمائش کی، اتفاق سے عمارۃ کے لڑکے حرمی بھی

مجلس میں موجود تھے۔امام شعبہؒ نے کہا: جب تک سب حرمی کے سر کو بوسہ نہیں دوگے: حدیث نہیں سناؤں گا، چنانچہ سب نے حرمی کو چوما، تب امام شعبہؒ نے یہ حدیث سنائی، مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ شعبہؒ کو یہ حدیث بہت پسند تھی، اور عمارۃ کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے صاحبزادے کی تقبیل کرا کر استاذ کی تعظیم کی۔

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپؐ کی زرہ بیس صاع غلے کے بدلے میں گروی تھی جو آپؐ نے گھر والوں کی ضرورت کے لئے خریدا تھا۔

حدیث (۳): (پہلا واقعہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی باسی چربی لے کر گیا (یہ حدیث مختصر ہے اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کھانا آپؐ کے گھر بھجوایا)

(دوسرا واقعہ) اور آپؐ کی زرہ بیس صاع غلہ کے بدلہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی جو آپؐ نے اپنے گھر والوں کی ضرورت کے لئے لیا تھا (یہ واقعہ اوپر والی روایت میں آگیا)

(تیسرا واقعہ) اور ایک دن نبی ﷺ نے صحابہ کے سامنے اپنا یہ حال بیان کیا کہ آج شام میرے کسی گھر میں نہ ایک صاع کھجور ہے اور نہ ایک صاع اناج۔ اور اس وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں یعنی نو گھر تھے، مگر کسی گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔

تشریح: آنحضور ﷺ کی زندگی بہت سادہ تھی اور بعض اوقات معیشت تنگ ہو جاتی تھی مگر آپؐ کبھی اپنی تنگی صحابہ کے سامنے بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ قریب ترین لوگوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا تھا، مگر جب لوگوں کو صبر و شکر کی تلقین کرنا مقصود ہوتا یا کوئی اور مصلحت ہوتی تو آپؐ اپنے احوال کا تذکرہ فرماتے تھے، جیسے غزوۂ خندق کی کھدائی کے موقع پر صحابہ نے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ دکھائے جن پر پتھر بندھے ہوئے تھے، تو آپؐ نے اپنی چادر ہٹائی، آپؐ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے، یعنی آپ کا فاقہ صحابہ سے دوگنا تھا، چنانچہ سب کو تسلی ہوگئی اور سب کام میں لگ گئے، یہاں بھی ایسی ہی کوئی مصلحت رہی ہوگی جس کی وجہ سے آپؐ نے اپنی حالت کھولی ہے کہ آج میرے کسی گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں!

[۷-] باب ماجاء فی الرخصة فی الشِّراء إلی أجلٍ

[۱۱۹۸-] حدثنا أَبُوْ حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا عُمَارَةُ بنُ أَبِیْ حَفْصَةَ، ثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ عَلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثَوْبَيْنِ قَطَرِيَّيْنِ غَلِيْظَيْنِ، فَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ، فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانِ الْيَهُوْدِیِّ، فَقُلْتُ: لَوْ بَعَثْتَ

إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسَرَةِ! فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ مَايُرِيْدُ؟ إِنَّمَا يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِمَالِيْ أَوْ: بِدَرَاهِمِيْ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كَذَبَ! قَدْ عَلِمَ أَنِّيْ مِنْ أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ، وَأَدَّاهُمْ لِلْأَمَانَةِ"

وفي الباب: عَنِ ابنِ عبَّاسٍ، وَأَنَسٍ، وأَسْمَاءَ ابْنَةِ يَزِيْدَ، حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ أَيْضًا عَنْ عُمَارَةَ بنِ أَبِيْ حَفْصَةَ.

قَالَ: سَمِعْتُ مُحمدَ بنَ فِرَاسٍ الْبَصْرِيَّ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ الطَّيَالِسِيَّ يَقُوْلُ: سُئِلَ شُعْبَةُ يَوْمًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، فَقَالَ: لَسْتُ أُحَدِّثُكُمْ حَتّٰى تَقُوْمُوْا إِلَى حَرَمِيِّ بنِ عُمَارَةَ، فَتُقَبِّلُوْا رَأْسَهُ، قَالَ: وَحَرَمِيٌّ فِي الْقَوْمِ.

[۱۱۹۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، وَعُثْمَانُ بنُ أَبِيْ عُمَرَ، عَنْ هِشَامِ بنِ حَسَّانٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: تُوُفِّيَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم وَدِرْعُهُ مَرْهُوْنَةٌ بِعِشْرِيْنَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ؛ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۲۰۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ ح: قَالَ مُحمدٌ: وَأَخْبَرَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَشَيْتُ إِلَى رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ؛ وَلَقَدْ رُهِنَ لَهُ دِرْعٌ مَعَ يَهُوْدِيٍّ بِعِشْرِيْنَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ؛ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ ذَاتَ يَوْمٍ يَقُوْلُ: "مَا أَمْسٰى عِنْدَ آلِ مُحمدٍ صَاعُ تَمْرٍ وَلَا صَاعُ حَبٍّ!" وَإِنَّ عِنْدَهُ يَوْمَئِذٍ لَتِسْعُ نِسْوَةٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: قوله: ثَوْبَيْنِ قَطَرِيَّيْنِ غليظين: دوسرے نسخہ میں ثوبانِ قَطَرِيَّانِ غليظان حالت رفعی میں ہے، اور کان کا اسم مؤخر ہے......... قوله: فَعَرِقَ: مستقل جملہ ہے اور ثَقُلا: إذا کی جزاء ہے...... بزّ کے معنی ہیں: سوتی کپڑا...... لو: للتمنی...... المَيْسَرَة: مصدر میمی: سہولت، آسانی...... أتقٰی: اسم تفضیل: خدا کا خوف دل میں ہونے کی وجہ سے اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بہت زیادہ بچنے والا...... أدّٰی یا آدیٰ: اسم تفضیل: دوسرے کا حق پورا پورا چکانے والا...... امانت: سپرد کی ہوئی چیز، دوسرے کا واجب حق...... قال: سمعتُ کا فاعل امام ترمذی ہیں...... قال: وحرمي: اس قال کا فاعل ابوداؤد طیالسی بھی ہوسکتے ہیں اور امام ترمذی بھی...... اور آخری حدیث میں تحویل کے بعد جو قال محمد ہے اس سے امام ترمذی کے استاذ محمد بن بشار مراد ہیں۔

بابُ ماجاء في كِتَابَةِ الشُّرُوْطِ

دستاویز لکھنے کا بیان

شروط: شرطٌ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: وثیقہ، دستاویز، کسی امر کا تحریری ثبوت، وہ سند جس سے اپنا حق ثابت کرسکیں۔ اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی اہم معاملہ کیا جائے تو اس کو لکھ لینا چاہئے، اور دھار کا معاملہ ہو تو ضرور لکھنا چاہئے، ارشاد پاک ہے: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲) یعنی جب تم آپس میں متعین وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لو، اور معاملات کس طرح لکھے جاتے ہیں اس کے لئے عالمگیری کتاب المحاضر والسجلات دیکھیں، اس میں ہر معاملہ کے لئے دستاویز دیئے گئے ہیں، ان کی مدد سے وثیقے لکھے جاسکتے ہیں، جیسے ایک کتاب ہے: سپاس نامے، اس میں بڑی راہنمائی ہے، مہمان: ملک کا صدر یا وزیر اعظم ہو تو سپاس نامہ کیسے لکھا جائے، ڈاکٹر، انجینئر، شیخ الحدیث یا کوئی اور قابل احترام شخصیت ہو تو سپاس نامہ کس طرح لکھنا چاہئے اس کے نمونے ہیں، اس کی مدد سے مہمان کی حیثیت، عہدہ اور قابلیت کے مطابق سپاس نامہ تیار کیا جاسکتا ہے، اسی طرح کوئی چیز وقف کرنی ہو، بیچنی یا خریدنی ہو، ہبہ کرنی ہو، دو قبیلوں، خاندانوں یا ملکوں کے درمیان معاہدہ لکھنا ہو یا کوئی اور اہم معاملہ تحریر کرنا ہو تو عالمگیری میں اس کے نمونے ہیں، ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

حدیث: نبی کریم ﷺ نے اپنا ایک غلام عدّاء کے ہاتھ بیچا اور ایک تحریر لکھ کر دی، یہی دستاویز ہے، حضرت عداءؓ نے وہ تحریر محفوظ رکھی تھی، ایک مرتبہ انھوں نے عبدالمجید سے کہا: کیا میں تمہیں وہ تحریر نہ دکھلاؤں جو نبی ﷺ نے مجھے لکھ کر دی ہے؟ عبدالمجید نے کہا: کیوں نہیں! ضرور دکھلایئے، پس عداء (گھر میں سے) میرے پاس ایک تحریر لائے، اس میں لکھا ہوا تھا: یہ وہ غلام یا باندی (راوی کو شک ہے) ہے جو عداء نے محمد ﷺ سے خریدی ہے اس میں نہ تو کوئی بیماری ہے (جس کی وجہ سے خیار عیب حاصل ہوتا ہے) اور نہ یہ چوری کا مال ہے اور نہ حرام مال ہے، ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ (کھری) بیع ہے۔

مسئلہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مشتری کو معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ مبیع حرام مال ہے یا چوری کا مال ہے تو اس کو خریدنا جائز نہیں۔

فائدہ: یہاں ایک بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے کوئی چیز بیچی ہے یا نہیں؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیچی ہے، مگر اسی حدیث میں بخاری میں تعلیقاً (کتاب البیوع، باب ۱۹) یہ ہے کہ غلام: نبی ﷺ نے خریدا تھا، مگر تحریر کا حضرت خالد کے پاس ہونا قرینہ ہے کہ خریدار وہی تھے اور بائع نبی ﷺ تھے۔

[۸-] باب ماجاء في كتابة الشروطِ

[۱۲۰۱-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبَّادُ بنُ لَيْثٍ: صَاحِبُ الْكَرَابِيْسِ، ثَنَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ بنُ وَهْبٍ، قَالَ: قَالَ لِي الْعَدَّاءُ بنُ خَالِدِ بنِ هَوْذَةَ: أَلَا أُقْرِئُكَ كِتَابًا كَتَبَهُ لِيْ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ قُلْتُ: بَلٰى! فَأَخْرَجَ لِيْ كِتَابًا: "هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: اشْتَرَى مِنْهُ عَبْدًا أَوْ: أَمَةً، لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ، بَيْعُ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبَّادِ بنِ لَيْثٍ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ هٰذَا الْحَدِيْثَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيْثِ.

لغت: کرابیس: کرباس کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: سوتی کپڑا، سوتی کپڑے کو بَزّ بھی کہتے ہیں اور اس کے تاجر کو بزّاز کہتے ہیں، صاحب الکرابیس یعنی سوتی کپڑے کا تاجر...... الغائلة: چوری کا مال، غَالَ فلان کذا: چرانا...... الخِبْثة: الحرام یعنی کسی اور طرح سے حاصل کیا ہوا ناجائز مال...... بیعُ المسلم میں مبتدا محذوف ہے أی هذا.

بابُ ماجاء في الْمِكْيَالِ وَالْمِيْزَانِ

پیمانوں اور ترازو کا بیان

بازار میں عام طور پر چیزیں یا تو ناپ کر بیچی خریدی جاتی ہیں یا تول کر، آج کل اکثر چیزیں تول کر بیچی جاتی ہیں۔ اور نبی ﷺ کے عہد میں زیادہ تر چیزیں ناپ کر بیچی جاتی تھیں، تاجروں پر فرض ہے کہ پورا تولیں اور ناپیں، ڈنڈی مارنا اور کم ناپنا سخت گناہ ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اسی گناہ کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی، اس لئے اس فعل شنیع سے مکمل احتراز چاہئے، ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار تشریف لے گئے، آپؐ نے ان لوگوں سے جو ناپ کر اور تول کر چیزیں بیچ رہے تھے یعنی کاروبار کر رہے تھے: فرمایا: "تم لوگ ایسی دو چیزوں (کیل ووزن) کے ذمے دار بنائے گئے ہو جس میں کوتاہی کی وجہ سے گذشتہ امتوں میں سے بعض امتیں ہلاک کی جاچکی ہیں" اور جو چیزیں گز سے ناپ کر یا گن کر بیچی خریدی جاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے، ان میں بھی دھوکہ بازی کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔

[۹-] باب ماجاء في المكيال والميزان

[۱۲۰۲-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ يَعْقُوْبَ الطَّالِقَانِيُّ، ثَنَا خَالِدُ بنُ عَبْدِ اللهِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ حُسَيْنِ بنِ قَيْسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِأَصْحَابِ الْكَيْلِ

وَالْمِيْزَانِ: " إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِ الْأُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ"
هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحُسَيْنِ بنِ قَيْسٍ، وَحُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا بِإِسْنَادٍ صحيحٍ مَوْقُوْفًا عنِ ابنِ عَبَّاسٍ.

وضاحت: اس حدیث کو صرف حسین بن قیس نے مرفوع کیا ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، یہ حدیث درحقیقت موقوف ہے یعنی ابن عباسؓ نے تاجروں کو مذکورہ نصیحت کی ہے۔

بابُ ماجاء في بَيْعِ: مَنْ يَزِيْدُ؟

نیلام کرنے کا بیان

من یزیدُ؟ کون زیادہ قیمت دیتا ہے؟ یعنی نیلام کرنا جائز ہے اور دلیل باب کی حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث مختصر لکھی ہے، پورا واقعہ ابوداؤد میں ہے: ایک انصاری صحابی نے آنحضور ﷺ سے سوال کیا، اتفاق سے آپؐ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں تھا، آپؐ نے پوچھا: کیا تیرے پاس کچھ نہیں؟ اس نے عرض کیا: ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے، آپؐ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں لے آ، پھر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک صحابی نے کہا: میں ان کو ایک درہم میں خریدتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: کون زائد دیتا ہے؟ (یہی نیلامی ہے) ایک دوسرے صحابی نے (غریب کی مدد کی نیت سے) دو درہم لگائے، آپؐ نے وہ پیالہ اور ٹاٹ دو درہم میں ان کے ہاتھ فروخت کر دیا اور مالک سے فرمایا: ایک درہم کا اناج خرید کر گھر ڈالو، اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ، جب وہ کلہاڑی لائے تو آپؐ نے خود اس میں دستہ لگایا اور فرمایا: جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کرو، اور پندرہ دن تک مجھے نظر نہ پڑنا، انھوں نے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کرنی شروع کیں، پندرہ دن کے بعد جب وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو انھوں نے دس درہم پس انداز کر لئے تھے، آپ نے فرمایا: بتاؤ، یہ بہتر ہے یا یہ کہ تم لوگوں سے سوال کرو اور قیامت کے دن وہ مانگنا تمہارے چہرے پر زخم کی صورت میں نمودار ہو؟ (ابوداؤد: ۲۳۲ کتاب الزکوٰۃ باب ماتجوز فیہ المسألۃ)

یہ حدیث دلیل ہے کہ نیلام کرنا جائز ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین اسی کے قائل ہیں، البتہ بعض متقدمین مثلاً حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے نزدیک نیلامی مطلقاً جائز نہیں تھی، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ نبی ﷺ نے بیع پر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور نیلامی میں یہی ہوتا ہے، دو شخصوں کے درمیان بھاؤ تاؤ چل رہا ہوتا ہے کہ تیسرا شخص بیچ میں کودتا ہے اور دام زیادہ لگا دیتا ہے جو حدیث کی رُو سے ممنوع ہے، مگر حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ جب تک بائع کا کسی کی طرف میلان اور رجحان نہ ہو دوسرا شخص بول سکتا ہے اور نیلامی میں نہ صرف یہ کہ بائع کا کسی کی طرف رجحان نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسروں کو خریدنے کی دعوت دیتا ہے، پس اس مرحلہ میں ہر شخص کو خریدنے کا حق ہے (مزید تفصیل ابواب النکاح باب ۳۶ میں ہے)

اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مواریث اور غنائم میں نیلامی جائز ہے، دیگر اموال میں نیلامی جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مواریث وغنائم کے علاوہ میں نیلامی سے منع فرمایا ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع من يزيد إلا في الغنائم والمواريث (دارقطنی ۳:۱۱۰) اور رسول اللہ ﷺ سے بھی صرف مواریث وغنائم میں نیلامی ثابت ہے دیگر اموال میں نیلام کرنا منقول نہیں، لیکن باب کی حدیث اس کے معارض ہے، اس میں جو چیزیں نیلام کی گئی ہیں وہ نہ مواریث میں سے ہیں اور نہ غنائم میں سے، علاوہ ازیں جب آنحضرت ﷺ سے مواریث وغنائم میں نیلام کرنا ثابت ہے تو اس پر قیاس کر کے دیگر اموال کا بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اور دارقطنی کی روایت ضعیف ہے، صحیح روایات کے مقابلہ میں اس کو نہیں لیا جاسکتا۔

فائدہ: اسلامی نیلامی اور دنیاوی نیلامی میں یہ فرق ہے کہ دنیاوی نیلامی میں آخری بولی پر بیع تام ہوجاتی ہے خواہ اس پر بائع راضی ہو یا نہ ہو، اور مشتری کو خیار رؤیت اور خیار عیب حاصل نہیں ہوتا، اور اسلامی نیلامی میں بیع تام اس وقت ہوتی ہے جب اس آخری بولی پر دینے کے لئے بائع راضی ہو، کیونکہ بیع میں تراضی طرفین شرط ہے اور مشتری کو خیار رویت اور خیار عیب حاصل ہوتا ہے، وہ ان خیاروں کی وجہ سے بیع فسخ کرسکتا ہے۔

[۱۰-] باب ماجاء في بيع من يزيدُ؟

[۱۲۰۳-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ شُمَيْطِ بنِ عَجْلَانَ، ثَنَا الْأَخْضَرُ بنُ عَجْلَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَنَفِيِّ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا، وَقَالَ: "مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ؟" فَقَالَ رَجُلٌ: أَخَذْتُهُمَا بِدِرْهَمٍ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ يَزِيْدُ عَلَى دِرْهَمٍ؟ مَنْ يَزِيْدُ عَلَى دِرْهَمٍ؟" فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ، فَبَاعَهُمَا مِنْهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْأَخْضَرِ بنِ عَجْلَانَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ الْحَنَفِيُّ الَّذِيْ رَوَى عَنْ أَنَسٍ: هُوَ أَبُوْ بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِبَيْعِ مَنْ يَزِيْدُ فِي الْغَنَائِمِ وَالْمَوَارِيْثِ.

وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيْثَ الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيْثِ عَنِ الْأَخْضَرِ بنِ عَجْلَانَ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علماء کے نزدیک غنائم ومواریث میں نیلام جائز ہے، یہ جمہور کا مذہب بیان کیا ہے اور غنائم ومواریث کی قید اتفاقی ہے کیونکہ عام طور پر مواریث وغنائم ہی میں نیلامی کی نوبت آتی ہے، مثلاً: میراث میں ایک بھینس ہے یا مال غنیمت میں ایک گھوڑا ہے، یہاں نیلامی کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ اس کی تقسیم کی کوئی صورت نہیں، یا یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ آپ کو امام اوزاعی کے مذہب سے اشتباہ ہوگیا ہے۔

اور اس حدیث کی اخضر سے اوپر یہی ایک سند ہے، پھر ان سے روایت کرنے والے متعدد حضرات ہیں، عبیداللہ بھی روایت کرتے ہیں اور معتمر وغیرہ بھی اور اخضر کے استاذ عبداللہ حنفی: ابوبکر حنفی سے معروف ہیں۔

بابُ ماجاء فی بَیْعِ الْمُدَبَّرِ

مدبر کی بیع کا بیان

دَبَّرَ العَبْدَ کے معنی ہیں: غلام کی آزادی کو موت پر معلق کرنا۔ مدبر: اسم مفعول ہے، اور مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق اور مدبر مقید۔ مدبر مطلق: اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس کو آقا کہہ دے: أَنت حر عن دُبُرٍ مِّنِّیْ: تو میرے مرے پیچھے آزاد ہے۔ اور مدبر مقید: وہ غلام یا باندی ہے جس کی آزادی کو آقا کسی خاص حادثہ یا خاص مدت تک مرنے کے ساتھ مقید کرے، مثلاً یہ کہے: اگر میں اس بیماری میں مرگیا/ اس مہینے میں مرگیا/ اس سفر میں مرگیا تو تو آزاد ہے۔

مذاہبِ فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ مدبر مقید کو شرط کے تحقق سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ اس کو فی الحال آزادی یا آزادی کا استحقاق حاصل نہیں ہوا، اور تحقق شرط کے بعد فروخت کرنے کا سوال ہی نہیں، کیونکہ اس وقت وہ آزاد ہوجائے گا۔ اور مدبر مطلق کو آقا کے مرنے کے بعد بالاتفاق فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ موت کے ساتھ ہی آزاد ہوجائے گا۔ البتہ آقا کی حیات میں فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک فروخت کرسکتے ہیں، کیونکہ اس کو فی الحال نہ آزادی حاصل ہے، نہ آزادی کا استحقاق، پس اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اور امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک مدبر مطلق کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ اگرچہ فی الحال آزاد نہیں مگر آزادی کا اس کو استحقاق حاصل ہوگیا ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر مدبر بنانے سے پہلے آقا مدیون ہو اور غلام دین میں مشغول ہو یعنی اس غلام کو بیچ کر ہی قرض ادا کیا جاسکتا ہو، قرض کو ادا کرنے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو آقا اس مدبر غلام کو بیچ سکتا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں، البتہ قاضی تدبیر فسخ کرکے غلام کو بیچ سکتا ہے۔

حدیث: ایک انصاری صحابی نے جن کا نام ابو مذکور تھا اپنے غلام یعقوب کو مدبر بنایا چونکہ ان کے پاس اس

غلام کے علاوہ دوسرا کوئی مال نہیں تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے اس کو نعیم بن نحام کے ہاتھ فروخت کردیا وہ قبطی غلام (مصر کا باشندہ) تھا اور وہ ہمیشہ غلام ہی رہا، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی خلافت کے پہلے سال میں اس کا انتقال ہوا۔

جاننا چاہئے کہ یہاں حدیث میں یہ ہے کہ مولیٰ کے مرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس غلام کو فروخت کیا، مگر یہ راوی کا وہم ہے، آپؐ نے مولیٰ کی حیات میں اس غلام کو فروخت کیا تھا، امام شافعی، ابن حجر عسقلانی اور بیہقی وغیرہ نے اس حدیث میں یہ علتِ خفیہ نکالی ہے، پس یہ حدیث معلول ہے اور مات کو ابن عیینہؒ کا وہم قرار دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ وہ غلام مدبر مطلق تھا اور آنحضور ﷺ نے اس کو فروخت کیا، معلوم ہوا کہ مدبر مطلق کو بھی فروخت کرسکتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا جواب یہ ہے کہ وہ غلام دین میں مشغول تھا اس لئے فروخت کیا گیا اس سے ہر مدبر مطلق کی بیع کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو آنحضور ﷺ نے یعنی قاضی نے فروخت کیا ہے، مولیٰ نے فروخت نہیں کیا اور وہ مدبر جو دین میں مشغول ہو قاضی تدبیر فسخ کرکے اس کو فروخت کرسکتا ہے، البتہ مولیٰ کو یہ حق نہیں۔ غرض یہ حدیث کسی کے بھی معارض نہیں اور اختلاف نص فہمی کا ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء في بيع المُدَبَّرِ

[۱۲۰٤-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ دَبَّرَ غُلَامًا لَهُ، فَمَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ مَالاً غَيْرَهُ، فَبَاعَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بنُ النَّحَّامِ، قَالَ جَابِرٌ: عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ الأَوَّلَ فِي إِمَارَةِ ابنِ الزُّبَيْرِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِبَيْعِ الْمُدَبَّرِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَكَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ بَيْعَ الْمُدَبَّرِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكٍ، وَالأَوْزَاعِيِّ.

ترجمہ: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد اسانید سے مروی ہے (مگر مات صرف ابن عیینہ کی حدیث میں ہے) اور اس حدیث پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے، وہ مدبر کی بیع میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم مدبر (مطلق) کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں اور یہ ثوری، مالک اور اوزاعی کا مذہب ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَۃِ تَلَقِّی الْبُیُوْعِ

برائے فروخت آنے والی چیزوں کا استقبال کرنا مکروہ ہے

تَلَقِّی کے معنی ہیں: استقبال کرنا، ملاقات کرنا اور بیوع بمعنی مبیعات ہے یعنی برائے فروخت لائی جانے والی چیزیں۔ صبح کے وقت دیہات سے لوگ بوگیوں میں بھر کر سبزیاں وغیرہ شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں، یہ مبیعات ہیں، اور پرانے زمانہ میں بڑے تاجر عام لوگوں کی ضروریات جانوروں پر لاد کر شہر شہر، قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں لے جا کر بیچتے تھے، اس کو لادی اور کھیپ کہتے تھے، یہ بھی بیوع بمعنی مبیعات (اسم مفعول) ہیں یعنی بیچنے کی چیزیں۔

شہر کے باہر سے کوئی شخص (لادی یا دیہاتی) تجارتی مال لے کر شہر آرہا ہو تو اس کو شہر میں آ کر فروخت کرنے کا موقع دینا چاہئے، تاجروں یا لوگوں کو آگے جا کر خریدنا نہیں چاہئے، اور اگر تاجر اس سے باہر نکل کر ملاقات کرے اور اس سے سودا کرے تو یہ تلقی البیوع ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں عام لوگوں کا بھی نقصان ہے اور بائع کا بھی نقصان ہے، بائع کا نقصان یہ ہے کہ عام طور پر لادی والے کو اور دیہاتی کو یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ شہر میں اس چیز کا بھاؤ کیا ہے؟ تاجر کم دام بتا کر سامان خرید لیتا ہے اگر وہ اپنا مال لے کر بازار میں آئے گا تو اس کو زیادہ قیمت ملے گی، اور عوام کا نقصان یہ ہے کہ جب مال ایک یا چند تاجروں نے مل کر خرید لیا اور اس مال کی شہر میں قلت ہے تو وہ من مانی قیمت پر بیچیں گے اور لوگ خریدنے پر مجبور ہونگے کیونکہ وہ مال دوسروں کے پاس نہیں ہے اس طرح ان کا نقصان ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے ملکی مصلحت سے یہ ممانعت کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ نو بیوع ایسی ہیں جن میں جوے کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی ان میں غرر (دھوکہ) اور مخاطرہ (جوکھوں) ہے، یعنی مال مل بھی سکتا ہے اور نہیں بھی مل سکتا، نفع ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا، اسی کو قمار، میسر، سٹہ اور لاٹری کہتے ہیں، آج دنیا میں اس کی بے شمار شکلیں رائج ہیں، اسلام نے ان تمام شکلوں کو حرام کر دیا ہے، اسی طرح نو اسباب کی وجہ سے بیع میں کراہیت آتی ہے ان میں سے ایک ملکی مصلحت بھی ہے، وہی یہاں پیش نظر ہے۔ نبی ﷺ نے بائع اور عوام کو نقصان سے بچانے کے لئے کھیپ سے ملاقات کرنے کی ممانعت کر دی، یہی ملکی مصلحت ہے (تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۵۵۷-۵۶۴ دیکھیں)

مسئلہ: اگر شہری تاجر دیہاتی کو دھوکا دے کر کم داموں میں مال خرید لے تو یہ بیع بالاجماع درست ہے، البتہ جب دیہاتی کو دھوکے کا علم ہو تو وہ بیع فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اگر شہری تاجر نے غرر قولی کیا ہے یعنی غلط بھاؤ بتایا ہے تو دیہاتی قاضی کے واسطہ سے بیع فسخ کر سکتا ہے اور اگر غرر فعلی کیا ہے یعنی زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر طرز عمل ایسا اختیار کیا ہے جس سے دیہاتی یہ سمجھا کہ آج مارکیٹ ڈاؤن ہے اور

اس نے کم داموں میں اپنا مال اس تاجر کو بیچ دیا، بعد میں اس کو دھوکے کا علم ہوا تو وہ قضاءً بیع فسخ نہیں کرسکتا ہاں دیانۃً اس بیع کو فسخ کر دینا چاہئے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ غرر قولی ہو یا فعلی دونوں صورتوں میں دیہاتی کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے، ان کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے کہ نبی ﷺ نے تلقی جلَب سے منع فرمایا ہے —— جلَب: جالبٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: کھینچ کر لانے والا، چونکہ دیہاتی اور لادی والا باہر سے مال شہر میں لاکر فروخت کرتا ہے اس لئے اس کو جالب کہا جاتا ہے، پس تلقی بیوع تلقی رُکبان اور تلقی جلب ایک ہی ہیں —— اگر جلب سے کوئی ملاقات کرے اور وہ اس کو اپنا سامان بیچ دے تو مال لانے والے کو اختیار ہے جب وہ بازار میں آئے، یعنی جب اس کو یہ بات معلوم ہو کہ اس کو دھوکا دیا گیا ہے تو وہ بیع فسخ کرسکتا ہے، اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں کہ تلقی جلب میں خواہ غرر قولی ہو یا فعلی، بائع بیع فسخ کرسکتا ہے، یعنی ان کے نزدیک خیار مغبون (دھوکہ خوردہ کو خیار) حاصل ہے، حنفیہ کے نزدیک خیار مغبون حاصل نہیں یعنی اگر کوئی شخص دھوکہ کھا کر کوئی چیز بیچ دے یا خرید لے تو اس کو بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار حاصل نہیں، وہ بیع ہوگئی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس خیار کا ذکر ہے وہ دیانۃً ہے، قضاءً اختیار حاصل نہیں۔

[۱۲-] باب ماجاء في كراهية تلقي البيوع

[۱۲۰۵-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوْعِ.

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۲۰۶-] حدثنا سَلَمَةُ بنُ شَبِيْبٍ، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ، ثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بنُ عَمْرٍو الرَّقِّيُّ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يُتَلَقَّى الْجَلَبُ، فَإِنْ تَلَقَّاهُ إِنْسَانٌ فَابْتَاعَهُ: فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيْهَا بِالْخِيَارِ إِذَا وَرَدَ السُّوْقَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ أَيُّوْبَ، وَحَدِيْثُ ابنِ مَسْعُوْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ تَلَقِّيَ الْبُيُوْعِ، وَهُوَ ضَرْبٌ مِنَ الْخَدِيْعَةِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِنَا.

ترجمہ: اہل علم میں سے بعض نے تلقی بیوع کو مکروہ کہا ہے، اس لئے کہ اس میں ایک طرح کا دھوکہ ہے اور یہ ہمارے اکابر میں سے امام شافعیؒ وغیرہ کا قول ہے (جاننا چاہئے کہ امام ترمذیؒ نے کراہیت کی جو وجہ بیان کی ہے وہ ٹھیک نہیں، جس بیع میں غرر (دھوکہ) ہوتا ہے وہ بیع فاسد ہوتی ہے جبکہ تلقی جلب کی صورت میں بیع بالاتفاق درست

ہے، پس کراہیت کی صحیح وجہ وہ ہے جو شاہ صاحب نے بیان کی ہے کہ یہ ممانعت ملکی مصلحت کی وجہ سے ہے)

بابُ ماجاءَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ

شہری دیہاتی کے لئے نہ بیچے

حاضرٌ: کے معنی ہیں: شہری، اور بَادِیْ اور بَادٍ: کے معنی ہیں بدّو، خانہ بدوش، دیہاتی —— کوئی دیہاتی تجارتی مال لے کر شہر آئے اور مارکیٹ ڈاؤن (گری ہوئی) پائے، پس کوئی شہری اس سے کہے: آج بھاؤ کم ہے مال مت بیچ، میرے پاس رکھ چھوڑ، جب بھاؤ بڑھے گا میں فروخت کروں گا۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، ارشاد ہے: ''کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے نہ بیچے، لوگوں کو چھوڑ و اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق پہنچاتے ہیں'' یعنی دیہاتی اگر اپنا مال فی الحال بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا، کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی اور شہر میں ذخیرہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے ان کو چیز سستی مل جائے گی، اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا، اور نقد ادھار سے بہتر ہے، اور اگر شہری اس کا مال بیچے گا تو اس میں لوگوں کا بھی نقصان ہے اور دیہاتی کا بھی نقصان ہے، لوگوں کا نقصان یہ ہے کہ شہری وہ مال زیادہ داموں پر فروخت کرے گا، اور دیہاتی کا نقصان یہ ہے کہ کبھی مارکیٹ ہفتوں ڈاؤن رہتی ہے پس دیہاتی کو انتظار کی کلفت برداشت کرنی پڑے گی۔ غرض یہ ممانعت بھی ملکی مصلحت سے ہے۔

اور برعکس صورت یعنی شہری کا دیہاتی کے لئے خریدنا جائز ہے مثلاً کسی دیہاتی کو اپنی لڑکی کی شادی کے لئے جہیز خریدنا ہے، کوئی شہری اس کو مناسب قیمت پر اشیاء دلوادے تو یہ جائز ہے، اس میں شہری دوکاندار کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ تاجر دھوکہ نہیں کھاتا وہ چالاک ہوتا ہے اور دیہاتی کا فائدہ ہے وہ لٹنے سے یعنی زیادہ داموں پر خریدنے سے بچ جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال اپنے پاس رکھ لے اور قیمت بڑھنے کے بعد بیچے تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایسا کرنا مکروہ (تنزیہی) ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء لايبيع حاضر لباد

[۱۲۰۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وأَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، قَالاَ: ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ قُتَيْبَةُ: يَبْلُغُ بِهِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: '' لَايَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

وفي الباب: عَنْ طَلْحَةَ، وأَنَسٍ، وَجَابِرٍ، وابنِ عبَّاسٍ، وحَكِيْمِ بنِ أَبِيْ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِيْهِ، وَعَمْرِو بنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ جَدِّ كَثِيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۲۰۸-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، وَأَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَايَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ"

حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صحيحٌ، وحديثُ جَابِرٍ فِيْ هٰذَا هُوَ حَدِيْثٌ حسنٌ صحيحٌ أَيْضًا.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الحَدِيْثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: كَرِهُوْا أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَنْ يَشْتَرِيَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَقَالَ الشَّافعيُّ: يُكْرَهُ أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وإِنْ بَاعَ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ.

ترجمہ: پہلی سند کے آخر میں امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ احمد بن منیع کے الفاظ ہیں، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ——— اور قتیبہ کے الفاظ ہیں: يبلغ به النبيَّ صلى الله عليه وسلم یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے ساتھ نبی ﷺ تک پہنچتے ہیں یعنی حدیث کو مرفوع کرتے ہیں، مطلب دونوں کا ایک ہے، عباراتُنا شتّٰی وحسنُك واحد ——— اس حدیث پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے وہ شہری کے بیچنے کو دیہاتی کے لئے مکروہ کہتے ہیں، اور بعض علماء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ شہری دیہاتی کے لئے خریدے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہری کا دیہاتی کے لئے بیچنا مکروہ ہے اور اگر بیچے تو بیع جائز ہے۔

بَابُ ماجاء في النَّهْيِ عنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ

بیع محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ سے منع فرمایا۔

تشریح: محاقلہ کہتے ہیں کھڑی کھیتی کو مثلاً گیہوں کو ہم جنس غلہ کے عوض بیچنا، اور مزابنہ کہتے ہیں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو مثلاً کھجوروں کو ہم جنس پھلوں کے عوض بیچنا۔ یہ دونوں بیوع ممنوع ہیں اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غلہ اور پھل ربوی (سودی) چیزیں ہیں، ان کی ہم جنس سے بیع میں مساوات ضروری ہے، کمی بیشی حرام ہے، اور کھڑی کھیتی کا اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا صحیح اندازہ ممکن نہیں، پس کمی بیشی کے احتمال کی وجہ سے یہ بیوع ممنوع ہیں۔

البتہ کھڑی کھیتی کو اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو پیسوں کے بدل یا غیر جنس کے پھلوں اور غلے کے بدل بیچنا

جائز ہے کیونکہ غیر جنس سے بیع کی صورت میں تفاضل جائز ہے۔

فائدہ: لوگ بیع محاقلہ اور مزابنہ کبھی تعاون باہمی کے جذبہ سے کرتے ہیں مثلاً ایک شخص کی کھیتی پکنے میں ابھی دیر ہے اور اس کے یہاں کوئی تقریب ہے اُسے گندم کی ضرورت ہے اور اس کے کسی رشتہ دار، پڑوسی یا دوست کی کھیتی پک کر کٹ چکی ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ میرے کھیت کا اندازہ کر کے اس کے بقدر گندم مجھے دیدو اور جب میری کھیتی پک جائے تو اسے آپ لے لینا۔

مگر تعاون باہمی کا جذبہ تو کم کارفرما ہوتا ہے، نفع کا لالچ زیادہ ہوتا ہے اس لئے کہ کھڑی کھیتی میں سے جو گھاس نکلے گی وہ نفع میں رہے گی اور یہ سود ہے، علاوہ ازیں یہ احتمال ہے کہ جو اندازہ ٹھہرایا گیا ہے وہ غلط ہو اور غلہ اندازہ سے زیادہ ہو، پس یہ زیادہ غلہ بھی سود ہے، غرض ربا یا احتمال ربا کی وجہ سے یہ دونوں بیوع ممنوع ہیں۔

وجہ تسمیہ: مُحَاقلة: حَقْل (ہری بھری کھیتی) سے باب مفاعلہ ہے، حَاقَلَهُ کے معنی ہیں: کسی کو پکنے سے پہلے کھڑی کھیتی ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کرنا ——— اور مُزَابَنَة: زَبْن سے باب مفاعلہ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: دھکا دینا، ہٹانا اور زَابَنَهَ کے معنی ہیں: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچنا ——— گویا مشتری نے درخت والے کو کٹے ہوئے پھل دے کر دھکا دیا اور پھل والے نے کٹے ہوئے پھل لے کر مشتری کو دھکا دیا۔ یوں ہر ایک نے دوسرے کو دھکا دیا اس لئے باب مفاعلہ استعمال کیا گیا۔

حدیث (۲): عبداللہ بن یزید کہتے ہیں: زید ابو عیاش نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے گندم کو سُلت یعنی بغیر چھلکوں کے جو کے عوض خریدنے کے بارے میں پوچھا، آپؓ نے دریافت کیا: ان دونوں میں افضل (عمدہ) کون ہے؟ زید ابو عیاش نے کہا: گندم! پس حضرت سعدؓ نے اس بیع سے منع فرمایا (یہاں تک حضرت سعد کا فتوی ہے) اور حضرت سعدؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا: آپؐ سے چھوہاروں کو تر کھجور کے عوض (جو درخت پر ہوں) خریدنے کے بارے میں پوچھا گیا، آپؐ نے ان صحابہ سے جو آپؐ کے پاس موجود تھے پوچھا: کیا تر کھجور کا وزن سوکھنے کے بعد کم ہو جائے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! پس آپؐ نے اس بیع سے منع فرمایا۔

تشریح:

اس حدیث میں دو مسئلے زیر بحث آتے ہیں:

پہلا مسئلہ: سُلْت کے معنی ہیں: بغیر چھلکوں کے جَو، اور بیضاء کے معنی ہیں: گندم۔ سلت اور گیہوں کو باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی یہ دو جنسیں ہیں یا ایک جنس؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں ایک جنس ہیں، اس لئے کمی بیشی جائز نہیں، مساوات ضروری ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فتوی ان کی دلیل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک تفاضل جائز ہے، کیونکہ یہ الگ الگ جنسیں ہیں، جمہور نے حدیث کے راوی زید

ابوعیاش کی جہالت کی وجہ سے اس حدیث کو نہیں لیا، نیز حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جس حدیث مرفوع سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی محل نظر ہے۔ اس کی نظیر: بلی کے جھوٹے کا مسئلہ ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سور کو پاک قرار دیا تھا، پھر جس حدیث مرفوع سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غور طلب ہے، کیونکہ إنها ليست بنجس کی ضمیر بلی کی طرف لوٹتی ہے، سور کی طرف نہیں لوٹتی، یہاں بھی حدیث مرفوع میں بیع مزابنہ کا ذکر ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے، پس اس کا سلت اور گیہوں کی بیع سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا مسئلہ: خشک چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کی بیع فی الحال مساوات کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ فی الحال اگرچہ مساوات ہے، مگر فی المآل وہ مساوات باقی نہیں رہے گی اور امام اعظمؒ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، ان کے نزدیک فی الحال برابری کافی ہے، فی المآل برابری ضروری نہیں۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ربوی چیزوں میں مساوات صرف فی الحال ضروری ہے یا فی المآل بھی؟ جمہور کے نزدیک فی الحال بھی ضروری ہے اور فی المآل بھی، پس چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کو باہم بیچنے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ اگر فی الحال مساوات ہوگی بھی تو فی المآل باقی نہیں رہے گی، تازہ کھجوریں: چھوہارے بننے کے بعد ناپ تول میں کم ہوجائیں گی اور اگر ''سوکھ'' کا اندازہ کرکے کم وبیش بیچیں گے تو فی الحال مساوات نہیں رہے گی، حالانکہ فی الحال بھی مساوات ضروری ہے۔

اور باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے، یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اعلی درجہ کی صحیح ہے، کیونکہ زید ابوعیاش: مجهول العین نہیں ہیں، ان سے دو ثقہ راوی عبداللہ بن یزید اور عمران بن ابی انس روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں مسلم کے راوی ہیں (اعلاء السنن ۱۴: ۳۲۰) ہاں البتہ مجهول الحال ہیں، مگر یہ صحابہ سے روایت کرنے والا تابعین کا پہلا طبقہ ہے جس کی جہالت سے صرف نظر کی جاتی ہے جیسا کہ یہ بات پہلے بار بار گذر چکی ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف فی الحال برابری ضروری ہے، فی المآل مساوات ضروری نہیں، لہٰذا چھوہاروں اور تازہ کھجوروں کی باہم بیع جائز ہے، بشرطے کہ بوقت عقد مساوات ہو، دونوں ہم وزن یا ہم کیل ہوں، خواہ بعد میں مساوات باقی رہے یا نہ رہے۔ کیونکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ ربوی چیزیں اگر ہم جنس بیچی جائیں تو بوقت بیع مساوات ضروری ہے بعد میں برابری باقی رہنا ضروری نہیں۔ چنانچہ نئے چھوہارے قدیم چھوہاروں کے عوض ہم کیل بیچنے جائز ہیں، حالانکہ وہ نئے چھوہارے پرانے ہوکر گھٹ جائیں گے اور اس اجماعی ضابطہ سے رطب وتمر کی بیع کے استثناء کی کوئی حاجت نہیں، کیونکہ:

اولاً: یہ حدیث سخت مضطرب ہے۔ ابن التركماني الجوهر النقي میں فرماتے ہیں: إنه مضطرب سنداً ومتناً اضطراباً شديداً (تفصیل اعلاء السنن ۱۴: ۳۲۱-۳۲۵ میں ہے)

ثانیاً: اس حدیث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں، انھوں نے باب المزابنة میں یہ حدیث لاکر سارا مسئلہ حل کردیا۔ اس حدیث میں رطب سے مراد وہ تازہ کھجوریں ہیں جو ابھی درخت پر ہیں، کیونکہ اگر ٹوٹی ہوئی تازہ کھجوریں مراد لیں گے تو رطب کی رطب کے ساتھ بیع بھی ناجائز ٹھہرے گی، اس صورت میں بھی خشک ہونے کے بعد مساوات باقی رہنی ضروری نہیں، جبکہ اس بیع کو امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ تمام فقہاء جائز کہتے ہیں۔

البتہ یہاں دو سوال لاینحل باقی رہ جاتے ہیں:

پہلا سوال: اگر یہ حدیث بیع مزابنہ سے متعلق ہے اور رطب سے درخت پر کی تازہ کھجوریں مراد ہیں تو پھر نبی ﷺ نے حاضرین سے جو سوال کیا ہے کہ کیا رطب سوکھنے کے بعد کم ہونگی؟ یہ بے معنی سوال ہے، کیونکہ مزابنہ کے عدم جواز کا مدار فی الحال تحقیقی عدم مساوات پر ہے۔ درخت پر کے پھلوں کا تقریبی اندازہ ہی ممکن ہے، تحقیقی اندازہ ممکن نہیں، اس کے عدم جواز کا مدار فی المآل عدم مساوات پر نہیں ہے۔

دوسرا سوال: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فتوے اور حدیث مرفوع میں کوئی جوڑ نہیں، فتوے میں عدم جواز کا مدار افضلیت (عمدہ ہونے) پر ہے اور حدیث میں کم ہوجانے پر یعنی فی المآل عدم مساوات پر، نیز ربوی اشیاء میں جَيِّدُها وَرَدِيُّهَا سواءٌ کا ضابطہ طے شدہ ہے، پس امام مالک رحمہ اللہ کا اس سے سلت اور گندم میں کمی بیشی کے عدم جواز پر استدلال کرنا بھی محل نظر ہوجاتا ہے۔

ان دو سوالوں کا تشفی بخش جواب کتابوں میں نہیں ہے اور میرے پاس بھی نہیں ہے اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں راویوں سے کوئی چوک ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[١٤-] باب ماجاء في النهي عن المحاقلة والمزابنة

[١٢٠٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَعْقُوبُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

وَفِي الْبَابِ عَنِ ابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَسَعْدٍ، وَجَابِرٍ، وَرَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ.

حَدِيثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْمُحَاقَلَةُ: بَيْعُ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ التَّمْرِ عَلَى رُءُوْسِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوْا بَيْعَ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

[١٢١٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ يَزِيْدَ، أَنَّ زَيْدًا أَبَا عَيَّاشٍ سَأَلَ سَعْدًا

عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسُّلْتِ؟ فَقَالَ: أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْبَيْضَاءُ، فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ، وَقَالَ سَعْدٌ: سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يُسْأَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ؟ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ:" أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟" قَالُوْا: نَعَمْ، فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ.

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَاوَكِيْعٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ زَيْدٍ أَبِيْ عَيَّاشٍ قَالَ: سَأَلْنَا سَعْدًا، فَذَكَرَ نَحْوَهُ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وأَصْحَابِنَا.

وضاحت: اس باب میں دومرتبہ والعمل علی هذا آیا ہے، پہلاتو واضح ہے کہ بیع محاقلہ اور مزابنہ کوتمام فقہاء ناجائز کہتے ہیں، مگر دوسراو العمل علی هذا غیرواضح ہے۔ اگرسلت اور گیہوں کی کمی بیشی کے ساتھ بیع کا عدم جواز مراد ہےتو یہ امام شافعی اورامام ترمذی رحمہما اللہ کے اکابر یعنی محدثین فقہاء کا مذہب نہیں ہے، یہ مذہب صرف امام مالکؒ کا ہے، اوراگر رطب (ٹوٹی ہوئی تازہ کھجوروں) اورتمر (چھوہاروں) کی فی الحال مساوات کے ساتھ بیع کا عدم جواز مراد ہےتواس حدیث اوراس مسئلہ کاباب سے کیاتعلق ہے؟ اوراس حدیث پرمصری نسخہ میں بھی کوئی نیاباب نہیں ہے، ہاں اگر رطب سے درخت پرکی کھجوریں مرادلی جائیں تو مزابنہ کا عدم جواز متفق علیہ ہےاس لئے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بابُ ماجاء فی کراهيةِ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع ممنوع ہے

اس باب میں تین حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کھجور کے درخت کو بیچنے سے منع کیا یہاں تک کہ کھجوریں سرخ یا پیلی پڑجائیں، زَهَا يَزْهو زَهْوًا کے لفظی معنی ہیں: حُسنُ المنظر ہونا۔ جب کھجوریں پکنے کے قریب آتی ہیں تو بڑا خوشنما منظرہوتا ہے، اورمراد ہے کھجوریں پیلی یاسرخ پڑجائیں۔ کھجوریں شروع میں ہری ہوتی ہیں اور پکنے کے قریب بعض سرخ ہوجاتی ہیں اوربعض پیلی پڑجاتی ہیں، پھر پک جاتی ہیں، اور کھجور کے درخت سے مراداس کے پھل ہیں، خود درخت بیچنامرادنہیں۔

دوسری حدیث: یہ ہے کہ نبی ﷺ نے گیہوں کا کھیت بیچنے سے منع کیا، یہاں تک کہ بالیاں سفید ہوجائیں اور بیماری سے محفوظ ہوجائیں (گیہوں کی بالیاں بھی شروع میں ہری ہوتی ہیں، پھرپیلی پڑجاتی ہیں پھر جب پکنے کاوقت قریب آتاہےتوسفید ہوجاتی ہیں) آپؐ نے بائع اورمشتری کومنع کیا (یعنی دونوں کوان کے لئے مفید بات بتلائی)

تیسری حدیث: یہ ہے کہ نبی ﷺ نے انگور کے بیچنے سے منع کیا یہاں تک کہ وہ کالے پڑجائیں (انگور بھی

شروع میں ہرے ہوتے ہیں اور پکنے کے قریب جو کالے انگور ہیں وہ کالے پڑ جاتے ہیں اور دوسری قسم کے انگور سفید ہوجاتے ہیں، یہ ارشاد کالے انگوروں کے بارے میں ہے) اور کوئی بھی غلہ جب تک اس کا دانہ سخت نہ ہوجائے بیچنے سے منع فرمایا (اور دانہ کا سخت ہونا یہ ہے کہ انگلیوں کے بیچ میں لے کر دبانے سے نہ دبے، اگر دبانے سے دانہ پچک جائے اور اس میں سے دودھ نکلے تو دانہ ابھی سخت نہیں ہوا اس مرحلہ میں اس کو بیچنا ممنوع ہے)

اور ایک متفق علیہ حدیث میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی بھی پھل جب تک اس کا کارآمد ہونا ظاہر نہ ہو بیچا نہ جائے، بائع اور مشتری کو منع فرمایا (مشکوۃ حدیث ۲۸۳۹)

مذاہبِ فقہاء: یہ باب کی روایات کا خلاصہ ہے ان روایات کی بنیاد پر فقہاء میں سب سے پہلا اختلاف یہ ہوا کہ اس ممانعت کی بنیاد کیا ہے؟ اور دوسرا اختلاف یہ ہوا کہ یہ ممانعت ارشادی ہے یا تَشْرِیعی.

پہلا اختلاف: اگر کھڑا کھیت یا درخت کے پھل بیچے جائیں تو بیع کے جواز وعدم جواز کی بنیاد کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اس پر مدار ہے کہ مبیع مال بنی ہے یا نہیں؟ اگر مبیع مال بن گئی ہے تو بیع درست ہے اور اگر مبیع مال نہیں بنی تو بیع باطل ہے، جیسے لوگ ''بہار'' بیچتے ہیں یعنی باغ کو سال دو سال کے لئے یا زیادہ مدت کے لئے بیچ دیتے ہیں یہ بیع بالاجماع باطل ہے کیونکہ بائع نے درخت نہیں بیچے پھل بیچے ہیں، جب کہ پھل کا ابھی وجود نہیں۔ اسی طرح درخت پر پھل نکل آئے مگر ابھی وہ چوہے کی مینگنی کے بقدر ہیں، اس مرحلہ میں بھی بیع باطل ہے کیونکہ مبیع مال نہیں، البتہ جب پھل بڑے ہوجائیں اور مال بن جائیں تو بیع درست ہے۔ مال کے معنی ہیں: مَایَمیلُ إلیه النفس: جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو اس کا بیچنا حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔

پھر اس بیع کی تین صورتیں ہیں: (۱) بیع بشرط القطع یعنی عقد کے وقت بائع نے یہ شرط لگائی کہ پھل یا کھیتی جس حال میں ہے مشتری اسی حال میں ان کو توڑ لیگا یا کھیت کاٹ لیگا، یہ صورت جائز ہے (۲) بیع بشرط الترک یعنی مشتری نے یہ شرط لگائی کہ وہ پھل یا کھیتی پکنے کے بعد کاٹے گا یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے اور ایسی شرط مفسد عقد ہے۔ (۳) مطلق بیع یعنی عقد کے وقت نہ بائع نے قطع کی شرط لگائی اور نہ مشتری نے ترک کی، پھر بائع نے از خود پھل پکنے تک درخت پر رہنے دیا تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ ترک معروف ہو یعنی وہاں کا عرف یہ ہو کہ بائع پھل پکنے تک درخت پر رہنے دیتا ہو تو یہ مطلق بیع بھی فاسد ہے اس لئے کہ معروف مانند مشروط کے ہے اور ترک کی قید کے ساتھ بیع فاسد ہے، پس یہ مطلق بیع بھی فاسد ہے۔

اس کی نظیر: رمضان المبارک میں مسجد کمیٹی جو امام تراویح کو نذرانہ پیش کرتی ہے، یہ نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس علاقہ میں تراویح پر اجرت دینے کا عرف (رواج) ہو تو نذرانہ لینا جائز نہیں کیونکہ یہ کالمشروط ہے، اور اگر اجرت دینے کا عرف نہیں تو لے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مصلّی نذرانہ پیش کرے تو اسے بھی لے سکتا ہے، اسی طرح

اگر مطلق بیع کی اور بائع نے اخلاقاً پھل پکنے تک درخت پر رہنے دیا اور اس کا عرف نہیں تو یہ بیع جائز ہے۔

الغرض حنفیہ کے نزدیک بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار اس پر ہے کہ پھل اور کھیتی مال بنی ہے یا نہیں؟ اگر گیہوں اتنے چھوٹے ہیں کہ درانتی سے کاٹیں تو ہاتھ میں کچھ نہیں آتا، جانور چریں تو وہ ان کے ہونٹوں کی پکڑ میں نہیں آتے تو یہ مال نہیں، پس اس کی بیع جائز نہیں اور اگر گیہوں کو درانتی سے کاٹنا ممکن ہے، جانور اسے چر سکتے ہیں تو وہ مال بن گئے، اب اس کھیت کو بشرط القطع بیچنا جائز ہے اور بشرط الترک فاسد ہے اور مطلق میں مذکورہ تفصیل ہے کہ اگر مالک پھل اور کھیتی کو پکنے تک باقی رہنے دے اور ترک معروف نہ ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار بُدوّ صلاح اور عدم بُدوّ پر ہے، یعنی جب پھل اور غلہ کار آمد ہوجائے تب بیع جائز ہے بشرط القطع بھی، بشرط الترک بھی، اور مطلقاً بھی، اور جب تک پھل اور غلہ کار آمد نہ ہو بیع جائز نہیں۔

اور بدوّ صلاح کی تفسیر ائمہ ثلاثہ نے وہی کی ہے جو حدیثوں میں آئی ہے، کھجور کے بارے میں حتی یَزْھُوَ آیا ہے، پس جب کھجور سرخ یا پیلی پڑے گی: بدو صلاح ہوگا، گیہوں کے بارے میں حتی یَبْیَضَّ آیا ہے لہٰذا بالیوں کا بدو صلاح ان کا سفید ہوجانا ہے اور انگور کے بارے میں حتی یَسْوَدَّ آیا ہے، پس انگور کا کالا پڑ جانا اس کا بدو صلاح ہے۔

اور احناف کے نزدیک بدو صلاح کی تعریف ہے: الأمنُ من العاھات والآفات لا الحادثات غلہ اور پھل کا بیماریوں اور آفتوں سے محفوظ ہوجانا، نہ کہ حادثوں سے محفوظ ہونا، پھلوں اور غلے میں ایک وقت تک بیماریاں اور آفتیں آتی ہیں جب وہ مرحلہ گذر جاتا ہے تو پھل اور غلہ محفوظ ہوجاتے ہیں، اب ان پر کوئی بیماری اور آفت نہیں آتی، البتہ کوئی حادثہ آسکتا ہے، جیسے اولے گرے جس سے پھل جڑھ گئے، یہ بات بدو صلاح میں شامل نہیں۔ حنفیہ کی یہ تفسیر بھی مسلم شریف کی حدیث میں آئی ہے اور مذکورہ الفاظ کے بعد آئی ہے، پس معلوم ہوا کہ یَزْھو اور یَبْیَضّ سے مراد آفات سے محفوظ ہوجانا ہے۔

دوسرا اختلاف: باب کی حدیثوں میں نہی ارشادی ہے یا تشریعی؟ ائمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ نہی تشریعی ہے یعنی یہی مسئلہ ہے اور بیع کے جواز وعدم جواز کا اسی پر مدار ہے اور احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ نہی ارشادی ہے یعنی لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے اور دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری (حدیث ۲۱۹۳) میں ہے، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ پھلوں کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، جب پھل توڑنے کا وقت آتا تو مشتری کہتا: پھلوں کو فلاں فلاں بیماری لگ گئی، اور میرا نقصان ہوگیا اور بائع مشتری آپس میں جھگڑا کرتے، جب حضور اقدس ﷺ کے پاس اس قسم کے بہت جھگڑے آئے تو آپؐ نے فرمایا: اگر بیع کرنی ہی ہے تو بُدوّ صلاح کے بعد کرو۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: کَالْمَشُوْرَۃِ یُشِیْرُ بِھَا لکثرۃِ خُصومھم! یہ بات آپؐ نے بطور

مشورہ فرمائی تھی ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے، اس حدیث سے صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نہی ارشادی ہے، لوگوں کو ان کی بھلائی کی ایک بات بتائی گئی ہے اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں بھی ہے: نهى البائع والمشتري یعنی بائع اور مشتری کو منع فرمایا۔ اگر نہی تشریعی ہوتی تو عام ہوتی سب مسلمانوں کے لئے ہوتی، بائع اور مشتری کی تخصیص نہ کی جاتی، معلوم ہوا کہ یہ نہی تشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے، یعنی بائع اور مشتری کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے کہ اگر غلہ اور پھل بیچنے ہی ہوں تو بدوصلاح کے بعد بیچو، اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔ اگر باغ بدوصلاح سے پہلے بیچا گیا اور باغ شاندار پھلا تو بائع کو افسوس ہوگا کہ اس کا باغ سستا بک گیا، اور اگر پھل کم آئے یا پھلوں کو بیماری لگ گئی تو مشتری کو افسوس ہوگا۔ اس لئے پھل اور غلہ بدوصلاح کے بعد بیچنے چاہئیں تا کہ بائع کو پوری قیمت ملے اور مشتری کا بھی نقصان نہ ہو، غرض یہ اختلاف نص فہمی کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک باب کی حدیثوں میں نہی ارشادی ہے یعنی مستحب یہ ہے کہ غلہ اور پھل بدوصلاح کے بعد فروخت کئے جائیں، بیع کے جواز وعدم جواز کا اس پر مدار نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نہی تشریعی ہے یعنی یہی مسئلہ ہے کہ بدوصلاح سے پہلے بیع ہی درست نہیں، بدوصلاح کے بعد ہی بیع درست ہے۔

فائدہ: جو اوامر ونواہی ارشادی ہوتے ہیں وہ اخلاقی احکام ہوتے ہیں یعنی درجۂ استحباب میں ہوتے ہیں۔ کتب فقہ میں ان کو نہیں لیا گیا حالانکہ فقہ کی کتابوں میں ان کو لینا ضروری تھا، اسی لئے احناف پر اعتراض ہوتا ہے کہ احناف حدیثوں پر عمل نہیں کرتے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ حدیثوں میں بعض احکام اخلاقی ہوتے ہیں یعنی استحبابی ہوتے ہیں اور وہ کتب فقہ میں نہیں لئے گئے، پس ہر مفتی پر لازم ہے کہ وہ فقہ کے ساتھ احادیث سے بھی مزاولت رکھے، تا کہ ایسے احکام سے واقف رہے اور لوگوں کو وہ احکام بتا سکے۔

[۱۵-] باب ماجاء في كَراهية بيعِ الثَّمرَةِ قبل أن يبدوَ صَلاحُها

[۱۲۱۱-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَزْهُوَ.

[۱۲۱۲-] وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ.

وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَنَسٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ. حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالعملُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: كَرِهُوْا

بَيْعَ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

[۱۲۱۳-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا أَبُو الوَلِيْدِ، وَعَفَّانُ، وَسُلَيْمَانُ بنُ حَرْبٍ، قَالُوْا: ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ العِنَبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حديثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ.

وضاحت: نهي البائع والمشتری: پہلے نہی سے بدل ہے ـــــ الثمرة: عام ہے، مگر عرف میں کھجور پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ـــــ اور النخل کے معنی ہیں: کھجور کا درخت، مگر مراد پھل ہے ـــــ ویأمن العاهة: عطف تفسیری ہے ـــــ کرهوا بيع الثمار یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح سے پہلے پھلوں اور کھیتی کی بیع جائز نہیں ـــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند صحیح ہے، یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

بابُ ماجاء في النَّهْيِ عن بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

حمل کے حمل کو بیچنا ممنوع ہے

حدیث: نبی اکرم ﷺ نے حمل کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا۔

تشریح: اس حدیث کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک مطلب تو یہی ہے کہ حمل کے حمل کو بیچنا جائز نہیں، کیونکہ مبیع کا ابھی وجود نہیں ہوا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حمل کے حمل کو کسی بیع میں ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا درست نہیں کہ اس میں جہالت ہے۔

پہلی صورت اس لئے بھی ممنوع ہے کہ یہ ایک طرح کا سٹہ تھا، بائع مشتری سے کہتا: میں اس گابھن بکری کے حمل کے حمل کو تیرے ہاتھ دس روپے میں بیچتا ہوں، مشتری قبول کرتا اور دس روپے دیدیتا یہ بیع ناجائز ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ بکری گابھن نہ ہو، کسی بیماری کی وجہ سے اس کا پیٹ پھولا ہوا ہو، یا بکری گابھن تو ہو مگر حمل گر جائے یا مرا ہوا بچہ پیدا ہو، یا مذکر بچہ پیدا ہو یا بچہ مؤنث پیدا ہو مگر وہ بچہ جننے تک زندہ نہ رہے، یا اس کو حمل قرار نہ پائے، پس یہ پُر خطر معاملہ ہے اس لئے جُوا ہے، آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اسی طرح گابھن کے حمل کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اسی لئے حنفیہ نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے، اگر یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار کریں گے تو مسئلہ یہ ہوگا کہ حمل کے حمل کی بیع تو ناجائز ہے مگر خود اس حمل کی بیع درست ہے، حالانکہ اس حمل کی بیع بھی بالاتفاق ناجائز ہے، اور حمل کے حمل کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ عربوں میں ایسے سٹوں کا رواج تھا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان لین دین ہوا اور حمل کے حمل کو ثمن کی ادائیگی کی مدت قرار دیا، یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ مدت مجہول ہے، ہوسکتا ہے وہ جانور بچہ ہی نہ جنے، یا مرا ہوا بچہ جنے، یا مذکر بچہ جنے، یا حمل کو حمل قرار نہ پائے۔ غرض یہ اجل مجہول ہے اس لئے اس کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا بھی صحیح نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اسی حدیث میں صحیحین میں ہے: كان الرجلُ يبتاع الْجزُوْرَ إلى أن تُنْتَجَ الناقةُ، ثم تُنْتَجُ التي في بطنها یعنی ایک شخص قصائی کا اونٹ (کاٹنے کا اونٹ) خریدتا یہاں تک کہ یہ اونٹنی بچہ جنے، پھر اس کے پیٹ کا بچہ بھی بچہ جنے (اس وقت ثمن کی ادائیگی کی جائے گی)

[۱٦-] باب ماجاء في النهي عن بيع حبل الحبلة

[۱۲۱٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ.

وفي البابِ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ: نِتَاجُ النِّتَاجِ، وَهُوَ بَيْعٌ مَفْسُوْخٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ مِنْ بُيُوْعِ الْغَرَرِ.

وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، وَرَوَى عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ وَغَيْرُهُ: عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ وَنَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا أَصَحُّ.

وضاحت: نِتَاجُ النِّتَاجِ اور حَبَلُ الْحَبَلَةِ کے ایک معنی ہیں اور اس بیع کی ممانعت کی علت امام ترمذیؒ نے یہ بیان کی ہے کہ اس بیع میں دھوکہ ہے یعنی یہ ایک طرح کا سٹہ تھا، پس امام ترمذیؒ کے نزدیک حدیث کی پہلی شرح ہے، اور یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ کی ہے، حضرت ابن عباسؓ کی نہیں ہے، امام شعبہؒ نے جو اس کی سند ابن عباسؓ تک پہنچائی ہے وہ صحیح نہیں، سعید بن جبیر بھی اس کو ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ عبدالوہاب وغیرہ نے سند بیان کی ہے۔

بابُ ماجاءَ في كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْغَرَرِ

دھوکہ کی بیوع ممنوع ہیں

ہر وہ بیع جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو ممنوع ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے اور حاشیہ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً معدوم کو فروخت کرنا، مجہول کو فروخت کرنا، ہر وہ چیز جس کو سپرد کرنے پر بائع قادر نہیں اس کو بیچنا، جس چیز پر

بائع کی ملک تام نہیں اس کو بیچنا، اسی طرح آگے بيع المنابذة ، بيع الحصاة اور بيع الملامسة آرہی ہیں وہ سب شکلیں بیع الغرر کی ہیں اور ممنوع ہیں، الغرض بیع کا صاف ستھرا، بے غل وغش ہونا ضروری ہے، جس بیع میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو شرعاً ممنوع ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے دھوکہ کی بیع سے اور بیع الحصاۃ (کنکری کی بیع) سے منع فرمایا۔

تشریح: بيع الحصاة: بيع الغرر کی ایک جزئی ہے یعنی بطور مثال نبی ﷺ نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ اور بيع الحصاة یہ ہے کہ ایک شخص نے ریوڑ میں سے لم سم دس بکریاں خریدیں، بائع نے مشتری کو دس کنکریاں دیں کہ ایک ایک کنکری اچھالو جس بکری پر کنکری گرے گی وہ آپ کی ہوگی، یہ بیع جائز نہیں اس میں دھوکہ ہے، ہوسکتا ہے وہ دسوں کنکریاں اعلیٰ قسم کی بکریوں پر گریں، اس صورت میں بائع کا نقصان ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کنکریاں مریل بکریوں پر یا بچوں پر گریں تو مشتری کا نقصان ہوگا ـــــــ بيع الحصاة کی ایک اور بھی تفسیر کی گئی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بائع اور مشتری کے درمیان کسی معاملہ میں بھاؤ تاؤ چل رہا ہو جب ان میں سے کوئی ایک کنکری اٹھا کر پھینک دے تو بیع لازم ہو جائے، اب دوسرے کو بولنے کا اختیار نہ رہے، اس کو بیع منابذہ بھی کہتے ہیں اور یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ معاملات میں آخر تک ہر ایک کو بولنے کا اختیار رہے، زبان بندی بیع میں جائز نہیں۔

[۱۷-] باب ماجاء فی كراهية بيع الغرر

[۱۲۱۵-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَبَيْعِ الْحَصَاةِ.

وَفِي الْبَابِ: عَنِ ابنِ عُمَرَ، وابنِ عبَّاسٍ، وأَبِي سَعِيْدٍ، وأَنَسٍ، حديثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، كَرِهُوْا بَيْعَ الْغَرَرِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَمِنْ بُيُوْعِ الْغَرَرِ: بَيْعُ السَّمَكِ فِي الْمَاءِ، وَبَيْعُ الْعَبْدِ الآبِقِ، وَبَيْعُ الطَّيْرِ فِي السَّمَاءِ، وَنَحْوُ ذٰلِكَ مِنَ الْبُيُوْعِ.

وَمَعْنَى بَيْعِ الْحَصَاةِ: أَنْ يَقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِيْ: إِذَا نَبَذْتُ إِلَيْكَ بِالْحَصَاةِ، فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ، وَهُوَ يُشْبِهُ بَيْعَ الْمُنَابَذَةِ، وَكَانَ هٰذَا مِنْ بُيُوْعِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ.

وضاحت: امام شافعی رحمہ اللہ نے بيع الغرر کی وضاحت کے لئے تین مثالیں بیان فرمائی ہیں:

۱- مچھلی کو پانی میں بیچنا: یعنی مچھلی تالاب میں ہو ابھی پکڑی نہ گئی ہو اور پانی اتنا ہو کہ تدبیر کے بغیر اس کو پکڑنا ممکن نہ ہو: ایسے پانی کی کوئی معین مچھلی بیچنا جائز نہیں، کیونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں، ہوسکتا ہے: وہ مچھلی ہاتھ نہ آئے، البتہ اگر پانی تھوڑا ہو اور حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو پانی کے اندر بھی معین مچھلی کو بیچ سکتے ہیں، یہ صورت بيع السمك في

الماء کا مصداق نہیں۔ اسی طرح پانچ کلو مچھلی کا سودا ہوا، اور مچھلی کی تعیین نہیں کی، پھر بائع نے جال ڈال کر پانچ کلو مچھلی پکڑ کر دیدی، یہ صورت بھی جائز ہے، کیونکہ مبیع غیر مقدور التسلیم نہیں ہے، تالاب میں مچھلی بالیقین ہے، اور جال ڈالیں گے تو بالیقین مچھلی پھنسے گی اور معین مچھلی کا سودا نہیں ہوا اس لئے یہ بیع بھی درست ہے اور یہ صورت بھی بیع السمك فی الماء کا مصداق نہیں۔

۲- بھاگے ہوئے غلام کی بیع بھی جائز نہیں کیونکہ وہ غیر مقدور التسلیم ہے، ہوسکتا ہے وہ غلام کبھی بھی ہاتھ نہ آئے۔

۳- فضا میں پرندہ کو بیچنا: کوئی کبوتر اڑ کر جا رہا ہو اس کو بیچنا بھی جائز نہیں، ہوسکتا ہے وہ کبوتر ہاتھ نہ آئے۔

ترجمہ: اور بیع الحصاۃ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے جب میں تیری طرف کنکری پھینک دوں تو میرے اور تیرے درمیان بیع لازم ہوگئی، اور یہ بیع المنابذۃ کے مانند ہے، اور یہ زمانۂ جاہلیت کی بیوع میں سے تھی یعنی زمانہ جاہلیت میں اس طرح کی زبان بندی کا دستور تھا جس سے شریعت نے روک دیا۔

بابُ ماجاء فی النَّهْیِ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ

سودا در سودا ممنوع ہے

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: ایک بیع میں دو بیع کرنے کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ اور یہ تفسیریں بطور مثال ہیں ان میں حصر نہیں، ان کے علاوہ بھی تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

پہلی تفسیر: یہ ہے کہ ایک شخص نے بھینس فروخت کی اور کہا: اس کی قیمت نقد دس ہزار روپے ہے اور ادھار بارہ ہزار، مشتری نے کہا ٹھیک ہے اور وہ بھینس لیکر چلا گیا، کوئی ایک بات طے نہیں ہوئی یہ سودا در سودا ہے اور ناجائز ہے، البتہ اگر تفرق ابدان سے پہلے کوئی ایک بات طے ہو جائے کہ وہ نقد خرید رہا ہے یا ادھار تو یہ ایک بیع ہے اور جائز ہے۔

اور دوسری تفسیر: امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ کی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان گول مول معاملہ ہوا کہ میں یہ بھینس آپ کو اس کی قیمت کے عوض فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ آپ اپنا گھوڑا اس کی قیمت کے عوض مجھے بیچیں، اور جب آپ کا گھوڑا میرا ہو جائے گا تو میری بھینس آپ کی ہو جائے گی، یعنی نہ بھینس کی قیمت متعین کی اور نہ گھوڑے کی اور دونوں جدا ہو گئے یہ بھی سودا در سودا ہے اور ناجائز ہے، کیونکہ دونوں کی قیمتیں مجہول ہیں، لہٰذا یہ سودا فاسد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی کتاب الآثار میں یہی تفسیر مروی ہے۔

غرض اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکلا کہ سودا در سودا جائز نہیں، ہر معاملہ علحدہ علحدہ ہونا چاہئے، دو معاملے گڈمڈ نہیں ہونے چاہئیں۔

[۱۸-] باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعةٍ

[۱۲۱٦-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وابنِ عُمَرَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: قَالُوْا: بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ: أَنْ يَقُوْلَ: أَبِيْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ، وَبِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ، وَلاَ يُفَارِقُهُ عَلٰى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ، فَإِذَا فَارَقَهُ عَلٰى أَحَدِهِمَا، فَلاَ بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْهُمَا.

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَمِنْ مَعْنَى مَا نَهَى النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ: أَنْ يَقُوْلَ: أَبِيْعُكَ دَارِيْ هٰذِهِ بِكَذَا، عَلٰى أَنْ تَبِيْعَنِيْ غُلاَمَكَ بِكَذَا، فَإِذَا وَجَبَ لِيْ غُلاَمُكَ وَجَبَتْ لَكَ دَارِيْ، وَهٰذَا تَفَارُقٌ عَنْ بَيْعٍ بِغَيْرِ ثَمَنٍ مَعْلُوْمٍ، وَلاَ يَدْرِيْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى مَا وَقَعَتْ عَلَيْهِ صَفْقَتُهُ.

ترجمہ: بعض اہل علم کہتے ہیں: ایک بیع میں دو بیع یہ ہے کہ بائع کہے: میں آپ کو یہ کپڑا نقد دس درہم میں اور ادھار بیس درہم میں بیچتا ہوں اور وہ کسی ایک بیع پر جدا نہ ہوں، یعنی کوئی ایک بات طے کئے بغیر تفرق ابدان ہوجائے، پس جب کسی ایک معاملہ پر جدا ہوں تو اس بیع میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ نقد ادھار میں سے ایک بات طے ہوجائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا: اس کے مصداق میں سے یہ صورت ہے کہ کہے: میں آپ کو اپنا یہ مکان اتنے میں بیچتا ہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے اپنا غلام اتنے میں بیچیں، یعنی ثمن طے نہیں کیا، بس یہ کہا کہ ہم قیمت بعد میں طے کرلیں گے، کذا کا یہی مفہوم ہے، پس جب تیرا غلام میرا ہوجائے گا تو میرا گھر تیرا ہوجائے گا اور یہ بیع سے جدا ہونا ہے ثمن متعین کئے بغیر، اور ان دونوں میں سے ہر ایک نہیں جانتا کہ کس قیمت پر اس کا عقد ہوا ہے، یعنی ثمن مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے، اور من معنی میں من تبعیضیہ ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حدیث کی اور بھی تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

بابُ ماجاءَ في كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدَهُ

جو چیز آدمی کے پاس نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں

بیع کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ بائع جو چیز بیچ رہا ہے وہ اس کی ملکیت میں ہو اور اس پر اس کا قبضہ بھی ہو۔

اگر مبیع بائع کی ملکیت میں نہیں یا اس پر اس کا قبضہ نہیں تو بیع جائز نہیں۔

اور آڈر لینا اس سے مستثنیٰ ہے، مثلاً میرا کتب خانہ ہے، میرے پاس آڈر آتے ہیں، آڈر میں جو کتابیں ہوتی ہیں میں ان کو بازار میں تلاش کرتا ہوں اور جتنی کتابیں مہیا ہو جاتی ہیں ان کو بھیج دیتا ہوں، باقی کے بارے میں لکھ دیتا ہوں کہ دستیاب نہیں ہوئیں، یہ آڈر لینا اس حدیث کے ذیل میں نہیں آتا، کیونکہ آڈر بیع نہیں ہے بلکہ وعدۂ بیع ہے۔ یعنی آڈر بھیجنے والا اس کا پابند ہے کہ جو کتابیں بھیجی جائیں ان کو ضرور لے گا۔

حدیث میں جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ حقیقتاً بیع کرنے کا ہے، اس کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک: مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا، دوسری: مبیع کا بائع کے ضمان (قبضہ) میں ہونا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوگی تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

اور یہ شرطیں اس لئے ہیں کہ جو چیز ملکیت اور قبضہ میں نہیں ہوتی وہ ہلاک بھی ہوسکتی ہے یا نہ ملے یہ بھی ممکن ہے، پس بائع وہ چیز کہاں سے لاکر دے گا؟ مثلاً ایک کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھی ہے جس کا ایک ہی نسخہ ہے، اب گاہک آتا ہے اور اس کتاب کا سودا کرتا ہے، بائع کچھ نفع رکھ کر وہ کتاب اس کو بیچ دیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کتب خانہ سے لاکر دیدوں گا، مگر جب لینے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب بک چکی ہے، اب وہ کتاب کہاں سے لاکر دے گا! اس ہلاکت کے اندیشہ سے شریعت نے یہ ضابطہ بنادیا کہ جو چیز ملکیت اور ضمان میں نہیں اس کو بیچنا جائز نہیں۔ اور آڈر لینے کی حقیقت الگ ہے، وہ وعدۂ بیع ہے چیز ملے گی تو بھیجے گا ورنہ معذرت کردے گا، اس لئے آڈر لینا اس حدیث کے تحت نہیں آتا۔

حدیث (۱): حکیم بن حزام کہتے ہیں: میں نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور ایسی چیز مانگتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے یعنی میری ملکیت میں نہیں ہے، میں اس کے لئے وہ چیز بازار سے خریدوں گا پھر اس کو سپرد کروں گا (یہاں أَبِيْعُه کے مجازی معنی: سپرد کرنا مراد ہیں، یعنی فی الحال سودا کرلیتا ہوں، پھر بعد میں مبیع خرید کردوں گا۔ اگر أبیعه کے حقیقی معنی مراد لیں گے تو آڈر والی شکل ہوجائے گی کہ بازار سے وہ چیز حاصل کروں گا ملے گی تو بیچوں گا ورنہ نہیں۔ اس لئے یہاں مجازی معنی مراد لینا ضروری ہیں کیونکہ آڈر لینے کے لئے مبیع کا ملکیت اور ضمان میں ہونا ضروری نہیں) پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں اسے مت بیچ''

حدیث (۲): حکیم بن حزامؓ ہی سے مروی ہے کہ مجھے نبی پاک ﷺ نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میری ملکیت میں نہیں ہے (أن سے پہلے مِنْ محذوف ہے)

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرض اور بیع جائز نہیں اور نہ کسی بیع میں دو شرطیں جائز ہیں، اور نہ اس چیز کا نفع جائز ہے جو ضمان (قبضہ) میں نہیں، اور نہ اس چیز کا بیچنا جائز ہے جو تیرے پاس نہیں۔

تشریح: اس حدیث میں چار مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ قرض اور بیع جائز نہیں یعنی قرض دے کر مقروض کو کوئی چیز زیادہ قیمت پر بیچنا جائز نہیں، مثلاً ایک شخص کو پچاس ہزار روپے قرض چاہئیں، قرض دینے والے نے شرط لگائی کہ آپ کو میری یہ بھینس پندرہ ہزار میں خریدنی ہوگی، جبکہ اس بھینس کی قیمت بارہ ہزار ہے، مگر چونکہ وہ مجبور ہے اسے قرض چاہئے اس لئے اس نے بارہ ہزار کی بھینس پندرہ ہزار میں خرید لی، یہ جائز نہیں، کیونکہ بائع نے تین ہزار کا جو نفع کمایا ہے وہ قرض کی بنیاد پر کمایا ہے، اور حدیث میں ہے: كلُّ قرضٍ جَرَّ نفعاً فهو رِبًا یعنی جو بھی قرض نفع گھسیٹے وہ سود ہے (یہ تفسیر کتاب میں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے)

اور اس کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایک شخص نے کسی سے مثلاً دو من گیہوں ادھار لئے، اور کہا کہ جب میرے کھیت میں گیہوں پیدا ہونگے: اتنے ہی گیہوں واپس کردوں گا، قرض دینے والے نے کہا: یا گیہوں واپس کردینا یا پھر آٹھ سو روپے من کے حساب سے پیسے دیدینا، یہ چونکہ سود در سود ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا (یہ تفسیر بھی کتاب میں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے)

دوسرا مسئلہ: ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک شرط لگا سکتے ہیں دو یا زیادہ شرطیں نہیں لگا سکتے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک بیع میں ایک شرط لگانا بھی جائز نہیں۔ امام احمدؒ کا استدلال ولا شرطانِ في بيع کے ظاہر سے ہے کہ دو شرطیں لگانا جائز نہیں، ایک شرط لگا سکتے ہیں، یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور احناف مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے۔ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ گو مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں مگر اس مسئلہ میں انھوں نے بھی اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ دوسری ضعیف حدیث میں ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعٍ وشرطٍ۔ اس ارشاد میں ایک شرط لگانے سے بھی نبی ﷺ نے منع کیا ہے۔ غرض احناف نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے، شوافع اور مالکیہ نے بھی یہی کیا ہے اور امام احمدؒ نے اصح ما في الباب کو لیا ہے اور ضعیف روایت کو چھوڑ دیا ہے۔

جمہور کہتے ہیں: بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ شرط کی وجہ سے نزاع ہوگا اور اگر مبیع اہل استحقاق میں سے نہ ہو تو بیع جائز ہے، مثلاً گھوڑا بیچا اور شرط لگائی کہ مشتری اس کو روزانہ ایک کلو چنا کھلائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں اگرچہ مبیع یعنی گھوڑے کا فائدہ ہے مگر گھوڑا اہل استحاق میں سے نہیں ہے، اس کو چنا نہیں کھلایا جائے گا تو وہ کوئی جھگڑا نہیں کرے گا، لیکن اگر غلام اس شرط پر بیچا کہ وہ اس کو روزانہ پراٹھا کھلائے گا تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ یہ مبیع اہل استحاق میں سے ہے، اس کو اگر روزانہ پراٹھا نہیں کھلائے گا تو وہ لڑے گا۔ غرض بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں بائع کا یا

مشتری کا یا مبیع کا فائدہ ہو درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے، خواہ ایک شرط ہو یا زیادہ۔ اور امام احمدؒ کے نزدیک دو شرطیں لگانے سے بیع فاسد ہوتی ہے، ایک شرط لگانے کی گنجائش ہے۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ جو چیز ضمان (ذمہ داری) میں نہیں آئی اس کا نفع جائز نہیں، اور چیز ذمہ داری میں آتی ہے قبضہ کے بعد مثلاً ایک شخص نے بکری خریدی، ابھی مشتری نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ بکری مرگئی تو بائع کا نقصان ہوا، اور مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد بکری مری تو مشتری کا نقصان ہوا۔ غرض جس چیز پر ابھی قبضہ نہیں ہوا اس کے نفع سے یعنی اس کو بیچنے سے آنحضور ﷺ نے منع فرمایا۔

مذاہبِ فقہاء: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حدیث مطعومات (کھانے پینے کی چیزوں) کے ساتھ خاص ہے، یعنی کھانے پینے کی وہ چیزیں جو ناپ کر یا تول کر بیچی جاتی ہیں ان کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں جب تک مشتری کا ان پر قبضہ نہ ہو جائے، اور مطعومات کے علاوہ اشیاء قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے، اور احناف کے نزدیک یہ حدیث منقولات کے لئے ہے یعنی ہر وہ چیز جو جگہ بدلتی ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہے اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں، اور غیر منقولات یعنی جائداد، مکان وغیرہ کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں اس لئے کہ منقولات میں ہلاکت کا اندیشہ ہے، پس وہاں قبضہ شرط ہے اور غیر منقولات میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہیں اس لئے جائداد وغیرہ کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حدیث مطعومات، منقولات اور غیر منقولات سب کو عام ہے، ضمان میں آنے سے پہلے کوئی بھی چیز بیچنا جائز نہیں۔

چوتھا مسئلہ: وہی ہے جس کے لئے باب قائم کیا ہے کہ آدمی جس چیز کا مالک نہیں اس کو بیچنا جائز نہیں، تفصیل گذر چکی۔

[۱۹-] باب ماجاء فی کراهية بَيْعِ مالیس عنده

[۱۲۱۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بنِ مَاهَكَ، عَنْ حَكِيمِ بنِ حِزَامٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: يَأْتِينِي الرَّجُلُ فَيَسْأَلُنِي مِنَ الْبَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدِي، أَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوقِ ثُمَّ أَبِيعُهُ؟ قَالَ: "لَاتَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ"

[۱۲۱۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ يُوسُفَ بنِ مَاهَكَ، عَنْ حَكِيمِ بنِ حِزَامٍ قَالَ: نَهَانِي رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ. وَفِي البابِ عَنْ عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو.

[۱۲۱۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بنُ إِبْرَاهِيمَ، ثَنَا أَيُّوبُ، ثَنَا عَمْرُو بنُ شُعَيْبٍ قَالَ:

حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ أَبِيْهِ، حَتَّى ذَكَرَ عَبْدَ اللّٰهِ بن عَمْرٍو، أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَايَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ،وَلَاشَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَالَمْ يُضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَالَيْسَ عِنْدَكَ" وَهٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

قَالَ إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ: قُلْتُ لِأَحْمَدَ: مَا مَعْنَى نَهَى عَنْ سَلَفٍ وَبَيْعٍ؟ قَالَ: أَنْ يَكُوْنَ يُقْرِضُهُ قَرْضًا، ثُمَّ يُبَايِعُهُ بَيْعًا، يَزْدَادُ عَلَيْهِ؛ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ يُسْلِفُ إِلَيْهِ فِيْ شَيْءٍ، فَيَقُوْلُ: إِنْ لَمْ يَتَهَيَّأْ: عِنْدَكَ فَهُوَ بَيْعٌ عَلَيْكَ. قَالَ إِسْحَاقُ: كَمَا قَالَ.

قُلْتُ لِأَحْمَدَ: وَعَنْ بَيْعِ مَالَمْ تَضْمَنْ؟ قَالَ: لَايَكُوْنُ عِنْدِيْ إِلَّا فِيْ الطَّعَامِ، يَعْنِيْ مَالَمْ تُقْبَضْ. قَالَ إِسْحَاقُ: كَمَا قَالَ، فِيْ كُلِّ مَا يُكَالُ أَوْ يُوْزَنُ.

قَالَ أَحْمَدُ: وَإِذَا قَالَ أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَعَلَيَّ خِيَاطَتُهُ وَقِصَارَتُهُ، فَهٰذَا مِنْ نَحْوِ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ، وإِذَا قَالَ: أَبِيْعُكَهُ وَعَلَيَّ خِيَاطَتُهُ، فَلَا بَأْسَ بِهِ؛ أَوْ قَالَ: أَبِيْعُكَهُ وَعَلَيَّ قِصَارَتُهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ، إِنَّمَا هٰذَا شَرْطٌ وَاحِدٌ، قَالَ إسحاقُ: كَمَا قَالَ.

حديثُ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ: وَرَوَى أَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ، وأَبُوْبِشْرٍ، عَنْ يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، وَرَوَى هٰذَا الحديثَ عَوْفٌ، وَهِشَامُ بنُ حَسَّانٍ، عَنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا حديثٌ مُرْسَلٌ، إِنَّمَا رَوَاهُ ابنُ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ. هٰكَذَا حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الخَلَّالُ، وعَبْدَةُ بنُ عبدِ اللّٰهِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: حدَّثَنَا عبدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ إبراهيمَ، عنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ، عَنْ حَكِيْمٍ، قَالَ: نَهَانِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَبِيْعَ مَا لَيْسَ عِنْدِيْ.

وَرَوَى وَكِيْعٌ هٰذَا الحديثَ عَنْ يَزِيْدَ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ، عَنْ يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ، وَرِوَايَةُ عبدِ الصَّمَدِ أَصَحُّ.

وَقَدْ رَوَى يَحْيىَ بنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ يَعْلَى بنِ حَكِيْمٍ، عَنْ يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ، عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ عِصْمَةَ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَالعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ: كَرِهُوْا أَنْ يَبِيْعَ الرَّجُلُ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ.

ترجمہ اور وضاحت: باب کی پہلی حدیث: حضرت حکیم بن حزام کی روایت ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو صرف حسن کہا ہے، کیونکہ اس کی سند میں بڑی بحث ہے، پہلی روایت ابو بشر کی ہے اور دوسری سند حضرت ایوب سختیانی کی

ہے، دونوں یہ حدیث یوسف سے، وہ حضرت حکیمؓ سے روایت کرتے ہیں، یہ سند بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں، پس اس سند کے اعتبار سے یہ حدیث حسنٌ صحیحٌ ہے، باقی سندیں آگے آرہی ہیں —— دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو کی ہے۔ اس سند میں ایک مجاز ہے، عمرو بن شعیب کہتے ہیں: مجھ سے میرے ابا نے حدیث بیان کی یعنی شعیب نے حدیث بیان کی، وہ اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، شعیب کے ابا کا نام محمد ہے مگر وہ حدیث کے راوی نہیں، اس لئے عن أبیه بمعنی عن جدہ ہے، شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں، اسی مجاز کی وجہ سے حتی ذکر عبدَ الله بن عمرٍو بڑھایا ہے کہ عن أبیه سے حضرت عبداللہ مراد ہیں —— اس حدیث کی شرح امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے، اسحاق بن منصور جو امام احمدؒ کے خاص شاگرد ہیں کہتے ہیں: میں نے امام احمد سے نهی عن سَلَفٍ وبیع کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو قرض دے، پھر اس کے ہاتھ کوئی چیز بیچے، اور اس سے قیمت زیادہ لے —— اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ آدمی کسی کو کوئی چیز قرض دے، پس اس سے کہے: اگر تجھے یہ چیز میسر نہ آئے تو میں یہ چیز تجھے بیچتا ہوں۔ اسحاق بن منصور کہتے ہیں: حدیث کا یہی مطلب ہے جو امام احمد نے بیان کیا (کما قال کا یہی مفہوم ہے) —— اسحاق نے امام احمد سے حدیث کے تیسرے جملے کے بارے میں دریافت کیا کہ نبی ﷺ نے جو چیز قبضہ میں نہیں اس کے بیچنے سے منع کیا ہے: اس کی تفسیر کیا ہے؟ امام احمد نے فرمایا: میرے نزدیک یہ حدیث صرف کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں ہے یعنی جب تک ان پر قبضہ نہ ہوجائے ان کو بیچنا جائز نہیں۔ اسحاق بن منصور نے اس تفسیر کی بھی تائید کی اور اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا کہ مطعومات سے مراد عام ہے خواہ مکیلی ہو یا موزونی —— اور امام احمدؒ نے حدیث کے دوسرے جملے کی شرح میں فرمایا: جب بائع نے کہا: میں آپ کو یہ کپڑا بیچتا ہوں اور میرے ذمے اس کا سینا اور اس کا دھونا ہے (پہلے زمانہ میں کورا کپڑا پہلے دھوبی سے ایک دو مرتبہ دھلوایا جاتا تھا، پھر اس کے کپڑے کاٹ کر سیئے جاتے تھے) تو یہ ایک بیع میں دو شرطوں کی مثال ہے (لہٰذا یہ بیع ناجائز ہے) اور جب کہا: میں آپ کو یہ کپڑا بیچتا ہوں اور میرے ذمے اس کا سینا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یا کہا: میں اس کو بیچتا ہوں اور میرے ذمے اس کا دھلانا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ایک شرط ہے پس جائز ہے، اسحاق بن منصور نے اس کی بھی تائید کی کہ دریں چہ شک!

سند کی بحث: حضرت حکیمؓ کی مذکورہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے، پہلی سند: ابو بشر اور ایوب سختیانی کی ہے، وہ دونوں یوسف سے، اور وہ حضرت حکیم سے روایت کرتے ہیں (یہ سندیں باب کے شروع میں گذر چکی ہیں) دوسری سند: عوف شیبانی اور ہشام بن حسان کی ہے، یہ دونوں ابن سیرین سے اور وہ حضرت حکیم سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے۔ ابن سیرین براہ راست اس کو حضرت حکیم سے روایت نہیں کرتے بلکہ درمیان میں دو واسطے ہیں، ابن سیرین: ایوب سختیانی سے، وہ یوسف بن ماہک سے، وہ حضرت حکیم

سے روایت کرتے ہیں، یزید بن ابراہیم اسی طرح روایت کرتے ہیں، پھر ان کے تلامذہ میں اختلاف ہے، عبدالصمد اسی طرح دو واسطے ذکر کرتے ہیں اور وکیعؒ صرف ایوب کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، یوسف بن ماہک کا تذکرہ نہیں کرتے اور اصح روایت عبدالصمد کی ہے، یعنی ابن سیرین کے بعد دو واسطے ہیں ـــــــ علاوہ ازیں اس حدیث کی ایک تیسری سند بھی ہے اور وہ یحییٰ بن ابی کثیر کی ہے، وہ یوسف بن ماہک اور حضرت حکیم کے درمیان عبداللہ بن عصمہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں، امام ترمذی نے اس سند کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِیَةِ بَیْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

ولاء بیچنا اور ہبہ کرنا ممنوع ہے

حدیث: نبی ﷺ نے ولاء کو بیچنے سے اور اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: غلام باندی کو آزاد کرنے سے معتِق (آزاد کرنے والے) اور معتَق (آزاد شدہ) کے درمیان جو رشتہ (تعلق) قائم ہوتا ہے اس کا نام ولاء ہے، اس ولاء کو بیچنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: الوَلَاءُ لُحْمَةٌ کَلُحْمَةِ النسب: ولاء ایک رشتہ ہے نسبی رشتہ کی طرح (سنن بیہقی ۶: ۲۴۰) پس جس طرح نسب بدل نہیں سکتا ولاء بھی بدل نہیں سکتا، اور جس طرح نسب کی بنیاد پر میراث ملتی ہے ولاء کی بنیاد پر بھی میراث ملتی ہے، سراجی میں آپ نے پڑھا ہے کہ اگر کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو عصبہ سببی وارث ہوتا ہے، عصبہ سببی یہی آزاد کرنے والا ہے۔ غرض ولاء کو بیچنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے فقہاء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ حق محض کو بیچنا جائز نہیں، ولاء حق محض ہے اس کی وجہ سے میراث کا استحقاق پیدا ہوتا ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں، اور اسی پر گڈول یعنی پگڑی لینے کا مسئلہ متفرع ہوتا ہے یعنی کسی فرم کا نام بیچنا، مثلاً میرا کتب خانہ مکتبہ حجاز ہے، یہ نام بیچنا جائز نہیں، یہ حق محض ہے، البتہ کسی عین کے تابع کر کے حق محض کو بیچ سکتے ہیں، جیسے میں اپنی کسی تصنیف کے مسودہ کو فروخت کروں اور ساتھ میں حق تصنیف کے بھی پیسے لوں تو یہ جائز ہے، مگر حق محض کو مستقلاً بیچنا جائز نہیں، کیونکہ وہ حق محض ہے، اسی طرح دوکان کے ساتھ فرم کا نام بیچ دے تو یہ جائز ہے، یا دوکان کرایہ پر دی اور پگڑی لی تو یہ جائز ہے، کیونکہ وہ پگڑی اجرت معجلہ ہے۔ غرض حق محض کا مستقلاً بیچنا جائز نہیں، یہ فقہ کا طے شدہ ضابطہ ہے اور اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

[۲۰-] باب ماجاء فی کراهیة بیع الولاء وهبته

[۱۲۲۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِیٍّ، ثَنَا سُفْیَانُ، وَشُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ

اللّٰهِ بنِ دِیْنَارٍ، عنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰی عَنْ بَیْعِ الْوَلَاءِ، وَعَنْ هِبَتِهِ.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِیْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا الْحَدِیْثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وَقَدْ رَوَی یَحْیَی بنُ سُلَیْمٍ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَنَّهُ نَهٰی عَنْ بَیْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ، وَهُوَ وَهْمٌ: وَهِمَ فِیْهِ یَحْیَی بنُ سُلَیْمٍ، وَقَدْ رَوَی عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِیُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ نُمَیْرٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِیْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ یَحْیَی بنِ سُلَیْمٍ.

وضاحت: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث ان سے صرف عبداللہ بن دینار روایت کرتے ہیں، اس کی دوسری کوئی سند نہیں، اور یحیٰ بن سلیم کی سند وہم ہے، وہ عبیداللہ بن عمر سے، وہ نافع سے، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں: یہ سند صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ عبیداللہ بن عمر اس حدیث کو عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ عبدالوہاب ثقفی اور عبداللہ بن نمیر وغیرہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (اس کی تفصیل کتاب العلل کی شرح میں گذر چکی ہے۔ دیکھیں تحفۃ الالمعی ۱:۱۶۵)

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَةِ بَیْعِ الْحَیَوَانِ بِالْحَیَوَانِ نَسِیْئَةً

حیوان کو حیوان کے بدل ادھار بیچنا جائز نہیں

حیوان کو حیوان کے بدل خواہ ہم جنس ہوں یا خلاف جنس کمی بیشی کے ساتھ بیچنا بالاجماع جائز ہے، البتہ ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اور تفاضل کے ساتھ بیع اس لئے جائز ہے کہ حیوان اموال ربویہ میں سے نہیں اموال ربویہ صرف وہ چیزیں ہیں جو تول کر یا ناپ کر بیچی جاتی ہیں، مثلاً گندم، تیل وغیرہ۔ اور جو چیزیں گن کر فروخت کی جاتی ہیں جیسے کیلے، انڈے وغیرہ وہ ربوی نہیں، ان میں کمی بیشی جائز ہے۔ البتہ جہاں کیلے تول کر فروخت ہوتے ہیں وہاں وہ ربوی اجناس میں شمار ہونگے، اور ہم جنس کے ساتھ بیع کی صورت میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی اور جانور چونکہ گن کر بیچے جاتے ہیں اس لئے ان میں کمی بیشی جائز ہے۔ ایک بکرا دو بکروں کے عوض بیچنا جائز ہے۔

یہاں اگر کوئی اعتراض کرے کہ بعض جانور تول کر بیچے جاتے ہیں، جیسے مرغیاں تول کر فروخت ہوتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تولنا محض تقدیر ثمن کے لئے ہوتا ہے، حقیقتاً تولنا مقصود نہیں ہوتا، ایک ساتھ سیکڑوں مرغیوں کا سودا ہوتا ہے، پس ہر ہر مرغی کا الگ الگ ثمن طے کرنا مشکل امر ہے، اس لئے تول کر مالیت کا اندازہ کرتے ہیں، لیکن اگر

کسی جگہ حقیقتاً تولنا ہی مقصود ہو، تقدیرِ ثمن مقصود نہ ہوتو پھر ان کا شمار بھی ربوی اجناس میں ہوگا اور ہم جنس کے ساتھ بیع کی صورت میں تفاضل جائز نہ ہوگا، بلکہ وہ حیوانات جن کو پتا چل جائے کہ وہ تُل رہے ہیں اور وہ اپنے کو ہلکا بھاری کرسکتے ہوں: ان کو تول کر بیچنا ہی جائز نہیں، البتہ اگر جانوروں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ تُل رہے ہیں یا وہ اپنے کو ہلکا بھاری نہ کرسکتے ہوں تو ان کو تول کر فروخت کرسکتے ہیں۔

غرض عام طور پر حیوانات گن کر بیچے جاتے ہیں اس لئے وہ اموال ربویہ نہیں ہیں اور ان میں تفاضل جائز ہے اور ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں عوض دست بدست ہونے ضروری ہیں، ایک عوض بھی اگر ادھار ہوگا تو بیع فاسد ہوگی۔ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ایک عوض ادھار ہوسکتا ہے، اگر دونوں عوض ادھار ہوں تو بیع جائز نہیں۔ غرض یہاں تین مسئلے ہیں دو اتفاقی اور ایک اختلافی (۱) دونوں عوض نقد ہوں تو بالاجماع بیع درست ہے (۲) دونوں عوض ادھار ہوں تو بالاجماع بیع فاسد ہے (۳) اگر ایک عوض نقد اور ایک ادھار ہو تو امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے اور امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے۔

دلائل: اس مسئلہ میں درج ذیل روایتیں ہیں:

پہلی روایت: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ: نبی ﷺ نے ایسا سودا کرنے سے جس میں دونوں عوض ادھار ہوں منع فرمایا (مشکوٰۃ حدیث ۲۸۶۳) كَلَأَ الدَّيْنُ (ف) كَلْئًا کے معنی ہیں: قرض کی ادائیگی میں دیر ہونا۔ اس سے اسم فاعل كَالِئ اور كَالٍ آتے ہیں، جس کے معنی ہیں: ادھار۔

دوسری روایت: لَارِبَا إِلَّا فِى النَّسِيْئَةِ: سود صرف ادھار میں ہے۔ یہ حدیث بخاری (حدیث ۲۱۷۸) میں ہے اور اسی حدیث کی بنا پر ابن عباسؓ دست بدست بیع کی صورت میں اتحاد جنس کی حالت میں بھی کمی بیشی کو جائز کہتے تھے بعد میں جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کو ربا والی حدیث سنائی جو آگے آرہی ہے تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کیا۔

تیسری روایت: باب کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے عوض ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور یہ اعتراض کہ حضرت حسن بصری کا حضرت سمرۃ سے سماع نہیں یا صرف عقیقہ کی حدیث سنی ہے: صحیح نہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ نے حدیث کی تصحیح کی ہے۔

چوتھی روایت: بھی باب کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو جانور ایک کے عوض ادھار بیچنا صحیح نہیں اور ایسا معاملہ دست بدست کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس حدیث کی سند میں اگرچہ حجاج بن ارطاۃ ہیں، مگر چونکہ وہ اس حدیث کے ساتھ متفرد نہیں اس لئے اس سے استدلال درست ہے، امام ترمذیؒ نے بھی حدیث کی تحسین کی ہے۔

پانچویں روایت: آگے باب نمبر ۳۷ میں آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ قرض لیا، اور قرض اور بیع کے احکام ایک ہیں، ان میں فرق بہت کم ہے، اور قرض میں ادھار ہوتا ہی ہے۔

استدلال: بخاری کی حدیث اور حضرت سمرۃ کی حدیث جو باب میں ہے احناف اور حنابلہ کا مستدل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں عام ہیں، ایک عوض ادھار ہو یا دونوں عوض ادھار ہوں ہر صورت کو شامل ہیں۔ اور دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں یہ بات صاف ہے کہ حیوان کی حیوان کے ساتھ بیع کمی بیشی کے ساتھ صرف دست بدست جائز ہے، ادھار جائز نہیں۔

اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا استدلال یہ ہے کہ حدیث میں بیع الكالي بالكالي کی ممانعت آئی ہے، اگر ایک عوض ادھار ہونے کی صورت میں بھی بیع ناجائز ہوتی تو الكالي بالكالي کی تخصیص کی ضرورت نہیں تھی، یہ تخصیص دلیل ہے کہ ترمذی کی حدیث میں اور بخاری کی حدیث میں دونوں عوض کا ادھار ہونا مراد ہے، ایک عوض کا ادھار ہونا مراد نہیں، یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے بیع الكالي بالكالي والی حدیث کے مفہوم مخالف سے ایک عوض کے ادھار ہونے کا جواز ثابت کیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اونٹ قرض لیا ہے جس میں ادھار لازمی ہے، پس بیع میں بھی ایک عوض ادھار ہو تو بیع درست ہے۔

غرض یہ اختلاف نصوص فہمی کا ہے، احناف کے نزدیک دونوں حدیثیں عام ہیں اور شوافع کے نزدیک خاص ہیں، یعنی دونوں عوضوں کا ادھار ہونا ان حدیثوں کا مصداق ہے، مگر باب کی دوسری حدیث احناف کی تائید کرتی ہے اس میں اگر چہ حجاج بن ارطاۃ ہیں جو کثیر التدلیس ہیں مگر ان کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر وہ متفرد نہ ہوں تو ان کی روایت مقبول ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، پس اس حدیث کو پہلی حدیث کی تائید کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے (باقی بحث باب نمبر ۳۷ میں آئے گی)

[۲۱-] باب ماجاء في كراهية بيع الحيوان بالحيوان نِسْئَةً

[۱۲۲۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰى أَبُوْ مُوْسٰى، ثَنَا عبدُ الرحمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نِسْئَةً.

وفي البابِ: عَنِ ابنِ عباسٍ، وَجَابِرٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ سَمُرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَسَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ سَمُرَةَ صَحِيحٌ، هٰكَذَا قَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ وَغَيْرُهُ.

والعملُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، فِيْ

بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نِسْئَةً، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، وَبِهِ يَقُوْلُ أَحْمَدُ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نِسْئَةً، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وإِسْحَاق.

[۱۲۲۲-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بنُ الْحُرَيْثِ، ثَنَا عبدُ اللّٰهِ بنُ نُمَيْرٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ وَهُوَ ابنُ أَرْطَاةَ، عَنْ أَبِيْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْحَيَوَانُ: اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ، لَايَصْلُحُ نِسْئًا، وَلَا بَأْسَ بِهِ يَدًا بِيَدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

وضاحت: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے سماع ہے یا نہیں؟ اس میں بڑا اختلاف ہے، اصح قول یہ ہے کہ سماع ولقاء ہے، چنانچہ امام بخاری، ابن المدینی اور امام ترمذی: اکابر محدثین کی یہی رائے ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۴۸۵ کتاب الصلاۃ باب ۲۰) میں دیکھیں ——— نِسْئَة اور نَسِيْئَة ہم معنی ہیں۔ ترجمہ: صحابہ وغیرہ میں سے اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے جانور کے بدل ادھار بیچنے میں یعنی اگر ایک عوض بھی ادھار ہو تو بیع درست نہیں اور صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے کہ اگر ایک عوض ادھار ہو تو بیع درست ہے، عدم جواز اس وقت ہے جب دونوں عوض ادھار ہوں ——— اثنین: مصری نسخہ میں اثنان ہے ہمارے نسخہ میں اس سے پہلے بیع محذوف ہے۔

بابُ ماجاء فی شِرَاءِ العَبْدِ بِالْعَبْدَيْنِ

ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض خریدنا جائز ہے

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام نبی پاک ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ کے دست مبارک پر ہجرت پر بیعت کی اور رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے، بعد میں اس کا آقا آیا اور اس نے آپؐ سے غلام کی واپسی کا مطالبہ کیا، آپؐ نے اس مسلمان غلام کو اس کافر آقا کی طرف لوٹانا مناسب نہیں سمجھا اس لئے آپؐ نے اس سے فرمایا: آپ یہ غلام مجھے بیچ دیں چنانچہ آپؐ نے وہ غلام خرید لیا اور بدلے میں دو کالے (حبشی) غلام دیئے۔ اس واقعہ کے بعد آپؐ کسی کو اس وقت تک بیعت نہیں کرتے تھے جب تک یہ نہ پوچھ لیں کہ وہ غلام تو نہیں؟ اگر غلام ہوتا تو واپس کر دیتے، ورنہ بیعت فرمالیتے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام کی بیع غلام کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے کیونکہ غلام حیوان ہے ربوی مال نہیں، پس حیوان کی ہم جنس حیوان کے ساتھ بھی کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے۔

[۲۲-] باب ماجاء في شراء العبد بالعبدين

[۱۲۲۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الهِجْرَةِ، وَلَا يَشْعُرُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ عَبْدٌ، فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيْدُهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "بِعْنِيْهِ" فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ، ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ: "أَعَبْدٌ هُوَ؟"

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، حديثُ جابرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِعَبْدٍ بِعَبْدَيْنِ يَدًا بِيَدٍ، وَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ إِذَا كَانَ نَسِئًا.

وضاحت: اگر ایک عوض ادھار ہوتو جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں گذرا۔

بَابُ ماجاءَ أَنَّ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَكَرَاهِيَةِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ

گیہوں سے گیہوں کا تبادلہ برابر سرابر ہونا ضروری ہے، کمی بیشی حرام ہے

ربا کی دوقسمیں ہیں: ربا القرض اور ربا الفضل۔ اور ربا الفضل کا بچہ ربا النسیئہ ہے، قرآن کریم نے صرف ربا القرض کو بیان کیا ہے، اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے، قرآن میں ان کا تذکرہ نہیں۔

ربا القرض کی تعریف: قرض پر زیادتی مشروط کرنے کا نام ربا القرض ہے، مثلاً ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۳۰ میں ربا القرض کا بیان ہے، ارشاد پاک ہے: ''اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دونے پر دونا!'' أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً کی صورت یہ ہے کہ ایک ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی تو مقروض پہلے مہینے میں گیارہ سو واپس کرے گا، اور دوسرے مہینہ میں بارہ سو دس لازم ہونگے، کیونکہ اب گیارہ سو کا دس فیصد واجب ہوگا، اور تیسرے مہینہ میں بارہ سو دس کا دس فیصد واجب ہوگا، یوں ہر مہینہ کا سود اصل کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا اور مجموعہ پر سود بڑھتا رہے گا یہ أضعافا مضاعفة ہے۔ اور یہ بات صرف ربا القرض میں متحقق ہوتی ہے ربا الفضل میں أضعافا مضاعفة کا تحقق نہیں ہوتا، غرض قرض پر زیادتی شرط کرنے کا نام ربا القرض ہے۔

البتہ اگر قرض پر کوئی زیادتی شرط نہیں کی مگر مقروض نے اپنی خوشی سے زیادہ واپس کیا تو یہ سود نہیں، مثلاً ایک شخص نے بیس ہزار روپے قرض لئے اور دس سال کے بعد واپس کئے اور یہ خیال کیا کہ کرنسی مسلسل گرتی رہتی ہے، اور رقم سے دس سال تک اس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی زکوٰۃ قرض دینے والے نے ادا کی ہے اس لئے اس نے اپنی خوشی سے بیس کی جگہ تیس ہزار روپے واپس کئے تو یہ زائد دس ہزار سود نہیں، اور قرض دینے والے کے لئے اس رقم کا لینا جائز ہے، بلکہ لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، اور قرض کو اچھے طریقہ سے یعنی وقت پر خندہ پیشانی سے اور کچھ

اضافہ کر کے ادا کرنا چاہئے، ہاں اگر قرض دینے والا زیادتی کی شرط لگائے تو یہ سود ہے اور ناجائز ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے چھ چیزیں: سونا، چاندی، کھجور، گندم، نمک اور جو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ان کا تبادلہ ہم جنس کے ساتھ کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ادھار، اگر کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے گا تو یہ ربا الفضل ہے اور ادھار معاملہ کرے گا تو یہ ربا النسیئہ ہے، مثلاً گندم کا گندم سے تبادلہ کیا جائے تو دو چیزیں ضروری ہیں: مساوات اور دونوں عوضوں کا نقد ہونا، اگر برابر سرابر نہیں ہے، کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا ہے تو یہ ربا الفضل ہے اور یہ بیع ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی ایک عوض ادھار ہے تو یہ ربا النسیئہ ہے اور یہ بھی ناجائز ہے اور اگر دونوں عوض ادھار ہیں تو یہ بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔

اور اگر غیر جنس کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یعنی ایک طرف گندم ہوں اور دوسری طرف جو تو کمی بیشی جائز ہے، یہ کمی بیشی ربا الفضل نہیں، البتہ ادھار اب بھی جائز نہیں، اگر کوئی عوض ادھار ہوگا تو یہ ربا النسیئہ ہے اور بیع ناجائز ہے۔ غرض ہم جنس کے ساتھ تبادلہ میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں متحقق ہوتے ہیں اور غیر جنس کے ساتھ تبادلہ میں صرف ربا النسیئہ متحقق ہوتا ہے، ربا الفضل متحقق نہیں ہوتا۔

اشیائے ستہ میں ربا کی علت: تمام ائمہ متفق ہیں کہ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے: معلّل بالعلت ہے، ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جائے، صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں حتی کہ جب سونے چاندی کے سکے یعنی دنانیر ودراہیم کا چلن بند ہوا اور ان کی جگہ کرنسی نوٹ آئے تو ہندوستان کے غیر مقلدین نے فتوی دیا کہ ان کاغذ کے پرزوں میں ربا نہیں، کیونکہ یہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ ہیں، پھر جب لوگوں نے ان پر پھٹکار بھیجی تو انھوں نے فتوی بدلا کہ کرنسی نوٹ سونے چاندی کے حکم میں ہیں اس لئے ان میں بھی ربا متحقق ہوگا، غرض اصحاب ظواہر تعلیل کے قائل نہیں، ان کے علاوہ تمام مجتہدین کے نزدیک حدیث معلل بالعلت ہے، پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چار چیزوں کی الگ، مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت: ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا جس کو اللہ تعالی نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کے لئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں: سونا اور چاندی۔ پس یہ علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی، اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت: وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے، پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہے، مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ، بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں، پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے، خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم، جیسے چاول، چنا، مکئی، برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) ربوی چیزیں نہیں۔

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن وکیل ہیں، اور ان دونوں کے لئے مشترک لفظ ''قدر'' ہے، پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیۂ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا۔ اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیۂ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز، جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت: طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے، اور طعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں: اول: مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ دوم: فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ سوم: مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں، نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک:

(۱) صرف ربا النسیۂ کے لئے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو، خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو، جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے ——— اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے، البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، پس کمی بیشی جائز ہے۔

(۲) اور ربا الفضل اور ربا النسیۂ دونوں کے تحقق کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: طعام کا مُقْتَات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گذر بسر کرتے ہوں، دوم: طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو، جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں ربا متحقق ہونگے، پس نہ کم وبیش فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔

فائدہ(۱): شافعیہ اور مالکیہ نے سونے اور چاندی میں جو علت: ثمنیت تجویز کی ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ثمنیت سونے اور چاندی کے ساتھ خاص ہے تو اس تعلیل کا کیا فائدہ؟ تعلیل تو حکم کے تعدیہ کے لئے

ہوتی ہے، اس لئے اس سے بہتر ''وزن'' کو علت بنانا ہے کیونکہ لوہے، تانبے وغیرہ کی طرف اس کا تعدیہ ہوتا ہے۔
علاوہ ازیں ایک متفق علیہ حدیث میں وزن وکیل کے علت ہونے کی طرف اشارہ ہے: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صاحب کو عامل بنا کر خیبر بھیجا، وہاں سے وہ عمدہ کھجوریں لائے، آپ نے دریافت کیا: کیا خیبر میں سب ایسی ہی عمدہ کھجوریں ہوتی ہیں؟ ان صاحب نے کہا: نہیں! بلکہ ہم عمدہ کھجوروں کا ایک صاع: معمولی کھجوروں کے دوصاع سے اور دوصاع: تین صاع سے بدل لیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: لاتفعلْ بِعِ الْجَمْعَ بالدراهم ثم ابْتَعْ بالدراهم جنيبًا: ایسا نہ کرو، مخلوط کھجوریں دراہم کے عوض بیچ دو، پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو، وقال: في الميزان مثلُ ذلك اور وزن میں بھی ایسا ہی فرمایا (مشکوۃ حدیث ۲۸۱۳) یعنی کھجوروں میں جید وردی کا تفاوت ظاہر کرنا مقصود ہو تو دو بیعیں کی جائیں، اسی طرح سونے چاندی میں عمدہ اور گھٹیا کا تفاوت ظاہر کرنا ہو تو بھی دو بیعیں کی جائیں اور لفظ میزان سے دونوں میں علت موزونی ہونا صاف مفہوم ہوا اور تقابل سے واضح ہوا کہ کھجوریں مکیلی ہیں، پس اس حدیث سے ربا کی دونوں علتیں: کیل ووزن ثابت ہوگئیں۔
اور یہی بات جو اس حدیث سے اشارۃً مفہوم ہوتی ہے مستدرک حاکم (۴۳:۲) کی ایک روایت میں صراحۃً آئی ہے گو وہ روایت ضعیف ہے مگر تائید کے لئے کافی ہے وہ روایت یہ ہے:
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا: التمر بالتمر والحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والذهب بالذهب، والفضة بالفضة، يدا بيد، عينا بعين، مِثْلًا بمِثْلٍ، فمن زاد فهو ربا ثم قال: كذلك ما يُكال ويُوزن أيضا یعنی مذکورہ پانچ چیزوں کا جو حکم ہے وہی تمام مکیلات وموزونات کا ہے ——— غرض شافعیہ اور مالکیہ نے حرمت ربا کی جو علت بیان فرمائی ہے اس کی تائید کسی نص سے نہیں ہوتی، انھوں نے یہ علت اپنے اجتہاد سے نکالی ہے اور احناف نے جو علت بیان کی ہے اس کی تائید مذکورہ دونوں حدیثوں سے ہوتی ہے۔
فائدہ (۲): ربا القرض کی شناعت وقباحت تو واضح ہے اس میں غریب پر ظلم ہوتا ہے اس لئے سود کی یہ قسم حرام کی گئی ہے مگر ربا الفضل کی حرمت کی وجہ ذرا دقیق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رفاہیت بالغہ یعنی بہت زیادہ بلند معیاری زندگی پسند نہیں کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی زندگی گذارے گا وہ طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہوگا اور اسی کے بقدر آخرت سے غافل ہوگا۔
اور اعلیٰ معیار زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے، گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائے جس کی عملی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہ ہو بلکہ معمولی درجہ کی ہو تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر اس

کے بدلے میں اعلی درجہ کی چیز تھوڑی مقدار میں لی جائے اور اس طرح زندگی کا اعلی معیار برقرار رکھا جائے، اس لئے رفاہیت بالغہ کی یہ صورت امت مرحومہ کے لئے نبی رحمت ﷺ کے ذریعہ یعنی وحی غیر متلو کے ذریعہ ممنوع قرار دی گئی، اور جنس واحد میں جید وردی کا تفاوت لغو کردیا، تاکہ ہر شخص جو کچھ اس کو میسر ہو اس پر قناعت کرے، اور رئیسانہ ٹھاٹ سے بچے، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۴۶:۴) میں ہے۔

فائدہ (۳): اگر کسی واقعی ضرورت سے ہم جنس سے تبادلہ کرنا پڑے مثلاً ایک کسان کے پاس معمولی گیہوں ہیں اور اس کو بیج کے لئے عمدہ گیہوں درکار ہیں اور فریقین جید وردی کا تفاوت بھی ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی راہ یہ ہے کہ دو بیعیں کی جائیں، اپنے معمولی گیہوں کسی کو نقد بیچ دے پھر اس رقم سے عمدہ گیہوں خرید لے، عمدہ گیہوں والے کے ہاتھ ہی ان معمولی گیہوں کو بیچنا ضروری نہیں، پس یہ حیلہ نہیں۔

فائدہ (۴): حدیث جَيِّدُها وَرَدِيُّهَا سواء ثابت نہیں، مگر اس کا مضمون صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (نصب الرایہ ۴: ۳۷)

[۲۳-] باب ماجاء في أن الحنطة بالحنطة مِثلًا بمثلٍ و كراهية التفاضلِ فيه

[۱۲۲٤-] حدثنا سُوَيْدُ بنُ نَصْرٍ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ، عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الذَّهَبُ بالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى؛ بِيْعُوْا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَداً بِيَدٍ، وَبِيْعُوْا الْبُرَّ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ، وَبِيْعُوْا الشَّعِيْرَ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ"

وفي الباب: عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَبِلَالٍ، حديثُ عُبَادَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ خَالِدٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، قَالَ: "بِيْعُوْا الْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ" وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ، عَنْ عُبَادَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم الْحَدِيْثَ، وَزَادَ فِيْهِ: قَالَ خَالِدٌ: قَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ: بِيْعُوْا الْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَايَرَوْنَ أَنْ يُبَاعَ الْبُرُّ بِالْبُرِّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالشَّعِيْرِ بِالشَّعِيْرِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَ الْأَصْنَافُ فَلَا بَأْسَ أَنْ يُبَاعَ مُتَفَاضِلًا إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ، وهذا قول

أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَالْحُجَّةُ فِي ذٰلِكَ قَوْلُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "بِيْعُوْا الشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ"

وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ أَنْ تُبَاعَ الْحِنْطَةُ بِالشَّعِيْرِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وضاحت: الذهبُ وغیرہ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، پہلی صورت میں عامل بِيْعُوا محذوف ہوگا اور دوسری صورت میں يُبَاعُ ـــــ مِثْل: میم کے زیر کے ساتھ ہے، بعض طلبہ مَثَلًا بِمَثَلٍ پڑھتے ہیں جو غلط ہے اور مِثْلًا بمثلٍ اور يدًا بيدٍ حال ہیں ـــــ زَادَ الشيءَ: بڑھانا، زیادہ کرنا، اضافہ کرنا ـــــ ازْدَادَ شيئًا لنفسه: کوئی چیز اپنے لئے زیادہ لینا یا چاہنا ـــــ أَرْبىٰ: سود کا لین دین کرنا۔ ترجمہ: پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے بالیقین سودی لین دین کیا، سونا چاندی کے بدل جس طرح چاہو دست بدست بیچو الی آخرہ۔ اس حدیث میں گیہوں اور جو کے تبادلہ کا ذکر نہیں، البتہ خالد کے بعض تلامذہ یہ جملہ بڑھاتے ہیں کہ گیہوں جو کے بدل جس طرح چاہو دست بدست بیچو، اور دوسرے بعض تلامذہ اسی سند سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں، اور انھوں نے یہ اضافہ کیا ہے: خالد حذّاء نے کہا کہ ابوقلابہ نے کہا کہ گیہوں جو کے بدل جس طرح چاہو دست بدست بیچو یعنی یہ ٹکڑا مرفوع نہیں، بلکہ ابوقلابہ کا قول ہے، اسی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے اس جز میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

ترجمہ: اہل علم کا عمل اس حدیث پر ہے، ان کے نزدیک گیہوں گیہوں کے بدل برابر سرابر بیچنا ضروری ہے، اور جو جو کے بدل بھی برابر سرابر بیچنا ضروری ہے، پس جب اجناس مختلف ہوں تو کم وبیش بیچنا جائز ہے بشرطے کہ دونوں عوض دست بدست ہوں، اور یہ صحابہ وغیرہ میں سے اکثر حضرات کا قول ہے اور یہی سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے ـــــ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گیہوں اور جو میں تفاضل جائز ہے اس کی دلیل حدیث کا مذکورہ بالا جملہ ہے جس کو خالد حذاء کے بعض تلامذہ حدیث میں بڑھاتے ہیں کہ جو کو گیہوں کے بدل جس طرح چاہو دست بدست بیچو ـــــ اور اہل علم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ گیہوں جو کے بدل برابر بیچنا ضروری ہے اور یہی امام مالک کی رائے ہے مگر صحیح تر رائے پہلی ہے (یہ مسئلہ پہلے باب ۱۴ میں گذر چکا ہے) امام مالکؒ جو میں اختلاف نہیں کرتے، بلکہ سلت میں اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک سلت یعنی بغیر چھلکے کے جو اور گندم ایک جنس ہیں، اس لئے ان میں ان کے نزدیک برابری ضروری ہے اور جمہور کے نزدیک سلت الگ جنس ہے اس لئے ان کے نزدیک تفاضل جائز ہے)

بابُ ماجاءَ فی الصَّرْفِ

سونے چاندی کی بیع کا بیان

ثمن یعنی سونے چاندی (دینار ودرہم) کے باہم تبادلہ کا نام بیع صرف ہے، اوراس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہم جنس کے ساتھ تبادلہ ہو یعنی سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی ضروری ہے، اور اگر خلافِ جنس سے تبادلہ ہو یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے —— حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ایک خوش نصیب باب ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں!

فائدہ: اب دینار ودرہم کی جگہ کرنسی نوٹ آگئے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ کرنسی نوٹ در اصل سونے چاندی کا حوالہ ہیں، ہر نوٹ پر گورنر کی طرف سے یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ میں حامل کو اتنی رقم ادا کرنے کا ذمہ دار ہوں یعنی اگر کوئی زر کا مطالبہ کرے تو گورنر اس کو اتنا سونا یا چاندی دینے کا ذمہ دار ہے، مگر یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں کھانے کے نہیں، اگر کوئی سو کا نوٹ لیکر بینک جائے اور زر کا مطالبہ کرے تو منیجر اس کو دھتکار دے گا بلکہ پولس کو فون کردے گا، اور پولس یہ کہہ کر گرفتار کرلے گی کہ اس کو حکومت کے نوٹوں پر اعتماد نہیں اور جیل میں ڈال دے گی، اس لئے یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں ان کے پیچھے کوئی سونا چاندی نہیں، اوراس لکھنے کی وجہ سے کرنسی کی ساکھ بنتی ہے اور اعتباریت پیدا ہوتی ہے اوراسی کی بنیاد پر نوٹ چل رہے ہیں، اگر آج حکومت اعلان کردے کہ ہزار کے نوٹ بند، تو کوئی ان کو دھیلے میں نہیں لے گا، پس یہ نوٹ ہی ثمن عرفی ہیں اوران کے احکام ذو وجہین ہیں، یہ من وجہ ثمن ہیں اور من وجہٍ سامان۔ اس لئے دونوں مشابہتوں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

مسئلہ: کرنسی نوٹ میں زکوۃ واجب ہے کیونکہ باب زکوۃ میں ان کی ثمنیت کا اعتبار ہے، اگر سامان ہونے کا اعتبار کریں گے تو زکوۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ جو سامان تجارت کے لئے نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور نوٹ تجارت کے لئے نہیں ہوتے۔

مسئلہ: اسی طرح ایک ملک کی کرنسی باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں، یہاں بھی ثمنیت کا اعتبار ہے۔

مسئلہ: ایک شخص سو کا نوٹ بھنانے کے لئے دوکاندار کے پاس لے گیا اس نے پچاس روپے دیئے اور کہا: باقی تھوڑی دیر میں لے جانا یہ جائز ہے کیونکہ یہاں سامان ہونے کا اعتبار ہے، اگر ثمنیت کا لحاظ کریں گے تو مذکورہ صورت ناجائز ہوگی، کیونکہ بیع صرف میں مجلس عقد میں دست بدست قبضہ ضروری ہے۔

مسئلہ: اسی طرح دو ملکوں کی کرنسیوں کا باہم تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، یہاں بھی سامان ہونے کا لحاظ

ہے اور حوالہ میں ایک عوض نقد ہونا ضروری ہے، دوسرا ادھار ہوسکتا ہے، ورنہ بیع کالی بالکالی لازم آئے گی۔

غرض سونا چاندی تو ثمن خلقی ہیں مگر کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں، حکومت کی اعتباریت پر ثمن ہیں، لہٰذا ان میں ثمنیت کا بھی اعتبار ہوگا اور چونکہ خِلقَۃً ثمن نہیں ہیں اس لئے سامان ہونے کا بھی اعتبار ہوگا، دونوں پہلوؤں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

حدیث (۱): نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اور حضرت ابن عمرؓ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے (ابن عمرؓ آخر میں نابینا ہو گئے تھے، اس زمانہ میں نافع اندھے کی لاٹھی تھے) انھوں نے ہمیں حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر درمیان میں تاکید کے لئے فرمایا: آنحضور ﷺ سے یہ حدیث میرے ان دونوں کانوں نے سنی ہے یعنی اس ارشاد کی سماعت میں مجھے ادنی شبہ نہیں کہ سونے کو سونے کے عوض مت بیچو مگر برابر سرابر، اور چاندی کو چاندی کے عوض مت بیچو مگر برابر سرابر، ایک عوض کو دوسرے سے بڑھایا نہ جائے، اور غائب (جو مجلس عقد میں موجود نہ ہو) کو ناجز (جو مجلس عقد میں موجود ہو) کے عوض مت بیچو یعنی دونوں عوض دست بدست ہوں۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت ابن عمرؓ کا مذہب بھی یہی تھا کہ اگر سونا اور چاندی ہم جنس دست بدست بیچے جائیں تو کمی بیشی جائز ہے، بعد میں جب ان کو پتا چلا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ حدیث بیان کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے تو وہ نافع رحمہ اللہ کو لے کر ان کے پاس گئے، حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان کو مذکورہ حدیث سنائی اور چونکہ ابن عمرؓ کے ذہن میں مسئلہ کی نوعیت دوسری تھی اس لئے تاکید کے لئے فرمایا کہ اس حدیث کو میرے ان کانوں نے سنا ہے، یعنی اس ارشاد کی نقل میں مجھے ادنی شبہ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ابن عمرؓ کو غلط فہمی ایک حدیث سے ہوئی تھی جو آگے آرہی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کو حدیث إنما الربا فی النسیئة سے غلط فہمی ہوئی تھی حالانکہ اس حدیث میں حصر ادعائی ہے حقیقی حصر نہیں، ربا النسیئہ کی شناعت وقباحت ذہنوں میں بٹھانے کے لئے یہ حصر کیا گیا ہے مگر ابن عباسؓ نے اس کو حقیقی حصر سمجھ لیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حقیقی ربا تو ربا القرض ہے اسی لئے صرف اسی کو قرآن نے بیان کیا ہے، اور ربا الفضل حکمی ربا ہے یعنی دوسرے درجہ کا ربا ہے، اور ربا النسیئہ اس کا بھی بچہ ہے پس وہ تیسرے درجہ کا ربا ہوا، یہ جو درجہ بندی کی گئی ہے اس سے کسی کو غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ حقیقی ربا یعنی ربا القرض سے تو بچنا ضروری ہے مگر ربا الفضل سے بچنے کی اتنی تاکید نہیں، کیونکہ وہ دوسرے درجہ کا ربا ہے، مگر امت میں ایسا خیال نہیں پایا جاتا، سب لوگ یہی جانتے ہیں کہ ربا کی دونوں قسمیں یکساں ہیں، البتہ ربا النسیئہ کے بارے میں غلط فہمی ہوسکتی تھی، بلکہ پائی جارہی ہے کہ یہ ان دونوں سے فروتر ہے، اس لئے اس کی شناعت وقباحت بڑھانے کے لئے حصر کر کے فرمایا: سود ادھار ہی میں ہے، یعنی اس کو ہلکا مت سمجھو وہی حقیقی سود ہے۔

غرض یہ حصر ادعائی ہے مگر ابن عباسؓ نے اس کو حقیقی حصر سمجھ لیا کہ ادھار میں سود ہے دست بدست معاملہ ہو تو سود نہیں، خواہ برابر سرابر بیچے یا کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے سب درست ہے۔ مگر جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا (اور حضرت ابن عمرؓ کو غلط فہمی آئندہ حدیث سے ہوئی ہے جو بعد میں دور ہوگئی)

مسئلہ: بیع صرف میں دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے اگر ایک عوض مجلس میں موجود ہو اور دوسرا عوض موجود نہ ہو تو یہ بیع جائز نہیں، کیونکہ اثمان (سونا چاندی) متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے، تقابض سے متعین ہوتے ہیں، پس اگر اثمان کا آپس میں تبادلہ ہو اور احد العوضین پر مجلس میں قبضہ ہوجائے اور دوسرا عوض مجلس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ثانی عوض متعین نہ ہوگا، پس یہ بیع العین بالدین ہوئی، اور بیع العین بالدین ادھار بیع ہے اور اثمان کے تبادلہ میں نسیہ حرام ہے، اس لئے سونے چاندی کے تبادلہ میں بیع الغائب بالناجز جائز نہیں۔

حدیث (۲): ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں بقیع قبرستان کے پاس (جانوروں کی مارکیٹ میں) اونٹ فروخت کیا کرتا تھا کبھی اونٹ دیناروں میں بیچتا مگر خریدار کے پاس دینار نہیں ہوتے تھے تو ان کی جگہ درہم لے لیتا اور کبھی دراہم میں بیچتا اور ان کی جگہ دینار لے لیتا (کسی نے ان سے کہا: یہ ناجائز ہے چنانچہ) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکل رہے تھے، میں نے آپؐ سے مسئلہ پوچھا، آپؐ نے فرمایا: ''اس دن کے بھاؤ سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں'' مثلاً دس دینار میں اونٹ فروخت کیا اور مشتری دینار کے بدلے درہم دینا چاہے تو دیکھا جائے اس دن دینار کی کیا قیمت ہے؟ جو قیمت ہو اس کے اعتبار سے دراہم لینا جائز ہے۔

تشریح: یہ وہ حدیث ہے جس کی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ اثمان کا باہم تبادلہ اگر دست بدست ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور غلط فہمی کی بنیاد یہ تھی کہ سونا اور چاندی کیرٹ کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے (کیرٹ انگریزی لفظ ہے، یہ قیراط سے بنا ہے یعنی سونے چاندی کی معدنی حالت، عربی میں اس کو عِیار کہتے ہیں) ابن عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ اس دن کے بھاؤ کا لحاظ کرکے دینار کی جگہ دینار اور دراہم کی جگہ دراہم کم وبیش لے سکتے ہیں کیونکہ سونا اور چاندی یکساں نہیں ہوتے، ان میں کیرٹ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، پس قیمت کا اعتبار کرکے سونے چاندی کا باہم تبادلہ بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، حالانکہ یہ قیاس صحیح نہیں تھا اس لئے کہ دراہم و دینار الگ الگ جنسیں ہیں پس اس دن کے بھاؤ کا لحاظ کرکے دینار کی جگہ دراہم اور دراہم کی جگہ دینار کم وبیش لے سکتے ہیں، مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ سونے اور چاندی میں بھی چونکہ کیرٹ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے اس لئے ان میں بھی کمی بیشی جائز ہے: صحیح نہیں، کیونکہ سونا چاندی ربوی اشیاء ہیں اور ربوی اشیاء میں جید اور ردی کا تفاوت ظاہر نہیں ہوتا، اگر تفاوت ظاہر کرنا ہو تو سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ کیا جائے، اور اس طرح معدنی حالت کا تفاوت ظاہر کیا جائے۔

حدیث (۳): مالک بن اَوس بن الحدثانؒ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ گھر سے سونا لے کر چلا تاکہ میں اس کو بھناؤں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ صحابہ بیٹھے تھے میں سونا لے کر ان کے پاس گیا اور کہا: کون اس کو دراہم سے بدلے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس طلحہ بن عبید اللہ (جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) بیٹھے تھے، انھوں نے کہا: اپنا سونا مجھے دکھاؤ انھوں نے سونا جانچ پرکھ کر فرمایا: ابھی ہمارا خادم موجود نہیں، جب وہ آجائے تو آپ اپنی چاندی لے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: بخدا نہیں! یا تو آپ اس کو ابھی چاندی دیں یا اس کا سونا واپس کریں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: چاندی کا سونے سے تبادلہ سود ہے مگر دست بدست (هَاءَ وَهَاءَ: اسم فعل ہیں ان کے معنی ہیں: لے اور لا، اور مراد ہے دست بدست) اور گندم کا گندم سے تبادلہ ربا ہے مگر دست بدست، اور جو کا جو سے تبادلہ ربا ہے مگر دست بدست، اور کھجور کا کھجور سے تبادلہ ربا ہے مگر دست بدست، یعنی ربوی اشیاء کا خلافِ جنس سے تبادلہ ہو یا ہم جنس سے تبادلہ ہو ہر صورت میں عوضین کا نقد ہونا ضروری ہے اور ادھار حرام ہے۔

[٢٤-] باب ماجاء في الصَّرْفِ

[١٢٢٥-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، أَخْبَرَنَا حُسَيْنُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: انْطَلَقْتُ أَنَا وابنُ عُمَرَ إِلَى أَبِيْ سَعِيْدٍ، فَحَدَّثَنَا: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: — سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ هَاتَانِ — يَقُوْلُ: "لَا تَبِيْعُوْا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، لَايُشَفُّ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهُ غَائِبًا بِنَاجِزٍ"

وَفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، وأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَهِشَامِ بنِ عَامِرٍ، وَالْبَرَاءِ، وَزَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، وَفَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ، وَأَبِيْ بَكْرَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَأَبِيْ الدَّرْدَاءِ، وَبِلَالٍ.

حديثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، إِلَّا مَا رُوِيَ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ لَايَرَى بَأْسًا أَنْ يُبَاعَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مُتَفَاضِلًا، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مُتَفَاضِلًا، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ، وَقَالَ: إِنَّمَا الرِّبَا فِيْ النَّسِيْئَةِ، وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ شَيْئٌ مِنْ هٰذَا، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهِ حِيْنَ حَدَّثَهُ أَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَرُوِيَ عَنِ ابنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ: لَيْسَ فِي الصَّرْفِ اخْتِلَافٌ.

[١٢٢٦-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ سِمَاكِ بنِ

حَرْبٍ،عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: كُنْتُ أَبِيْعُ الإِبِلَ بِالْبَقِيْعِ، فَأَبِيْعُ بالدَّنَانِيْرِ، فَآخُذُ مَكَانَهَا الْوَرِقَ، وأَبِيْعُ بِالْوَرِقِ، فَآخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيْرَ، فَأَتَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَوَجَدْتُهُ خارِجًا مِنْ بَيْتِ حَفْصَةَ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: "لَابَأْسَ بِهِ بِالْقِيْمَةِ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعاً إِلَّا مِنْ حَديثِ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَرَوَى دَاوُدُ بنُ أَبِى هِنْدٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ مَوْقُوفًا.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ؛ أَنْ لَّا بأْسَ أَنْ يَقْتَضِىَ الذَّهَبَ مِنَ الْوَرِقِ، وَالْوَرِقَ مِنَ الذَّهَبِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ ذٰلِكَ.

[۱۲۲۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَوْسِ بنِ الْحَدَثَانِ، أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ أَقُوْلُ: مَنْ يَصْطَرِفُ الدَّرَاهِمَ؟ فَقَالَ طَلْحَةُ بنُ عُبَيْدِ اللهِ، وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ: أَرِنَا ذَهَبَكَ ثُمَّ ائْتِنَا إِذَا جَاءَ خَادِمُنَا نُعْطِكَ وَرِقَكَ، فَقَالَ عُمَرُ: كَلَّا، وَاللهِ! لَتُعْطِيَنَّهُ وَرِقَهُ أَوْ لَتَرُدَّنَّ إِلَيْهِ ذَهَبَهُ، فَإِنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ:"إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ" يَقُوْلُ: يَداً بِيَدٍ.

وضاحتیں: پہلی حدیث (نمبر ۱۲۲۵) کی سند میں ہندوستانی نسخہ میں حسین بن محمد بن بہرام کا ذکر چھوٹ گیا ہے، مصری نسخہ سے اور تحفۃ الاحوذی سے بڑھایا ہے، احمد بن منیع: شیبان نحوی سے براہ راست روایت نہیں کرتے، بلکہ حسین کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں ـــــ سَمِعَتْهُ أُذُنَایَ هَاتَانِ: هَاتَان: صرف ترمذی میں ہے، مسلم شریف میں نہیں ہے اور ہندی نسخہ میں هَاتَيْنِ ہے، تصحیح مصری نسخہ (شرح ابن العربی کے نسخہ) سے کی ہے ـــــ لَایُشِفُّ: فعل مضارع مجہول منفی از باب افعال، أَشَفَّ الدرهمَ: درہم میں کمی یا بیشی کرنا (من الاضداد) ـــــ غائب: غیر موجود ـــــ الناجز: حاضر وموجود، کہا جاتا ہے: وعدٌ ناجزٌ: پورا کیا ہوا وعدہ، مجرد نَجَزَ (ن) الشیئُ نَجْزًا: مکمل اور پورا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے مگر جو ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا کہ وہ سونے کو سونے کے بدل اور چاندی کو چاندی کے بدل کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، جبکہ معاملہ دست بدست ہو، اور انھوں نے فرمایا: سود ادھار ہی میں ہے۔ اور اسی طرح ابن عباسؓ کے بعض تلامذہ سے بھی یہ بات مروی ہے، اور ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے قول سے

رجوع کرلیا تھا جب ان سے ابوسعید خدریؓ نے مذکورہ حدیث بیان کی، اور پہلا قول یعنی جمہور کا قول اصح ہے ——— حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث (نمبر ۱۲۲۶) مرفوع ہے یا موقوف؟ اس سلسلہ میں سعید بن جبیر کے تلامذہ میں اختلاف ہے، سماک بن حرب نے اس کو مرفوع کیا ہے اور داؤد بن ابی ہند نے موقوف بیان کیا ہے ——— اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ سونے کو چاندی کی جگہ اور چاندی کو سونے کی جگہ وصول کرے اور یہ امام احمدؒ کا قول ہے (یہ مسئلہ اجماعی ہے) اصْطَرَفَ الْمالَ بمثله: تبدیل کرنا، سکہ بدلنا، ریزگاری لینا یا دینا۔

بابُ ماجاء فی ابْتِيَاعِ النَّخلِ بَعْدَ التَّأْبِيْرِ، وَالعَبْدِ وَلَهُ مَالٌ

تابیر کے بعد کھجور کا درخت خریدنا اور ایسا غلام خریدنا جس کے پاس مال ہے

اِبْتَاعَ ابْتِيَاعًا کے معنی ہیں خریدنا، اور أَبَّرَ تَأْبِيْرًا کے معنی ہیں: کھجوروں کی تلقیح کرنا، گابھا دینا، نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں ڈالنا، جب کھجور کے درخت پر پھول آتے ہیں تو مادہ درخت کے پھول میں کسی جگہ سوراخ کر کے نر درخت کے پھول کی ایک پنکھڑی داخل کرتے ہیں اس کو اردو میں گابھا دینا اور عربی میں تأبیر کرنا کہتے ہیں، اس عمل سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مادہ درخت پر پھل خوب آتا ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھل کم آتا ہے اور چھوٹا رہتا ہے اور تابیر ایسے مرحلہ میں کی جاتی ہے کہ اس کے بعد جلد پھل نکل آتا ہے۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کھجور کا باغ فروخت کیا یعنی درخت ہی بیچ دیئے تو درختوں پر جو پھل ہے یا جو آئندہ پھل نمودار ہوگا وہ کس کا ہوگا؟ بائع کا یا مشتری کا؟ اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ پھل مبیع کے ساتھ برائے انفصال متصل ہوتا ہے، یعنی ان کو بہر حال درختوں سے جدا ہونا ہے اس لئے اگر پھل نمودار ہو چکے ہیں تو وہ بائع کے ہیں، الا یہ کہ سودے میں صراحت ہو کہ مشتری پھلوں کے ساتھ باغ خرید رہا ہے، اور اگر خریدنے کے بعد پھل نمودار ہوا تو وہ بہر حال مشتری کا ہوگا کیونکہ وہ اس کی ملک کا ثمرہ ہے۔

اور حدیث شریف میں ایک جزئیہ آیا ہے جس میں فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، حدیث میں ہے کہ اگر کھجور کے درختوں کی تابیر کرنے سے پہلے باغ فروخت کیا گیا تو پھل مشتری کا ہے اور تأبیر کے بعد فروخت کیا گیا تو پھل بائع کا ہے، البتہ اگر سودے میں صراحت ہو کہ مشتری پھلوں کے ساتھ درخت خرید رہا ہے تو پھر پھل مشتری کے ہونگے۔

اس جزئیہ میں تأبیر نخل سے کیا مراد ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ظاہری معنی مراد ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تأبیر نخل ظہور ثمرہ سے کنایہ ہے، تابیر پر مدار نہیں پھل نمودار ہونے پر مسئلہ کا مدار ہے، اگر پھل نمودار ہونے کے بعد باغ فروخت کیا گیا تو پھل بائع کے ہیں مگر یہ کہ سودے میں صراحت ہو کہ مشتری پھلوں کے ساتھ باغ خرید رہا ہے اور اگر پھل نمودار ہونے سے پہلے باغ فروخت کیا گیا تو چاہے درختوں کو گابھا دیا گیا ہو پھل مشتری کے ہیں، اور

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسئلہ کا مدار تابیر پر ہے، تابیر کے بعد پھل بائع کا ہے اور اس سے پہلے پھل مشتری کا ہے۔

دوسرا مسئلہ: کوئی غلام یا باندی فروخت کی گئی اور غلام کے پاس مال ہے، مثلاً اس کے ہاتھ میں گھڑی ہے یا وہ عبد ماذون ہے اور بازار میں اس کی دوکان ہے، یا باندی نے زیور پہن رکھا ہے تو اس مال کا مالک بائع ہے، البتہ اگر سودے میں صراحت ہو کہ مشتری غلام کو دوکان کے ساتھ یا باندی کو زیور کے ساتھ خریدتا ہے تو مال مشتری کا ہوگا اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

[۲۵-] باب ماجاء في ابتياع النخل بعد التأبير، والعبدِ وله مالٌ

[۱۲۲۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنِ ابْتَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُوَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلَّذِىْ بَاعَهَا، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"

وَفِيْ البابِ: عَنْ جَابِرٍ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، هٰكَذَا رُوِىَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الزُّهْرِىِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُوَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ، وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"

وَرُوِىَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"

وَرُوِىَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ، فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"، هٰكَذَا رَوَى عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُ، عَنْ نَافِعٍ الْحَدِيْثَيْنِ.

وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحديثَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَيْضًا.

وَرَوَى عِكْرِمَةُ بنُ خَالِدٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيْثِ سَالِمٍ.

وَالعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ.

قَالَ مُحمدٌ: وحديثُ الزُّهْرِىِّ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَصَحُّ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کھجور کا باغ تابیر کے بعد خریدا تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے، مگر یہ کہ مشتری پھلوں کو خریدنے کی بھی شرط لگادے، اور جس نے غلام خریدا درانحالیکہ غلام کے پاس مال ہے تو وہ مال بائع کا ہے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگادے ــــــ اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سالم اور نافع دونوں روایت کرتے ہیں، مگر سالم کی حدیث میں دو مسئلے ہیں اور دونوں مرفوع ہیں، اور نافع کی حدیث میں صرف تابیر نخل والا

مسئلہ مرفوع ہے، اور غلام والا مسئلہ نافع: ابن عمر سے اور وہ حضرت عمر سے ان کا قول روایت کرتے ہیں، عبید اللہ عمری اسی طرح نافع سے دونوں حدیثیں روایت کرتے ہیں مگر عبید اللہ کے علاوہ نافع کے اور تلامذہ اس دوسرے مسئلہ کو بھی ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور عکرمہ: سالم کے متابع ہیں اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث پر بعض فقہاء کا عمل ہے، یعنی پہلے مسئلہ میں، کیونکہ دوسرا مسئلہ اجماعی ہے اور یہ فقہاء تابیر کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں (اور امام اعظم اس کو ظہور ثمرہ سے کنایہ قرار دیتے ہیں)

بابُ ماجاء فی الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتفرَّقَا

متعاقدین جب تک جدا نہ ہوں: ہر ایک کو بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے (خیارِ مجلس کا مسئلہ)

بیع میں دو چیزیں ہیں: تمامیت بیع اور لزوم بیع، اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں یا جدا بھی ہوتی ہیں؟ احناف، مالکیہ اور ظاہریہ کے نزدیک ساتھ ساتھ رہتی ہیں، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جدا ہوتی ہیں، پھر ظاہریہ کے نزدیک تفرق ابدان پر دونوں کا تحقق ہوتا ہے یعنی جب بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہونگے تب بیع تام بھی ہوگی اور لازم بھی ہوگی۔ اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تفرق اقوال پر دونوں کا تحقق ہوتا ہے یعنی ایجاب وقبول ہوتے ہی بیع تام بھی ہو جاتی ہے اور لازم بھی اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تفرق اقوال پر بیع تام ہوتی ہے اور تفرق ابدان پر بیع لازم ہوتی ہے، اسی کا نام خیار مجلس ہے۔

اور ثمرۂ اختلاف دو صورتوں میں ظاہر ہوگا:

اول: کوئی چیز بیچی پھر تفرق ابدان سے پہلے مجلس عقد میں متعاقدین میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو ظاہریہ کے نزدیک سودا نہیں ہوا: مبیع بائع کی اور ثمن مشتری کا ہے، اور ائمہ اربعہ کے نزدیک سودا ہو گیا کیونکہ ایجاب وقبول پایا گیا، اس لئے بیع تام ہوگئی، پس ثمن بائع کا یا اس کے ورثاء کا اور مبیع مشتری کی یا اس کے ورثاء کی ہے۔

دوم: چھوٹے دو اماموں کے نزدیک تفرق ابدان سے پہلے ہر فریق بیع توڑ سکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے، اسے دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ابھی بیع لازم نہیں ہوئی، اور بڑے دو اماموں کے نزدیک دوسرے کی رضامندی کے بغیر سودا ختم نہیں کرسکتا، کیونکہ بیع لازم ہو چکی ہے۔

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے چار حدیثیں ذکر کی ہیں:

پہلی حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، یا اِخْتَرْ اِخْتَرْ نہ کہہ لیں، راوی بیان کرتا ہے کہ ابن عمرؓ جب کوئی سودا کرتے اور وہ اس وقت بیٹھے ہوئے ہوتے تو کھڑے ہو کر مجلس بدل لیا کرتے تھے تاکہ بیع لازم ہو جائے۔

تشریح:

۱-بَیِّعَان: بَیِّعٌ کا تثنیہ ہے اور بَیِّعٌ اور بائعٌ مترادف الفاظ ہیں، اور مشتری کو بائع تغلیباً کہا جاتا ہے۔

۲-مالم یَتفرَّقَا سے بہ ظاہر تفرق ابدان مراد ہے اور یہ حدیث چھوٹے دواماموں کی دلیل ہے، اور تفرق اقوال والا قول اگر چہ امام محمدؒ کی طرف منسوب ہے مگر وہ خلاف ظاہر ہے، اور اختر اختر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد متعاقدین میں سے ہر ایک دوسرے سے کہے: آپ غور کرلیں اگر سودا پسند نہ ہو تو معاملہ ختم کردیں، پھر دوسرا غور کرکے یا تو سودا ختم کردے یا یہ کہے کہ مجھے سودا منظور ہے، پھر یہ شخص جس کو سودا پسند ہے یہی بات دوسرے سے کہے اور وہ بھی غور کرکے سودا ختم کردے یا منظور کرلے —— چھوٹے دواماموں کے نزدیک تفرق ابدان سے بھی بیع لازم ہوتی ہے اور اختر اختر کہنے سے بھی، اس کے بعد خیارِ مجلس باقی نہیں رہتا۔

۳-حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے ایک زمین کا سودا کیا، سودا مکمل ہوتے ہی ابن عمرؓ الٹے پاؤں لوٹے اور گھر سے باہر نکل گئے، پھر واپس آکر بیٹھ گئے، آپ نے مجلس کی یہ تبدیلی اس لئے کی تھی کہ حضرت عثمانؓ کہیں سودا ختم نہ کردیں کیونکہ ان کو سودے میں فائدہ نظر آیا تھا، یہ حدیث بخاری (حدیث ۲۱۱۶) میں ہے اور یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے مگر راوی نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے کہ گویا یہ ابن عمرؓ کا معمول تھا جب بھی وہ کوئی سودا کرتے اور چاہتے کہ بیع لازم ہوجائے تو فوراً مجلس بدل لیا کرتے تھے، مگر یہ بات صحیح نہیں، یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔

دوسری حدیث: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، پس اگر وہ دونوں سچ بولیں اور (مبیع یا ثمن کا کوئی عیب ہو تو اسے) واضح کریں تو ان کی بیع میں برکت کی جاتی ہے، اور اگر دونوں جھوٹ بولیں اور مبیع اور ثمن کے عیب کو چھپائیں تو ان کی بیع میں سے برکت مٹادی جاتی ہے —— اس حدیث میں بھی تفرق سے تفرقِ ابدان مراد ہے اور یہ بھی چھوٹے دواماموں کی دلیل ہے۔

تیسری حدیث: ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی ہے، ایک سفر میں ایک کشتی میں دو شخصوں نے شام کے وقت ایک گھوڑے کا سودا کیا، صبح گھوڑے کا مالک پشیمان ہوا اس نے سودا ختم کرنا چاہا، دوسرا تیار نہ ہوا، حضرت ابو برزہ اسلمیؓ بھی کشتی میں تھے، دونوں اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس گئے، آپؓ نے فرمایا: میرے خیال میں تم دونوں جدا نہیں ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، لہٰذا ایک فریق معاملہ ختم کرسکتا ہے۔

تشریح: مذکورہ دونوں شخص جن کے درمیان گھوڑے کا سودا ہوا تھا شام سے صبح تک ساتھ ساتھ رہے ہوں یہ بات عقل باور نہیں کرتی اس لئے لامحالہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے قول کا مطلب یہ لینا ہوگا کہ ابھی فریقین نے اپنے عوضوں

سے فائدہ نہیں اٹھایا اور وقت بھی زیادہ نہیں گذرا، پس اگر ایک فریق معاملہ ختم کرنا چاہے تو دوسرے فریق کو تیار ہو جانا چاہئے، پس یہ حدیث چھوٹے دواماموں کی صریح دلیل نہیں، بڑے دواماموں کی دلیل بھی بن سکتی ہے۔

چوتھی حدیث: عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، مگر یہ کہ بیع میں خیار شرط ہو، یعنی اگر سودے میں خیار شرط کی قید ہو تو پھر تین دن تک خیار فسخ باقی رہتا ہے، اور اگر یہ قید نہ ہو تو فسخ کا اختیار تفرق ابدان تک رہتا ہے، فریقین کے جدا ہوتے ہی یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور فریقین میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے اس خوف سے جدا ہو جائے کہ وہ اس سے اقالہ کی یعنی بیع ختم کرنے کی درخواست کرے گا۔

تشریح: یہ حدیث بڑے دواماموں کی دلیل ہے اور وہ اس طرح کہ اسْتَقَالَہ البیعَ کے معنی ہیں: بیع فسخ کرنے کی درخواست کرنا، باب استفعال طلب کے لئے ہے، اور درخواست اس صورت میں کی جاتی ہے جب معاملہ میں دوسرے فریق کا بھی کچھ دخل ہو، پس اس جملہ میں صاف اشارہ ہے کہ تفرق ابدان سے پہلے بھی ایک فریق دوسرے کو راضی کئے بغیر سودا ختم نہیں کرسکتا، معلوم ہوا کہ ایجاب وقبول پر بیع تام بھی ہو جاتی ہے اور لازم بھی ہو جاتی ہے۔

خلاصۂ بحث: اس باب میں اختلاف نص فہمی کا ہے یعنی مذکورہ روایات میں تفرق ابدان سے پہلے جس اختیار کا ذکر ہے وہ اختیار تام ہے یا ناقص؟ بہ الفاظ دیگر: یہ حکم بابِ قضا سے ہے یا بابِ دیانت سے؟ چھوٹے دواماموں کے نزدیک یہ اختیار تام ہے یعنی ہر فریق بیع ختم کرنے میں ڈکٹیٹر ہے دوسرا خواہ راضی ہو یا نہ ہو، پہلا بیع ختم کرسکتا ہے اور یہ شرعی حکم ہے، قاضی بھی اس کے موافق حکم دے گا۔ اور بڑے دواماموں کے نزدیک یہ اختیار ناقص ہے یعنی ہر فریق اپنے ساتھی کو راضی کر کے معاملہ ختم کرسکتا ہے، تنہا نہیں کرسکتا(۱) اور یہ حکم اخلاق ومروت کے باب سے ہے یعنی ایک فریق بیع ختم کرنا چاہے تو انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسرا فریق راضی ہو جائے، کیونکہ فریقین نے ابھی اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اور بڑے دواماموں نے درج ذیل قرائن کی بنا پر یہ سمجھا ہے کہ یہ حکم باب اخلاق سے ہے اور یہ خیار ناقص ہے:

۱- ابو برزہ اسلمیؓ نے جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں اس حکم کو باب اخلاق سے سمجھا ہے چنانچہ جب کشتی میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کران کے پاس گئے تو یہ فرمایا کہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ تم ابھی جدا نہیں ہوئے اور رسول اللہ

(۱) ایسا ہی اختلاف دو اور حدیثوں میں بھی ہوا ہے: ۱- حدیث مُصَرَّات میں، تفصیل آگے باب ۲۹ و ۴۱ میں آرہی ہے، ۲- اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کرے تو مقتول کے ورثاء کو دو باتوں کا اختیار ہے: چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں۔ احناف کے نزدیک دیت لینے کا اختیار بھی ناقص ہے یعنی قاتل کی رضامندی سے دیت لے سکتے ہیں، اس کی تفصیل بھی آگے ابواب الدیات باب ۱۳ میں آرہی ہے۔

ﷺ نے فرمایا ہے کہ فریقین جب تک جدا نہ ہوں ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، یعنی تم دونوں ایک ساتھ سفر کر رہے ہو اور تم نے ابھی اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور وقت بھی زیادہ نہیں گذرا، لہٰذا جب ایک فریق سودا ختم کرنا چاہتا ہے تو دوسرے کو راضی ہو جانا چاہئے، حسن اخلاق کا یہی تقاضہ ہے، اس حدیث میں تفرق ابدان مراد لینا ممکن نہیں، کیونکہ وہ دونوں شام سے صبح تک ساتھ رہے ہوں، یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔

۲- بخاری شریف میں حکیم بن حزام کی مذکورہ روایت میں ایک راوی ہمام کی روایت میں: یختار ثلاث مرار آیا ہے یعنی تین مرتبہ اختر اختر کہنے تک خیار فسخ باقی رہتا ہے، فتح الباری (۴: ۳۳۴) میں حافظ رحمہ اللہ نے اس کو استحبابی حکم قرار دیا ہے، پس تین مرتبہ کی طرح ایک مرتبہ کا حکم بھی استحبابی ہے، ایک مرتبہ کے وجوبی حکم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

۳- اس خوف سے کہ ساتھی بیع فسخ کرنے کا مطالبہ کرے گا: مجلس بدلنے سے آنحضور ﷺ نے منع کیا ہے، جبکہ حضرت ابن عمرؓ نے جب حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ سودا کیا تھا تو ایسا کیا تھا، اور یہ بات جائز نہیں کہ راوی خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرے، اس لئے اس خیار کو باب اخلاق سے قرار دینا زیادہ مناسب ہے، اس صورت میں ابن عمرؓ کا عمل مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہوگا اور اس میں کوئی گناہ نہیں، بوقت ضرورت ایسا کیا جاسکتا ہے۔

[۲۶-] باب ماجاء البَيِّعَان بالخيارِ مالم يتفرقا

[۱۲۲۹-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰى الْكُوْفِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ يَخْتَارَا" قَالَ: فَكَانَ ابنُ عُمَرَ إِذَا ابْتَاعَ بَيْعًا وَهُوَ قَاعِدٌ، قَامَ لِيَجِبَ لَهُ.

[۱۲۳۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، ثنى قَتَادَةُ، عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا"

وَهٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وفي البابِ: عَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَسَمُرَةَ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَابنِ عَبَّاسٍ. حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالُوْا: الفُرْقَةُ بِالأَبْدَانِ، لَا بِالْكَلَامِ.

وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: مَعْنَى قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "مَالَمْ يَتَفَرَّقَا" يَعْنِي الْفُرْقَةَ بِالْكَلَامِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ، لِأَنَّ ابنَ عُمَرَ هُوَ رَوَى عَنْ رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ

أَعْلَمُ بِمَعْنَى مَا رَوَى، وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوْجِبَ الْبَيْعَ مَشَى لِيَجِبَ لَهُ.

[١٢٣١-] وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ: أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فِيْ فَرَسٍ بَعْدَ مَا تَبَايَعَا، وَكَانُوْا فِيْ سَفِيْنَةٍ، فَقَالَ: لَا أُرَاكُمَا افْتَرَقْتُمَا، وَقَدْ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا"

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهِمْ إِلَى أَنَّ الْفُرْقَةَ بِالْكَلَامِ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ.

وَرُوِيَ عَنِ ابنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ: كَيْفَ أَرُدُّ هٰذَا، وَالْحَدِيْثُ فِيْهِ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم صَحِيحٌ؟! فَقَوَّى هٰذَا الْمَذْهَبَ.

وَمَعْنَى قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ" مَعْنَاهُ: أَنْ يُخَيِّرَ الْبَائِعُ الْمُشْتَرِيَ بَعْدَ إِيْجَابِ الْبَيْعِ، فَإِذَا خَيَّرَهُ فَاخْتَارَ الْبَيْعَ، فَلَيْسَ لَهُ خِيَارٌ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ فَسْخِ الْبَيْعِ، وَإِنْ لَمْ يَتَفَرَّقَا، هٰكَذَا فَسَّرَهُ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ.

وَمِمَّا يُقَوِّي قَوْلَ مَنْ يَقُوْلُ: الْفُرْقَةُ بِالْأَبْدَانِ لَا بِالْكَلَامِ: حديثُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم:

[١٢٣٢-] حدثنا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنِ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيْلَهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَمَعْنَى هٰذَا: أَنْ يُفَارِقَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيْلَهُ، وَلَوْ كَانَتِ الْفُرْقَةُ بِالْكَلَامِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خِيَارٌ بَعْدَ الْبَيْعِ، لَمْ يَكُنْ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ مَعْنًى، حَيْثُ قَالَ: "وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيْلَهُ"

ترجمہ اور وضاحت: ابن عمرؓ کی حدیث پر صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہی شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں: حدیث میں تفرق سے تفرق ابدان مراد ہے، تفرق اقوال مراد نہیں ——— اور بعض اہل علم کہتے ہیں: نبی ﷺ کے ارشاد: مالم یتفرقا سے مراد تفرق اقوال ہے یعنی جب تک ایجاب وقبول مکمل نہ ہو: ہر فریق کو اختیار رہتا ہے، ایجاب کرنے والے کو اپنے ایجاب پر برقرار رہنے کا، اور دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا۔ اور پہلا قول اصح ہے (دلیل اول) اس لئے کہ ابن عمرؓ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور راوی اپنی حدیث کو بہتر سمجھتا ہے، اور ان کے بارے میں مروی ہے کہ جب وہ سودا پکا کرنا چاہتے تھے تو اپنی جگہ سے چل کر مجلس بدل لیا

کرتے تھے تاکہ سودا پکا ہوجائے، معلوم ہوا کہ تفرق سے تفرق ابدان مراد ہے، اگر تفرق اقوال مراد ہوتا تو ابن عمر کو یہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی (دوسری دلیل) اور ابو برزہ اسلمیؓ سے بھی یہی مروی ہے: دو شخص گھوڑے کا سودا کرنے کے بعد ان کے پاس جھگڑا لے کر آئے، اور وہ سب کشتی میں تھے، پس ابو برزہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ تم دونوں جدا نہیں ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: بائع اور مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، اس واقعہ میں سودا تو ہو چکا تھا، تفرق اقوال کے بعد ہی جھگڑا ہوا تھا اور حضرت ابو برزہؓ فرما رہے ہیں کہ تم دونوں جدا نہیں ہوئے، پس معلوم ہوا کہ تفرق سے تفرق ابدان مراد ہے (تیسری دلیل آگے آرہی ہے)

اور کوفہ وغیرہ کے بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ حدیث میں تفرق سے تفرق اقوال مراد ہے (یعنی فریقین میں سے ایک کے ایجاب کے بعد دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اسی طرح ایجاب کرنے والا بھی دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے سودا ختم کرسکتا ہے لیکن تفرق اقوال کے بعد یعنی ایجاب وقبول مکمل ہوجانے کے بعد بیع تام بھی ہوجاتی ہے اور لازم بھی، پس اب کوئی بھی فریق دوسرے کی رضامندی کے بغیر سودا ختم نہیں کرسکتا) اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے اور امام مالکؒ سے بھی ایسا ہی مروی ہے ——— اور ابن المبارکؒ سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: میں اس خیار مجلس کا کیسے انکار کروں جبکہ نبی ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے، پس ابن المبارکؒ نے اس مذہب کو قوی کیا۔

اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث کے جز إلا بيعَ الخيار کی شرح کرتے ہیں، یہ جملہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں بخاری شریف حدیث (۲۱۱۱) میں ہے: الْمُتَبَايِعَانِ كلُّ واحدٍ منهما بالخيار على صاحبه مالم يَتَفَرَّقَا إلا بَيْعَ الخِيار۔ اور بخاری شریف حدیث (۲۱۰۹) کے الفاظ ہیں: أو يقولَ أحدُهما لصاحبه: اخْتَرْ، وربّما قال: أو يكون بَيْعَ خِيارٍ۔ اور بخاری شریف حدیث (۲۱۰۷) میں ہے: أو يكونُ البيع خِياراً۔ اور ترمذی کی روایت میں ہے: أو يَخْتَارَا، امام ترمذیؒ کے نزدیک ان سب جملوں کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول مکمل ہونے کے بعد بائع مشتری کو بیع باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دے، اسی طرح مشتری بائع کو اختیار دے جب دونوں غور وفکر کے بعد سودے کو پسند کرلیں تو اب خیار مجلس باقی نہیں رہے گا، اگرچہ دونوں جدا نہ ہوئے ہوں، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس جملہ کی یہی شرح کی ہے (مگر یہ شرح أو يقول أحدُهما لصاحبه: اخْتَرْ کی تو ہوسکتی ہے مگر یہ الفاظ روایت بالمعنی ہوسکتے ہیں باقی جتنے الفاظ ہیں ان کی یہ شرح بعید ہے، خاص طور پر إلا أن تكون صَفْقَةَ خيارٍ کی یہ شرح ممکن ہی نہیں بلکہ ان کے معنی خیار شرط کے ہیں یعنی اگر بیع میں خیار شرط رکھا گیا ہے تو تفرق ابدان کے بعد بھی تین دن تک بیع فسخ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں تفرق سے تفرق ابدان مراد ہے، تفرق اقوال مراد نہیں، اس کی تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری

کو اختیار ہے جب تک دونوں جدا نہ ہوں مگر یہ کہ عقد خیار ہو (امام ترمذی کے نزدیک اس کے معنی ہیں جب تک دونوں اختر اختر نہ کہہ لیں) اور فریقین میں سے کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے اس اندیشہ سے جدا ہو جائے کہ وہ اس سے سودا ختم کرنے کی درخواست کرے گا، امام ترمذی فرماتے ہیں: اگر تفرق سے تفرق اقوال مراد لیا جائے اور بیع مکمل ہونے کے بعد کسی کے لئے اختیار باقی نہ رہے تو اس حدیث کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے اس اندیشہ سے جدا ہو جائے کہ وہ اس سے سودا ختم کرنے کی درخواست کرے گا (یہ درخواست بیع مکمل ہونے کے بعد ہی ہوگی، پس تفرق سے تفرق ابدان ہی مراد لینا ہوگا، تفرق اقوال مراد نہیں لیا جا سکتا)

ملحوظہ: امام ترمذیؒ کی بات باون تولہ پاؤ رتی ہے، مگر حضرت نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ ساتھی سے اقالہ کی درخواست لزوم بیع کے بعد ہی ہو سکتی ہے، پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے بھی کوئی فریق تنہا بیع نہیں توڑ سکتا، یہی دو بڑے اماموں کا مذہب ہے۔

بابُ [منه]

خیار مجلس کے سلسلہ کا ایک اور باب

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں: دونوں کا تعلق خیار مجلس سے ہے:

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز جدا نہ ہوں (متعاقدین) کسی بیع سے مگر باہمی رضامندی سے'' یعنی مجلس ختم ہونے تک دونوں فریق بیع پر راضی رہنے چاہئیں، بعد میں خواہ راضی رہیں یا نہ رہیں۔

تشریح: بیع تراضی طرفین سے ہوتی ہے، یہ رضامندی کہاں تک باقی رہنی چاہئے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ختم مجلس تک رضامندی باقی رہنی چاہئے، اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے کوئی فریق سودا ختم کرنا چاہے تو دوسرے کو فوراً تیار ہو جانا چاہئے، اس لئے کہ فریقین نے ابھی اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور وقت بھی زیادہ نہیں گذرا، پس سودا ختم کرنے میں کسی کا نقصان نہیں، ہاں مجلس ختم ہونے کے بعد یہ تراضی ضروری نہیں، کیونکہ اگر مجلس کے بعد بھی تراضی ضروری ہوگی تو اس کی کوئی نہایت نہیں ہوگی، قیامت تک تراضی ضروری ہوگی اور یہ کیسے ممکن ہے!

مگر اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ ختم مجلس تک ہر فریق بیع فسخ کرنے میں ڈکٹیٹر ہے غالباً صحیح نہیں، یہ حدیث تو مروت واحسان اور حسن اخلاق کے باب سے ہے کہ اگر ختم مجلس سے پہلے کسی فریق کی رائے بدل جائے اور وہ سودا ختم کرنا چاہے تو دوسرے کو فوراً تیار ہو جانا چاہئے، حدیث کا یہ مطلب بڑے دو اماموں نے سمجھا ہے، اور چھوٹے دو امام اس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ ختم مجلس سے پہلے اگر کسی فریق کی رائے بدل جائے تو وہ تنہا بیع توڑ سکتا ہے، یہی خیار

مجلس ہے۔

اس حدیث میں ابوداؤد (حدیث ۳۴۵۸) میں یہ بھی ہے کہ حدیث کے راوی ابوزرعہ جو جلیل القدر تابعی ہیں جب کسی کے ساتھ سودا کرتے تھے تو اس کو بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیتے تھے، پھر اس سے کہتے تھے کہ آپ مجھے بھی اختیار دیں یعنی خود بھی اختر کہتے تھے اور دوسرے فریق سے بھی یہی کہلواتے تھے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث کا تعلق خیارِ مجلس سے ہے، اور یہ اختیار تفرق ابدان تک رہتا ہے یا اختر اختر کہنے تک۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے ایک بدو کو بیع کے بعد اختیار دیا یعنی وہ چاہے تو بیع توڑ سکتا ہے، مگر چھوٹے دو امام اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ آپؐ نے اس سے اختر کہا۔

تشریح: یہ حدیث مختصر ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ آپؐ نے ایک اعرابی کو اونٹ بیچا، وہ اونٹ لے کر چلا گیا، عرصہ بعد واپس آیا، اور کہنے لگا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے پہچانا، آپؐ نے فرمایا: ہاں تم وہی تو ہو جو مجھ سے اونٹ خرید کر لے گئے تھے! اس نے کہا: ہاں میں وہی ہوں، اور مجھے سودا منظور نہیں، آپؐ نے اونٹ واپس لے لیا اور رقم لوٹا دی، یہ مکارمِ اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے اس واقعہ کا نہ خیارِ مجلس سے کچھ تعلق ہے نہ اختر کہنے سے۔ واللہ اعلم

[۲۷-] بابٌ

[۱۲۳۳-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، ثَنَا يَحْيَى بنُ أَيُّوْبَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بنَ عَمْرٍو، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَايَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ"؛ هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

[۱۲۳۴-] حدثنا عَمْرُو بنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ، ثَنَا ابنُ وَهْبٍ، عَنِ ابنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِيْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ، وَهَذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

وضاحت: پہلی حدیث غریب بمعنی تفرد اسناد ہے، یحیٰ بن ایوب سے آخر تک ایک سند ہے، مگر سند فی نفسہ اچھی ہے، امام ابوداؤد نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے —— اور دوسری حدیث مشکوٰۃ (حدیث ۲۸۰۶ باب الخیار) میں بحوالہ ترمذی ہے اور اس میں حسن کے ساتھ صحیح بھی ہے۔

بابُ ماجاء فی مَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ

جو شخص تجارت میں دھوکہ کھاتا ہو اس کا حکم

حدیث: ایک صحابی حضرت حبان بن مُنْقِذ تھے، ان کی گرہ میں کمزوری تھی، یعنی عقل کا ایک اسکروڈھیلا تھا،

اس لئے کاروبار کرتے تھے اور گھاٹا پاتے تھے، سامان کتنے میں خریدا: یہ بات بھول جاتے تھے، اور اپنے خیال میں نفع رکھ کر بیچ دیتے تھے، اس طرح نقصان اٹھاتے تھے، مثلاً گھر سے ہزار روپے لے کر چلے، دن بھر بیچا خریدا اور شام کو نوسو روپے لے کر لوٹے، سو روپے کا گھاٹا ہو گیا، ان کے گھر والے ان کو کاروبار سے منع کرتے تھے مگر وہ مانتے نہیں تھے، چنانچہ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور ان پر حَجْر (شرعاً کسی کو جنون یا کم عقلی یا کم عمری کی بنا پر تصرف کرنے سے روکنے) کا مطالبہ کیا، نبی ﷺ نے ان کو بلا کر کاروبار سے منع کیا، مگر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کاروبار کرنے سے صبر نہیں کرسکتا! چنانچہ آپؐ نے ان کو ایک ایسی تدبیر بتائی کہ نہ لگے مہندی نہ لگے پھٹکڑی اور رنگ آئے چوکھا! فرمایا: جب کوئی چیز بیچو تو کہہ دیا کرو: هَاءَ وَهَاءَ وَلَا خِلَابَةَ! لو اور لاؤ سودے میں کوئی دھوکہ نہیں! بے غل وغش معاملہ ہے وَلِیَ الْخِیَارُ ثلاثةَ أیام: اور مجھے تین دن تک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے (یہ الفاظ مستدرک حاکم میں ہیں) اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھول یاد آئے گی تو معاملہ ختم کردیں گے اور نقصان سے بچ جائیں گے، چنانچہ انھوں نے ہر ایک سے یہ کہنا شروع کردیا پس رفتہ رفتہ ان کا کاروبار ٹھپ پڑ گیا، کیونکہ تین دن تک کون انتظار کرے گا؟

تشریح: اس حدیث میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ سفیہ (کم عقل) کے اقوال پر پابندی لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی سفیہ کا قول: بعتُ اشْتَرَیْتُ وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک حَجْر جائز ہے، پس جب پابندی لگادی گئی پھر اس نے کوئی چیز خریدی یا بیچی تو وہ بیع کالعدم ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کسی عاقل بالغ آزاد پر پابندی لگانا جائز نہیں اور سفیہ چونکہ عاقل ہے گو کم عقل ہے اس لئے گورنمنٹ اس پر پابندی نہیں لگاسکتی، اس کا خریدنا اور بیچنا صحیح ہے، بیع نافذ ہوگی۔

دونوں فریقوں کی دلیل یہی حدیث ہے، جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے پابندی لگانے کا مطالبہ کیا اور حضور ﷺ نے ان کو بلا کر خرید و فروخت سے منع بھی کیا، یہی حَجْر ہے، معلوم ہوا کہ بندش لگا سکتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حجر نہیں ہے، پابندی لگانے کی صورت میں پبلک میں اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے کہ فلاں شخص مجحور قرار دیا گیا ہے، کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہ کرے، نبی ﷺ نے حضرت حبانؓ کو کاروبار سے منع تو کیا مگر پبلک میں اعلان نہیں کیا اس لئے یہ حجر نہیں اور گھر والوں کا مطالبہ کرنا کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا فعل حجت نہیں، غرض یہ بھی نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔

فائدہ: امام اعظمؒ کے نزدیک اسباب حجر کل تین ہیں: جنون، بچپن اور غلامی، سفہ: کم عقلی سبب حجر نہیں اور جمہور کے نزدیک اور بھی اسباب ہیں، جیسے: سفہ (کم عقلی) فضول خرچی، استطاعت کے باوجود قرض چکانے میں ٹال مٹول کرنا، کاروبار میں مال ضائع ہونے کا اندیشہ وغیرہ تفصیل بدائع الصنائع میں ہے۔

[۲۸-] باب ماجاء فيمن يُخْدَعُ فى البيع

[۱۲۳۵-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ حَمَّادٍ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَجُلاً كَانَ فِيْ عُقْدَتِهِ ضَعْفٌ، وَكَانَ يُبَايِعُ، وَأَنَّ أَهْلَهُ أتَوُا النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! احْجُرْ عَلَيْهِ فَدَعَاهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَنَهَاهُ، فَقَالَ: يَارسولَ الله! إِنِّيْ لَا أَصْبِرُ عَنِ الْبَيْعِ، فَقَالَ: "إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: هَاءَ وَهَاءَ، وَلَا خِلَابَةَ"

وفى الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالُوْا: يُحْجَرُ عَلَى الرَّجُلِ الْحُرِّ فِيْ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ، إِذَا كَانَ ضَعِيْفَ الْعَقْلِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُحْجَرَ عَلَى الْحُرِّ الْبَالِغِ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے وہ فرماتے ہیں: آزاد آدمی پر خرید وفروخت کے معاملہ میں پابندی لگائی جائے گی۔ اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء آزاد، بالغ پر پابندی لگانے کو جائز نہیں کہتے۔

نوٹ: ہندی نسخہ میں الحجر علی الرجل ہے، اس سے پہلے یجوز محذوف ہوگا اور مصری نسخہ میں یُحْجَر ہے، اس میں کچھ حذف نہیں، کتاب میں تبدیلی مصری نسخہ سے کی ہے۔

بابُ ماجاء فى الْمُصَرَّاةِ

مصرات (دودھ روکے ہوئے جانور) کی بیع

مُصَرَّاةٌ: اسم مفعول ہے، مادہ ص، ر، ر ہے، جس کے معنی ہیں: باندھنا، روکنا۔ بٹوے کو صُرَّۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیسے روکتا ہے، اور یہ ایسی صفت ہے جو موصوف کے قائم مقام ہے، جیسے: الآخرۃ اور الدنیا موصوف کے قائم مقام ہیں، أی الدار الآخرۃ اور الدار الدنیا پس تقدیر عبارت ہے: شاۃ مصرّاۃ اور ناقۃ مُصرّاۃ، موصوف کو ہٹا کر صفت کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں تین مسئلے زیر بحث ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر کوئی دودھ والی اونٹنی یا بکری فروخت کرے اور غرر قولی کرے یعنی دودھ زیادہ بتائے، پھر جب مشتری نے گھر لے جا کر دوہا تو دودھ کم پایا، اس صورت میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ خیار وصف کی بنا پر مشتری سودا ختم کرسکتا ہے اور بائع انکار کرے تو قاضی سودا ختم کردے گا۔

اور اگر بائع نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر غرر فعلی کیا جب مشتری نے دودھ کے بارے میں پوچھا تو کہا: صبح

آجانا، تمہارے سامنے دودھ نکالوں گا، جتنا دودھ ہے وہ تمہارے سامنے ہوگا، پھراس نے شام کو سارا دودھ نہیں نکالا، کچھ دودھ چھوڑ دیا، چنانچہ جب صبح اونٹنی یا بکری دوہی گئی تو دودھ زیادہ نکلا، پھر جب مشتری نے گھر لے جاکر دودھ نکالا تو دودھ کم نکلا پتا چلا کہ بائع نے دھوکا کیا ہے، یہ غرر فعلی ہے کیونکہ بائع نے اپنے عمل سے دھوکا دیا ہے۔

اس صورت میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں: مشتری کو اختیار تام حاصل ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے بیع فسخ کرسکتا ہے، اور طرفین کے نزدیک مشتری کو خیار ناقص حاصل ہے وہ بائع کو راضی کر کے سودا ختم کرسکتا ہے، تنہا ختم نہیں کرسکتا۔

دوسرا مسئلہ: متفق علیہ ہے کہ مشتری کو یہ اختیار تام یا ناقص صرف تین دن تک حاصل ہے، تین دن کے بعد یہ حق ساقط ہوجاتا ہے، پھر بیع فسخ کرنے کے لئے فریقین کی رضامندی بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ جانور کو دوچار مرتبہ دوہنے سے دودھ کا پتا چل جاتا ہے، پس زیادہ دنوں تک اختیار دینے میں بائع کا نقصان ہے، نیز عرصہ گذرنے کے بعد دودھ خودبخود کم ہوجاتا ہے اور دیگر عوارض سے بھی کم ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر مشتری سودا ختم کرے تو اس کو چاہئے کہ مبیع کے ساتھ ایک صاع (تین کلو ڈیڑھ سو گرام) چھوہارے یا کوئی اور غلہ دے، گیہوں دینا ضروری نہیں (گیہوں اس زمانہ میں گران تھا، اب جبکہ وہ ستا ہوگیا ہے: گیہوں بھی دے سکتا ہے) اور یہ دینا اس لئے ہے کہ بائع کا دل نہ دکھے، کیونکہ اس زمانہ کا دودھ مشتری نے استعمال کیا ہے، پس بائع خیال کرے گا کہ میرا خواہ مخواہ نقصان ہوا۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ ایک صاع چھوہارے دینے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟ اور یہ دودھ کی قیمت ہے یا ویسے ہی دیا گیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے، اور دودھ کا لم سم بدلہ ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع غلہ یا دودھ کی قیمت: دونوں میں سے ایک واجب ہے، اور طرفین کے نزدیک یہ دینا مستحب ہے، اور بائع کا دل خوش کرنے کے لئے ہے، دودھ کا ضمان نہیں ہے، کیونکہ ضابطہ ہے: الخَراج بالضَّمَان یعنی آمدنی نقصان کے عوض ہے (ابن ماجہ حدیث ۲۲۴۳ یہ حدیث ترمذی میں باب ۵۳ میں آرہی ہے) اگر جانور لوٹانے سے پہلے مرجاتا تو مشتری کا نقصان ہوتا، پس اس زمانہ کا دودھ بھی مشتری کا ہے، اس کا کوئی ضمان واجب نہیں۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تھن میں دودھ روکی ہوئی بکری یا اونٹنی خریدی تو اسے اختیار ہے جب وہ اسے دوہے، اگر چاہے تو اس کو بائع کو پھیر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے (اور مشتری اس بکری یا اونٹنی کو روک بھی سکتا ہے اس صورت میں قیمت میں سے کچھ کم نہیں ہوگا، کیونکہ دودھ کا کم زیادہ ہونا مبیع کا وصف ہے اور وصف کے مقابل ثمن نہیں آتا، ثمن صرف عین کے مقابل آتا ہے)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے دودھ روکی ہوئی بکری یا اونٹنی خریدی اسے تین دن تک اختیار ہے

اگر وہ جانور بائع کو پھیر دے تو اس کے ساتھ کسی بھی غلہ کا ایک صاع دے، گیہوں دینا ضروری نہیں۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح سند سے مروی ہے اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور وہ ابوداؤد (حدیث ۳۴۴۶) میں ہے مگر اس میں صدقہ اور جمیع: دو ضعیف راوی ہیں، اور یہی فتوی ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے جو بخاری (حدیث ۲۱۴۹ و ۲۱۶۴) میں ہے اور احناف کی اصول فقہ کی کتابوں میں جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جو حدیث غیر فقیہ صحابی سے مروی ہو اور وہ کسی بھی طرح قیاس کے دائرے میں نہ آتی ہو تو اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے (کشف الاسرار براصول بزدوی ۲:۵۵۶) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شمار مجتہدین صحابہ میں نہیں ہے بلکہ حفاظ حدیث میں ہے، مگر یہ قاعدہ یہاں جاری نہیں ہوسکتا، کیونکہ اول تو یہ حدیث صحیح ہے پھر ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے گو وہ ضعیف ہے، مگر تائید کے لئے کافی ہے اور ابن عمرؓ کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہے، علاوہ ازیں ابن مسعودؓ کا بھی یہی فتوی ہے اور وہ بلند پایہ مجتہد ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہ اختلاف نص فہمی کا اختلاف ہے اور حدیث کے ظاہر سے جو اختیار کامل سمجھ میں آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسا فریب کرتا ہے اور راز کھل جاتا ہے اور مشتری بیع ختم کرنا چاہتا ہے تو شریف بائع تو فوراً تیار ہو جاتا ہے، مگر اڑیل نہیں مانتا، ایسی صورت میں مسلمانوں کا صالح معاشرہ مشتری کا ساتھ دیتا ہے، ہر شخص بائع سے کہتا ہے: فریب کرتا ہے اور پٹھے پر ہاتھ بھی نہیں رکھنے دیتا! ایسے وقت میں اس حدیث کا طرز بیان بھی مشتری کا معاون ہوگا —— البتہ ایسے موقع پر مشتری دودھ کے معاوضے کے نام سے کچھ نہیں دیتا، یہ ایک معاشرتی خرابی ہے، حدیث کا اصل زور اسی پر ہے کہ بائع کا دل خوش کیا جائے۔

بہ الفاظ دیگر: حدیث میں تین مسئلے ہیں، ایک: دودھ روکے ہوئے جانور کو واپس کرنے کا اختیار، دوسرا: اختیار کا تین دن تک ہونا، تیسرا: دودھ کا عوض دینا —— اس حدیث میں ماسیق لاجلہ الکلام کونسے مسئلے ہیں؟ احناف کے نزدیک دوسرا اور تیسرا مسئلہ زیر بحث ہیں۔ اور پہلا مسئلہ ضمناً زیر بحث آیا ہے معاشرہ میں خرابی پچھلے دو مسئلوں میں پائی جاتی ہے، کئی دنوں کے بعد مشتری جانور واپس کرنا چاہتا ہے اور اس عرصہ کے دودھ کا کچھ عوض نہیں دینا چاہتا، اس حدیث میں ان دونوں باتوں کی اصلاح کی گئی ہے کہ یہ اختیار صرف تین دن تک ہے اور دودھ کا واجبی بدل دینا چاہئے تاکہ بائع کا دل نہ دکھے اور وہ خوشی سے جانور واپس لے لے، رہا پہلا مسئلہ تو وہ تمہید کلام کے طور پر زیر بحث آیا ہے کیونکہ ایسے جانور کو واپس لینے میں بائع لیت ولعل نہیں کرتا اور کرتا ہے تو معاشرہ اس پر دباؤ ڈالتا ہے پس اختیار کامل یا ناقص کی بحث زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔

فائدہ: یہ حدیث بکری اور اونٹنی کے سلسلہ میں ہے، اونٹنی کا دودھ اگرچہ زیادہ ہوتا ہے مگر کم قیمت ہوتا ہے، گائے بھینس کا یہ حکم نہیں، ان کا دودھ زیادہ ہوتا ہے اور قیمتی ہوتا ہے اس لئے جتنے وقت کا دودھ استعمال کیا ہے اس کی

قیمت لوٹانی چاہئے، تاکہ بائع خوش دلی سے جانور واپس لیلے۔

[۲۹-] باب ماجاء في الْمُصَرَّاةِ

[۱۲۳۶-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ مُحمَّدِ بنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا حَلَبَهَا، إِنْ شَاءَ رَدَّهَا، وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ"

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۲۳۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ، ثَنَا قُرَّةُ بنُ خَالِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّمَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، لَاسَمْرَاءَ" مَعْنَى لَاسَمْرَاءَ: لَابُرَّ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالعملُ عَلَى هٰذَا الْحديثِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا، مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ، وأحمدُ وإسحاقُ.

وضاحت: اس حدیث پر ہمارے اکابر کا عمل ہے یعنی ان کے نزدیک اختیار کامل ہے (مگر اس کو حدیث پر عمل نہیں کہہ سکتے، بلکہ حدیث کا ان اکابر نے جو مطلب سمجھا ہے اس پر عمل ہے، کیونکہ دوسرے فقہاء بھی اپنے فہم کے مطابق اس حدیث پر عمل کرتے ہیں)

بابُ ماجاء في اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الدَّابَّةِ عِنْدَ الْبَيْعِ

بیع میں سواری کی شرط لگانے کا بیان

پہلے یہ مسئلہ آچکا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیع میں ایک شرط لگانا جائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایک شرط بھی جائز نہیں، امام احمدؒ کا ایک استدلال حدیث ولا شرطان فی بیع کے مفہوم مخالف سے تھا اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اونٹ بیچا اور مدینہ منورہ تک اس پر سوار ہو کر جانے کی شرط لگائی جس کو آپؐ نے منظور کیا، معلوم ہوا کہ بیع میں ایک شرط لگا سکتے ہیں۔

اور جمہور فرماتے ہیں: یہ حدیث مختصر ہے اصل واقعہ میں اشتراط نہیں ہے، پورا واقعہ اس طرح ہے: ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگاتے جا رہے تھے، اونٹنی دُبلی مریل تھی، آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری جس سے وہ برق رفتار ہوگئی، پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹنی

مجھے بیچ دو، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یہ تو نکمی تھی آپؐ کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے یہ آپؐ کی نذر ہے، آپؐ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا چنانچہ حضرت جابرؓ نے وہ اونٹنی آپؐ کو بیچ دی (یہ حدیث تفصیل سے کتاب النکاح باب ۱۳۲ میں گذر چکی ہے) جب سودا ہو گیا تو حضرت جابرؓ کو خیال آیا کہ میں مدینہ تک کیسے جاؤں گا؟ اونٹنی تو میں نے بیچ دی، چنانچہ انھوں نے یہ بات آپؐ سے عرض کی، آپؐ نے فرمایا: اسی پر سوار ہو کر چلے جاؤ اور مدینہ پہنچ کر اونٹنی مجھے دیدینا، غرض یہ اشتراط نہیں تھا بلکہ سودا مکمل ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کی طرف سے اذن اور تعاون تھا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے میرے کتب خانہ سے کتابیں خریدیں، پھر وہ کہتا ہے: براہ کرم آپ بنڈل بنا کر اور ٹرانسپورٹ پر پہنچا کر بلٹی بنا کر مجھے لادیں، ہم نے ملازم سے یہ کام کرادیا اور جو خرچہ آیا وہ اس سے لے لیا تو یہ بیع میں اشتراط نہیں ہے بلکہ تعاون ہے۔

فائدہ: اشتراط فی البیع کی دو صورتیں ہیں، ایک: اشتراط وہ ہے جو مقصود ہوتا ہے۔ دوم: وہ اشتراط ہے جو محض وعدہ ہوتا ہے۔ اشتراط مقصود کی علامت یہ ہے کہ شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہو، اگر شرط قبول کی جائے تو بیع ہو ورنہ نہ ہو، ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، مثلاً مکان کا سودا کیا، بائع نے چھ مہینے اس میں رہنے کی شرط لگائی یہ شرط ناجائز ہے۔ اور اشتراط غیر مقصود جو وعدہ کے قبیل سے ہوتا ہے اس میں شرط کے منظور کرنے نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا، بس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے تو بیع خوش دلی سے ہوتی ہے اور شرط منظور نہ کی جائے تو بھی بیع ہوتی ہے، مگر خوش دلی سے نہیں ہوتی، جیسے اوپر مثال گذری کہ ایک شخص نے کتابیں خریدیں اور یہ شرط لگائی کہ کتابیں ٹرانسپورٹ پر پہنچا کر شام تک مجھے بلٹی لا کر دیدیں، مجھے آج ہی سفر کرنا ہے، ہم نے معذرت کردی کہ ہمارے پاس ملازم نہیں ہے تو بھی بیع ہوگی اور وہ کتابوں کی روانگی کا کوئی اور انتظام کرے گا، غرض یہ شرط وعدہ کے قبیل سے ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ صُلب عقد میں داخل نہیں ہوتی اور معاوضات (لین دین) میں جو وعدے ہوتے ہیں وہ دیانۃً واجب ہوتے ہیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔

[۳۰-] باب ماجاء في اشتراط ظَهْرِ الدَّابَّة عند البيع

[۱۲۳۸-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُ بَاعَ مِنَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بَعِيْرًا، وَاشْتَرَطَ ظَهْرَهُ إِلَى أَهْلِهِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: يَرَوْنَ الشَّرْطَ جَائِزًا فِي الْبَيْعِ، إِذَا كَانَ شَرْطًا وَاحِدًا، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: لَايَجُوْزُ الشَّرْطُ فِي الْبَيْعِ، وَلَا يَتِمُّ الْبَيْعُ إِذَا كَانَ فِيْهِ شَرْطٌ.

بابُ ماجاءَ فی الاِنْتِفَاعِ بِالرَّھْنِ

گروی کی چیز سے فائدہ اٹھانے کا بیان

مذاہبِ فقہاء: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک گروی کی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور گروی کے مصارف مرتہن کے ذمہ ہونگے، مثلاً مکان گروی رکھا تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے اور مصارف: ہاؤس ٹیکس، واٹر ٹیکس وغیرہ مرتہن ادا کرے گا، یا گھوڑا گروی رکھا تو مرتہن اس پر سواری کرسکتا ہے، بکری گروی رکھی تو اس کا دودھ استعمال کرسکتا ہے اور ان کا چارہ پانی مرتہن کے ذمے ہے۔

دیگر ائمہ کے نزدیک شی مرہون سے انتفاع جائز نہیں، یہ انتفاع بحکم سود ہے، کیونکہ گروی قرضہ کی وجہ سے رکھی جاتی ہے اور حدیث ہے: کلُّ قرضٍ جرَّ نفعاً فھو ربا یعنی جس قرض سے فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے۔

البتہ اگر راہن شئ مرہون سے انتفاع کی اجازت دے تو مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا معروف نہ ہو، کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے، پس جس علاقہ میں شئ مرہون سے انتفاع کا رواج ہے، وہاں راہن کی اجازت سے بھی انتفاع جائز نہیں، ہاں اگر شئ مرہون سے انتفاع معروف نہ ہو تو جائز ہے مثلاً کسی نے گھڑی گروی رکھی اب مرتہن کو کسی تقریب میں جانا ہے اس نے راہن سے گھڑی پہن کر تقریب میں جانے کی اجازت مانگی، راہن نے اجازت دیدی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ معروف نہیں، مگر اب اس گھڑی پر رہن کا حکم جاری نہ ہوگا بلکہ اب وہ امانت ہوگی، اگر مرتہن کی تعدی کے بغیر گھڑی ضائع ہو جائے تو ضمان واجب نہیں ہوگا، پھر جب تقریب سے واپس آ کر اس نے گھڑی اتار کر رکھ دی تو دوبارہ رہن کا حکم لوٹ آئے گا۔

دوسرا حیلہ: یہ ہے کہ عقد اجارہ کرلیا جائے، مثلاً مکان گروی رکھا پس اس کا کچھ کرایہ طے کرلیا جائے تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے مگر اب یہ مکان گروی نہیں رہے گا اس پر اجارہ کے احکام جاری ہونگے، اور راہن کو ہر وقت مکان خالی کرانے کا حق ہوگا، مرتہن یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلے قرض لوٹاؤ تب مکان خالی کروں گا کیونکہ اب مکان کا قرض سے کوئی تعلق نہیں رہا اور گھڑی کی طرح یہاں رہن کا حکم واپس نہیں لوٹے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ جتنے حیلے ہیں سب میں کہیں نہ کہیں پانی مرتا ہے، مثلاً رمضان میں حفاظ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ایک یا دو نمازیں اپنے ذمے لے لیتے ہیں تاکہ ختم قرآن پر جو نذرانہ ملے وہ نماز پڑھانے کی اجرت بن جائے، یہ حیلہ درست ہے مگر اس صورت میں پہلے تنخواہ طے کرنی ضروری ہے، ورنہ اجارہ فاسدہ ہوگا اور حیلہ کرنے والے تنخواہ مقرر نہیں کرتے وہ بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس باب کے حیلوں

میں بھی جھول ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سواری کا جانور: اس پر سواری کی جائے جب وہ گروی رکھا گیا ہو اور دودھ والے جانور کا دودھ پیا جائے جب وہ گروی رکھا گیا ہو اور جو سواری کرے اور دودھ پیئے اس پر ان کا چارہ پانی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے شئ مرہون سے انتفاع کی اجازت دی ہے اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے، دیگر ائمہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مسئلہ باب سے متعلق نہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ شئ مرہون کے بقاء کے خرچے راہن کے ذمے ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور حفاظت مرتہن کے ذمے ہوتی ہے، اور اگر گھوڑا سواری کا ہے تو اس کو کرایہ پر اٹھانا اور مرہون جانور کا دودھ بیچنا مرتہن کے ذمے ہے، اور جو آمدنی ہو وہ رہن میں شامل ہوتی ہے مگر سادہ معاشرہ میں توسع ہوتا ہے، پائی پائی کا حساب نہیں ہوتا، نیز دیہات میں جانور کرایہ پر اٹھانا اور دودھ بیچنا دشوار ہے اور راہن کے لئے صبح وشام جانور کا چارہ مرتہن کے گھر پہنچانا اور اس کی دیکھ بھال کرنا بھی دشوار ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مرتہن ہی جانور کا خرچہ اٹھائے اور بدلے میں اس پر سواری کرے اور اس کا دودھ پیئے، پس یہ گروی سے فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا لم سم بدلا ہے، اور دلیل اسی حدیث کے وہ الفاظ ہیں جو بخاری (حدیث ۲۵۱۲) میں ہیں: الظَّهرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إذا كان مرهونا، ولبنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بنفقته إذا كان مرهونا، وعلى الذى يَرْكب ويَشْرَب النفقة: اس حدیث میں بِنَفَقَتِهِ کا مطلب وہی ہے جو جمہور نے بیان کیا ہے کہ یہ انتفاع بعوض مصارف ہے، مرہون سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔

[۳۱-] باب ماجاء فی الانتفاع بالرَّهْنِ

[۱۲۳۹-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، وَيُوْسُفُ بنُ عِيْسٰى، قَالاَ: ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " الظَّهْرُ يُرْكَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا، وَعَلَى الَّذِىْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ نَفَقَتُهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لانَعرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَامِرٍ الشَّعْبِىِّ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ مَوْقُوْفًا.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ مِنَ الرَّهْنِ بِشَيْئٍ.

لغات: الظَّهْر: پیٹھ، مراد سواری کا جانور ——— الدَّر: بہت دودھ، مراد دودھ والا جانور۔

بابُ ماجاءَ فی شِرَاءِ الْقِلَادَةِ، وَفِيْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ

سونے اور نگینے والے ہار کو خریدنا

حدیث: حضرت فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں: میں نے جنگ خیبر کے موقع پر بارہ دینار میں ایک ہار خریدا جس میں سونا اور نگینے تھے، جب میں نے ان کو جدا کیا تو اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا تھا، میں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: جب تک سونا جدا نہ کیا جائے ہار نہ بیچا جائے۔

تشریح: اگر سونے کا ہار جس میں نگینے ہوں سونے کے بدل بیچا جائے تو سونا جدا کر کے اس کی تعیین کرنا اور ثمن میں زیادہ سونا ہونا ضروری ہے، تاکہ سونا سونا برابر ہو جائے اور زائد سونا نگینوں کے مقابل ہو جائے، اور اگر سونے کا ہار: چاندی یا کرنسی کے عوض بیچے تو سونا الگ کرنا ضروری نہیں، یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

البتہ اگر ہار میں سونا کتنا ہے یہ بات بالیقین معلوم ہو تو اس صورت میں سونا الگ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بھی سونا جدا کرنا ضروری ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری نہیں، کیونکہ جب سونے کی مقدار بالیقین معلوم ہے تو اب جدا کرنے کی کچھ ضرورت نہیں، جدا کرنے کا حکم اسی تعیین کے لئے تھا۔

[۳۲-] باب ماجاء فی شراء القلادة، وفيها ذهبٌ وخرزٌ

[۱۲۴۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِیْ شُجَاعٍ سَعِيْدِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ خَالِدِ بنِ أَبِیْ عِمْرَانَ، عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِیِّ، عَنْ فَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ قَالَ: اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَی عَشَرَ دِيْنَاراً، فِيْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ، فَفَصَّلْتُهَا، فَوَجَدْتُ فِيْهَا أَكْثَرَ مِنْ اثْنَیْ عَشَرَ دِيْنَاراً، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صلی الله عليه وسلم، فَقَالَ: " لَا تُبَاعُ حَتّٰی تُفَصَّلَ"

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ أَبِیْ شُجَاعٍ سَعِيْدِ بنِ يَزِيْدَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَی هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَمْ يَرَوْا أَنْ يُبَاعَ السَّيْفُ مُحَلًّی، أَوْ مِنْطَقَةٌ مُفَضَّضَةٌ، أَوْ مِثْلُ هٰذَا، بِدَرَاهِمَ حَتّٰی يُمَيَّزَ وَيُفَصَّلَ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِیِّ، وأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِیْ ذٰلِكَ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ.

لغات: الخَرَزَة: ڈورے میں پرویا ہوا گھونگا، مہرہ، شیشہ وغیرہ کا ہیرا، جمع خَرَز وَخَرَزَات ...... مُحَلًّى: زیور پہنائی ہوئی ـــــ مِنْطَقَة: کمر بند ـــــ مُفَضَّضَة: نقرئی، روپہلا۔

ترجمہ: اس پر صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کا عمل ہے وہ ایسی تلوار جس پر چاندی کا زیور چڑھایا گیا ہو یا چاندی کا کمر بند یا اس کے مانند کو دراہم کے عوض فروخت کرنے کو ناجائز کہتے ہیں تا آنکہ چاندی جدا کرلی جائے اور الگ کرلی جائے، اور یہ ابن المبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق کا قول ہے، اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں (یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور یہ جب ہے کہ چاندی سونے کی مقدار بالیقین معلوم ہو اور ثمن میں چاندی سونا اس سے زیادہ ہو)

بابُ ماجاء فی اشْتِرَاطِ الْوَلاَءِ، وَ الزَّجْرِ عَنْ ذٰلِكَ

بیع میں وَلاء کی شرط لگانے کا بیان اور اس پر وعید

ولاء: ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا باندی پر حاصل ہوتا ہے یعنی جب وہ مرے گا تو آزاد کرنے والا بھی اپنے درجہ میں اس کا وارث ہوگا، عرب اس حق کو بیچ ڈالتے تھے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اس باب میں بیع میں اس کے اشتراط کا بیان ہے، یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ حق آزاد کرنے والے ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے، دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہوسکتا۔

حدیث: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک یہودی کی باندی تھیں اور مسلمان ہوگئی تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا آنا جانا تھا، جب سے وہ مسلمان ہوئیں ان کا آقا ان پر سختی کرتا تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے آقا سے نو اوقیہ پر کتابت کا معاملہ کرلیا، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، ان کو ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا تھا، وہ اس سلسلہ میں تعاون کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، حضرت عائشہؓ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ ختم کرلیں اور ان کا آقا ان کو بیچ دے، اس طرح اس کو ایک ساتھ رقم مل جائے گی، اور حضرت عائشہؓ ان کو خرید کر آزاد کردیں گی تو بریرہؓ کا بھی فائدہ ہوگا کہ فوراً آزادی مل جائے گی، حضرت بریرہؓ نے اپنے آقا سے بات کی تو وہ تیار ہوگیا مگر اس نے شرط لگائی کہ ولاء میرے لئے ہوگا (حضرت بریرہؓ فتح الرقاب کا وظیفہ جانتی تھیں یعنی ان کے پاس ہدایا بہت آتے تھے، ان کے آقا کا خیال تھا کہ وہ وفات تک بہت مالدار ہوجائیں گی اور ان کا سارا مال آزاد کرنے والے کو ملے گا اس لالچ میں اس نے یہ شرط لگائی تھی) جب حضرت بریرہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ کو بتائی تو انھوں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپؐ نے فرمایا: ''تم بریرہ کو خرید کر آزاد کردو، ولاء اسی کے لئے ہے جس نے آزاد کیا ہے'' پھر آپؐ نے لوگوں سے خطاب کیا کہ ''لوگوں کو کیا ہوگیا؟! وہ معاملات میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو بھی شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے چاہے سو شرطیں ہوں، کیونکہ اللہ کا فیصلہ احق اور

اللہ کی شرط اوثق ہے، ولاء اسی کے لئے ہے جس نے آزاد کیا"

[۳۳-] باب ماجاء فی اشْتراط الْولاءِ، والزَّجْرِ عن ذلك

[۱۲۴۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِیٍّ، ثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِیْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِیَ بَرِیْرَةَ، فَاشْتَرَطُوْا الْوَلَاءَ، فَقَالَ النبیُّ صلی الله علیه وسلم: " اشْتَرِیْهَا، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ، أَوْ: لِمَنْ وَلِیَ النِّعْمَةَ"

وَفِی الباب: عَنِ ابْنِ عُمَرَ، حدیثُ عَائِشَةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَالعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ.

وَقَالَ: مَنْصُوْرُ بنُ الْمُعْتَمِرِ: یُکْنَى أَبَا عَتَّابٍ، حَدَّثَنَا أَبُوْ بَکْرٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِیُّ، عَنْ عَلِیِّ بنِ الْمَدِیْنِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ یَحْیَى بنَ سَعِیْدٍ، یَقُوْلُ: إِذَا حُدِّثْتَ عَنْ مَنْصُوْرٍ فَقَدْ مَلَأْتَ یَدَکَ مِنَ الْخَیْرِ، لَاتُرِدْ غَیْرَهُ، ثُمَّ قَالَ یَحْیَى: مَا أَجِدُ فِیْ إِبْرَاهِیْمَ النَّخَعِیِّ وَمُجَاهِدٍ أَثْبَتَ مِنْ مَنْصُوْرٍ؛ وَأَخْبَرَنِیْ مُحمدٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِی الأَسْوَدِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِیٍّ: مَنْصُوْرٌ أَثْبَتُ أَهْلِ الْکُوْفَةِ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ایک راوی منصور بن المعتمر ہیں، ان کی کنیت ابوعتاب ہے وہ اکابر محدثین میں سے ہیں، یحیٰ قطان نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب آپ سے منصور کی کوئی حدیث بیان کی جائے یعنی منصور کا کوئی شاگرد ان کی سند سے حدیث بیان کرے تو آپ کی پانچوں انگلیاں گھی میں! اب آپ کو کسی اور سے وہ حدیث سننے کی ضرورت نہیں، اور یحیٰ قطان نے یہ بھی فرمایا کہ منصور: ابراہیم نخعی اور مجاہد کے سب سے مضبوط راوی ہیں، اور ابن مہدیؒ نے ان کو کوفہ کا سب سے مضبوط محدث قرار دیا ہے اور اس قول کی سند میں جو محمد ہیں وہ امام بخاری ہیں اور آخری پیرے کے شروع میں جو قال ہے، اس کے فاعل امام ترمذیؒ ہیں۔

بابٌ

قربانی کے لئے رقم خاص کی پھر کچھ بچ گئی تو اس کا حکم

اس باب میں دو واقعے ہیں:

پہلا واقعہ: نبی ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو ایک دینار دیا اور فرمایا: بازار سے قربانی کے لئے بکرا خرید لاؤ، وہ بازار گئے اور ایک دینار میں بکرا خریدا، واپسی میں راستہ میں ان کو ایک شخص ملا، اس نے پوچھا: بکرا بیچتے ہو؟ حضرت حکیمؓ نے فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا: کیا قیمت ہے؟ حضرت حکیم نے کہا: دو دینار، اس نے دو دینار میں وہ بکرا خرید لیا (بکرا درحقیقت دو ہی دینار کا تھا، حضرت حکیم نے اپنی کاروباری مہارت سے اس کو ایک دینار

میں خریدا تھا) حضرت حکیم دوبارہ بازار گئے اور ایک دینار میں دوسرا بکرا خریدا اور نبی ﷺ کے پاس بکرا اور دینار لے کر آئے، آپؐ نے فرمایا: ''بکرے کی قربانی کردو اور دینار صدقہ کردو''

دوسرا واقعہ: حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے بکرا خریدنے کے لئے ایک دینار دیا، انھوں نے اپنی مہارت سے ایک دینار میں دو بکرے خریدے پھر ایک بکرا ایک دینار میں بیچ دیا، اور نبی ﷺ کے پاس بکرا اور دینار لے کر حاضر ہوئے اور آپؐ کو پورا واقعہ بتایا، آپؐ نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے سودے میں برکت فرمائے (صَفْقَة کے اصل معنی ہیں: تالی بجانا، کسی زمانہ میں سودا مکمل ہونے پر تالی بجایا کرتے تھے، اس لئے یہ لفظ چل پڑا) اس دعا کی برکت سے وہ کوفہ کے بازار کُناسہ نامی میں کاروبار کرتے تھے، غلام باندی خریدتے بیچتے تھے، صبح خالی ہاتھ جاتے تھے اور شام کو بہت سارا مال لے کر لوٹتے تھے، اور کوفہ کے بڑے مالداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ یہ روایت بخاری (حدیث ۳۶۴۲ کتاب المناقب) میں ہے، اس میں سفیان بن عیینہ کا قول ہے: يشتری له شاةً، كأنها أُضحيةٌ (حدیث ۳۶۴۳) مگر اس حدیث میں یہ مضمون کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا کہ نبی ﷺ نے بچا ہوا دینار صدقہ کرنے کا حکم دیا، واللہ اعلم

ان دونوں حدیثوں میں دو مسئلے زیر بحث آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: بیع فضولی کا ہے: اگر فضولی کوئی چیز فروخت کرے اور مالک اس بیع کی اجازت دے، اس کو رد نہ کرے تو بیع نافذ ہوگی، حضرت حکیمؓ اور حضرت عروہؓ نے جو بکرے بیچے تھے ان کے مالک آنحضور ﷺ تھے پس وہ بیع فضولی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر نکیر نہیں کی پس وہ بیع نافذ ہوگئی، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، مگر ان سے بھی جواز کا قول مروی ہے (فتح الباری ۶: ۶۳۴)

دوسرا مسئلہ: نبی ﷺ نے جو ایک دینار صدقہ کیا وہ استحبابی حکم ہے، واجب صرف قربانی ہے، بچا ہوا پیسہ صدقہ کرنا ضروری نہیں، مگر افضل یہ ہے کہ جب قربانی کے لئے کوئی رقم خاص کی پھر اس میں سے کچھ بچ گئی تو اس کو صدقہ کر دینا چاہئے مثلاً ایک شخص نے تین ہزار روپے قربانی کے لئے خاص کئے اس کو بکرا ستائیس سو میں مل گیا تو تین سو روپیوں کو صدقہ کرنا مستحب ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بچی ہوئی رقم صدقہ کرنا واجب ہے۔

[۳٤-] بابٌ

[۱۲٤۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ حَكِيْمَ بنَ حِزَامٍ يَشْتَرِيْ لَهُ أُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ، فَاشْتَرَى أُضْحِيَّةً فَأُرْبِحَ فِيْهَا دِيْنَاراً، فَاشْتَرَى أُخْرَى مَكَانَهَا، فَجَاءَ بِالْأُضْحِيَّةِ

وَالدِّيْنَارِ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "ضَحِّ بِالشَّاةِ، وَتَصَدَّقْ بِالدِّيْنَارِ"
حديثُ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَحَبِيْبُ بْنُ أَبِيْ ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ عِنْدِيْ مِنْ حَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ.

[۱۲۴۳-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ سَعِيْدٍ الدَّارِمِيُّ، ثَنَا حَبَّانُ، ثَنَا هَارُوْنُ بنُ مُوْسٰى، ثَنَا الزُّبَيْرُ بنُ الخِرِّيْتِ، عَنْ أَبِيْ لَبِيْدٍ، عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ: دَفَعَ إِلَيَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دِيْنَاراً لِأَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً، فَاشْتَرَيْتُ لَهُ شَاتَيْنِ، فَبِعْتُ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ، وَجِئْتُ بِالشَّاةِ وَالدِّيْنَارِ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ لَهُ مَاكَانَ مِنْ أَمْرِهِ، فَقَالَ: "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِكَ" فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَخْرُجُ إِلٰى كُنَاسَةِ الْكُوْفَةِ، فَيَرْبَحُ الرِّبْحَ الْعَظِيْمَ، فَكَانَ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْكُوْفَةِ مَالاً.

حدَّثَنَا أَحْمَدُ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا حَبَّانُ، ثَنَا سَعِيْدُ بنُ زَيْدٍ، ثَنَا الزُّبَيْرُ بنُ الخِرِّيْتِ عَنْ أَبِيْ لَبِيْدٍ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ.

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ إِلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ، وَقَالُوْا بِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَلَمْ يَأْخُذْ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ.

وَسَعِيْدُ بنُ زَيْدٍ: أَخُوْ حَمَّادِ بنِ زَيْدٍ؛ وَأَبُوْ لَبِيْدٍ اسْمُهُ لِمَازَةُ.

وضاحت: حکیم بن حزام کی حدیث ابوداؤد (حدیث ۳۳۸۴) میں بھی سفیان ثوری کی سند سے ہے، مگر اس میں بھی ایک مجہول راوی ہے ـــــ دوسری حدیث زبیر سے ہارون اور سعید دونوں روایت کرتے ہیں، پھر دونوں سے حبان روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ: بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں، اور وہ اس کے قائل ہیں یعنی بچی ہوئی رقم صدقہ کرنا واجب ہے اور وہ امام احمد اور امام اسحاق کی رائے ہے، اور بعض اہل علم نے اس حدیث کو نہیں لیا یعنی ان کے نزدیک بچی ہوئی رقم کا تصدق واجب نہیں۔

بَابُ ماجاء في الْمُكَاتَبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّيْ

جو مکاتب بدل کتابت ادا کرنے پر قادر ہو اس سے پردہ

مکاتب: وہ غلام باندی ہے جس نے اپنے آقا سے آزادی کا معاملہ کرلیا ہو، اگر آقا نے کہا: تو اتنی رقم ادا کردے تو تو آزاد ہے، غلام نے قبول کیا تو یہ عتق علی المال ہے اور اگر کہا: میں تجھے اتنی رقم پر مکاتب بناتا ہوں اور غلام نے قبول کیا تو یہ کتابت ہے، احکام دونوں کے ایک ہیں، صرف لفظوں کا فرق ہے۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جب تک مکاتب کے ذمہ ایک پیسہ بھی باقی ہے وہ غلام ہے، حدیث میں ہے: المكاتَبُ

عبدٌ ما بَقِي عليه من مكاتبته درهم (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ حدیث ۳۳۹۹) اور مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوتا ہے جو چاہے کام کرسکتا ہے، اور جب طے شدہ رقم مولی کو بھر دے گا: گردن کے اعتبار سے بھی آزاد ہو جائے گا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب مکاتب کو کوئی حد پہنچے یعنی وہ کسی جرم کا ارتکاب کرے یا میراث پہنچے یعنی اس کا کوئی مورث مرجائے تو مکاتب آزاد شدہ حصے کے حساب سے وارث ہوگا (اور اسی حساب سے سزا پائے گا، یہاں حُدًّ پوشیدہ ہے) اور نبی ﷺ نے فرمایا: مکاتب اپنی آزادی کے حساب سے آزاد کی دیت دیا جائے گا اور باقی غلام کی دیت دیا جائے گا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب جتنا جتنا بدل کتابت ادا کرتا جائے گا اتنا اتنا آزاد ہوتا جائے گا، مثلاً دس ہزار پر کتابت کا معاملہ ہوا ہے، اس نے پانچ ہزار ادا کردیئے تو آدھا آزاد ہوگیا، اب اگر مکاتب کوئی جنایت کرے یعنی وہ جانی ہو تو اس پر نصف حد غلام کی اور نصف حد آزاد کی جاری ہوگی، مثلاً اس نے شراب پی، شراب کی حد اسی کوڑے ہے اور غلام کی سزا آدھی ہے، پس اس مکاتب کو ساٹھ کوڑے مارے جائیں گے۔ چالیس کے آدھے بیس اور اسّی کے آدھے چالیس۔ اسی طرح غلام وارث نہیں ہوتا، رقیت مانع ارث ہے مگر یہ مکاتب آدھا آزاد ہو چکا ہے پس آدھی میراث کا مستحق ہوگا، مثلاً اس کے باپ کا انتقال ہوا تو اس مکاتب کو بیٹے کا آدھا حصہ ملے گا۔

اور اگر وہ غلام مجنی علیہ ہو یعنی اس پر جنایت کی گئی ہو مثلاً کسی نے غلطی سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس نے جتنا بدل کتابت ادا کیا ہے اس کے حساب سے آزاد کی دیت اور باقی غلام کی دیت ملے گی۔

پس یہ حدیث چاروں ائمہ کے خلاف ہے، ان کے نزدیک مکاتب پوری رقم ادا کرنے تک غلام ہی رہتا ہے ان کی دلیل مذکورہ حدیث ہے کہ مکاتب اس وقت تک غلام رہتا ہے جب تک اس کی کتابت میں سے ایک روپیہ بھی باقی ہے، یہ حدیث اگرچہ معمولی ضعیف ہے مگر چاروں ائمہ نے اسی کو لیا ہے۔

اس کی نظیر پہلے گذر چکی ہے: جس حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر سابقہ نکاح اور سابقہ مہر پر پھیرا وہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور جس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت زینبؓ کو جدید نکاح اور جدید مہر پر پھیرا وہ حدیث ضعیف ہے، مگر تمام فقہاء نے اسی ضعیف روایت کو معمول بہ بنایا ہے، اسی طرح یہاں بھی سب نے ضعیف حدیث کو لیا ہے اور ابن عباسؓ کی اس حدیث کو جو باب میں ہے اور صحیح ہے نہیں لیا، بلکہ اس کو منسوخ قرار دیا ہے، کیونکہ باب کی دوسری حدیث ائمہ اربعہ کے مستدل کی تائید کرتی ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آقا نے اپنے غلام کو سو اوقیہ پر مکاتب بنایا پس غلام نے دس اوقیہ کے علاوہ سارا بدل کتابت ادا کردیا یا فرمایا: دس درہم کے علاوہ سارا بدل کتابت ادا کردیا (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے یعنی ننانوے اوقیے اور سوویں اوقیے کے بھی تین تہائی ادا کردیئے) پھر وہ عاجز ہوگیا یعنی سپر ڈال دی

کہ باقی رقم میں ادانہیں کرسکتا تو وہ غلام ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کردے غلام ہی رہتا ہے، یہ حدیث بھی معمولی ضعیف ہے، اس کا راوی یحیٰ سیٔ الحفظ ہے، اس حدیث سے ائمہ اربعہ کے مستدل کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے (عورتوں سے) فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس وہ مال ہو جسے وہ بدل کتابت میں ادا کرے گا تو وہ عورت اس سے پردہ کرے'' یعنی کسی عورت نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا اور قسطیں مقرر کردیں اس نے قسطیں ادا کرنی شروع کردیں، اور مکاتب نے اتنا مال کما لیا یا کسی نے اس کو اتنا مال دیدیا کہ وہ ساری قسطیں بروقت ادا کرکے آزاد ہوجائے گا تو مالکہ اس سے ابھی سے پردہ شروع کردے، یہ حکم تقوی اور پرہیزگاری کے طور پر ہے، کیونکہ وہ عنقریب رقم ادا کرکے آزاد ہوجائے گا۔

تشریح: امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں: غلام سے مالکہ کا پردہ نہیں، وہ محارم کے حکم میں ہے اور حنفیہ کے نزدیک غلام سے پردہ ہے اور وہ اجنبی کے حکم میں ہے، اور یہ مسئلہ درحقیقت سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں جو ﴿أَوْ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ آیا ہے اس سے متعلق ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ آیت باندی کے ساتھ خاص ہے یا غلام کو بھی عام ہے؟ حنفیہ کے نزدیک باندی کے ساتھ خاص ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عام ہے، غلام باندی سب کو شامل ہے، اس لئے ان کے نزدیک مالکہ کا نہ غلام سے پردہ ہے اور نہ باندی سے۔

سوال: اگر کوئی کہے: عورتوں سے پردہ نہیں پھر آیت کے باندیوں کے ساتھ خاص ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: غیر مسلم عورتوں سے پردہ واجب ہے ﴿أَوْنِسَائِهِنَّ﴾ میں اسی کا بیان ہے، لوگ اس مسئلہ کو نہیں جانتے، مگر تمام ائمہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے پردہ واجب ہے، البتہ غیر مسلم باندی سے پردہ واجب نہیں ﴿أَوْ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ میں اسی کا تذکرہ ہے۔

غرض امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آیت عام ہے اور مالکہ کا اپنے غلام سے پردہ نہیں، اور آیت کے عام ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اس میں نبی ﷺ نے مالکہ کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم اگرچہ بر بنائے تقوی ہے مگر اس سے معلوم ہوا کہ مالکہ پر اپنے غلام سے پردہ نہیں۔

شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان دوسرا مسئلہ یہ اختلافی ہے کہ چہرہ کا پردہ ہے یا نہیں؟ شوافع کے نزدیک چہرہ کا پردہ نہیں، وہ آیت ﴿وَلَايُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ (نور آیت ۳۱) سے استدلال کرتے ہیں۔ ترجمہ: اور نہ دکھلائیں وہ اپنا سنگار (یعنی جسم کے اعضاء) مگر جو کھلا رہتا ہے اس سنگار میں سے یعنی جو اعضاء ہر وقت کھلے رہتے ہیں، شوافع کے نزدیک ﴿إِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور چہرہ شامل ہیں، اور احناف کے

نزدیک چہرہ شامل نہیں، ان کی دلیل سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ ہے فرمایا: ''اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں چہرے پر لٹکا لیا کریں'' اس آیت میں صراحت ہے کہ اجنبیوں کے حجاب میں چہرہ بھی داخل ہے۔

غرض یہ دونوں مسئلے قرآن کریم میں ہیں اور اختلافی ہیں، اور یہاں جو حدیث ہے اس کے تعلق سے یہ بات جاننی چاہئے کہ اجنبیوں سے حجاب کے مختلف درجات ہیں جیسے ہمارے معاشرہ میں سارا خاندان ایک ساتھ رہتا ہے، عورت کے جیٹھ، دیور سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، پس ان کے حجاب میں اور عام اجنبیوں کے حجاب میں کچھ فرق کرنا ہوگا۔ اگر عام لوگوں جیسا پردہ ان سے بھی ضروری ہوگا تو بڑی مشکل پیش آئے گی، عورتیں اس پر عمل نہیں کرسکیں گی، پس ایسے لوگوں کے سامنے عورت کھلے چہرے آسکتی ہے، ضروری بات کرسکتی ہے، البتہ ان کے ساتھ تنہائی میں رہنا، ان سے بے تکلف باتیں کرنا، ان کے ساتھ سفر کرنا، ان کے پاس بے اجازت گھر میں آنا جائز نہیں، جب بھی گھر میں آنا ہو اجازت لے کر آئے، یہی معاملہ مرد کا سالیوں وغیرہ کے ساتھ ہو، اجنبیت کے احساس کے ساتھ ضروری گفتگو ہوسکتی ہے، بے تکلفی ٹھٹھا مخول، اور تنہائی جائز نہیں۔

اسی طرح مالکہ پر غلام سے جو پردہ ہے وہ عام لوگوں کے پردے سے مختلف ہے، مالکہ اپنے غلام سے بات کرسکتی ہے، اس کے سامنے کھلے چہرے آسکتی ہے، اگر یہ گنجائش نہیں دی جائے گی تو مالکہ کے لئے غلام کے ساتھ معاملہ کرنا دشوار ہوجائے گا، وہ غلام سے کیسے کام لے گی؟ پس حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مالکہ کا اپنے غلام سے جو گنجائش والا پردہ ہے وہ اب احتیاطاً ختم کردیا جائے، کیونکہ مکاتب بن جانے کے بعد غلام تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوچکا ہے اور جب وہ بدل کتابت ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے تو اب اس سے سخت پردہ شروع کردیا جائے، کیونکہ وہ دیر سویر بالکل اجنبی بن جائے گا هذا ما عندی، والله أعلم بالصواب۔

[۳۵-] باب ماجاء في المكاتب إذا كان عنده ما يؤدِّي

[۱۲۴۴-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَزَّازُ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ مِيْرَاثًا: وَرِثَ بِحِسَابِ مَاعَتَقَ مِنْهُ" وَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " يُوْدَى الْمَكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا أَدَّى دِيَةَ حُرٍّ، وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ"

وَفي الباب: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ، وَهٰكَذَا رَوَى يَحْيَى بنُ أَبِي كَثِيْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَى خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ

عِكْرِمَةَ، عَنْ عَلِيٍّ قَوْلَهُ.

وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

[١٢٤٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ يَحيىَ بنِ أَبِيْ أُنَيْسَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ، يَقُوْلُ: "مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أُوْقِيَّةٍ، فَأَدَّاهَا إِلَّا عَشْرَةَ أَوَاقٍ أَوْ قَالَ: عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، ثُمَّ عَجَزَ، فَهُوَ رَقِيْقٌ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْمُكَاتَبَ عَبْدٌ مَابَقِيَ عَلَيْهِ شَيْئٌ مِنْ كِتَابَتِهِ، وَقَدْ رَوَاهُ الْحَجَّاجُ بنُ أَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ نَحْوَهُ.

[١٢٤٦-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ نَبْهَانَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ إِحْدَاكُنَّ مَا يُؤَدِّيْ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ عَلَى التَّوَرُّعِ، وَقَالُوْا: لَايُعْتَقُ الْمُكَاتَبُ، وَإِنْ كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّيْ، حَتَّى يُؤَدِّيَ.

وضاحتیں: پہلی حدیث میں أصاب المكاتبُ حداً: کا جومطلب حاشیہ میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں، مکاتب کا حد کو پہنچنا یہ ہے کہ وہ جنایت کرے ـــــ یُؤدیٰ: وَدیٰ یَدِیْ دِیَةً سے مضارع مجہول ہے ـــــ پہلی حدیث خالد حذاء: عکرمہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتوی کے طور پر نقل کرتے ہیں، مگر یحییٰ بن ابی کثیر: ایوب سختیانی کے متابع ہیں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے ـــــ پہلی حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مکاتب جتنی قسطیں ادا کرتا رہے گا اتنا آزاد ہوجائے گا، مگر جمہور کی یہ رائے نہیں، ان کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، ناسخ عمرو بن شعیب کی روایت ہے جو بعد میں آرہی ہے، اور وہ غریب بمعنی ضعیف ہے کیونکہ یحییٰ بن ابی أُنیسة: سیِّئ الحفظ راوی ہے، اور حجاج بن ارطاۃ جو اس کے متابع ہیں وہ بھی ضعیف ہیں، آخری عبارت کا ترجمہ: اور اہل علم کے نزدیک اس حدیث کے معنی یعنی مصداق تورع (احتیاط وپرہیزگاری) پر ہے یعنی یہ پردہ کرنا احتیاطاً ہے اور یہ اہل علم کہتے ہیں کہ مکاتب کے پاس بدل کتابت ہونے سے آزاد نہیں ہوتا جب تک وہ پورا بدل کتابت ادا نہ کردے۔

بابُ ماجاءَ إِذَا أَفْلَسَ لِلرَّجُلِ غَرِیْمٌ فَیَجِدُ عِنْدَہُ مَتَاعَہُ

مقروض دیوالیہ ہوجائے اور قرض خواہ اپنا سامان اس کے پاس پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے

اگر کوئی شخص دیوالیہ ہوجائے یعنی اس پر اتنا قرض ہوجائے کہ اس کا سارا مال سامان بیچ کر بھی قرض ادا نہیں ہوسکتا تو قرض خواہ قاضی کے پاس جائیں گے، قاضی اس کو دیوالیہ قرار دے کر اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد جو مال سامان ہوگا وہ بیچ دے گا اور ماحصل حصہ رسد قرض خواہوں میں تقسیم کردے گا اور باقی قرضہ ان لوگوں کو اس وقت ملے گا جب دیوالیہ کے پاس مال آئے گا، اس سے پہلے ان کو مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، یہ ہر دیوالیہ کا حکم ہے، أَفْلَسَ فلانٌ کے معنی ہیں: مفلس ہوجانا، دیوالیہ ہوجانا، فراخی کے بعد تنگی آجانا، اسم فاعل مُفْلِسٌ ہے، اور فَلَّسَ القاضی فلاناً کے معنی ہیں: قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا، کسی کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا اور غَرِیْمٌ کے معنی یہاں قرض دار یعنی مقروض کے ہیں اس لفظ کے معنی قرض خواہ کے بھی آتے ہیں۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے دیوالیہ ہونے کا قاضی اعلان کردے اور کوئی شخص اپنا فروخت کیا ہوا سامان دیوالیہ کے پاس بحالہ پائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص نے زید کو بکری فروخت کی، ابھی قیمت وصول نہیں ہوئی تھی کہ زید دیوالیہ قرار دیدیا گیا، اور وہ بکری اس کے پاس بحالہ موجود ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع وہ بکری لے لیگا، اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک اس بکری کو بھی فروخت کیا جائے گا اور بائع قرض خواہوں کی صف میں کھڑا ہوگا اور حصہ رسد پائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی دیوالیہ قرار دیدیا جائے اور کوئی شخص اپنا سامان اس کے پاس بحالہ پائے تو وہ اس سامان کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہے'' اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فروخت کیا ہوا مال اس حدیث میں مراد نہیں، کیونکہ وہ بائع کا مال نہیں رہا، وہ مشتری کا مال ہے بلکہ اس حدیث میں مراد امانتیں اور عاریتیں ہیں یعنی اگر کسی نے دیوالیہ کے پاس کوئی چیز امانت رکھی یا عاریت دی اور وہ اس نے خرد برد نہیں کی بلکہ بحالہ موجود ہے تو وہ چیز فروخت نہیں کی جائے گی بلکہ مالک کو لوٹادی جائے گی اور احناف کے نزدیک سلعتہ میں اضافت: حقیقی مراد ہے، غرض یہ اختلاف نص فہمی کا اختلاف ہے، اور اگر دیوالیہ نے وہ چیزیں خرد برد کردی ہوں تو مودِع اور معیر کو ضمان ملے گا اور وہ قرض خواہوں کی صف میں کھڑے ہونگے۔

[۳۶-] باب ماجاء إذا أفلس للرجل غریم، فیجد عندہ متاعہ

[۱۲۴۷-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ یَحْیَی بنِ سَعِیْدٍ، عَنْ أَبِیْ بَکْرِ بنِ حَزْمٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ، عَنْ أَبِیْ بَکْرِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ الْحَارِثِ بنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ

علیه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " أَیُّمَا امْرِیءٍ أَفْلَسَ، وَوَجَدَ رَجُلٌ سِلْعَتَهُ عِنْدَهُ بِعَیْنِهَا، فَهُوَ أَوْلٰی بِهَا مِنْ غَیْرِهِ"

وفی الباب: عَنْ سَمُرَةَ، وابنِ عُمَرَ، حدیثُ أَبِی هُرَیْرَةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: هُوَ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْکُوْفَةِ.

ترجمہ: جب دیوالیہ ہوگیا کسی شخص کے لئے مقروض، پس پائے وہ شخص دیوالیہ کے پاس اپنا سامان (یہ باب کا ترجمہ ہے) اور أُسوۃ: بمعنی مُساوٍ ہے۔

بابُ ماجاء فی النَّهْیِ لِلْمُسْلِمِ أَنْ یَّدْفَعَ إِلَی الذِّمِّیِّ الْخَمْرَ یَبِیْعُهَا لَهُ

مسلمان اپنی شراب کافر کو بیچنے کے لئے دے: یہ جائز نہیں

مسلمان نہ خود اپنی شراب بیچ سکتا ہے، نہ کسی غیر مسلم سے بکواسکتا ہے، اس کو ضائع کردینا ضروری ہے یا سرکہ بنالے کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں، اس لئے وہ خود نہیں بیچ سکتا اور کافر سے اس لئے نہیں بکواسکتا کہ وکیل کا فعل مؤکل کا فعل ہوتا ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس ایک یتیم لڑکے کی شراب تھی، جب سورۂ مائدۃ (آیت ۹۰) نازل ہوئی (اور شراب حرام قرار دیدی گئی) تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا (کہ میں وہ شراب کیا کروں؟ اگر نالی میں بہاتا ہوں تو یہ یتیم کے مال کو ضائع کرنا ہے جس کی قرآن نے سخت ممانعت کی ہے) اور میں نے آپؐ کو یہ بات بتائی، پھر بھی آپؐ نے فرمایا: ''اس کو بہادو!''

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں، پس یتیم کی شراب کو نالی میں بہادینا یتیم کے مال کو ضائع کرنا نہیں۔ اور باب سے حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ اگر مسلمان کا غیر مسلم کے ذریعہ شراب فروخت کرانا جائز ہوتا تو نبی ﷺ یتیم کا مال ضائع نہ کراتے بلکہ فرماتے: وہ شراب کسی غیر مسلم کے ذریعہ فروخت کرادو اور مال محفوظ کرلو، آپؐ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان غیر مسلم کے ذریعہ شراب فروخت نہیں کراسکتا۔

[۳۷-] باب ماجاء فی النهی للمسلم أن یدفع إلی الذمی الخَمْر یبیعُها له

[۱۲۴۸-] حدثنا عَلِیُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِیْسَی بنُ یُوْنُسَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ أَبِی الْوَدَّاكِ، عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ قَالَ: کَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِیَتِیْمٍ، فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم عَنْهُ،

وَقُلْتُ: إِنَّهُ لِيَتِيْمٍ، فَقَالَ: " أَهْرِيقُوْهُ"
وفي الباب: عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، حديثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوُ هٰذَا.
وَقَالَ بِهٰذَا بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ، وَكَرِهُوْا أَنْ يُتَّخَذَ الْخَمْرُ خَلًّا، وإِنَّمَا كُرِهَ مِنْ ذٰلِكَ- وَاللّٰهُ أَعْلَمُ- أَنْ يَكُوْنَ الْمُسْلِمُ فِيْ بَيْتِهِ خَمْرٌ حَتّٰى يَصِيْرَ خَلًّا، وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِيْ خَلِّ الْخَمْرِ، إِذَا وُجِدَ قَدْ صَارَ خَلًّا.

وضاحت: یہ حدیث مجالد بن سعید کی وجہ سے صرف حسن ہے، یہ راوی کمزور ہے، آخر میں اس کے حافظہ میں فرق آگیا تھا۔ اور مصری نسخہ میں صحیحٌ بھی ہے مگر وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ——— اس باب کے آخر میں امام ترمذیؒ نے یہ مسئلہ چھیڑا ہے کہ شراب کو سرکہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر شراب میں کوئی چیز ڈالی گئی مثلاً نمک یا سرکہ وغیرہ ڈال کر شراب کو سرکہ بنایا تو وہ ناپاک ہے اور اگر شراب میں کوئی چیز ڈالی نہیں گئی بلکہ دھوپ سے سایہ میں کردی یا سایہ سے دھوپ میں رکھ دی اور وہ سرکہ بن گئی تو پاک اور حلال ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے تین قول ہیں، راجح قول یہ ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا تو جائز نہیں، لیکن اگر خود بخود سرکہ بن جائے یا کوئی بنالے تو گو کہ یہ گناہ ہے مگر اب اس کا استعمال جائز ہے۔ غرض مسئلہ میں چاروں ائمہ کی الگ الگ رائیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ منصوص نہیں، اجتہادی ہے ——— اور یہ مسئلہ اس حدیث میں اس طرح زیر بحث آیا ہے کہ یتیم کی شراب بچانے کی دوصورتیں ہیں: ایک: کسی غیر مسلم کے ذریعہ وہ شراب فروخت کرادی جائے، اس کا تذکرہ باب میں ہے۔ دوسری: شراب کو سرکہ بنالیا جائے، حضور اکرم ﷺ نے یہ ترکیب بھی نہیں بتائی بلکہ شراب کو بہا دینے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ شراب کا سرکہ بنانا بھی جائز نہیں، ورنہ آپ اس طرح یتیم کا مال محفوظ کرادیتے، پس یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔ یہ مسئلہ آگے مستقل باب میں آرہا ہے اور امام احمدؒ کی دلیل کا جواب بھی وہاں آئے گا کہ شراب کی محبت عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور ابھی شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی، اس لئے اگر کسی گھر میں کسی بھی بہانے شراب موجود رہے گی تو جب بھی اس پر نظر پڑے گی مے نوشی یاد آئے گی، اس لئے نبی ﷺ نے شراب کا سرکہ بنانے کی بھی اجازت نہیں دی تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!

ترجمہ: اس حدیث کے مطابق بعض اہل علم کا قول ہے، وہ ناجائز قرار دیتے ہیں کہ شراب کو سرکہ بنایا جائے اور یہ بات صرف اسی وجہ سے ناپسند کی گئی ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں ــــ کہ کسی مسلمان کے گھر میں شراب موجود رہے یہاں تک کہ وہ سرکہ بن جائے یعنی فی نفسہ ممانعت نہیں ہے، بلکہ لغیرہ ممانعت ہے (یہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کا بیان ہے) اور بعض اہل علم نے شراب کے سرکہ کو جائز کہا ہے جبکہ وہ خود بخود سرکہ بن گئی ہو (یہ امام

مالک رحمہ اللہ کے مذہب کا بیان ہے)

بابٌ

مقروض کا کوئی مال ہاتھ لگے تو اس سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے؟

(مسئلة الظَفَر)

مسئلۃ الظفر یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی کا قرض ہے، وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے، پس اگر اس کی کوئی چیز قرض خواہ کے ہاتھ لگے تو کیا وہ اس میں سے اپنا قرض وصول کرسکتا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اگر وہ چیز قرض کی جنس سے ہے تو وصول کرسکتا ہے، ورنہ نہیں، مثلاً تین سو روپے قرض تھا، مقروض کی گھڑی ہاتھ لگ گئی تو قرض خواہ اسے بیچ کر اپنا قرض وصول نہیں کرسکتا اور بٹوہ ہاتھ لگ گیا اور اس میں ہزار روپے تھے تو وہ اس میں سے تین سو روپے لے کر باقی پیسے لوٹا دے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سونا، چاندی اور کرنسی ایک جنس ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر صورت میں قرض وصول کرسکتا ہے، خواہ وہ چیز قرض کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، بلکہ وہ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرض خواہ مقروض کے گھر میں چوری کر کے بھی اپنا قرض وصول کرسکتا ہے، اور ایک رائے یہ ہے کہ اس چیز سے قرض وصول کرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ چیز قرض کی جنس سے ہو۔ ان حضرات نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے، دیگر ائمہ کا استدلال آیت: ﴿جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ سے اور ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهِ﴾ سے ہے، اور حدیث استحباب پر محمول ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امانت اس شخص کو ادا کر جو تجھ پر اعتماد کرتا ہے، اور اس شخص کے ساتھ خیانت مت کر جو تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے''

تشریح: یہ حدیث درحقیقت اخلاقیات کے باب کی ہے، حسنِ اخلاق یہ ہے کہ دوسرا خواہ حسن سلوک کرے یا بدسلوکی، مسلمان کا رویہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا ہونا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''تم اِمَّعہ مت بنو (یہ أنا مع الناس کا مخفف ہے) کہ کہو: اگر لوگ ہمارے ساتھ حسنِ سلوک کریں گے تو ہم بھی حسنِ سلوک کریں گے، اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، بلکہ اپنے آپ کو خوگر بناؤ کہ لوگ حسنِ سلوک کریں تب بھی حسنِ سلوک کرو اور لوگ بدسلوکی کریں تب بھی تم ظلم نہ کرو'' باب کی حدیث میں بھی اسی اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص تم پر اعتماد کر کے اور امانت دار سمجھ کر تمہارے پاس کوئی چیز امانت رکھے تو تم اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ، اس کی امانت بے کم وکاست واپس کرو، اور جس کا رویہ تمہارے ساتھ خیانت کا ہو، اگر اس کی کوئی چیز تمہارے ہاتھ لگ جائے تو بھی اس کو امانت سمجھو اور مالک کو پہنچا دو، اس میں خیانت نہ کرو، خائن کے ساتھ بھی خیانت کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

[۳۸-] بابٌ

[۱۲٤۹-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا طَلْقُ بنُ غَنَّامٍ، عَنْ شَرِيْكٍ، وَقَيْسٍ، عَنْ أَبِي حَصِيْنٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ"

هٰذَا حديثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيْثِ، وَقَالُوْا: إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ عَلَى آخَرَ شَيْئٌ فَذَهَبَ بِهِ، فَوَقَعَ لَهُ عِنْدَهُ شَيْئٌ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ عَنْهُ بِقَدْرِ مَاذَهَبَ لَهُ عَلَيْهِ.

وَرَخَّصَ فِيْهِ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنَ التَّابِعِيْنَ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَقَالَ: إِنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ دَرَاهِمُ، فَوَقَعَ لَهُ عِنْدَهُ دَنَانِيْرُ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ بِمَكَانِ دَرَاهِمِهِ، إِلَّا أَنْ يَقَعَ عِنْدَهُ لَهُ دَرَاهِمُ، فَلَهُ حِيْنَئِذٍ أَنْ يَحْبِسَ مِنْ دَرَاهِمِهِ بِقَدْرِ مَالَهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور وہ کہتے ہیں: جب کسی کی دوسرے کے پاس کوئی چیز ہو پس وہ اس کو ہڑپ کر جائے، پس اس کے ہاتھ اس کی کوئی چیز لگ جائے تو اس کے لئے اس میں سے اس چیز کے بقدر جو اس نے ہڑپ کی ہے لینا جائز نہیں (یہ قول معلوم نہیں کس کا ہے) اور تابعین میں سے بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں اور وہ سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔ اور انھوں نے فرمایا: اگر اس پر اس کے دراہم ہوں پس قرض خواہ کے ہاتھ دینار لگیں تو اس کے لئے دراہم کی جگہ دینار روکنا جائز نہیں، ہاں اگر اس کے ہاتھ دراہم لگیں تو وہ اپنے دراہم کے بقدر جو اس پر ہیں وصول کرسکتا ہے (یہی امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے، مگر ان کے نزدیک دینار، دراہم اور کرنسی ایک جنس ہیں) لغت: اِئْتَمَنَ فلاناً: اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا۔

بابُ ماجاءَ أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ

عاریت پر لی ہوئی چیز مضمون ہے

حدیث (۱): حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے نبی ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال تقریر میں یہ باتیں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عاریت ادا کی ہوئی ہے، اور ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے، اور قرض چکایا ہوا ہے"

تشریح: یہ حدیث درحقیقت بابِ معاشرت سے ہے، اس میں نبی ﷺ نے معاشرے میں پائی جانے والی تین خرابیوں کی اصلاح فرمائی ہے:

اول: فرمایا: "عاریت ادا کی ہوئی ہے!" معاشرہ میں یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ پڑوس سے کوئی چیز مانگ لاتے ہیں پھر واپس نہیں کرتے، اگر مالک بھول گیا تو اس کی چیز گئی، ورنہ جب مانگنے آئے گا منہ بنا کر دیں گے، یہ طریقہ

غلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ جب ضرورت پوری ہو جائے تو فوراً وہ چیز شکریہ کے ساتھ واپس کردو۔

اور شکریہ دوطرح کا ہوتا ہے: ایک: سوکھا شکریہ جو ظاہر ہے، دوسرا ترشکریہ اور وہ یہ ہے کہ کچھ ہدیہ بھی دیا جائے، مثلاً ہمارے یہاں مہمان آئے ہم نے پڑوس سے بڑا برتن منگوایا اور اس میں کھانا پکایا، پس جب کھانا تیار ہو جائے تو اس میں سے ایک پلیٹ پڑوس میں بھی بھیجی جائے یہ ترشکریہ ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ جب بھی ضرورت پڑے گی پڑوسی فوراً برتن دے گا، مگر لوگ اس سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں، چنانچہ جب وہ دوبارہ مانگنے جاتے ہیں تو لوگ جھوٹ بولتے ہیں، کہہ دیتے ہیں: نہیں ہے یا کوئی لے گیا ہے یا معلوم نہیں کہاں رکھا ہے یہ اس معاشرتی خرابی کا نتیجہ ہے۔

دوم: فرمایا: ''ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے!'' ایک خرابی معاشرہ میں یہ بھی پائی جاتی ہے کہ لوگ ذمہ داری اوڑھ لیتے ہیں پھر اس کو نباہتے نہیں، مثلاً ایک شخص زید سے قرض کا مطالبہ کر رہا ہے، خالد آتا ہے اور کہتا ہے: میں ذمہ دار ہوں آپ اس کو چھوڑ دیں، چنانچہ خالد کی ذمہ داری پر وہ شخص زید کو چھوڑ دیتا ہے، اب خالد کی ذمہ داری ہے کہ زید سے قرض دلوائے یا خود بھرے، مگر لوگ اس ذمہ داری کو وقتی بات سمجھتے ہیں اور اپنی ذمہ داری بھول جاتے ہیں، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے اگر مقروض قرض نہ دے تو ضامن کو دینا پڑے گا پھر وہ مقروض سے لے گا۔

سوم: فرمایا: ''قرض چکایا ہوا ہے'' یہ بھی ایک معاشرتی خرابی ہے۔ جب قرض مانگنے آتے ہیں تو ہزار مجبوریاں ظاہر کرتے ہیں اور بڑی منت سماجت کرتے ہیں، مگر قرض وقت پر واپس نہیں کرتے، اور مانگا جائے تو بڑی بے شرمی سے کہتے ہیں: ''بھاگ تھوڑے رہا ہوں!'' یا ''ابھی پیسے نہیں ہیں جب آئیں گے دیدیں گے!'' اور کوئی تو ہنس دیتا ہے، کیونکہ قرض ہنسنا (حسنہ) لیا ہے یہ بھی نہایت بری بات ہے، قرض وقت پر چکانا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرض چکایا ہوا ہے'' یعنی ہر وقت فکر سوار رہنی چاہئے کہ پہلی فرصت میں قرض چکانا ہے اور اگر کسی وجہ سے وقت پر نہ دے سکے تو نظریں نہ چرائے، بلکہ قرض خواہ سے مجبوری بیان کرکے مزید مہلت مانگے اگر وہ مہلت دیدے تو سبحان اللہ! ورنہ کچھ بھی کرکے قرض وقت پر ادا کرے، دوسری مرتبہ فوراً قرض ملے گا، ورنہ ٹال جائے گا۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاتھ پر واجب ہے جو چیز اس نے لی ہے تا آنکہ ہاتھ اسے ادا کردے!''

تشریح: اس حدیث کا بھی مطلب وہی ہے جو العاریۃ مؤداۃ کا ہے، ان دونوں حدیثوں کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: عاریت پر لی ہوئی چیز اگر ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان واجب ہے، خواہ وہ چیز عاریت پر لینے والے کی تعدی سے ہلاک ہوئی ہو یا تعدی کے بغیر اور حنفیہ کے نزدیک: اگر وہ چیز عاریت پر لینے والے کی تعدی سے ہلاک

ہوئی ہے تو ضمان واجب ہے، اور اگر اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہوئی ہے تو کوئی ضمان نہیں، کیونکہ وہ امانت تھی اور امانت کا یہی حکم ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی جواب دیا، مگر قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو سہو ہوا، انھوں نے خود یہ حدیث بیان کی ہے کہ علی الید ما أخذتْ حتی تؤدِّیَ پھر مسئلہ اس کے خلاف بتایا، حالانکہ حضرت حسن بصریؒ سے سہو نہیں ہوا بلکہ حضرت قتادہ حدیث کا جو مطلب سمجھ رہے ہیں وہ صحیح نہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں ضمان کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ معاشرتی خرابی کی اصلاح ہے جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جاچکا۔

[۳۹-] باب ماجاء أن العارية مؤدَّاةٌ

[۱۲۵۰-] حدثنا هَنَّادٌ، وَعَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، قَالَا: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ شُرَحْبِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: "العَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ"

وفي الباب: عَنْ سَمُرَةَ، وَصَفْوَانَ بنِ أُمَيَّةَ، وَأَنَسٍ، حديثُ أَبِيْ أُمَامَةَ حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَيْضًا مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۱۲۵۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَ" قَالَ قَتَادَةُ: ثُمَّ نَسِيَ الْحَسَنُ، فَقَالَ: هُوَ أَمِيْنُكَ لَاضَمَانَ عَلَيْهِ، يَعْنِيْ الْعَارِيَةَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ إِلَى هٰذَا، وَقَالُوْا: يَضْمَنُ صَاحِبُ الْعَارِيَةِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَيْسَ عَلَى صَاحِبِ الْعَارِيَةِ ضَمَانٌ إِلَّا أَنْ يُخَالِفَ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، وَبِهِ يَقُوْلُ إِسْحَاقُ.

ترجمہ: بعض صحابہ وغیرہ اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عاریت پر لینے والا ضامن ہوگا اور یہ شافعی اور احمد کا قول ہے، اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ عاریت پر لینے والے پر ضمان نہیں مگر یہ کہ وہ معروف طریقہ پر استعمال نہ کرے (مثلاً ایک شخص پڑوس سے چھری لایا اور اس سے پترا کاٹا جس سے چھری ٹوٹ گئی تو ضمان واجب ہوگا اور اگر کپڑا کاٹتے ہوئے چھری ٹوٹ جائے تو کوئی ضمان نہیں) اور یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الاِحْتِکَارِ

ذخیرہ اندوزی کا بیان

حدیث: حضرت سعید بن المسیبؒ نے جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ذخیرہ اندوزی خطا کار ہی کرتا ہے'' محمد بن ابراہیم نے عرض کیا: آپ تو ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں؟! حضرت سعید نے فرمایا: میرے استاذ معمر بن عبداللہ بھی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔

تشریح: حضرت سعید کا عمل تو حجت نہیں کیونکہ وہ تابعی ہیں مگر حضرت معمر صحابی ہیں اور ان کا عمل حجت ہے، پس اگر ذخیرہ اندوزی مطلقاً حرام ہوتی تو حضرت معمرؓ ہرگز ذخیرہ اندوزی نہ کرتے، اس لئے ذخیرہ اندوزی کی تفصیل ضروری ہے، چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ اقوات یعنی کھانے پینے کی وہ چیزیں جن پر لوگوں کا گذارہ ہے جیسے گندم، جو وغیرہ ان کا احتکار ممنوع ہے اور غیر اقوات کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، حضرت معمرؓ کیا ذخیرہ کرتے تھے؟ یہ بات تو معلوم نہیں مگر حضرت سعید زیتون کے تیل کا اور خَبَط یعنی درخت کے جھاڑے ہوئے پتوں کا ذخیرہ کرتے تھے، اور یہ دونوں چیزیں غیر اقوات میں سے ہیں اس لئے ان کا احتکار جائز ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اسٹاک کرنا جائز ہے، ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے۔ اور ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ کوئی چیز بڑی مقدار میں خرید کر رکھ لی جائے اور گرانی کا انتظار کیا جائے اور جب تک بھاؤ نہ بڑھے بیچی نہ جائے اور اسٹاک کرنا یہ ہے کہ دوکان کی ضرورت کے بقدر چیز خرید لی جائے اور اس کی فروختگی جاری رکھی جائے، اول ممنوع ہے کیونکہ اس سے چیزوں کی قلت ہو جاتی ہے بلکہ تجار اس طرح مصنوعی قحط پیدا کر دیتے ہیں، اور ثانی جائز ہے، کیونکہ اس سے نہ داموں پر اثر پڑتا ہے نہ قحط سالی پیدا ہوتی ہے، اور حضرت معمرؓ اور حضرت سعیدؒ اسٹاک کرتے تھے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔

[۴۰-] باب ماجاء فی الاحتکار

[۱۲۵۲-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا محمدُ بنُ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ مَعْمَرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ فَضْلَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ" فَقُلْتُ لِسَعِيْدٍ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! إِنَّكَ تَحْتَكِرُ؟ قَالَ: وَمَعْمَرٌ قَدْ كَانَ يَحْتَكِرُ، وَإِنَّمَا رُوِىَ عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّهُ كَانَ يَحْتَكِرُ الزَّيْتَ وَالْخَبَطَ وَنَحْوَ هٰذَا.

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَأَبِى أُمَامَةَ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ مَعْمَرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوْا احْتِكَارَ الطَّعَامِ، وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِى الِاحْتِكَارِ فِى غَيْرِ الطَّعَامِ، وَقَالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: لَابَأْسَ بِالِاحْتِكَارِ فِى الْقُطْنِ وَالسِّخْتِيَانِ وَنَحْوِهِ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے: وہ کھانے کی چیزیں ذخیرہ کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض علماء غیر طعام کے ذخیرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اور ابن المبارک نے فرمایا: روئی اور چھوٹے جانوروں کی کھالیں وغیرہ اسٹاک کرنے میں کوئی حرج نہیں (سختیان: عربی لفظ نہیں ہے، معلوم نہیں کس زبان کا لفظ ہے، چھوٹے جانور یعنی بکرے وغیرہ کی کھالوں کو سختیان کہتے ہیں)

بابُ ماجاء فی بَیْعِ الْمُحَفَّلاتِ

تھن میں دودھ روک کر جانور بیچنا

مُحَفَّلَةٌ: اسم مفعول ہے، اس کا مادہ ح، ف، ل ہے اس مادہ کے معنی ہیں: جمع کرنا، چنانچہ بس کو حافِلة اور جلسہ کو حَفلة کہتے ہیں، کیونکہ ان میں لوگ جمع ہوتے ہیں، اور بیع محفلات اور بیع مصرات ایک چیز ہیں یعنی جانور کے تھن میں دودھ روک کر مشتری کو دھوکہ دینا جائز نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بازار کا استقبال مت کرو یعنی دیہات سے جو سامان برائے فروخت آرہا ہے اس کو بازار میں آنے دو، راستہ میں مت خریدو یا جو لادی تجارتی مال لے کر شہر میں آرہی ہے اس کو آنے دو، آگے جا کر اس سے سامان مت خریدو۔ تفصیل باب ۱۲ میں گذر چکی ہے۔ اور جانور کے تھن میں دودھ روک کر مشتری کو دھوکہ مت دو، اور تم میں سے بعض بعض کا سامان نہ بکوائے جس کا نام ''نجش'' ہے، اس کی تفصیل آگے باب ۶۳ میں آرہی ہے۔

[۴۱-] باب ماجاء فی بیع المُحَفَّلاتِ

[۱۲۵۳-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَاتَسْتَقْبِلُوْا السُّوْقَ، وَلَا تُحَفِّلُوْا، وَلَا يُنَفِّقْ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ"

وفي الباب: عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِیْ هُرَيْرَةَ، حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: كَرِهُوْا بَيْعَ الْمُحَفَّلَةِ، وَهِیَ الْمُصَرَّاةُ، لَايَحْلُبُهَا صَاحِبُهَا أَيَّامًا أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ، لِيَجْتَمِعَ اللَّبَنُ فِیْ ضَرْعِهَا، فَيَغْتَرُّ بِهَا الْمُشْتَرِیْ، وَهٰذَا ضَرْبٌ مِنَ الْخَدِيْعَةِ وَالْغَرَرِ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ محفلہ جانور کی بیع کو ناپسند کرتے ہیں، اور محفلہ: مصرات ہی ہے، جانور کا مالک اس کو چند دن تک یا اس کے مانند نہ دوہے تاکہ اس کے تھن میں دودھ اکٹھا ہو جائے، پس اس سے مشتری دھوکہ کھائے اور یہ بیع فریب اور دھوکہ کی ایک قسم ہے، اس لئے ممنوع ہے ——— حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے کراہیت بیوع کی جو نو بنیادیں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک بنیاد فریب ہے، محفلات کی بیع کی ممانعت کی وجہ

فریب ہے۔اورامام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ کئی دن تک دودھ نہ دوہے: صحیح نہیں،ایسی صورت میں دودھ سوکھ جائے گا پھر جانورتھن کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دے گا،معلوم ہوتا ہے:امام ترمذیؒ نے گائے بھینس اور بکریاں نہیں پالیں۔

بابُ ماجاءَ فی الیَمِیْنِ الْفَاجِرَۃِ یُقْتَطَعُ بِھَا مَالُ الْمُسْلِمِ

جھوٹی قسم کھاکرکسی مسلمان کامال ہڑپ کرجانابڑابھاری گناہ ہے

جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہےتو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے،اگروہ گواہ پیش نہ کرسکےتومدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہےاوراس پرفیصلہ کیاجاتا ہے،دنیا کی تمام عدالتوں میں بھی جہاں وضعی قوانین ہیں: یہی ضابطہ ہے۔

اس باب میں یہ حدیث ہے کہ عدالت میں جھوٹی قسم کھاناتباہی لاتا ہے،ایک سچاواقعہ ہے کہ ایک مسلمان کاایک بنیے کے ساتھ ایک زمین کے سلسلہ میں جھگڑاتھا،میرٹھ کی عدالت میں مقدمہ تھااورجج انگریزتھا،جس دن فیصلہ ہونا تھابنیارومال میں کوئی چیزلپیٹ کرلےگیااورجج کے سامنےاس کوکھول کرکہا: یہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن ہے اگریہ شخص اس کتاب کوہاتھ میں لےکرقسم کھاکرکہہ دے کہ یہ زمین میری ہےتومیں اس سے دستبردارہوجاؤں گا،اس بندۂ خدانےجھوٹی قسم کھالی اورجج نےاس کےحق میں فیصلہ کردیا،مجھ سے یہ واقعہ اسی بستی کےآدمی نے بیان کیا ہے کہ ایک سال کےاندراندراس مسلمان کےگھرکےسب افرادمرگئے،کوئی نہیں بچا۔یہ اس جھوٹی قسم کاوبال ہے۔

غرض عام معاملات میں بھی جھوٹی قسم کھاناکبیرہ گناہ ہے،مگرعدالت میں جھوٹی قسم کھاناتووبال ڈھادیتا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نےفرمایا:’’جس شخص نےکوئی قسم کھائی درانحالیکہ وہ اس میں بدکار ہےیعنی جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کےذریعہ کسی مسلمان آدمی کامال ہڑپ کرجائےتووہ اللہ تعالیٰ سےاس حال میں ملےگاکہ اللہ تعالیٰ اس پرغضب ناک ہونگے‘‘

تشریح:اس حدیث میں مسلم کی قیداتفاقی ہے،جیسے پہلے حدیث گذری ہے کہ مسجدباوضوجائےتوہرقدم پر ایک درجہ بڑھتا ہےاورایک گناہ معاف ہوتا ہے،وہاں میں نےبتایاتھاکہ حدیث میں باوضوکی قیداتفاقی ہے،عربوں کےعرف کےاعتبارسے ہےچونکہ عربوں کی مسجدوں میں وضوکاانتظام نہیں ہوتا،لوگ گھرسے وضوکرکےآتے ہیں اس لئے حدیث میں یہ قیدآئی ہے،یہاں بھی حدیث کاشان ورودایک مسلمان کاواقعہ ہےاس لئے مسلمؒ کی قیدآئی ہے،پس غیرمسلم کامال ہڑپ کرنےکے لئے جھوٹی قسم کھانےکابھی یہی وبال ہے۔

اورحدیث کاشان ورودیہ ہےکہ حضرت اشعث بن قیسؓ کاجوحضرموت کےباشندے تھے:ایک یہودی سے زمین کاجھگڑاتھا،وہ زمین اشعثؓ کےداداسےاس یہودی کےدادانےغصب کی تھی،اشعثؓ اس کامقدمہ لےکرنبی ﷺ کےپاس مدینہ آئے،آپؐ نےاشعث سےگواہ طلب کئےکیونکہ وہ مدعی تھے،وہ گواہ پیش نہ کرسکے،کیونکہ اس

معاملہ کا دیکھنے والا کوئی شخص زندہ نہیں تھا، پس آپؐ نے یہودی کو قسم کھلانی چاہی تو حضرت اشعث نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ یہودی ہے، جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کر جائے گا! اس سلسلہ میں آل عمران کی یہ آیت (نمبر ۷۷) نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ یعنی جو لوگ حقیر بدلہ لے لیتے ہیں اس عہد کے عوض میں جو اللہ تعالیٰ سے انھوں نے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے (پر لطف) کلام نہیں کریں گے اور ان کی طرف قیامت کے دن (محبت سے) نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے اس یہودی کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا: ''اگر وہ جھوٹی قسم کھائے گا تو جب اس کی اللہ سے ملاقات ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہونگے'' پھر کیا ہوا؟ اس یہودی نے قسم کھائی یا نہیں؟ اس سے حدیث ساکت ہے۔

[۴۲-] باب ماجاء في اليمين الفاجرة يُقْتَطَعُ بها مالُ المسلم

[۱۲۵۴-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِيْنٍ، وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ، لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ: لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" فَقَالَ الأَشْعَثُ: فِيَّ وَاللّٰهِ! لَقَدْ كَانَ ذٰلِكَ، كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِيْ، فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لِيْ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟" فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ لِلْيَهُوْدِيِّ: "احْلِفْ" فَقُلْتُ: يَارسولَ الله! إِذًا يَحْلِفُ فَيَذْهَبُ بِمَالِيْ! فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ الآيَةَ إِلَى آخِرِهَا.

وفي الباب: عَنْ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ، وَأَبِيْ مُوْسَى، وَأَبِيْ أُمَامَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ الأَنْصَارِيِّ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ؛ حديثُ ابنِ مَسْعُوْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: اللہ کے عہد سے مراد: حکم شرع کی پابندی کرنا ہے، یہ عہد ہر بندے نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے پس وأيمانهم تخصیص بعد التعمیم ہے...... اور الآیۃ سے پہلے اِقرأ محذوف ہے۔

بابُ ماجاء إذا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ

متعاقدین میں اختلاف کی صورت میں شرعی حکم

حدیث: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب متعاقدین میں اختلاف ہو (مثلاً دونوں مبیع یا ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں) تو بائع کا قول معتبر ہوگا (یعنی اگر بائع یا مشتری کے پاس اپنے

دعوی کے ثبوت کے لئے گواہ نہ ہوں تو بائع سے قسم لی جائے گی، وہ قسم کھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا) اور مشتری کو اختیار ہوگا (چاہے تو بائع کے قول پر راضی ہوجائے اور چاہے تو بیع فسخ کردے) جاننا چاہئے کہ حدیث وفقہ میں جہاں بھی القول قول فلان آتا ہے وہاں قسم کے ساتھ قول معتبر ہوتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث منقطع ہے، عون کا حضرت ابن مسعودؓ سے لقاء وسماع نہیں، اور متن بھی مختلف طرح سے مروی ہے اور اسی حدیث کی وجہ سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: متعاقدین میں خواہ مبیع کی مقدار میں اختلاف ہو یا ثمن کی مقدار میں یا کسی اور بات میں ہر صورت میں بائع کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی دونوں سے گواہ طلب کرے گا، کیونکہ دونوں من وجہٍ مدعی اور من وجہ منکر ہیں، پس دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کرے اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو جو گواہ زیادتی ثابت کریں ان کو ترجیح دی جائے گی ۔اور اگر دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں تو بیع فسخ کردی جائے گی، اور متعاقدین اپنے اپنے عوض پھیرلیں گے، مسئلہ کی مزید تفصیل ہدایہ کتاب الدعوی باب التحالف میں ہے، خواہش مند حضرات اس کی طرف رجوع کریں۔

ملحوظہ: یہ حدیث بہت ہی مختلف الفاظ سے مروی ہے اور بقول شوکانی: متعاقدین میں اختلاف کی تمام صورتوں میں کسی فقیہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا، بلکہ ان میں سخت اختلاف ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر سے قدرے متعارض ہے، اس لئے طریق جمع میں اختلاف ہوگیا ہے (نیل الاوطار)

[۴۳-] باب ماجاء إذا اختلف البیعان

[۱۲۵۵-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا سُفْیَانُ، عَنِ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَوْنِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " إِذَا اخْتَلَفَ الْبَیِّعَانِ، فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ، وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِیَارِ"

هٰذَا حدیثٌ مُرْسَلٌ، عَوْنُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَمْ یُدْرِكِ ابنَ مَسْعُوْدٍ، وَقَدْ رُوِیَ عَنِ الْقَاسِمِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذَا الْحَدِیْثُ أَیْضًا، وَهُوَ مُرْسَلٌ أَیْضًا.

قَالَ ابنُ مَنْصُوْرٍ: قُلْتُ لِأَحْمَدَ: إِذَا اخْتَلَفَ الْبَیِّعَانِ، وَلَمْ تَکُنْ بَیِّنَةٌ؟ قَالَ: الْقَوْلُ مَا قَالَ رَبُّ السِّلْعَةِ، أَوْ یَتَرَادَّانِ، قَالَ إِسْحَاقُ: کَمَا قَالَ!

وَکُلُّ مَنْ کَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ، فَعَلَیْهِ الْیَمِیْنُ، وَقَدْ رُوِیَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ بَعْضِ التَّابِعِیْنَ، مِنْهُمْ شُرَیْحٌ.

وضاحت: عون: حضرت ابن مسعودؓ کے بھتیجے کے لڑکے ہیں، پورا نام یہ ہے: عون بن عبد اللہ بن عتبة بن مسعود ـــــ اور اس حدیث کو ابن مسعودؓ کے پوتے قاسم بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود بھی براہ راست

اپنے دادا ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں اور یہ بھی منقطع ہے، یہ روایت بیہقی کی کتاب المعرفہ میں ہے (نصب الرایہ ۴:۱۰۶) اور ابن ابی لیلیٰ جوضعیف اور صاحب اوہام ہیں: قاسم سے وہ اپنے ابا عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے اور وہ اپنے ابا حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، یہ روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے، اور یہ بھی منقطع ہے کیونکہ عبدالرحمٰن کا بھی لقاء وسماع اپنے ابا حضرت ابن مسعود سے نہیں۔

ترجمہ: اسحاق بن منصورؒ کہتے ہیں: میں نے امام احمدؒ سے پوچھا: جب متعاقدین اختلاف کریں اور گواہ نہ ہوں (تو فیصلہ کس طرح ہوگا؟) انھوں نے فرمایا: مبیع کے مالک کا یعنی بائع کا قول معتبر ہوگا (اور یہ فیصلہ مشتری کو منظور نہ ہوتو) دونوں فریق اپنے اپنے عوض پھیرلیں (اور بیع فسخ کردیں) اسحاق کہتے ہیں: دریں چہ شک! یعنی مسئلہ یہی ہے جو امام احمدؒ نے بیان فرمایا —— اس کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: جہاں بھی القولُ قولُ فلان آئے تو اس پر قسم ہوگی یعنی اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، بعض تابعین سے جن میں قاضی شریح شامل ہیں اسی طرح کی بات (یہی قاعدہ) مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ

ضرورت سے زائد پانی بیچنے کا حکم

حدیث (۱): ایاس بن عبداللہ مُزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا۔

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ دریاؤں، نہروں اور سمندروں کا پانی مباح الاصل ہے، ہر شخص کو اس سے استفادے کا حق حاصل ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا مباح پانی کو اپنے برتن میں یا اپنی ٹنکی میں سمیٹ لے تو وہ اس پانی کا مالک ہوجاتا ہے، اب اس پانی کو فروخت کرنا جائز ہے، اور حدیث باب میں جو پانی کو بیچنے کی ممانعت ہے وہ اس قسم کے پانی کے بارے میں نہیں ہے، اور اپنے ذاتی کنویں کا پانی فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر علماء اس پانی کو بھی مباح الاصل قرار دیتے ہیں، مگر میری رائے یہ ہے کہ اپنے کنویں کا پانی مملوکہ ہے اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے اور مذکورہ حدیث میں ممانعت مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے جن لوگوں کے پاس زیادہ جانور ہوتے تھے وہ اپنے جانوروں کو پلانے کے لئے چراگاہ میں کنواں کھود لیتے تھے، نبی ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا: اگر کوئی شخص تمہارے کنویں سے اپنے جانوروں کو پانی پلانا چاہے اور پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو تو اس کو منع نہ کرو، کسی کو پانی سے روکنا یا اس سے پانی کی قیمت وصول کرنا مروّت وانسانیت کے خلاف ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچا ہوا پانی نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعے گھاس روک لی جائے''

تشریح: سرکاری چراگاہ کی خودرو گھاس مباح الاصل ہے، ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، پس سرکاری

چراگاہ میں جس نے اپنے جانوروں کی سیرابی کے لئے کنواں کھودا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو اس گھاس سے روکے، اور نہ کوئی حیلہ کرنا جائز ہے، مثلاً ایک شخص کنویں کے اردگرد کی گھاس اپنے جانوروں کے لئے خاص کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ لوگوں کو کنویں کے پانی سے منع کرتا ہے، جب جانور پانی پینے کے لئے نہیں آئیں گے تو گھاس خود بخود محفوظ ہو جائے گی۔ نبی ﷺ نے ایسا حیلہ کرنے سے منع کیا، معلوم ہوا کہ پانی فروخت کرنا تو فی نفسہ جائز ہے مگر گھاس کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں۔ اگر کنویں کا پانی مباح الاصل ہوتا اور اس کو بیچنا ممنوع ہوتا تو حدیث میں فضل (زائد) کی قید نہ ہوتی، کیونکہ جو چیز مباح الاصل ہے وہ ضرورت کے بقدر ہو یا ضرورت سے زائد ہر صورت میں اس کی بیع ممنوع ہے۔

غرض دونوں حدیثیں سرکاری چراہ گاہ میں جو کنویں کھودے جاتے ہیں ان کے بارے میں ہیں اور پہلی حدیث میں ممانعت مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے اور دوسری حدیث میں گھاس بچانے کے لئے حیلہ کرنے کی ممانعت ہے۔

فائدہ: ابوداؤد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزوں میں مسلمان شریک ہیں: گھاس، پانی اور آگ میں'' اس حدیث کی وجہ سے علماء فرماتے ہیں: یہ تینوں چیزیں مباح الاصل ہیں، ان کو بیچنا یا ان سے کسی کو روکنا جائز نہیں، اگر چہ وہ چیزیں مملوکہ زمین میں اور مملوکہ کنویں میں ہوں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ مملوکہ زمین کی گھاس اور پانی: زمین اور کنویں کے مالک کی ملک ہے، اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ کا مذکورہ ارشاد ایک غزوہ (جنگ) کے موقع کا ہے، ابوداؤد میں اس کی صراحت ہے (حدیث ۳۴۷۷) پس اس حدیث کا محمل سرکاری جنگل کی گھاس اور چشموں اور نہروں کا پانی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فوج کسی جگہ پڑاؤ کرتی ہے، اور پڑاؤ ایسی جگہ کرتی ہے جہاں گھاس پانی کی سہولت ہو تو فوج کے سربراہ کی طرف سے آگ کا لاوا روشن کیا جاتا تھا، کیونکہ اس زمانہ میں ہر شخص بسہولت آگ نہیں جلا سکتا تھا، چق ماق پتھر سے آگ روشن کی جاتی تھی، پھر فوجی اس میں سے آگ لے کر اپنے چولھے جلاتے تھے مگر کبھی ہوتا یہ تھا کہ بعض لوگ پانی پر اور گھاس پر قبضہ جما لیتے تھے اور دوسروں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیتے تھے، اور بعض لوگ اس لاوے پر ہی کھانا پکانے لگتے تھے، اس لئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان تینوں چیزوں میں سب لوگ شریک ہیں، ہر شخص کو ان سے استفادہ کا حق ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو ان سے منع کرے، پس یہ حدیث خاص آگ، پانی اور گھاس کے بارے میں ہے، عام نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی اعتراض کرے کہ قاعدہ ہے: **العبرة لعموم اللفظ لالخصوص المورِد**: یعنی اگر نص کے الفاظ عام ہوں تو حکم عام ہوتا ہے، مورِد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، پس مذکورہ ارشاد اگرچہ کسی غزوہ کے موقع کا ہے مگر چونکہ الفاظ عام ہیں اس لئے حکم عام ہوگا اور دنیا کی ہر گھاس، آگ اور پانی کا یہی حکم ہوگا۔

تو جواب: یہ ہے کہ یہ قاعدہ بیشک صحیح ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم مورِد کی حد تک عام ہوتا ہے، حاجی

بہلول کے پجامے جتنا عام نہیں ہوتا اور اس حدیث کا مورد خاص جنگل کی گھاس اور خاص آبشاروں اور نہروں کا پانی ہے، کیونکہ جب نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا تو فوج کسی خاص جنگل میں قیام پذیر تھی، مگر یہ حکم اس بیابان کے ساتھ خاص نہیں دنیا کے تمام جنگلوں کی گھاس اور پانی کا یہی حکم ہے، مگر ذاتی زمین کی گھاس اور ذاتی کنویں کے پانی کا یہ حکم نہیں، کیونکہ وہ حدیث کے مورد کے عموم میں شامل نہیں۔

اور میں نے جو رائے قائم کی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہ کا طے شدہ ضابطہ ہے کہ مملوکہ شی کے زوائد مملوک ہوتے ہیں جیسے آم کے درخت پر بارش کے پانی سے پھل آئے تو وہ درخت کے مالک کے مملوکہ ہیں، پس مملوکہ زمین میں جو گھاس خود بخود اگتی ہے وہ مملوکہ زمین کے زوائد ہیں، پس زمین کا مالک اس کا بھی مالک ہوگا اور جب وہ اس گھاس کا مالک ہے تو وہ اس کو بیچ سکتا ہے، یہی حکم کنویں کے پانی کا ہے، البتہ سرکاری زمین میں جو خودرو گھاس ہوتی ہے اس کا کوئی مالک نہیں، کیونکہ زمین کا کوئی مالک نہیں، پس نہ صرف یہ کہ اس کو فروخت کرنا یا کسی کو اس سے روکنا جائز نہیں بلکہ اس گھاس کو اپنے لئے ریزرو کرنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا بھی جائز نہیں۔

غرض باب کی پہلی حدیث مکارم اخلاق (مروّت وحسن سلوک) کے باب سے ہے اور دوسری حدیث میں گھاس روکنے کے لئے حیلہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ان حدیثوں سے ہر پانی اور ہر گھاس کے مباح الاصل ہونے پر استدلال کرنا شاید درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

ملحوظہ: کوئی بھی شخص اس کا روادار نہیں ہوتا کہ اپنی مملوکہ زمین کی خودرو گھاس دوسرے کو لینے دے، مفتی بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا، پس صرف قبرستان کی گھاس فتوے کا مصداق باقی رہتی ہے، کیونکہ مردے کسی کی ٹانگ نہیں پکڑ سکتے، اور کوئی بھی مسئلہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ اس پر کوئی بھی عمل نہ کر سکے!؟

لطیفہ: حاجی بہلول: ایک مجذوب تھے، صرف پجامہ پہنتے تھے، اور پائینچے باندھ لیتے تھے، اور جو بھی کوئی چیز دیتا: نیفے سے اس میں ڈال لیتے تھے، خواہ روٹی ہو، دال ہو، کیلا ہو یا پیسہ ہو۔

[٤٤-] باب ماجاء في بيع فضل الماء

[١٢٥٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا دَاوُدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَطَّارُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ إِيَاسِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ قَالَ: نَهَى النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْمَاءِ.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَبُهَيْسَةَ، عَنْ أَبِيْهَا، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

حديثُ إِيَاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُمْ كَرِهُوْا بَيْعَ الْمَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ بَيْعِ

الْمَاءِ، مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ.

[۱۲۵۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَايُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جو پانی کی بیع کو جائز کہتے تھے تو اس کی تفصیل مروی نہیں کہ برتنوں کے پانی کی بیع کو جائز کہتے تھے یا کنویں کے پانی کی بیع کو بھی جائز کہتے تھے، مگر جمہور کے قول سے مقابلہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ وہ کنویں کے پانی کی بیع کو بھی جائز کہتے ہونگے۔ واللہ اعلم

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِيَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ

بجار (سانڈ) کی اجرت جائز نہیں

فَحْل: کے معنی ہیں: سانڈ، بجار، وہ نر جو نسل کشی کے لئے ہوتا ہے، اور عَسْب کے معنی ہیں: اجرت، مگر یہ لفظ بجار کی اجرت کے لئے خاص ہے ـــــ بجار کی اجرت ناجائز ہے کیونکہ مادہ پر جست کرنے سے حمل ٹھہرا یا نہیں یہ بات معلوم نہیں، پس منفعت مجہول ہے اس لئے اجارہ فاسد ہے، البتہ نذرانہ جائز ہے، یعنی اگر کوئی شخص بجار کے گھاس دانہ وغیرہ کے لئے پیسے دے یا بجار کے مالک کو ہدیہ دے یا اس کی عزت افزائی کرے تو یہ جائز ہے، جیسے تراویح کی اجرت جائز نہیں مگر نذرانہ جائز ہے یعنی کمیٹی کے حضرات مسجد کے فنڈ سے یا چندہ کر کے کچھ دیں یہ تو جائز نہیں لیکن اگر کوئی مصلّی اپنی طرف سے امام صاحب کی خدمت کرے اور ہدیہ دے تو جائز ہے۔

[٤٥-] باب ماجاء فی کَرَاهية عَسْبِ الْفَحْلِ

[۱۲۵۸-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، وَأَبُوْ عَمَّارٍ، قَالَا: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ عُلَيَّةَ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ الْحَكَمِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

وفي الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي سَعِيْدٍ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ فِي قَبُوْلِ الْكَرَامَةِ عَلٰى ذٰلِكَ.

[۱۲۵۹-] حدثنا عَبْدَةُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بنُ آدَمَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ حُمَيْدٍ الرُّؤَاسِيِّ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ كِلَابٍ سَأَلَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ، فَنَهَاهُ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! إِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي الْكَرَامَةِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بنِ حُمَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بجار کی اجرت سے منع فرمایا ——— حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ کلاب کے ایک شخص نے نبی ﷺ سے بجار کی اجرت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اس کو منع کیا، پس اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نرکو (مادہ پر) جست کراتے ہیں، پس ہم نذرانہ دیئے جاتے ہیں پس آپؐ نے ان کو نذرانہ قبول کرنے کی اجازت دی (أَكْرَمَ فلانًا: عزت کرنا، تعظیم کرنا۔ الكَرَامَة: عزت، لفلان عليَّ كرامة: فلاں کی میرے دل میں عزت ہے، نذرانہ بھی معزز شخص کو دیا جاتا ہے اس لئے یہ ترجمہ کیا گیا ہے)

بابُ ماجاء في ثَمَنِ الْكَلْبِ

کتے کی قیمت کا حکم

صاحب ہدایہ کے نزدیک ہر کتے کی بیع جائز ہے اور جب کتے کی بیع جائز ہے تو ثمن حلال ہے، اور علامہ سرخسیؒ کے نزدیک جو صاحب ہدایہ کے استاذ الاستاذ ہیں: صرف معلَّم کتے کی بیع جائز ہے یعنی وہ کتا جس کو کوئی فن سکھایا گیا ہو اس کی بیع جائز ہے، اور غیر معلَّم کتے کی بیع ناجائز ہے۔ علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے اس رائے کو پسند کیا ہے۔

دوسری بات: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، پس اس کی بیع اور ثمن کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر کتے کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تو کتے کا جھوٹا پاک ہے اور ایک غیر صحیح روایت اس کی حلت کی بھی ہے، پس اس کی بیع اور ثمن دونوں حلال ہونگے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کتے کی بیع کے عدم جواز پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا، مگر جب ان سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ نے تو بلی کی قیمت سے بھی منع فرمایا ہے حالانکہ وہ آپؒ کے نزدیک جائز ہے؟ پس انھوں نے جواب دیا کہ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ شریعت چاہتی ہے کہ بلی مباح الاصل رہے، لیکن اگر کسی کو بلّی کی ضرورت ہو اور مفت نہ ملے تو خرید سکتا ہے، پس یہی جواب کتے کی قیمت کی ممانعت کا بھی دیا جاسکتا ہے یعنی شریعت کتے کو بھی مباح الاصل رکھنا چاہتی ہے لیکن اگر مجبوری ہو تو کتے کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس کا ثمن حلال ہے، مگر کتوں کا کاروبار کوئی پسندیدہ کاروبار نہیں۔

بہ الفاظ دیگر: کچھ پیشے اور خرید وفروخت اگرچہ فی نفسہ جائز ہوتی ہے مگر شریعت اس کو پسند نہیں کرتی، مثلاً کمانے کا پیشہ یعنی بیت الخلاء صاف کرنے کا پیشہ، اسی طرح پچھنے لگانے کا پیشہ اور بدن کی چمپی کرنے کا پیشہ جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس میں نجاست سے قرب ہے، گندہ خون بار بار منہ میں لینا پڑتا ہے اور ننگا پے پر نظر پڑتی ہے، مگر جائز پیشہ ہے۔ ابوطیبہؓ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے ہیں اور آپؐ نے ان کو اجرت میں دو صاع غلہ دیا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ پیشہ جائز ہے، پھر بھی آپؐ نے اس پیشہ سے منع فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ!

میرا غلام پچھنے لگانا جانتا ہے پس کیا میں اس سے یہ دھندا کراسکتا ہوں؟ آپؐ نے منع فرمایا۔ اس نے دوسری مرتبہ پوچھا: آپؐ نے پھر منع کیا، اس نے تیسری مرتبہ پوچھا تو آپؐ نے اجازت دی اور فرمایا: وہ جو اجرت لائے اسے خود نہ کھانا بلکہ اپنی اونٹنی کو اور اپنے غلام کو کھلا دینا، حالانکہ جانوروں کو اور غلاموں کو وہی چیز کھلا سکتے ہیں جو اپنے لئے حلال ہے اور جو اپنے لئے حلال نہیں وہ جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، نہ غلاموں کو کھلانا جائز ہے، پس معلوم ہوا کہ پچھنے لگانے کی اجرت جائز ہے مگر یہ کام پسندیدہ نہیں، اسی طرح کچھ بیوع ہیں مثلاً کتے اور بلی کی خرید و فروخت اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر چونکہ یہ کاروبار پسندیدہ نہیں اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

[٤٦-] باب ماجاء في ثمن الكلب

[١٢٦٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، ح: وحَدَّثَنَا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ الأَنْصَارِيِّ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، ومَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٢٦١-] حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ قَارِظٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ؛ أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيْثٌ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وابنِ عَبَّاسٍ، وابنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ جَعْفَرٍ.

حديثُ رَافِعٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوْا ثَمَنَ الْكَلْبِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ.

وضاحت: باب میں جو حدیث ہے وہ کتاب النکاح باب ۳۵ میں گذر چکی ہے، تفصیل وہاں دیکھ لی جائے، باقی تفصیل اگلے ابواب میں آرہی ہے —— اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے وہ کتے کے ثمن کو ناجائز کہتے ہیں اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء نے شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی ہے۔

بابُ ماجاء في كَسْبِ الْحَجَّامِ

پچھنے لگانے والے کی آمدنی کا حکم

حدیث: حضرت مُحَیِّصَة رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پچھنے لگانے والے کے اجارہ کی اجازت طلب کی،

آپؐ نے ان کو منع فرمایا۔ پس وہ برابر پوچھتے رہے اور اجازت طلب کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: ''وہ اجرت اپنی پانی بردار اونٹنی اور اپنے غلام کو کھلا دینا'' ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجام کی اجرت اگرچہ جائز ہے مگر یہ پیشہ اچھا نہیں اس لئے کہ پچھنے لگانے والا اپنے منہ سے انسان کا گندہ اور ناپاک خون چوس کر پھینکتا ہے، جس کی وجہ سے آپؐ نے اس پیشے کو پسند نہیں فرمایا۔

[٤٧-] باب ماجاء فی کسب الحجام

[١٢٦٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنِ ابنِ مُحَيِّصَةَ أَخِي بَنِيْ حَارِثَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فِيْ إِجَارَةِ الْحَجَّامِ، فَنَهَاهُ عَنْهَا، فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ، وَيَسْتَأْذِنُهُ، حَتَّى قَالَ: " اعْلِفْهُ نَاضِحَكَ، وَأَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ"

وفي الباب: عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وَأَبِيْ جُحَيْفَةَ، وَجَابِرٍ، وَالسَّائِبِ، حديثُ مُحَيِّصَةَ حديثٌ حسنٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالَ أَحْمَدُ: إِنْ سَأَلَنِيْ حَجَّامٌ نَهَيْتُهُ، وَآخُذُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

لغات: النَّاضِح: آب پاشی کے لئے پانی لے جانے والا اونٹ وغیرہ ـــــ الحَجَّامُ: پچھنے لگانے والا، سینگی لگانے والا، سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنے والا (یہ ایک طریقہ علاج تھا)

ترجمہ: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی مجھ سے پوچھے: میں یہ پیشہ کروں؟ تو میں اس کو منع کروں گا اور میں اس حدیث کو لونگا (اس حدیث کو تمام علماء لیتے ہیں بایں معنی کہ یہ گندہ پیشہ ہے)

بابُ ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِيْ كَسْبِ الْحَجَّامِ

پچھنے لگانے والے کی آمدنی کا جواز

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے اور آپؐ کے پچھنے ابوطیبہ نے لگائے، پس آپؐ نے اس کو دو صاع غلہ دینے کا حکم فرمایا اور (اس کی درخواست پر) آپؐ نے اس کے آقاؤں سے بات کی اور اس کا خراج کم کرادیا یعنی اس کے آقاؤں نے اس پر جو آمدنی لازم کی تھی اس کو کم کرادیا اور فرمایا: ''پچھنے لگوانا بہترین طریقہ علاج ہے'' ـــــ أفضل اور أمثل کے ایک معنی ہیں۔ نبی ﷺ نے کونسا لفظ بولا تھا یہ راوی کو یاد نہیں رہا۔

تشریح: یہ حدیث پچھنے لگانے کی آمدنی کی جواز کی دلیل ہے، اس لئے کہ قاعدہ ہے: إجازةُ الشيئِ إجازةٌ لِمَا يُحَصِّلُه یعنی اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے تو جو اس کا موقوف علیہ ہوتا ہے اس کی خود بخود اجازت ہو جاتی ہے۔ جب نبی ﷺ نے پچھنے لگانے کو بہترین علاج قرار دیا تو پچھنے لگوانا جائز ہوا، پس اس کی اجرت بھی جائز ہوئی چنانچہ

آپؐ نے ابوطیبہ کو بہ طور اجرت دو صاع غلہ دیا۔

[٤٨-] باب ماجاء في الرخصة في كسب الحجام

[١٢٦٣-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ؟ فَقَالَ أَنَسٌ: احْتَجَمَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، وَحَجَمَهُ أَبُوْ طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ، وَقَالَ:" إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ" أَوْ:"إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةَ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عَبَّاسٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ كَسْبِ الْحَجَّامِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ

بلی اور کتے کی قیمت کی کراہیت

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کتے اور بلی کے ثمن سے منع فرمایا پس ان کی خرید وفروخت ممنوع قرار پائی۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی اور اس کی اجرت کھانے سے منع فرمایا —— کتاب کے شروع میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک سلسلۂ بیان میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، یہ اس کی ایک مثال ہے۔ بلی کا کھانا حرام ہے اور اجرت کھانے کی حرمت اس سے ہلکی ہے یعنی اختیار اولیٰ کے طور پر ممانعت ہے۔

ملحوظہ: اس باب میں کتے کا ذکر اللہ جانے محفوظ ہے یا نہیں، کیونکہ پہلے باب ۴۶ میں اس کا تذکرہ آچکا ہے۔

[٤٩-] باب ماجاء في كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الكلبِ والسنور

[١٢٦٤-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، وَعَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: ثَنَا عِيْسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهٰى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ.

هٰذَا حديثٌ فِيْ إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، عَنْ جَابِرٍ، وَاضْطَرَبُوْا عَلَى الأَعْمَشِ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيْثِ.

وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ ثَمَنَ الْهِرِّ، وَرَخَّصَ فِيْهِ بَعْضُهُمْ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَرَوَى ابنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ هٰذَا الوَجْهِ.

[١٢٦٥-] حدثنا يَحْيَى بنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثنا عُمَرُ بنُ زَيْدٍ الصَّنْعَانِيُّ، عَنْ أَبِيْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ نَهٰى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَكْلِ الْهِرِّ وَثَمَنِهِ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَعُمَرُ بنُ زَيْدٍ: لَانَعْرِفُ كَبِيْرَ أَحَدٍ رَوَى عَنْهُ، غَيْرَ عَبْدِ الرَّزَّاقِ.

وضاحت: پہلی حدیث میں اعمش کے بعد اختلاف ہے کہ انھوں نے یہ حدیث ابوسفیان سے سنی ہے یا نہیں؟ نیز ابن فضیل اس حدیث کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، مگر بیہقی کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث علی شرط مسلم ہے —— اور دوسری حدیث میں عمر راوی ٹھیک نہیں وہ مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے اور عبد الرزاق صنعانی کے علاوہ اس سے کوئی بڑا آدمی روایت نہیں کرتا، اس لئے یہ دونوں روایات تو صحیح نہیں، مگر مسلم شریف میں روایت ہے کہ ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے کتے اور بلی کے ثمن کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس سے جھڑکا یعنی ممانعت کی، یہ روایت صحیح ہے۔

بابٌ

معلّم کتے کی بیع جائز ہے

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کتے کے ثمن سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کو مستثنیٰ کیا (پس جس کتے کو کوئی فن سکھایا گیا ہو اس کی خرید وفروخت جائز ہے) جاننا چاہئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ابو الْمُهَزَّم جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دس سال رہے ہیں: ضعیف ہیں، علماء نے ان کی تضعیف کی ہے۔

[٥٠-] باب

[١٢٦٦-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ الْمُهَزَّمِ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، إِلَّا كَلْبَ الصَّيْدِ.

هٰذَا حديثٌ لَايَصِحُّ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَأَبُوْ الْمُهَزَّمِ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ سُفْيَانَ، وَتَكَلَّمَ فِيْهِ شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ، وَرُوِيَ عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوُ هٰذَا، وَلَايَصِحُّ إِسْنَادُهُ أَيْضًا.

وضاحت: حضرت جابرؓ کی حدیث نسائی (حدیث ۴۶۶۸) میں ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر معلوم نہیں کیوں امام نسائی نے اس کو منکر کہا ہے اور امام ترمذیؒ بھی یہی فرمار ہے ہیں کہ اس کی سند صحیح نہیں۔ فاللہ اعلم

بابُ ماجاء فی کَراهِيَةِ بَيعِ الْمُغَنِّيَاتِ

گانے بجانے والی باندیوں کی خرید وفروخت ممنوع ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گانے والی باندیوں کو نہ تو بیچو اور نہ خریدو (قَیْنَات: قَیْنَةٌ کی جمع ہے اور یہ لفظ گانے والی باندی کے لئے خاص ہے) اور نہ ان کو گانا سکھاؤ اور ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں، اور ان کی قیمت حرام ہے، اور اسی طرح کے معاملات میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ''بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو گمراہ کریں (لقمان آیت ۶)

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی باندیوں کو گانا بجانا سکھاتے تھے پھر وہ باندیاں بھاری داموں پر فروخت ہوتی تھیں، شریعت مطہرہ نے نہ صرف یہ کہ باندیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینے سے منع کیا بلکہ اس کی خرید وفروخت اور اس کے ثمن کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ وہ باندیاں لہو الحدیث یعنی اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں، لہٰذا ہر وہ کھیل جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو اس کا یہی حکم ہے، مثلاً: ٹی وی دیکھنا، ناول اور افسانہ پڑھنا، کرکٹ دیکھنا، کومنٹری سننا وغیرہ سب لہو الحدیث ہیں اور حرام ہیں۔ طلبہ کو اس سے غایت درجہ اجتناب کرنا چاہئے، خاص طور پر کرکٹ کا کھیل تو ایسا منحوس کھیل ہے کہ جس کو اس کے کھیلنے کی یا دیکھنے سننے کی عادت پڑگئی وہ کبھی پڑھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اللّٰھم احفظنا منہ!

فائدہ: یہاں سے صاحبین رحمہما اللہ نے یہ سمجھا ہے کہ جو چیز معصیت کا ذریعہ ہو اس کی خرید وفروخت اور اجارہ وغیرہ حرام ہے، اگرچہ فاعلِ مختار کا فعل متخلل ہو یعنی درمیان میں آئے، مگر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بیع جائز ہے، کیونکہ اس کو معصیت میں استعمال کرنے والا فاعلِ مختار ہے، پس بائع سے اس کی نسبت منقطع ہوجائے گی اور علماء نے کہا ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے، اور تقوی صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں ہے۔

[۵۱-] باب ماجاء فی کراهیة بیعِ الْمُغَنِّیَاتِ

[۱۲۶۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا بَكْرُ بنُ مُضَرَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ زَحْرٍ، عَنْ عَلِيِّ بنِ يَزِيْدَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَاتَبِيْعُوْا الْقَيْنَاتِ، وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ، وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ، وَلَا خَيْرَ فِيْ تِجَارَةٍ فِيْهِنَّ، وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ، فِيْ مِثْلِ هٰذَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ

مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ إِلىٰ آخِرِ الآيَةِ.
وَفِی الْبَابِ: عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، حديثُ أَبِیْ أُمَامَةَ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِیْ عَلِیِّ بنِ يَزِيْدَ، وَضَعَّفَهُ، وَهُوَ شَامِیٌّ.

وضاحت: یہ حدیث اولاً تو صحیح نہیں، علی بن یزید کو امام بخاریؒ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، پھر اس کی تاویل ممکن ہے کہ آپؐ نے اعانت علی المعصیت کی وجہ سے اختیار اولیٰ کے طور پر ممانعت فرمائی ہو، پس یہ حدث امام اعظم رحمہ اللہ کے خلاف نہیں۔

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ أَنْ يُّفَرَّقَ بَيْنَ الأَخَوَيْنِ أَوْ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فِی الْبَيْعِ

دو بھائیوں اور ماں اور بچے کو الگ الگ بیچنا ممنوع ہے

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان (بیع میں یا ہبہ میں) جدائی کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان جدائی کریں گے''

حدیث (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے دولڑکے بخشے جو بھائی تھے، میں نے ایک کو بیچ دیا، آپؐ نے پوچھا: علی! دوسرا لڑکا کیا ہوا؟ میں نے آپؐ کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا: اس کو واپس لاؤ! اس کو واپس لاؤ!!''

تشریح: ماں اور اس کے چھوٹے بچے میں، اسی طرح دو بھائیوں یا دو بہنوں میں یا بھائی بہن میں جبکہ دونوں یا ایک چھوٹا ہو: بیع یا ہبہ میں جدائی کرنا وحشت کا سبب ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے، البتہ اگر بچہ سمجھدار اور خود کفیل ہو اور ماں راضی ہو تو تفریق جائز ہے، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے باندی اور اس کے بچہ کے درمیان بیع میں جدائی کی، تو لوگوں نے اعتراض کیا پس آپ نے فرمایا: ''میں نے اس کی ماں سے اجازت لے لی تھی''

[۵۲-] باب ماجاء فی كراهية أن يُفَرَّقَ بين الأَخَوَيْنِ أو بين الوالدة وولدها فی البيع

[۱۲۶۸-] حدثنا عُمَرُ بنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِیُّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِیْ حُيَیُّ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ أَيُّوْبَ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: ''مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا: فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ!'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۲۶۹-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِیٍّ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِیٍّ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ مَيْمُوْنَ بنِ أَبِیْ شَبِيْبٍ، عَنْ عَلِیٍّ، قَالَ: وَهَبَ لِیْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه

وسلم غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا، فَقَالَ لِيْ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " يَا عَلِيُّ! مَافَعَلَ غُلَامُكَ؟" فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: " رُدَّهُ! رُدَّهُ!!"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمُ التَّفْرِيْقَ بَيْنَ السَّبْيِ فِي الْبَيْعِ.

وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي التَّفْرِيْقِ بَيْنَ الْمُوَلَّدَاتِ الَّذِيْنَ وُلِدُوْا فِيْ أَرْضِ الإِسْلَامِ، وَالْقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ.

وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ: أَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فِي الْبَيْعِ، فَقِيْلَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: إِنِّيْ قَدِ اسْتَأْذَنْتُهَا فِيْ ذٰلِكَ، فَرَضِيَتْ.

ترجمہ: صحابہ وغیرہ بعض اہل علم قیدیوں کے درمیان بیع میں جدائی کرنے کو مکروہ کہتے ہیں یعنی جنگ میں جب کسی عورت کو باندی بنایا جائے اور کسی فوجی کو دیا جائے تو اس کا بچہ بھی اسی کو دیا جائے، ماں اور بچے کے درمیان جدائی نہ کی جائے۔ اور بعض اہل علم نے ان بچوں کے درمیان جو دارالاسلام میں پیدا ہوئے ہیں جدائی کی اجازت دی (وہ کہتے ہیں: جو بچے دارالاسلام میں پیدا ہوئے ہیں وہ محلہ کے بچوں کے ساتھ مانوس ہوجاتے ہیں، پس جدائی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر یہ رائے صحیح نہیں، کیونکہ بچہ کو ماں کے ساتھ جو انسیت ہوتی ہے وہ دوسرے کے ساتھ نہیں ہوتی) اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ماں اور اس کے بچہ کے درمیان جدائی کی تو ان پر اس سلسلہ میں اعتراض ہوا تو انھوں نے فرمایا: میں نے بچہ کی ماں سے اجازت لی تھی پس وہ جدائی پر راضی ہوگئی تھی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا

غلام خریدا اور اس سے آمدنی کی پھر عیب کی وجہ سے اس کو لوٹا دیا تو آمدنی کس کی؟

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک نزاع میں) یہ فیصلہ فرمایا کہ آمدنی ذمہ داری کے عوض میں ہے، یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے: اَلْغُنْمُ بِالْغُرْمِ یعنی فائدہ تاوان کے بدلے میں ہے۔ دونوں حدیثوں کا ایک مفہوم ہے کہ جو مبیع کا ذمہ دار ہے وہی آمدنی کا مالک ہے، مثلاً ایک شخص نے غلام یا گھوڑا خریدا پھر اس غلام کو مزدوری پر لگایا اور آمدنی کی یا گھوڑے کو کرایہ پر دیا پھر چھ ماہ کے بعد مشتری نے گھوڑے میں یا غلام میں کوئی ایسا عیب پایا جس کی وجہ سے مشتری کو خیار عیب حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس نے سودا ختم کردیا پس چھ ماہ کی آمدنی مشتری کی ہوگی، کیونکہ نفع نقصان برداشت کرنے کے عوض میں ملتا ہے، اگر چھ مہینے کے درمیان غلام

یا گھوڑا مر جاتا تو مشتری کا نقصان ہوتا پس نفع بھی اسی کا ہوگا۔ یہ حدیث فقہ کا ایک بنیادی ضابطہ ہے اس پر بے شمار مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

[٥٣-] باب ماجاء فيمن يشترى العبد ويَسْتَغِلُّهُ ثم يجد به عيباً

[١٢٧٠-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا عُثْمَانُ بنُ عُمَرَ، وَأَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، عَنِ ابنِ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ مَخْلَدِ بنِ خُفَافٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَضَى: "أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[١٢٧١-] حدثنا أَبُوْ سَلَمَةَ يَحْيىَ بنُ خَلَفٍ، ثَنَا عُمَرُ بنُ عَلِيٍّ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى: "أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ"

وَهٰذَا حديثٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، واسْتَغْرَبَ مُحمدُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بنِ عَلِيٍّ.

وَقَدْ رَوَى مُسْلِمُ بنُ خَالِدٍ الزَّنْجِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، وَرَوَاهُ جَرِيْرٌ عَنْ هِشَامٍ أَيْضًا، وَحَدِيْثُ جَرِيْرٍ يُقَالُ: تَدْلِيْسٌ دَلَّسَ فِيْهِ جَرِيْرٌ، لَمْ يَسْمَعْهُ مِنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ.

وَتَفْسِيْرُ الْخَرَاجِ بِالضَّمَانِ: هُوَ الرَّجُلُ الَّذِىْ يَشْتَرِى الْعَبْدَ فَيَسْتَغِلُّهُ، ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا، فَيَرُدُّهُ عَلَى الْبَائِعِ، فَالْغَلَّةُ لِلْمُشْتَرِىْ، لِأَنَّ الْعَبْدَ لَوْ هَلَكَ: هَلَكَ مَنْ مَالِ الْمُشْتَرِىْ، وَنَحْوُ هٰذَا مِنَ الْمَسَائِلِ: يَكُوْنُ فِيْهِ الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ.

وضاحت: یہ حدیث پہلی سند سے صحیح ہے، مصری نسخہ میں حسن کے بعد صحیح بھی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں فرمایا ہے: صَحَّحه الترمذی ــــــ پہلی سند میں مخلد: حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسری سند میں ہشام: حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اس سند کی بھی تصحیح کی ہے مگر ساتھ ہی ہشام کی سند سے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو ہشام سے صرف عمر بن علی روایت کرتے ہیں، مگر امام ترمذیؒ نے عمر بن علی کے دو متابع پیش کئے ہیں: ایک مسلم بن خالد، دوسرے جریر، یہ دونوں بھی ہشام سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں مگر جریر کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ انھوں نے سند میں تدلیس کی ہے یعنی استاذ کا نام چھپایا ہے، انھوں نے براہ راست یہ حدیث ہشام سے نہیں سنی، تاہم مسلم بن خالد کی متابعت سالم رہتی ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ترجمہ: الخراجُ بالضمان کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا پھر اس کو کسی کام میں لگایا پھر اس میں کوئی عیب پایا تو آمدنی مشتری کی ہے اس لئے کہ اگر غلام ہلاک ہوتا تو مشتری کا نقصان ہوتا اور اس قسم کے بہت سے مسائل میں آمدنی نقصان کے ذمہ دار کی ہوتی ہے۔

لغات: الخَرَاج (بفتح الخاء) زمین کی پیداوار، یہاں مراد مطلق آمدنی ہے —— الضَّمَان (بفتح الضاد) ذمہ داری، گارنٹی، تاوان —— اسْتَغَلَّ: آمدنی طلب کرنا غَلَّةٌ: آمدنی س، ت، طلب کے لئے ہیں —— اسْتَغْرَبَ: بہت ہی غریب سمجھا س، ت مبالغہ کے لئے ہیں۔

بابُ ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِیْ أَکْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّبِهَا

پھلوں کے پاس سے گذرنے والا پھل کھا سکتا ہے

کوئی شخص کسی پھل دار درخت کے پاس سے گذرے تو کیا وہ نیچے گرے ہوئے یا درخت پر لگے ہوئے پھل کھا سکتا ہے؟ یا بکریوں کے ریوڑ کے پاس سے گذرے تو ان کا دودھ پی سکتا ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرف میں جو چیزیں بے حیثیت ہیں اور جن میں توسع برتا جاتا ہے ان کو مالک کی اجازت کے بغیر کھا پی سکتا ہے اور جو چیزیں عزیز (پیاری) ہیں ان کو بے اجازت نہیں کھا سکتا۔ میری طالب علمی کے زمانہ تک آم کے پھلوں میں توسُّع برتا جاتا تھا جب کوئی طالب علم کسی باغ میں جاتا تو باغبان خود شوق سے اس کو پھل کھلاتا اور معاوضہ کی بات کی جاتی تو ناراض ہو جاتا، ایسی جگہوں میں جو پھل گرے ہوئے ہیں ان کو بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے۔ مگر اب صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے، اب کوئی باغ کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا، اس لئے اب بغیر اجازت گرے ہوئے پھل کھانا بھی جائز نہیں۔ غرض مسئلہ کا مدار عرف پر ہے، جہاں کا عرف یہ ہو کہ باغ کا مالک پھل کھانے سے منع نہ کرتا ہو وہاں پھل توڑ کر کھانا بھی جائز ہے اور جس علاقہ میں گرے ہوئے پھل کھانے کی اجازت ہو، درخت سے توڑنے کی اجازت نہ ہو وہاں گرا ہوا پھل کھا سکتے ہیں، درخت پر سے توڑ کر کھانا جائز نہیں۔ اور جس علاقہ میں کسی بھی قسم کے پھل کھانے کی اجازت نہ ہو، نہ گرے ہوئے اور نہ درخت پر لگے ہوئے، وہاں کوئی بھی پھل کھانا جائز نہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کھجوروں کے باغ میں آئے (حائط: کے اصل معنی ہیں: دیوار، عرب کھجوروں کے باغ کے اردگرد پتھروں کی چہار دیواری بناتے تھے، اس لئے اس کے مجازی معنی باغ کے ہو گئے) پس چاہئے کہ وہ کھائے اور پلّہ نہ بھرے''، یعنی پلّے میں بھر کر پھل گھر نہ لے جائے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ سے لٹکائی ہوئی کھجوروں کے بارے میں پوچھا گیا (جب کھجور پکنے کے قریب آتی ہے تو خوشہ کاٹ کر باغ میں دھوپ میں کسی جگہ لٹکا دیتے ہیں وہ وہاں لٹکی لٹکی پک جاتی ہے اور سوکھ کر چھوہارے بن

جاتی ہے، یہ الشمر المعلق ہے اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟) آپؐ نے فرمایا: ''اگر مجبور اور فاقہ مست کھائے اور پلہ بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ نہیں'' نہ ضمان، نہ چوری کی سزا، کیونکہ اس نے جو پھل کھایا ہے وہ غیر محفوظ ہے پس ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ضمان اس لئے واجب نہیں ہوگا کہ وہ شخص مجبور اور فاقہ مست ہے، پس مرتا کیا نہ کرتا! البتہ اگر پھل چرا کر گھر لے گیا تو اگرچہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دوہرا ضمان واجب ہوگا، اور دوہرے ضمان کی روایت ابوداؤد میں ہے (حدیث نمبر ۴۳۹۰ کتاب الحدود، باب مالاقطع فیه)

حدیث (۳): رافع بن عمروؓ کہتے ہیں: میں انصار کے کھجور کے درختوں پر پتھر مارا کرتا تھا، انھوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، آپؐ نے فرمایا: اے رافع! لوگوں کے درختوں پر پتھر کیوں مارتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بھوک سے مجبور ہو کر ایسا کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: پتھر مت مار اور جو کھجوریں نیچے گری ہوں وہ کھا (پھر آپؐ نے مجھے دعا دی) اللہ تجھے شکم سیر کرے اور تجھے سیراب کرے۔

[٥٤-] باب ماجاء في الرخصة في أَكْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّ بها

[١٢٧٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، ثَنَا يَحيىَ بنُ سُلَيمٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ، وَلَايَتَّخِذْ خُبْنَةً"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَبَّادِ بنِ شُرَحْبِيلَ: وَرَافِعِ بنِ عَمْرٍو، وَعُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ يَحْيىَ بنِ سُلَيْمٍ.

وَقَدْ رَخَّصَ فِيْهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لِابْنِ السَّبِيْلِ فِيْ أَكْلِ الثِّمَارِ، وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ إِلَّا بِالثَّمَنِ.

[١٢٧٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ؟ فَقَالَ: "مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ، غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً، فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[١٢٧٤-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ الْخُزَاعِيُّ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنْ صَالِحِ بنِ أَبِيْ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ رَافِعِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: كُنْتُ أَرْمِيْ نخلَ الْأَنْصَارِ، فَأَخَذُوْنِيْ، فَذَهَبُوْا بِيْ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "يَارَافِعُ! لِمَ تَرْمِيْ نَخْلَهُمْ؟" قَالَ قُلْتُ: يَارسولَ اللهِ! الْجُوْعُ، قَالَ: "لَاتَرْمِ، وَكُلْ مَاوَقَعَ، أَشْبَعَكَ اللهُ وَأَرْوَاكَ!" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ.

لغت: خُبْنَة: دامن یا تہبند موڑ کر پلہ بنانا، بغل یا آستین میں چھپانے کے لئے بھی یہی لفظ ہے۔

بابُ ماجاء فی النَّهْیِ عَنِ الثُّنْيَا

بیع میں استثناء کی ممانعت

ثُنیا: دنیا کے وزن پر بمعنی استثناء ہے، اگر بیع میں کوئی استثناء کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس پر عقد وارد ہوسکتا ہے اس کا استثناء بھی ہوسکتا ہے، اور ہر وہ چیز جس پر عقد وارد نہیں ہوسکتا اس کا استثناء بھی نہیں ہوسکتا، مثلاً: بکریوں کے ریوڑ میں سے تعیین کے بغیر دس بکریاں بیچنا جائز نہیں کیونکہ بکریوں کے افراد میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے اس لئے مبیع کی تعیین کے وقت جھگڑا ہوگا، پس ریوڑ میں سے دس بکریوں کا استثناء کرنا بھی جائز نہیں، یہاں بھی جھگڑے کا احتمال ہے، مشتری دبلی اور مریل بکریاں علحدہ کرے گا اور بائع اچھی بکریاں چھانٹے گا، اور ریوڑ میں سے دس بکریاں متعین کر کے فروخت کرنا جائز ہے، پس متعین دس بکریوں کا استثناء بھی جائز ہے، اور گیہوں کے ڈھیر میں سے بغیر تعیین کئے پانچ کلو گیہوں بیچنا جائز ہے، کیونکہ گیہوں کے دانوں میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا، پس ڈھیر میں سے پانچ کلو کا استثناء بھی جائز ہے۔

[۵۵-] باب ماجاء فی النهی عن الثُّنْيَا

[۱۲۷۵-] حدثنا زِيَادُ بنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا عَبَّادُ بنُ الْعَوَّامِ، أَخْبَرَنِی سُفْيَانُ بنُ حُسَيْنٍ، عَنْ يُوْنُسَ بنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رسولَ الله صلی الله لعيه وسلم نَهَی عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخابَرَةِ، وَالثُّنْيَا، إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، مِنْ حَدِيثِ يُوْنُسَ بنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ.

نوٹ: بیع محاقلہ اور مزابنہ کا بیان گذر چکا اور مخابرہ کا بیان آگے آئے گا۔

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتّٰی يَسْتَوْفِيَهُ

طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں

یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے۔ اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تمام منقولات کا یہی حکم ہے اور غیر منقولات یعنی جائداد اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے۔

[٥٦-] باب ماجاء فی کراهية بيع الطعام حتى يستوفيه

[١٢٧٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَايَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ" قَالَ ابنُ عباسٍ: وَأَحْسَبُ كُلَّ شَيْئٍ مِثْلَهُ.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوْا بَيْعَ الطَّعَامِ حَتَّى يَقْبِضَهُ الْمُشْتَرِىْ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْمَنِ ابْتَاعَ شَيْئًا مِمَّا لَايُكَالُ وَلَا يُوْزَنُ، مِمَّالَا يُؤْكَلُ وَلَا يُشْرَبُ: أَنْ يَبِيْعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفِيَهُ، وَإِنَّمَا التَّشْدِيْدُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الطَّعَامِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی کھانے کی چیز (یہ قید اتفاقی ہے) خریدی تو اس کو نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میرے خیال میں تمام چیزوں کا یہی حکم ہے، یعنی طعاماً کی قید اتفاقی ہے ـــــــ اس پر اکثر علماء کا عمل ہے وہ طعام کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں تا آنکہ اس پر مشتری قبضہ کرلے، اور بعض اہل علم نے اس شخص کو اجازت دی جس نے کوئی ایسی چیز خریدی جو نہ ناپی جاتی ہے اور نہ تولی جاتی ہے، ان چیزوں میں سے جو نہ کھائی جاتی ہیں اور نہ پی جاتی ہیں یعنی غیر طعام خریدا تو وہ اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتا ہے اور ممانعت علماء کے نزدیک طعام ہی میں ہے اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے (اس پوری عبارت میں صرف ائمہ ثلاثہ کا مذہب بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت طعام کے ساتھ خاص ہے، دیگر چیزیں، خواہ منقولات ہوں یا جائدادیں جو نہ مکیلی ہیں نہ موزونی، نہ وہ کھائی جاتی ہیں نہ پی جاتی ہیں ان کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے)

بابُ ماجاءَ فی النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ

دوسرے کے سودے پر سودا کرنے کی ممانعت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی کسی کے سودے پر سودا نہ کرے، اور تم میں سے کوئی کسی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے"

تشریح: مبیع جب تک معرض بیع میں ہو ہر شخص خریدنے کی پیش کش کرسکتا ہے مگر جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل پڑا اور بائع کا مشتری کی طرف میلان ہوگیا تو اب دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت نہیں، مزید تفصیل کتاب النکاح باب ۳۶ میں گذر چکی ہے۔

[۵۷-] باب ماجاء فی النهی عن البیع علی بیع أخیه

[۱۲۷۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "لَايَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلٰى خِطْبَةِ بَعْضٍ"

قَالَ: وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَسَمُرَةَ، حدیثُ ابنِ عُمَرَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۱۲۷۸-] وَرُوِیَ عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " لَايَسُوْمُ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ"
وَمَعْنَى الْبَيْعِ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، عَنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، هُوَ السَّوْمُ.

وضاحت: پہلی حدیث میں جو لایبیع آیا ہے اس سے مراد لایَسُوْمُ ہے، جس کے معنی ہیں: بھاؤ تاؤ کرنا کیونکہ جب ایک کے ساتھ بیع ہو چکی تو اب دوسرے کے ساتھ بیع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے مجازی معنی لینے ضروری ہیں۔

بابُ ماجاء فی بَيْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ ذٰلِكَ

شراب کی خرید وفروخت ممنوع ہے

شراب بالاجماع حرام ہے اور اس کی بیع باطل ہے، کیونکہ شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں، اور اگر شراب ثمن بن سکتی ہو تو بیع فاسد ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیع میں ایک طرف سامان ہو اور دوسری طرف ثمن تو سامان کا مبیع ہونا متعین ہے، ثمن مبیع نہیں بن سکتا، کیونکہ وہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ بیع میں واسطہ ہوتا ہے، اور اگر دونوں طرف سامان ہو تو ہر ایک مبیع اور ثمن بن سکتا ہے، اور اس کا نام بیع مقایضہ ہے، پس اگر شراب کی بیع ثمن (زر، رقم) کے بدلے میں ہو تو چونکہ شراب کا مبیع ہونا متعین ہے اور شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں، اس لئے یہ بیع باطل ہے اور اگر شراب سے بکری خریدی تو یہاں چونکہ ہر ایک ثمن بھی بن سکتا ہے اور مبیع بھی اس لئے یہ بیع فاسد ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں نے یتیم بچوں کے لئے جو میری پرورش میں ہیں، شراب خریدی تھی (اور اب شراب کی حرمت کا اعلان ہو گیا ہے، پس میں وہ شراب کیا کروں؟ اگر پھینکتا ہوں تو یتیم بچوں کا مال ضائع ہوتا ہے اور اس کی قرآن میں ممانعت آئی ہے) آپؐ نے فرمایا: ''شراب پھینک دو اور مٹکے توڑ دو'' یعنی شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں پس یہ یتیم کے مال کو ضائع کرنا نہیں۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا شراب کا سرکہ بنا سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں''

تشریح: یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے کیونکہ باب شراب کی بیع کے عدم جواز میں ہے مگر مصری نسخہ میں اس حدیث سے پہلے باب ہے، ہمارے نسخہ میں چونکہ یہاں باب نہیں اس لئے بے ربطی محسوس ہوتی ہے، اور اگر مصری نسخہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر حدیث کا باب سے تعلق یہ ہے کہ شراب کو نہ فروخت کرنا جائز ہے اور نہ کسی اور طرح سے کارآمد بنانا جائز ہے، اس دوسری بات کی وضاحت کے لئے یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں۔

اور شراب کو سرکہ بنانے کا حکم پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا جائز ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شراب میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنانا تو ناجائز ہے اور سرکہ ناپاک ہے لیکن اگر کوئی چیز ڈالے بغیر جگہ تبدیل کر کے سرکہ بنایا تو جائز ہے اور پاک ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے تین قول ہیں: راجح قول یہ ہے کہ شراب کو سرکہ بنانا تو جائز نہیں لیکن اگر خود بخود شراب سرکہ بن جائے تو اسے کھا سکتے ہیں، یعنی امام احمدؒ کے علاوہ تینوں ائمہ فی الجملہ شراب کو سرکہ بنانے کے جواز کے قائل ہیں۔

اور مذکورہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ امام احمدؒ کی دلیل ہے، مگر ہم نے پہلے یہ بات عرض کی ہے کہ یہ دورِ اول کی بات ہے، جب شراب حرام کی گئی تھی، اس وقت چونکہ شراب کی محبت عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس لئے اس وقت اگر کسی بھی عنوان سے گھر میں شراب رکھنے کی اجازت دی جاتی تو لوگ اس کو بہانہ بنا کر شراب پیتے، اس لئے نبی ﷺ نے نہ صرف سرکہ بنانے سے منع کیا بلکہ شراب کے مٹکے بھی تڑوا دیئے، کیونکہ جو شخص بیڑی چھوڑنا چاہتا ہے اس کے لئے ماچس رکھنا بھی جائز نہیں، اگر جیب میں ماچس ہوگی تو جب بھی ماچس بجے گی بیڑی یاد آئے گی۔

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے تعلق سے دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے: (۱) شراب نچوڑنے والے پر (یہ مجاز ہے مراد انگور نچوڑنے والا ہے) (۲) شراب (انگور) نچڑوانے والے پر یعنی سیٹھ پر جس کے لئے نوکر انگور نچوڑتے ہیں (۳) شراب پینے والے پر (۴) شراب اٹھانے والے پر (علماء فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جو دوکان سے شراب خرید کر گھر لے جاتا ہے، رکشہ اور ریڑھے والا مراد نہیں مگر اس میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ اگر رکشہ یا ریڑھے والا صرف شراب لاد کر لے جا رہا ہے تو وہ بھی ملعون ہے اور اگر کوئی آدمی رکشہ میں بیٹھا ہے اور اس کے تھیلے میں شراب ہے تو یہ حاملھا کا مصداق نہیں) (۵) جس کے لئے شراب اٹھا کر لائی جا رہی ہے یعنی سیٹھ (۶) شراب پلانے والے ساقی پر (۷) شراب بیچنے والے دوکاندار پر (۸) شراب کا ثمن کھانے والے پر (جس کی کل یا اکثر آمدنی شراب سے ہو اس کے یہاں دعوت کھانا بھی شراب کا ثمن کھانا ہے) (۹) شراب خریدنے والے پر (۱۰) جس کے لئے شراب خریدی جا رہی ہے —— علماء نے فرمایا کہ ان دس میں حصر نہیں، جو بھی شراب بنانے میں یا نقل و حمل میں حصہ دار ہے وہ سب لوگ ملعون ہیں۔

[٥٨-] باب ماجاء في بيع الخمر، والنهي عن ذلك

[١٢٧٩-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ لَيْثًا يُحَدِّثُ عَنْ يَحْيىَ بنِ عَبَّادٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ، أَنَّهُ قَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! إِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِأَيْتَامٍ فِيْ حِجْرِيْ؟ قَالَ: " أَهْرِقِ الْخَمْرَ، وَاكْسِرِ الدِّنَانَ"

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وابنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ.

حديثُ أَبِيْ طَلْحَةَ: رَوَى الثَّوْرِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ السُّدِّيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ عَبَّادٍ، عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ كَانَ عِنْدَهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ اللَّيْثِ.

[١٢٨٠-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ السُّدِّيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ عَبَّادٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُتَّخَذُ الْخَمْرُ خَلًّا؟ قَالَ: "لَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٢٨١-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُنِيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَاصِمٍ، عَنْ شَبِيْبِ بنِ بِشْرٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَعَنَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً: عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَشَارِبَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وآكِلَ ثَمَنِهَا، وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا، وَالْمُشْتَرَاةَ لَهُ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ حديثِ أنسٍ، وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وابنِ عُمَرَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: پہلی حدیث کی پہلی سند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: یہ صحیح نہیں، صحیح سند ثوریؒ کی ہے، وہ سدّی سے، وہ یحیٰ سے، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت انسؓ: حضرت ابوطلحہؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں (خیال رہے: دوسری حدیث (نمبر ۱۲۸۰) جو سفیان ثوریؒ: سدّی سے روایت کرتے ہیں: وہ مراد نہیں، وہ مستقل علحدہ حدیث ہے) —— حدیث نمبر ۱۲۸۰ سے پہلے مصری نسخہ میں یہ باب ہے: باب النهي أن يُتَّخَذَ الخمرُ خلاً۔

بابُ ماجاء في احْتِلَابِ الْمَوَاشِيْ بِغَيْرِ إِذْنِ الْأَرْبَابِ

مالکان کی اجازت کے بغیر مویشیوں کو دوہنے کا حکم

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مویشیوں کے پاس سے گذرے (اور دودھ پینا

چاہے) تو اگر مالک ساتھ ہو تو اس سے اجازت لے، اگر وہ اجازت دے تو دودھ نکال کر پیئے اور اگر مالک موجود نہ ہو تو تین مرتبہ آواز دے، اگر کوئی جواب دے تو اس سے اجازت لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ نکال کر پیئے اور ساتھ نہ لے جائے''

تشریح: یہ مسئلہ ابھی باب ۵۴ میں گذرا ہے۔ اس مسئلہ کا مدار عرف پر ہے جس علاقہ میں مویشیوں کے مالک کی طرف سے اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسافر بھوکا ہو اور اس کو دودھ کی ضرورت ہو تو وہ دودھ دوہ سکتا ہے، ان علاقوں میں اجازت کے بغیر بھی دودھ دوہنا جائز ہے اور جہاں ایسا عرف نہ ہو وہاں اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں۔

[۵۹-] باب ماجاء فی احْتلَابِ الْمَواشی بغیرِ إذنِ الأَرْباب

[۱۲۸۲-] حدثنا أَبُوْ سَلَمَةَ يَحْيىَ بنُ خَلَفٍ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلٰى، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ عَلٰى مَاشِيَةٍ، فَإِنْ كَانَ فِيْهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ، فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا أَحَدٌ فَلْيُصَوِّتْ ثَلاَثًا، فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ، فَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ، وَلْيَشْرَبْ وَلاَ يَحْمِلْ"

وَفِيْ الْبَابِ: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، حديثُ سَمُرَةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُوْلُ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

وَقَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ: سَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ سَمُرَةَ صَحِيْحٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحديثِ فِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، وَقَالُوْا: إِنَّمَا يُحَدِّثُ عَنْ صَحِيْفَةِ سَمُرَةَ.

وضاحت: حضرت سمرہؓ کی حدیثیں ان کے کسی شاگرد نے ایک کاپی میں جمع کی تھیں اور وہ سو حدیثیں تھیں، بعض محدثین نے اس صحیفہ سے روایتیں کی ہیں، اور حضرت حسن بصریؒ کے تعلق سے بھی یہی بات بعض لوگ کہتے ہیں مگر یہ بات صحیح نہیں۔ حسن بصریؒ نے حضرت سمرہؓ سے براہ راست حدیثیں سنی ہیں، ان کے صحیفہ سے روایتیں نہیں کی، اکابر محدثین: امام بخاریؒ، ابن المدینیؒ اور امام ترمذیؒ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰ میں دیکھیں۔

بابُ ماجاء فی بَيْعِ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ وَالأَصْنَامِ

مردار کی کھال اور مورتیوں کی خرید وفروخت کا حکم

شریعت میں مردار، مورتی، خنزیر اور شراب قطعاً حرام ہیں ان سے کسی بھی طرح انتفاع جائز نہیں، شراب اور خنزیر تو نجس العین ہیں اور مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں اور مورتی کی بیع اس لئے ممنوع ہے کہ اس کی عبادت کی

جاتی ہے، اور مردار ناپاک ہے، البتہ اس کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے، مگر دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مردار کی کھال کی بیع مطلقاً جائز ہے اور باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ نبی ﷺ ایک مردہ بکری پر سے گذرے، آپؐ نے اس کے مالکوں سے کہا: هَلَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِإِهَابِهَا؟ آپ لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مردار ہے، آپؐ نے فرمایا: ''اس کا کھانا ہی تو حرام ہے'' (بخاری حدیث ۲۲۲۱) إهاب: کچی کھال کو کہتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نبی ﷺ نے اجازت دی ہے اور انتفاع کی دو ہی صورتیں ہیں: رنگ کر یا رنگوا کر استعمال کی جائے یا فروخت کردی جائے، کیونکہ بیچ کر ثمن حاصل کرنا بھی اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

اور اب اس زمانہ میں یہ مسئلہ بہت اہم ہوگیا ہے، چمڑے سے لاکھوں چیزیں تیار ہوتی ہیں اور ان کو رنگنے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں، عام لوگ اول تو رنگنا نہیں جانتے پھر ہاتھ سے رنگنے میں اور مشین سے رنگنے میں بڑا فرق پڑتا ہے، اور چمڑا رنگنے کے کارخانے پچاس فیصد مسلمانوں کے ہیں اور کارخانہ تک چمڑا پہنچتے پہنچتے دسیوں مرتبہ بکتا ہے پس اگر آج بھی یہی فتوی دیا جائے کہ دباغت سے پہلے چمڑا بیچنا جائز نہیں تو بہت دشواری پیش آئے گی، اس لئے آج کے حالات کی رعایت کر کے مفتیان کرام امام بخاری رحمہ اللہ کے قول پر فتوی دیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

البتہ جو مسلمان مردار کا ٹھیکہ لیتے ہیں وہ جائز نہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم ٹھیکہ نہیں لیں گے تو غیر مسلم لیں گے اور وہ آگے بڑھ جائیں گے، یہ بات قابل التفات نہیں، اس لئے کہ غیر مسلم تو شراب اور خنزیر بھی بیچتے ہیں پس کیا اس کی وجہ سے مسلمان کے لئے بھی شراب اور خنزیر کا بیچنا جائز ہوجائے گا؟

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو فتح مکہ کے دن مکہ میں (دورانِ تقریر) یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور مورتیوں کی خرید وفروخت کو حرام کیا ہے، سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں مردار کی چربی کے بارے میں بتائیں، کیونکہ اس سے کشتی لیپی جاتی ہے، اور وہ چمڑوں پر لگائی جاتی ہے اور اس سے لوگ چراغ جلاتے ہیں؟ (سائل یہ کہنا چاہتا ہے کہ چونکہ مردار کی چربی کا استعمال بہت زیادہ ہے، اس لئے آپ اس کا استثناء فرمادیں) نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، مردار کی چربی حرام ہے'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کا ناس کریں! اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انھوں نے چربی پگھالی پھر اس کو بیچا اور اس کا ثمن کھایا''

تشریح: جانور کے پیٹ میں سے چربی کا جو پردہ نکلتا ہے جو گوشت سے علحدہ ہوتا ہے یہود پر وہ چربی حرام کی گئی تھی اور جو چربی گوشت سے لگی ہوئی ہوتی ہے وہ حرام نہیں کی گئی تھی، مگر یہود اس حرام چربی کو پگھال کر فروخت کیا

کرتے تھے اور کہتے تھے: ہم چربی نہیں کھاتے وہ ہمارے لئے حرام ہے بلکہ ہم اس کی قیمت کھاتے ہیں اور وہ ہم پر حرام نہیں، جیسے یہود پر سنیچر کے دن شکار کرنا حرام تھا وہ جمعہ کے دن نہر کے قریب گھڑا کھود لیتے، پھر جب سنیچر میں اس میں مچھلی آجاتی تو راستہ روک دیتے، پھر اتوار کے دن ان کو پکڑ لیتے اور کہتے: ہم نے سنیچر میں شکار نہیں کیا، اتوار میں کیا ہے۔ یہ حرام کو حلال کرنے کا حیلہ تھا، اسی طرح مردار کی چربی بھی مردار ہے اور اس کی کھال بھی اس کا جزء ہے اس لئے حرام ہے، مگر اول میں کوئی اختلاف نہیں اور ثانی میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور ان کی دلیل بھی حدیث ہے، پس اگر مفتی اس قول پر فتوی دے تو یہ حیلہ نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حرام کو حلال کرنے کے لئے کوئی حیلہ کیا جائے تو وہ حرام حلال نہیں ہوتا، بدستور حرام ہی رہتا ہے۔

فائدہ: حرام کو حلال کرنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا تو جائز نہیں، البتہ حرام سے بچنے کے لئے حیلہ کرنے کی گنجائش ہے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں جو حیلہ کیا جاتا ہے وہ حرام کو حلال کرنے کے لئے ہے یا حرام سے بچنے کے لئے؟ اس میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے، مثلاً ہندوستان میں جو مسلم فنڈ ہیں ان میں قرض پر سود لینے کے لئے یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ قرض خواہ کو ایک فارم خرید کر بھرنا ہوتا ہے اور قرض کی مقدار کے لحاظ سے اس فارم کی قیمت مختلف ہوتی ہے، مسلم فنڈ والے کہتے ہیں: ہم نے سود نہیں لیا بلکہ فارم کی قیمت لی ہے اور ان کو بعض علماء نے یہ فتوی دیا ہے کہ حرام سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کیا جا سکتا ہے، مگر چند سال پہلے دیوبند میں محمود ہال میں ایک سیمنار ہوا تھا اس میں تمام مفتیانِ کرام نے بالاتفاق طے کیا تھا کہ یہ حیلہ حرام کو حلال کرنے کے لئے ہے اور جائز نہیں، جو شخص قرض لے رہا ہے اس کے حق میں چاہے حرام سے بچنے کے لئے حیلہ ہو مگر مسلم فنڈ کے حق میں بالیقین حرام کو حلال کرنے کے لئے حیلہ ہے اور اس کی قطعاً گنجائش نہیں، البتہ مفتیانِ کرام نے سروس چارج لینے کی اجازت دی تھی، مگر مسلم فنڈوں نے اس پر اب تک عمل شروع نہیں کیا، معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔

[٦٠-] باب ماجاء فی بیع جُلود المیتةِ والأَصْنَامِ

[١٢٨٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِىْ حَبِيْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِىْ رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ سَمِعَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْفَتْحِ، وَهُوَ بِمَكَّةَ، يَقُوْلُ:" إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ، وَالْخِنْزِيْرِ، وَالأَصْنَامِ" فَقِيْلَ: يارسولَ الله! أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدَّهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ قَالَ:" لَا، هُوَ حَرَامٌ" ثُمَّ قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ ذٰلِكَ:" قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ! إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ

الشُّحُوْمَ فَأَجْمَلُوْهُ، ثُمَّ بَاعُوْهُ، فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ"
وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، حديثُ جَابِرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

لغت: أَجْمَلَ الشَّحْمَ: چربی کو پگھلانا...... والعمل علی هذا: یعنی جمہور کے نزدیک مردار کی کھال اور مورتی بیچنا جائز نہیں۔

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ الرُّجُوْعِ مِنَ الْهِبَةِ

ہبہ کرکے واپس لینا مکروہ ہے

اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دیدے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملک ہوجاتی ہے، اب واہب اس ہبہ کردہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع موجود ہوتو رجوع نہیں کرسکتا اور اگر ساتوں موانع موجود نہ ہوں تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع ہوسکتا ہے، مگر مکروہ ہے، پھر کراہت تنزیہی کا بھی قول ہے اور کراہت تحریمی کا بھی، اور تحریمی والا قول راجح ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے ہبہ کرکے واپس لینے والے کو اس کتے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی قی چاٹ لیتا ہے۔

اور وہ سات موانع یہ ہیں: زیادتِ متصلہ، موت، عوض، خروج، زوجیت، قرابت محرّمہ اور ہلاکت۔ ان کا مجموعہ: دَمْعٌ خزَقَةٌ ہے۔ د: سے مراد زیادتِ متصلہ ہے مثلاً کتاب ہبہ کی، موہوب لہ نے اس کی جلد بنوالی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا کیونکہ موہوبہ چیز میں زیادتی ہوگئی، اور وہ زیادتی موہوبہ چیز کے ساتھ متصل ہے، پس نہ تو اس کے ساتھ رجوع کرسکتا ہے کہ وہ زیادتی واہب کی نہیں ہے، اور نہ اس کے بغیر رجوع کرسکتا ہے کہ زیادتی متصل ہے ــــ اور م: سے مراد موت ہے یعنی اگر مرہوب لہ مرجائے تو رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ع سے مراد عوض ہے یعنی کسی کو کوئی چیز ہبہ کی موہوب لہ نے اس کو ہبہ کا عوض دیدیا یعنی اس نے بھی جواباً کوئی چیز ہبہ کردی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور خ: سے مراد خروج ہے یعنی موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک سے نکل گئی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ز: سے مراد زوجیت ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو ہبہ کریں تو علاقۂ زوجیت کی وجہ سے رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ق: سے مراد قرابت محرّمہ ہے یعنی اگر واہب اور موہوب لہ میں ایسا رشتہ ہو کہ ان کا باہم نکاح کبھی نہ ہوسکتا ہو جیسے بھائی بہن تو بھی رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اور ہ: سے مراد ہلاک ہے یعنی اگر موہوبہ چیز ہلاک ہوجائے تو اب رجوع نہیں ہوسکتا ــــ اگر ان سات موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہوتو کراہت تحریمی کے ساتھ رجوع ہوسکتا ہے مگر تراضی طرفین یا قضائے قاضی شرط ہے۔

حنفیہ کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الواهبُ أحقُّ بِهِبَتِهِ مَالَمْ يُثَبْ: یعنی ہبہ کرنے والا اپنی موہوبہ چیز کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کو ہبہ کا عوض نہ دیدیا جائے، معلوم ہوا کہ اگر موہوبہ چیز کا عوض دیدیا جائے تو رجوع نہیں ہوسکتا، دیگر موانع کے بارے میں احادیث اعلاء السنن میں ہیں، خواہش مند حضرات وہاں دیکھیں۔

اور باب میں جو دو حدیثیں ہیں وہ حنفیہ کے خلاف ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل ہیں، یہاں صرف ان کو سمجھنا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر باپ نے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تو وہ واپس لے سکتا ہے، باپ کے علاوہ کسی بھی شخص کے لئے موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، نہ قضاءً نہ دیانۃً۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیں اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے: ہبہ واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا قی کرتا ہے پھر اس کو چاٹ لیتا ہے —— کتے کو جب کوئی مردار ملتا ہے تو بے تحاشا کھاتا ہے یہاں تک کہ چلنا دشوار ہوجاتا ہے پس وہ قی کر کے خود کو ہلکا کرلیتا ہے پھر جب اس کو کھانا نہیں ملتا اور خوب بھوکا ہوتا ہے اور اپنی قی پر گذرتا ہے تو اسی کو کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے —— امام شافعیؒ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ہبہ واپس لینے والے کو اس کتے کی مثال قرار دیا ہے اور اس بری مثال کا مصداق بننے سے منع فرمایا ہے، پس معلوم ہوا کہ موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی حدیث میں کراہت کے ساتھ رجوع کے جواز کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ کتا اپنی قی کھا کر شکم سیر ہوجاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ رجوع ہوسکتا ہے مگر یہ غایت درجہ بری بات (مکروہ تحریمی) ہے پس ہم میں سے کسی کو بھی اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے اور ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں لینی چاہئے، لیکن اگر باہمی رضامندی سے یا قاضی کے فیصلہ سے واپس لے تو رجوع صحیح ہے، وہ اس چیز کا مالک ہوجائے گا۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز ہبہ کرے پھر اسے واپس لے مگر باپ نے بیٹے کو جو ہبہ کیا ہے وہ اس کو واپس لے سکتا ہے'' —— امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں صراحت ہے کہ باپ کے علاوہ کسی کے لئے بھی ہبہ واپس لینا جائز نہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں لاتَحِلُّ کا استثناء کرنا مقصود ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کو کچھ دے کر واپس لے تو یہ رجوع جائز ہے، کیونکہ باپ بیٹوں میں ایسا ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے، مثلاً کہیں سے چند لنگیاں آئیں میں نے بچوں میں تقسیم کردیں، پھر اتفاق سے مجھے لنگی کی ضرورت ہوئی تو میں کہتا ہوں: اگر کسی کے پاس لنگی زائد ہو تو مجھے دیدو میری لنگی پھٹ گئی ہے، چنانچہ جس کے پاس لنگی زائد ہوتی ہے وہ لاکر دیدیتا ہے، وہ میری ہی دی ہوئی ہوتی ہے، پس یہ رجوع نہیں یہ تو سرپرست ہونے کی حیثیت سے لینا ہے اس میں ادنی کراہیت نہیں کیونکہ جب بچے کو ضرورت ہوگی، میں ہی لاکر دوں گا، اس طرح شوہر نے ایک چادر لاکر بیوی کو دی پھر ضرورت پیش آئی تو واپس لے لی یہ رجوع نہیں، بے تکلفی میں ایسا ہوتا ہے۔ غرض مذکورہ حدیث میں ہبہ کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ لاتَحِلُّ

سے استثناء ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کو کچھ دے کر واپس لینا رجوع نہیں، اس لئے ایسا کرنا جائز ہے، علاوہ ازیں لاتحلُّ کے معنی لاتجوزُ کے ہیں اور احناف کے یہاں بھی ہبہ واپس لینا جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے۔

[٦١-] باب ماجاء في كراهية الرجوع من الهبة

[١٢٨٤-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، ثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ: الْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ!"

[١٢٨٥-] وفي الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ:" لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً، فَيَرْجِعَ فِيْهَا، إِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِي وَلَدَهُ" حَدَّثَنَا بذلِكَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا يُحَدِّثُ عَنِ ابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ: يَرْفَعَانِ الْحَدِيْثَ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هذَا الْحَدِيْثِ عَنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، قَالُوْا: مَنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيْ هِبَتِهِ، وَمَنْ وَهَبَ هِبَةً لِغَيْرِ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ، فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيْهَا، مَالَمْ يُثَبْ مِنْهَا، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيْهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهُ، وَاحْتَجَّ الشَّافِعِيُّ بِحديثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيْهَا، إِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهُ"

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کا عمل ہے وہ فرماتے ہیں: جس نے کسی ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس کے لئے ہبہ واپس لینا جائز نہیں۔ اور جس نے غیر ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو وہ اس کو واپس لے سکتا ہے جب تک کہ وہ اس کا عوض نہ دیا جائے اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو کوئی ہدیہ دے پھر اس کو واپس لے لے مگر والد اس چیز کو جو اس نے اپنی اولاد کو دی ہے واپس لے سکتا ہے، اور امام شافعیؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو کچھ ہدیہ دے پھر رجوع کرلے مگر باپ نے اپنی اولاد کو جو دیا ہے وہ اس کو واپس لے سکتا ہے''

بابُ ماجاء في العَرَايَا والرُّخصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

بیع عَرِیّہ کی روایات اوراس کا جواز

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں پیش کی ہیں اور تینوں اعلی درجہ کی صحیح ہیں۔

پہلی حدیث: محمد بن اسحاق: نافع سے، وہ حضرت ابن عمرؓ سے، اور وہ حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ کی ممانعت فرمائی مگر آپؐ نے عرایا (عطایا) والوں کے لئے اجازت دی کہ وہ درخت کے پھلوں کو بیچیں ان کے اندازے کے مانند (چھوہاروں) کے عوض یعنی درخت کے پھلوں کا اندازہ کریں اور ان کے برابر چھوہارے لے لیں۔

تشریح: یہ روایت محمد بن اسحاق کا وہم ہے، نافع کے دوسرے مضبوط شاگرد: ایوب سختیانی، عبید اللہ عمری اور امام مالک: نافع سے اس طرح روایت نہیں کرتے بلکہ وہ حدیث کے دونوں مضمون علحدہ علحدہ کرتے ہیں، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ کی ممانعت فرمائی (ابن عمر یہ مضمون براہ راست نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں) پھر ابن عمرؓ: زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پانچ وسق سے کم میں عرایا کی اجازت دی۔ یعنی یہ مضمون ابن عمرؓ براہ راست نبی ﷺ سے روایت نہیں کرتے بلکہ حضرت زید کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے، سالم سے امام زہری بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں (بخاری حدیث ۲۱۸۳و۲۱۸۴)

دوسری حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ وسق سے کم میں (یا اس کے مانند فرمایا) بیع عریہ کی اجازت دی (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع احناف کے نزدیک: تین کلو ایک سو اڑتالیس گرام کا ہوتا ہے پس پانچ وسق نو ہزار چوالیس کلو چار سو گرام ہونگے، یعنی تقریباً دس کوئنٹل۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک صاع: دو کلو ایک سو بہتر گرام کا ہوتا ہے پس پانچ وسق چھ ہزار اکیاون کلو چھ سو گرام ہونگے یعنی تقریباً ساڑھے چھ کوئنٹل)

تشریح: یہ امام مالک رحمہ اللہ کی داؤد بن الحصین سے روایت ہے اس کے آخر میں أو: کذا آیا ہے یعنی أو قال کذا یعنی نبی ﷺ نے في مادون خمسةِ أوسُقٍ فرمایا یا اس کے مانند فرمایا۔ یہ ایسا ہی جملہ ہے جیسا حدیث پڑھنے کے بعد بعض علماء کہا کرتے ہیں: أو کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث کے الفاظ بعینہ یہی ہیں یا اس سے ملتے جلتے ہیں —— یہ درحقیقت داؤد بن الحصین کا شک ہے کہ نبی ﷺ نے في خمسة أوسقٍ فرمایا یا في مادون خمسة أوسق فرمایا۔ چنانچہ شوافع نے احتیاطاً پانچ وسق سے کم میں عرایا کی اجازت دی، پانچ وسق میں اجازت نہیں دی، اور مالکیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں عریہ جائز ہے پانچ وسق میں بھی اور اس سے کم

میں بھی۔حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بخاری میں ہے (حدیث ۲۱۹۰)

تیسری حدیث: حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ کی ممانعت فرمائی، یعنی درخت پر کی کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض میں بیچنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر عرایا والوں کے لئے: پس بیشک آپؐ نے ان کے لئے اجازت دی، اسی طرح انگور کو کشمش کے عوض بیچنے سے منع فرمایا (یہ بھی بیع مزابنہ ہے) اور درخت کے ہر پھل کو اس کے اندازے سے بیچنے سے منع فرمایا (یہ بھی بیع مزابنہ ہے) (یہ روایت حضرت سہل کی سند سے بخاری میں ہے، حدیث نمبر ۲۱۹۱) اور حضرت رافع اور حضرت سہل دونوں کی سند سے مسلم میں ہے)

بیع عریہ کی تفسیریں:

بیع عریہ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں، فتح الباری اور تحفۃ الاحوذی میں دیکھی جاسکتی ہیں، میں ان میں سے تین تفسیریں بیان کرتا ہوں، مگر پہلے یہ جان لیں کہ اگر زمین میں کھڑی ہوئی کھیتی مثلاً گیہوں کا کھیت ہم جنس غلہ کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچا جائے تو یہ بیع محاقلہ ہے، اور اگر درخت پر لگے ہوئے پھل مثلاً کھجوریں اور انگور ہم جنس پھلوں کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچے جائیں تو یہ بیع مزابنہ ہے، اور دونوں بیوع ممنوع ہیں جیسا کہ پہلے بھی گذرا ہے۔

البتہ بیع عریہ مستثنیٰ ہے اور یہ استثناء متصل ہے یا منقطع؟ یعنی بیع عریہ: بیع مزابنہ میں داخل ہے یا خارج؟ اس میں اختلاف ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک داخل ہے یعنی استثناء متصل ہے۔اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک داخل نہیں اور استثناء منقطع ہے۔اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی داخل بھی ہے اور خارج بھی اور استثناء متصل بھی ہے اور منقطع بھی، اس لئے عریہ کی تین تفسیریں ہیں۔

پہلی تفسیر: کسی کے پاس چھوہارے ہیں مگر نقد پیسے نہیں ہیں، جب موسم آیا تو اس کے بچوں نے تازہ کھجوروں کے لئے اصرار کیا اس نے کسی باغ والے سے اندازہ سے برابری کر کے چھوہاروں کے عوض درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خرید لیں تو یہ بیع عریہ ہے اور پانچ وسق میں یا اس سے کم میں جائز ہے۔ نبی ﷺ نے حاجت مندوں کے لئے اس کو مشروع کیا ہے اور پانچ وسق یا اس سے کم کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ اتنی مقدار ایک گھرانے کی ضرورت کے لئے کافی ہے، یہ حضرت امام شافعیؒ کی تفسیر ہے، اس صورت میں حقیقتاً بیع مزابنہ سے استثناء ہوگا اور استثناء متصل ہوگا۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے عریہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے، اور امام شافعیؒ نے بھی کتاب الام میں یہی تفسیر کی ہے۔

دوسری تفسیر: کسی باغ والے نے اپنے باغ میں سے کسی حبیب، قریب یا غریب کو کھجوروں کے چند درخت دیئے، پھر جب کھجوروں کے پکنے کا وقت آیا تو باغ والا اپنی فیملی کے ساتھ باغ میں چلا گیا تاکہ پھلوں کی دیکھ بھال

کرسکے۔اب وہ شخص جس کو چند درخت دیئے گئے ہیں: روز باغ میں آتا ہے تاکہ درختوں پر چڑھ کر پکی ہوئی کھجوریں چن کرلے جائے ،اس کے اس طرح بار بار آنے سے مستورات کو پریشانی ہوئی ،انھوں نے شوہر سے کہا: یہ کیا مصیبت پال رکھی ہے! روز بجلی والے کھمبے پر چڑھتے ہیں [1] اور ہمیں گھنٹوں پردہ میں رہنا پڑتا ہے۔ باغ والے نے عورتوں کی پریشانی دیکھ کر اس حبیب، قریب یا غریب سے اندازہ کرکے چھوہاروں کے عوض درختوں کے پھل خرید لئے تو یہ بیع عریہ ہے اور جائز ہے، یہ حقیقتاً بیع نہیں، صرف صورۃً بیع ہے کیونکہ درخت کے پھلوں پر ابھی حبیب، قریب یا غریب کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، وہ پھل بدستور مالک کے ہیں، اس صورت میں بیع عریہ: بیع مزابنہ میں داخل نہیں اور استثناء منقطع ہے اور پانچ وسق سے کم کی شرط اس لئے لگائی کہ عشر کی اتنی ہی مقدار باغ کا مالک غرباء کو دے سکتا ہے، اگر عشر کی مقدار اس سے زیادہ ہو تو اس کو حکومت وصول کرتی ہے (عریہ کی یہ تفسیر امام مالکؒ نے کی ہے، بخاری شریف کتاب البیوع باب تفسیر العرایا میں یہ تفسیر منقول ہے۔اور امام اعظمؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے)

تیسری تفسیر: امام مالک رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ کسی باغ میں دو آدمی شریک ہیں، ایک کے نوے درخت ہیں، دوسرے کے دس، پس زیادہ درخت والا اپنی فیملی لے کر باغ میں چلا جائے گا اور کم درخت والا روز آئے گا۔اس سے زیادہ درخت والے کی عورتوں کو پریشانی ہوگی پس اگر وہ اندازے سے چھوہاروں کے عوض اپنے شریک کے درختوں کے پھل خرید لے تو یہ جائز ہے اور یہ بیع عریہ ہے اور حقیقتاً بیع مزابنہ ہے، اس صورت میں بھی استثناء متصل ہوگا۔

تشریح: عرایا: عریۃٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: عطیہ، باغ والے نے حبیب، قریب یا غریب کو جو چند درخت دیئے ہیں وہ عطیہ ہیں، ابھی موہوب لہ ان پھلوں کا مالک نہیں ہوا کیونکہ اس کا ان پر قبضہ نہیں ہوا، پس اگر وہ پھل خرید لئے جائیں تو یہ ایک عطیہ کے بدلے میں دوسرا عطیہ ہے، یہ حقیقتاً بیع نہیں، صرف بیع کی صورت ہے۔یہی امام اعظم رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے عریہ کی جو تفسیر کی ہے اس کی کوئی معقول وجہ تسمیہ بیان نہیں کی جاسکتی ان کی تفسیر پر بیع عریہ پر عطیہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، پھر ان کی تفسیر پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں، ایک: پانچ وسق ان کے نزدیک تقریباً ساڑھے چھ کوئنٹل کھجوریں ہوتی ہیں اور حنفیہ کے نزدیک تقریباً دس کوئنٹل ۔ جو ایک فیملی کی ضرورت سے بہت زیادہ ہیں، پھر اتنی بڑی مقدار کا استثناء آخر کیوں کیا گیا؟ دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر کوئی حیلہ کرے اور پانچ وسق سے کم کی چند بیعیں کرکے پورا باغ خرید لے تو یہ جائز ہوگا، پس بیع مزابنہ کی ممانعت بے فائدہ ہوکر رہ جائے گی۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ نے جو تفسیر اختیار کی ہے وہ عریہ کے لغوی معنی عطیہ سے ہم آہنگ ہے اور پانچ وسق سے کم

(۱) دیوبند میں بجلی ٹھیک کرنے والے جب بھی کھمبے پر چڑھتے ہیں تو زور سے آواز دیتے ہیں: ''پردے میں ہوجاؤ بجلی والے کھمبے پہ چڑھ رہے ہیں'' حضرت الاستاذ کے کلام میں اس کی طرف تلمیح ہے ۱۲

کی تخصیص کی وجہ ابھی بیان کی گئی کہ عشر کی اتنی ہی مقدار مالک از خود غریبوں کو دے سکتا ہے اس سے زیادہ عشر حکومت وصول کرتی ہے، تفصیل کتاب الزکاۃ میں گذر چکی ہے۔

[٦٢-] باب ماجاء في العَرَايَا، والرخصة في ذلك

[١٢٨٦-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ أَذِنَ لِأَهْلِ الْعَرَايَا أَنْ يَبِيْعُوْهَا بِمِثْلِ خَرْصِهَا.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ.

حديثُ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ هٰكَذَا رَوَى مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ هٰذَا الْحَدِيْثَ، وَرَوَى أَيُّوْبُ، وَعُبَيْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ، وَمَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ بنِ إِسْحَاقَ.

[١٢٨٧-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ مَوْلَى ابنِ أَبِيْ أَحْمَدَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ: كَذَا.

حَدَّثَنَا قتيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بنِ حُصَيْنٍ نَحْوَهُ.

وَرُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فِيْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ: فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ.

[١٢٨٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَحَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ، وأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَقَالُوْا: إِنَّ الْعَرَايَا مُسْتَثْنًى مِنْ جُمْلَةِ نَهْيِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، إِذْ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ، وَاحْتَجُّوْا بحديثِ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَحديثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَقَالُوْا: لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَادُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ.

وَمَعْنَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَرَادَ التَّوْسِعَةَ عَلَيْهِمْ فِيْ هٰذَا، لِأَنَّهُمْ شَكَوْا إِلَيْهِ، وَقَالُوْا: لَانَجِدُ مَا نَشْتَرِي مِنَ الثَّمرِ إِلَّا بِالتَّمْرِ، فَرَخَّصَ لَهُمْ فِيْمَا دُوْنَ

خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَنْ يَشْتَرُوْهَا، فَيَأْكُلُوْهَا رُطَبًا.

[۱۲۸۹–] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ كَثِيْرٍ، ثَنَا بُشَيْرُ بنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِيْ حَارِثَةَ: أَنَّ رَافِعَ بنَ خَدِيْجٍ وَسَهْلَ بنَ أَبِيْ حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ: الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، إِلَّا لِأَصْحَابِ الْعَرَايَا، فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ، وَعَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ بِالزَّبِيْبِ، وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ بِخَرْصِهَا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مَنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: سب سے پہلے امام ترمذیؒ نے محمد بن اسحاق کی روایت لکھی ہے جس میں وہم ہے، پھر یہ بیان کیا ہے کہ نافع کے مضبوط تلامذہ حدیث کے دونوں مضمون علحدہ علحدہ کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے —— پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے اس میں أَرْخَصَ (از باب افعال) آیا ہے یہ رَخَّصَ (از باب تفعیل) کے معنی میں ہے —— یہ حدیث امام ترمذیؒ نے امام مالک کے دو شاگردوں سے روایت کی ہے، زید بن حباب کی سند سے اور قتیبہ کی سند سے، پھر یہ بیان کیا ہے کہ یہ حدیث امام مالک سے شک کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس کے لئے رُوِيَ (فعل مجہول) استعمال کیا ہے مگر یہ روایت ضعیف نہیں، یہ شک والی روایت بھی بخاری (حدیث ۲۱۹۰) میں ہے —— پھر نافع کے مضبوط شاگرد ایوب سختیانی کی سند سے پہلی حدیث کا دوسرا مضمون بروایت ابن عمر عن زید بن ثابت لکھا ہے —— اس کے بعد بیع عریہ کا حکم بیان کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: بعض اہل علم کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے ان میں سے شافعی، احمد اور اسحاق ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں کہ بیع عریہ ممنوع بیع مزابنہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے (پس یہ استثناء متصل ہے) اور یہ حضرات: حضرت زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: آدمی کے لئے جائز ہے کہ پانچ وسق سے کم خریدے، اور بعض اہل علم کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس معاملہ میں لوگوں پر گنجائش کا ارادہ کیا، اس لئے کہ انھوں نے آپؐ کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں کہ ہم تازہ پھل خرید سکیں۔ صرف چھوہاروں کے بدل ہی خرید سکتے ہیں، پس آپؐ نے ان کو اجازت دی کہ وہ پانچ وسق سے کم پھل خرید سکتے ہیں، پس وہ ان پھلوں کو تازہ ہونے کی حالت میں کھائیں (اس وجہ کی طرف حضرت سہل کی حدیث (بخاری حدیث ۲۱۹۱) میں اشارہ ہے، اس میں یہ جملہ ہے: یأکلُها أهلُها رُطَبًا)

نوٹ: امام ترمذی رحمہ اللہ کی عبارت لانَجِدُ ما نشتری من الثمر إلا بالتَّمْر میں پہلا لفظ ثائے مثلثہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں تازہ پھل، یعنی درخت کی کھجوریں۔ اور دوسرا لفظ ت مثنات کے ساتھ ہے یعنی چھوہارے —— اسی طرح آخری حدیث میں بھی الثَّمَرُ بالتَّمْر ہے اور یہ بیع مزابنہ کی تفسیر ہے، یعنی درخت کی

کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض میں خریدنا بیع مزابنہ ہے۔

بابُ ماجاءَ فی كَرَاهِيَةِ النَّجَشِ

دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیشکش جائز نہیں

نجش: ج کے سکون کے ساتھ مصدر ہے اور فتح کے ساتھ اسم ہے: نَجَشَ الشيئَ الخبِيْئَةَ کے معنی ہیں: چھپی ہوئی چیز کو کرید کر نکالنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: مشتری کو دھوکہ دینے کے لئے خریدنے کی پیش کش کرنا، مثلاً میرے پاس پاکستان کی مطبوعہ ایک کتاب ہے اور صرف میرے پاس ہے اور ایک نسخہ ہے، ایک شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے مگر اس کو قیمت زیادہ محسوس ہورہی ہے، ایک دوست آتا ہے اور پوچھتا ہے: فلاں کتاب ہے؟ میں نے کہا: ہاں ہے! مگر یہ خریدار ہے، اس سے سودا چل رہا ہے، اس نے کہا: اگر یہ نہ خریدیں تو مجھے ضرورت ہے، وہ یہ کہہ کر چلا گیا حالانکہ اس کا مقصد خریدنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مشتری اس کو خریدلے، اس کو نجش کہتے ہیں، ظاہر ہے یہ دھوکہ بازی ہے اور کراہیت بیوع کی نو وجوہ میں سے ایک وجہ فریب بھی ہے، پس یہ حرکت ممنوع ہے۔

[٦٣-] باب ماجاء فی كراهية النَّجَشِ

[١٢٩٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وأَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ،وَقَالَ قُتَيْبَةُ: يُبْلُغُ بِهِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَاتَنَاجَشُوْا"

وَفِيْ البابِ: عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ؛ حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوْا النَّجَشَ، والنَّجَشُ: أَنْ يَأْتِيَ الرَّجُلُ الَّذِيْ يُبْصِرُ السِّلْعَةَ إِلَى صَاحِبِ السِّلْعَةِ،فَيَسْتَامُ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُسْوَى، وَذٰلِكَ عِنْدَ مَا يَحْضُرُهُ الْمُشْتَرِىْ، يُرِيْدُ أَنْ يَغْتَرَّ الْمُشْتَرِىْ بِهِ، وَلَيْسَ مِنْ رَأْيِهِ الشِّرَاءُ، إِنَّمَا يُرِيْدُ أَنْ يَنْخَدِعَ الْمُشْتَرِىْ بِمَا يَسْتَامُ، وَهٰذَا ضَرْبٌ مِنَ الْخَدِيْعَةِ.

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَإِنْ نَجَشَ رَجُلٌ، فَالنَّاجِشُ آثِمٌ فِيْمَا يَصْنَعُ، وَالْبَيْعُ جَائِزٌ، لِأَنَّ الْبَائِعَ غَيْرُ النَّاجِشِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک دوسرے کے ساتھ نجش نہ کرو" (باب مفاعلہ اس لئے ہے کہ تاجر اس طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں) —— اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے، وہ نجش کو ناپسند کرتے ہیں اور نجش یہ ہے کہ وہ شخص جو سامان کو پہچانتا ہے سامان کے مالک کے پاس آئے پس بھاؤ تاؤ کرے اس سے زیادہ جس سے وہ بھاؤ

تاؤ کی جاتی ہے، اور یہ جب کرے جب مالک کے پاس گاہک آئے، چاہتا ہے وہ کہ اس سے مشتری دھوکہ کھائے درانحالیکہ اس کا ارادہ خریدنے کا نہیں، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ مشتری دھوکہ کھاجائے بھاؤ کرنے کی وجہ سے اور یہ فریب کی ایک نوع ہے (اس لئے ممنوع ہے) امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کا آفر دیا تو نجش کرنے والا اس کام کی وجہ سے گنہ گار ہوگا، مگر بیع درست ہوگی کیونکہ بائع آفر دینے والے کے علاوہ ہے۔

بابُ ماجاء في الرُّجْحَانِ فِي الْوَزْنِ

جھکتا تولنے کا بیان

حدیث: سوید بن قیس اور مخرفہ عبدی رضی اللہ عنہما ہجر مقام سے سوتی کپڑا لاکر مکہ میں فروخت کیا کرتے تھے، یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور ہوسکتا ہے نبوت سے بھی پہلے کا ہو۔ نبی ﷺ ان کی دوکان پر تشریف لے گئے اور آپؐ نے بھاؤ تاؤ کرکے پاجامہ خریدا، معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی ریڈی میٹ (تیار) کپڑوں کا رواج تھا، وہیں دوکان میں وزّان (ثمن تولنے والا) بھی تھا جو اجرت پر چاندی تولتا تھا۔ نبی ﷺ نے اس کو چاندی دی اور جتنا ثمن ادا کرنا تھا اتنی چاندی کاٹ کر تولنے کے لئے فرمایا اور یہ ہدایت دی کہ جھکتا تولنا۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر مبیع یا ثمن تول کر دیا جائے تو جھکتا ہوا تولنا چاہئے۔ یہ مکارم اخلاق کی بات ہے۔

[٦٤-] باب ماجاء في الرُّجْحَان في الوَزْنِ

[١٢٩١-] حدثنا هَنَّادٌ، وَمَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، قَالَا: ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ سُوَيْدِ بنِ قَيْسٍ قَالَ: جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرٍ، فَجَاءَ نَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم، فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيْلَ، وَعِنْدِيْ وَزَّانٌ يَزِنُ بِالأَجْرِ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم لِلْوَزَّانِ: "زِنْ وَأَرْجِحْ"

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، حديثُ سُوَيْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَهْلُ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّوْنَ الرُّجْحَانَ فِيْ الْوَزْنِ، وَرَوَى شُعْبَةُ هذَا الْحديثَ عَنْ سِمَاكٍ، فَقَالَ: عَنْ أَبِيْ صَفْوَانَ، وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ.

وضاحت: مَخْرَفَة (بالفاء) کا نام ابوداؤد میں مَخْرَمَة (بالمیم) آیا ہے ــــ أَرْجَحَ له وَرَجَّحَ: أَعْطَاه راجحاً: جھکتا تول کر دینا ــــ سفیان ثوری یہ حدیث بواسطہ سماک: سوید بن قیس سے روایت کرتے تھے، اور امام شعبہ: بواسطہ سماک: ابوصفوان بن عمیرۃ سے روایت کرتے تھے یعنی کپڑے کے تاجر ابوصفوان تھے، مگر یہ امام شعبہ کی بھول ہے، صحیح روایت سفیان کی ہے تفصیل ابوداؤد (حدیث ۳۳۳۶-۳۳۳۹) میں ہے۔

بابُ ماجاء فی إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهِ

تنگ دست کومہلت دینااوراس کے ساتھ نرمی کرنا

حدیث(۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تنگ دست کومہلت دی یا قرضہ معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کواپنے عرش کے سایہ میں رکھیں گے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا''

تشریح: یہ حدیث بھی مکارم اخلاق کے باب سے ہے یعنی اگر مقروض تنگ دست اور غریب آدمی ہوتو اس کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دینی چاہئے اوراس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہئے۔اوراگر قرضہ بالکل معاف کردے تو نورٌعلی نور،اور یہ بات بیوع کے ساتھ خاص نہیں،مگر بیوع میں عام طور پر یہ بات پیش آتی ہے اس لئے یہ حدیث یہاں لائے ہیں —— اور مشہور حدیث ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کواپنے سایہ میں رکھیں گے، یہ بات سات میں منحصر نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اورلوگوں کے لئے بھی یہ فضیلت ہے،اورایسے اور بھی لوگ ہیں،جن کا تذکرہ مختلف روایات میں آیا ہے۔

حدیث(۲): نبی ﷺ نے گذشتہ کسی امت کے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا کہ جب اس کا انتقال ہوااوراس کا حساب جانچا گیا تواس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہیں تھی صرف ایک نیکی تھی کہ وہ مالدار آدمی تھااوراس کے لوگوں سے معاملات رہتے تھےاوراس نے اپنے غلاموں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی گاہک تنگ دست ہوتو اس سے درگذر کرنا،اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: اس خوبی کے ہم زیادہ سزاوار ہیں: اس سے درگذر کرو! (معلوم ہوا کہ کسی تنگ دست کومعاف کرنا بڑا فضیلت کا کام ہے)

[٦٥-] باب ماجاء فی إِنْظار الْمُعْسِرِ، والرِّفْقِ به

[١٢٩٢-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ سُلَيْمَانَ الرَّازِيُّ، عَنْ دَاوُدَ بنِ قَيْسٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ: أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ، يَوْمَ لَاظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ"

وفي الباب: عَنْ أَبِي الْيَسَرِ، وَأَبِيْ قَتَادَةَ، وَحُذَيْفَةَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعُبَادَةَ، حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[١٢٩٣-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " حُوْسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَلَمْ يُوْجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئٌ

إِلَّا أَنَّهُ كَانَ رَجُلًا مُوسِرًا، فَكَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ، وَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُعْسِرِ، فَقَالَ اللّٰهُ تعالى: نَحْنُ أَحَقُّ بِذَلِكَ مِنْهُ، تَجَاوَزُوْا عَنْهُ"، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فِي مَطْلِ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے، مقروض اگر واقعی تنگ دست ہو تو اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہئے، لیکن اگر وہ مالدار ہو یعنی قرضہ دے سکتا ہو مگر نادہند ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا، اس کا مرغا بنانا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا ایسا ظلم ہے جو اس کی سزا دہی کو حلال کر دیتا ہے یعنی اس کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے جانا چاہئے اور سزا دلوانی چاہئے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا زیادتی ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص کسی مالدار کے پیچھے لگایا جائے تو چاہئے کہ وہ اس کے پیچھے لگے'' یعنی اگر مقروض کہے کہ فلاں آدمی آپ کا قرض دیدے گا اور وہ مالدار بھی ہو اور قرض ادا کرنے پر راضی بھی ہو تو پھر اصل کو تنگ نہیں کرنا چاہئے، اس فرع سے اپنا قرض مانگنا چاہئے، اسی کا نام حوالہ ہے۔

مذاہبِ فقہاء: اگر کوئی شخص اپنا قرض دوسرے پر اتار دے اور محتال علیہ مالدار ہو اور قرض خواہ اور محتال علیہ اس پر راضی ہوں تو حوالہ درست ہے، اور محیل (قرض اتارنے والا) قرض سے بری ہو جائے گا، پھر اگر محتال علیہ غریب نکلے یا قرض نہ دے تو کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جب حوالہ درست ہو گیا تو اصل بری ہو گیا، اب دوبارہ اس پر قرض نہیں لوٹے گا خواہ محتال علیہ قرضہ دے یا نہ دے، اور حقیقت میں وہ مالدار ہو یا غریب۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اگر محتال علیہ مالدار ہو تو قرض نہیں لوٹے گا اور اگر غریب نکلے تو قرض اصل پر لوٹ آئے گا یا یوں کہیں کہ اس صورت میں اصل بری نہیں ہوگا، اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: مسلمان کا مال ہلاک نہیں ہوتا'' پس قرض یا تو محتال علیہ دے گا اور اگر وہ غریب ہو تو اصل دے گا، غرض ان حضرات کے نزدیک مسئلہ کا مدار محتال علیہ کے مالدار یا غریب ہونے پر ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: براءت اصل کی شرط کے ساتھ قرضہ محتال علیہ پر اترتا ہے پس اگر محتال علیہ قرض نہ دے تو وہ خواہ مالدار ہو یا غریب قرضہ اصل پر رہے گا۔

بہ الفاظ دیگر: حوالہ میں اگرچہ اصل بری ہو جاتا ہے مگر نفس الامر میں قرض اسی پر رہتا ہے، پس اگر محتال علیہ قرضہ دیدے تو محیل بری ہو جائے گا اور اگر محتال علیہ قرضہ نہ دے یا نہ دے سکے تو اصل کو دینا ہوگا۔ حضرت عثمانؓ

کے قول کا یہی مطلب ہے۔اور حدیث میں مَلِیّ (مالدار) کی قید اتفاقی ہے۔

[٦٦-] باب ماجاء فی مَطْلِ الْغَنِیِّ ظلمٌ

[١٢٩٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِیٍّ، ثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ:" مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ"

وفی الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَالشَّرِیْدِ؛ حدیثُ أَبِی هُرَیْرَةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

وَمَعْنَاهُ: أَنَّهُ إِذَا أُحِیْلَ أَحَدُکُمْ عَلَی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أُحِیْلَ الرَّجُلُ عَلٰی مَلِیٍّ، فَاحْتَالَهُ، فَقَدْ بَرِیءَ الْمُحِیْلُ، وَلَیْسَ لَهُ أَنْ یَرْجِعَ عَلَی الْمُحِیْلِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ، وَأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا تَوِیَ مَالُ هٰذَا بِإِفْلاَسِ الْمُحَالِ عَلَیْهِ، فَلَهُ أَنْ یَرْجِعَ عَلَی الأَوَّلِ، وَاحْتَجُّوْا بِقَوْلِ عُثْمَانَ وَغَیْرِهِ، حِیْنَ قَالُوْا: لَیْسَ عَلٰی مَالِ مُسْلِمٍ تَوًی.

وَقَالَ إِسْحَاقُ: مَعْنَی هٰذَا الْحَدِیْثِ: لَیْسَ عَلٰی مَالِ مُسْلِمٍ تَوًی: هٰذَا إِذَا أُحِیْلَ الرَّجُلُ عَلٰی آخَرَ، وَهُوَ یَرَی أَنَّهُ مَلِیٌّ، فَإِذَا هُوَ مُعْدِمٌ، فَلَیْسَ عَلٰی مَالِ مُسْلِمٍ تَوًی.

لغات: اِحْتَالَ علیه بالدَّیْن: قرض کسی کے ذمہ کردینا کہ وہ ادا کرے گا۔یہی معنی أَحالَ الرجلُ علی آخر کے ہیں، مُحِیْل اور مُحْتَال: اصیل جو اپنا قرضہ دوسرے پر اتارتا ہے —— محتال له: قرض خواہ —— مُحْتَال علیه: وہ دوسرا شخص جس پر قرضہ اتارا گیا —— محتال به: قرضہ جو دوسرے پر اتارا گیا —— اور حوالة: اس عقد (معاملہ) کا نام ہے۔

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی مالدار پر قرض اتار دے تو قرض خواہ کو اس کے پیچھے لگنا چاہئے (یعنی حدیث میں اُتْبِعَ بمعنی اُحِیْلَ ہے) اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب آدمی نے کسی مالدار پر قرض اتارا اور اس نے اس قرض کو قبول کرلیا تو محیل بری ہوگیا، اب وہ قرض محیل سے نہیں مانگ سکتا اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب قرض خواہ کا مال محتال علیہ کے غریب ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوجائے یعنی وہ نہ دے سکے تو وہ اصیل سے مانگ سکتا ہے، اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے قول سے استدلال کیا ہے، انھوں نے فرمایا ہے: ''مسلمان کا مال ک ہلاک نہیں ہوتا'' یعنی یا تو محتال علیہ دے ورنہ اصیل کو دینا ہوگا۔اور حضرت اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث: لیس علی مال مسلم تویً کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی نے دوسرے پر قرض اتارا اور قرض خواہ کا گمان یہ تھا کہ وہ مالدار ہے پس اچانک وہ غریب نکلا تو مسلمان کا مال ہلاک

نہیں ہوگا یعنی اب قرض اصیل ادا کرے گا۔

بابُ ماجاء فی الْمُنَابَذَةِ و الْمُلَامَسَةِ

بیع منابذہ اور بیع ملامسہ کا بیان

مُنَابَذَة: نَبْذٌ (پھینکنا، ڈالنا) سے باب مفاعلہ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کی طرف ڈالنا، پھینکنا۔ اور مُلَامَسَة: لَمْسٌ (چھونا، ہاتھ لگانا) سے باب مفاعلہ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو چھونا —— زمانۂ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ اگر سودا کرتے ہوئے بائع: مبیع کو مشتری کی طرف پھینک دے یا مشتری: ثمن کو بائع کی طرف پھینک دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا، اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا، یہ دستور زباں بندی تھا، اسلام نے اس کو ختم کر دیا، بیع میں آخر تک ہر فریق کو اپنی بات کہنے کا اختیار ہے، پھر اختلاف ہوا کہ یہ اختیار کب تک ہے؟ احناف کے نزدیک: تفرق اقوال تک اختیار ہے، جب ایجاب وقبول مکمل ہو گئے تو اب کسی فریق کو بیع ختم کرنے کا اختیار تام حاصل نہیں۔ اور شوافع کے نزدیک تفرقِ ابدان تک یا اختر اختر کہنے تک ہے، اور اسی کا نام خیارِ مجلس ہے، جس کی تفصیل گذر چکی۔

اور ملامسہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ بائع ثمن کو ہاتھ لگا دے یا مشتری مبیع کو ہاتھ لگا دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا، اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا یہ بھی دستور زباں بندی تھا جس کو اسلام نے ختم کر دیا۔

علاوہ ازیں: ان بیوع میں مخاطرہ (سٹہ) کا پہلو بھی ہے، اور شریعت میں معاملات میں کامل رضامندی ضروری ہے اور دیکھنے بھالنے کا اختیار باقی رہتا ہے، خیار رویت اور خیار عیب اسی وجہ سے مشروع کئے گئے ہیں۔

[٦٧-] باب ماجاء فی المنابذة و الملامسة

[١٢٩٥-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، وَمَحْمُودُ بنُ غَيْلَانَ قَالَا: ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ.

وفی الباب: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيْثِ: أَنْ يَقُوْلَ: إِذَا نَبَذْتُ إِلَيْكَ بِالشَّيْءِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ، وَالْمُلَامَسَةُ: أَنْ يَقُوْلَ: إِذَا لَمَسْتَ الشَّيْءَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ كَانَ لَايَرَى مِنْهُ شَيْئًا، مِثْلَ مَايَكُوْنَ فِيْ الْجِرَابِ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، وَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا مِنْ بُيُوْعِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ (بائع) کہے: جب میں آپ کی طرف چیز (مبیع) پھینک دوں تو

میرے اور آپ کے درمیان بیع لازم ہوگئی، اور ملامسہ: یہ ہے کہ کہے: جب آپ چیز (مبیع) کو چھولیں تو بیع لازم ہوگئی اگرچہ اس نے مبیع میں سے کچھ نہ دیکھا ہو مثلاً مبیع بورے میں ہو یا اس کے علاوہ کسی چیز میں ہو، اور یہ جاہلیت کے سودوں کا طریقہ تھا پس آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔

بابُ ماجاء في السَّلَفِ فِي الطَّعَامِ والتَّمرِ

کھجور اور غلہ پر قرض دینا یعنی بیع سلم کرنا

سلم اور سلف ہم معنی ہیں سلم کے لغوی معنی ہیں: سپرد کرنا۔ اور سلف کے معنی ہیں: قرض دینا، بیع سلم میں مبیع موجود نہیں ہوتی، نہ مجلس عقد میں، نہ بائع کی ملک میں، اور ثمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کا نام سلم (سپرد کرنا) رکھا گیا، اور چونکہ مبیع موجود نہیں اس لئے جو ثمن سپرد کیا گیا وہ گویا قرضہ ہے اس لئے اس کا دوسرا نام سلف ہوا۔

بیع سلم میں مبیع کی ہمہ جہتی تعیین ضروری ہے پس جس چیز کی پوری تعیین نہ ہوسکتی ہو اس کا سلم جائز نہیں۔ اور جس چیز کی پوری طرح تعیین ممکن ہو اس کا سلم جائز ہے، مثلاً: غلوں کی ہمہ جہتی تعیین ممکن ہے پس ان کی بیع سلم جائز ہے۔ بلکہ اب تو مشینری دور ہے، ہزاروں چیزیں ایک ہی سائز کی بنتی ہیں پس ان سب کی بیع سلم جائز ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ صحتِ بیع کے لئے شرط ہے کہ مبیع بائع کی ملک میں ہو بلکہ منقولات قبضہ میں بھی ہوں اور بیع سلم میں مبیع مارکیٹ میں تو ہوتی ہے مگر بائع کی ملک میں نہیں ہوتی اس لئے قاعدے سے بیع سلم جائز نہیں ہونی چاہئے مگر یہ ایک استثنائی صورت ہے، اور اس کو اس لئے جائز رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی بغیر پیسوں کے زمین میں غلہ اگا سکتا ہے اور بڑے سے بڑا کارخانہ قائم کرسکتا ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس زمین تو ہے مگر بونے کے لئے بیج نہیں، زمین جوتنے کے لئے ہل بیل نہیں، سینچائی کے لئے مصارف نہیں، کھاد نہیں تو وہ کیا کرے؟ زمین کو کیسے کارآمد بنائے؟ اس کا طریقہ بیع سلم ہے: کسی تاجر کے پاس جائے اور اس سے سودا کرے اور کہے کہ مجھے رقم کی ضرورت ہے، گیہوں بونا ہے، بتاؤ گیہوں کتنا خریدو گے؟ چار مہینے کے بعد پانچ سو روپے فی کوئنٹل کے حساب سے دوں گا، تاجر کے لئے یہ سستا سودا ہے اس نے سو کوئنٹل خرید لیا اور فوراً پیسے دیدیئے وہ فوراً گیہوں بوئے گا اور چار مہینے کے بعد مبیع سپرد کردے گا، اس طرح اس نے سلم کی مدد سے کھیتی کرڈالی اور تین مہینوں کے بعد جب گیہوں پیدا ہوا تو اس نے سو کوئنٹل مشتری کو دیدیا باقی نفع میں رہا۔ یا مثلاً ایک شخص کو بنیان بُننے کا کارخانہ قائم کرنا ہے، وہ چند تاجروں کے پاس جاتا ہے اور سوت کا نمبر، سائز اور وزن وغیرہ تفصیل بتاکر طے کرلیتا ہے کہ چھ مہینے کے بعد سے تین سال تک ہر مہینے دو سو بنیان دوں گا اور پیشگی رقم لے لیتا ہے، اور مشینیں خرید کر کارخانہ شروع کردیتا ہے اور چھ مہینے کے بعد بنیان کی سپلائی شروع کردیتا ہے اور تین سال کے بعد کارخانہ فری ہوجاتا ہے یہ ہے سلم کا فائدہ!

غرض بیع سلم کی مدد سے آدمی بغیر پیسوں کے بڑے سے بڑا کام کرسکتا ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ مبیع یعنی جس چیز کا سودا ہوا ہے وہ ہر وقت مارکیٹ میں رہے تاکہ اگر کھیت میں گیہوں پیدا نہ ہو یا کارخانہ میں بنیان تیار نہ ہوں تو بائع بازار سے خرید کر مبیع سپرد کر سکے، اسی لئے کسی معین کھیت کی پیداوار کی شرط پر سلم جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے: اس کھیت میں غلہ پیدا نہ ہو یا کم پیدا ہو، پس کہاں سے لاکر دے گا؟ گیہوں، چاول وغیرہ کی نوع تو متعین کرسکتے ہیں، بلکہ ضروری ہے مگر کسی معین کھیت کی پیداوار کی شرط لگانا جائز نہیں۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں وارد ہوئے تو مدینہ والے پھلوں میں بیع سلم کیا کرتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بیع سلم کرے: وہ پیمانہ، وزن اور (مسلم فیہ سپرد کرنے کی) مدت متعین کرلے'' (یہ درحقیقت دو ہی شرطیں ہیں کیونکہ کیل و وزن ایک ہیں، پھر فقہاء نے ان شرطوں کو پھیلایا تو پانچ شرطیں بنیں، اور بعض نے اور پھیلایا تو سات شرطیں بنیں)

حیوان کی بیع سلم کا حکم: حنفیہ کے نزدیک حیوان کی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ اس کے افراد بہت زیادہ متفاوت ہوتے ہیں، اس لئے ہمہ جہتی تعیین نہیں ہوسکتی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حیوان کی بیع سلم بھی جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک حیوان کی حیوان کے ساتھ بیع میں ایک عوض ادھار ہوسکتا ہے اور بیع سلم میں بھی ایک عوض ادھار ہوتا ہے، پس یہ بیع جائز ہے، مگر حضرت نے یہ بات پیشِ نظر نہیں رکھی کہ حیوان کی (جو ادھار ہے) پوری طرح تعیین ممکن نہیں پس بوقت تسلیم نزاع ہوسکتا ہے، مثلاً: ایک شخص کو لڑکے کی شادی کرنی ہے اور بڑا ولیمہ کرنا ہے اس نے کسی قصائی سے دس بکریوں کا سلم کیا کہ فلاں تاریخ میں بکرے مہیا کردینا اور پیسے ابھی دیدیئے، اب وہ قصائی مریل بکرے لایا تو سر پیٹنے کے علاوہ چارہ کیا ہوگا!

[۶۸-] باب ماجاء فی السَّلَفِ فی الطَّعام و الثَّمَرِ

[۱۲۹۶-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِيْ الثَّمَرِ فَقَالَ: "مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ"

قَالَ: وَفِيْ الْبَابِ: عَنِ ابنِ أَبِيْ أَوْفٰى، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبْزَى؛ حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَجَازُوْا السَّلَفَ فِي الطَّعَامِ، وَالثِّيَابِ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ، مِمَّا يُعْرَفُ حَدُّهُ وَصِفَتُهُ.

وَاخْتَلَفُوْا فِي السَّلَمِ فِي الْحِيَوَانِ: فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه

وسلم وَغَيْرِهِمُ السَّلَمَ فِي الْحَيَوَانِ جَائِزًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمُ السَّلَمَ فِي الْحَيَوَانِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے، وہ غلوں اور کپڑوں وغیرہ میں بیع سلم کی اجازت دیتے ہیں، بشرطیکہ مبیع ان چیزوں میں سے ہو جس کی حد اور صفت جانی جاتی ہو، یعنی اس کی پوری طرح تعیین ممکن ہو، اور حیوان کی بیع سلم (کے جواز وعدم جواز) میں علماء نے اختلاف کیا ہے، بعض صحابہ وغیرہ اہل علم حیوان میں بیع سلم کو جائز کہتے ہیں اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم حیوان کی بیع سلم کو ناجائز کہتے ہیں اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

بابُ ماجاء فِی أَرْضِ الْمُشْتَرَكِ يَرِيْدُ بَعْضُهُمْ بَيْعَ نَصِيْبِهِ

مشترک زمین میں سے اپنا حصہ بیچنا

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا کسی باغ میں کوئی شریک ہو تو وہ اس میں سے اپنا حصہ نہ بیچے جب تک کہ اسے اپنے شریک کے سامنے پیش نہ کرے''

تشریح: اگر کوئی مکان یا زمین دو یا زیادہ لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو بیچنے سے پہلے اسے اپنا حصہ شریک کے سامنے پیش کرنا چاہئے، اگر شریک خریدنے سے انکار کرے یا صحیح قیمت نہ دے تو دوسرے کو بیچ سکتا ہے، یہ اخلاقی بات ہے اس سے شرکاء کے درمیان یگانگت، موافقت اور تعلقات میں استواری پیدا ہوتی ہے، اور اگر وہ چپکے سے کسی کو بیچ دے گا تو بھی شریک حق شفعہ کی بنیاد پر لے لیگا، اور دلوں میں ہمیشہ کے لئے نفرت وعداوت اور کدورت پیدا ہو جائے گی۔

مسئلہ: شریک نے خریدنے سے انکار کر دیا پس مالک نے اپنا حصہ کسی کو فروخت کر دیا تو اب شریک کو حق شفعہ ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کے سامنے پیش کش کی جا چکی ہے، اسے خریدنے کا موقع دیا گیا تھا، مگر اس نے نہیں خریدا تو اس نے اپنا حق شفعہ ساقط کر دیا۔

اور امام اعظمؒ کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ حق شفعہ بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے اور جب اس کو خریدنے کی پیش کش کی گئی تھی اس وقت بیع نہیں ہوئی تھی اور حق شفعہ بھی ثابت نہیں ہوا تھا اس لئے اس انکار کا اعتبار نہیں۔

اس کی نظیر: لڑکیوں نے باپ کی حیات میں میراث لینے سے انکار کر دیا اور بھائیوں کے حق میں دستبردار ہو گئیں

یہ انکار یا دست برداری غیر معتبر ہے اس سے حق میراث ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ ابھی میراث کا حق ثابت نہیں ہوا، ہاں باپ کے انتقال کے بعد انکار کریں یا معاف کردیں تو حق میراث ساقط ہوجائے گا۔

یہی مسئلہ یہاں ہے: بیع کے بعد اگر شریک انکار کرے تو حق شفعہ ساقط ہوجائے گا، بیع سے پہلے اس نے جو انکار کیا ہے اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

فائدہ(۱): أَرْضُ المشترك: مرکب اضافی درحقیقت مرکب توصیفی ہے، تقدیر عبارت: أرض مشترکة ہے جب مرکب توصیفی کو مرکب اضافی بناتے ہیں تو ترکیب مقلوبی کردیتے ہیں یعنی صفت کی موصوف کی طرف اضافت کرتے ہیں، جیسے جسم حَسَنٌ سے حَسَنُ الْجِسْمِ۔ مگر کبھی اصل ترکیب باقی رکھ کر اضافت کردیتے ہیں یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت کردیتے ہیں یہ اس کی مثال ہے، مگر یہ ترکیب غیر معروف ہے۔

فائدہ(۲): حدیث باب کو قتادہؒ نے سلیمان یشکریؒ سے روایت کیا ہے مگر ان کا سلیمان سے لقاء وسماع نہیں، سلیمان کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حیات میں عنفوانِ شباب میں انتقال ہوگیا تھا اس لئے جب قتادہ کا حضرت جابرؓ سے سماع نہیں تو سلیمان سے کیسے ہوسکتا ہے؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ سلیمان یشکری نے حضرت جابرؓ کی مرویات ایک کاپی میں لکھ رکھی تھیں، اس کاپی سے کئی محدثین نے روایت کی ہے۔ حضرت قتادہؒ نے بھی اسی سے روایت کی ہے، البتہ عمرو بن دینار کا سلیمان یشکری سے سماع ہے اور وہ اس طرح ہے کہ انھوں نے حضرت جابرؓ کی حیات میں سلیمان یشکری سے حدیث پڑھی ہے، جیسے دار العلوم کا ایک استاذ ہے اور اس کا شاگرد بھی دار العلوم کا استاذ ہے، پس جو طالب عالم نیچے پڑھ رہا ہے وہ پہلے اس چھوٹے استاذ سے پڑھتا ہے پھر استاذ الاستاذ سے پڑھتا ہے، اسی طرح عمرو بن دینار نے حضرت جابرؓ کی حیات میں سلیمان یشکری سے پڑھا ہے، پھر حضرت جابرؓ سے پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا، غرض ان کا سلیمان یشکری سے تو سماع ہے مگر حضرت جابرؓ سے سماع نہیں، ان کے علاوہ جتنے محدثین سلیمان یشکری سے روایت کرتے: سب اس کاپی سے روایت کرتے ہیں اور یہ بات سلیمان تیمیؒ نے بتائی ہے، اور اس طرح روایت کرنے کا نام وجادۃ ہے، اور اس کا حکم تحفۃ الالمعی (۱:۱۴۷) میں گذر چکا ہے۔ جاننا چاہئے کہ مسلم شریف میں اس حدیث کی دوسری سند موجود ہے (حدیث ۱۶۰۸ باب الشفعة) پس اس کے متصل نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ حدیث صحیح ہے۔

[۶۹-] باب ماجاء في أَرْضِ الْمُشْتَرَكِ: يريدُ بعضهم بيعَ نصيبه

[۱۲۹۷-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيسَى بنُ يُونُس، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْيَشْكُرِيِّ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ نبيَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ''مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيْكٌ فِيْ حَائِطٍ، فَلاَ يَبِيْعُ نَصِيْبَهُ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَعْرِضَهُ عَلَى شَرِيْكِهِ''

هٰذَا حديثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ، سَمِعْتُ مُحمدًا يقُوْلُ: سُلَيْمَانُ الْيَشْكُرِيُّ: يُقَالُ: إِنَّهُ مَاتَ

فِیْ حَیَاۃِ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: وَلَمْ یَسْمَعْ مِنْہُ قَتَادَۃُ وَلَا أَبُوْ بِشْرٍ.

قَالَ مُحمدٌ: وَلَانَعْرِفُ لِأَحِدٍ مِنْہُمْ سَمَاعًا مِنْ سُلَیْمَانَ الْیَشْکُرِیِّ، إِلَّا أَنْ یَکُوْنَ عَمْرُو بنُ دِیْنَارٍ، فَلَعَلَّہُ سَمِعَ مِنْہُ فِیْ حَیَاۃِ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ.

قَالَ: وَإِنَّمَا یُحدِّثُ قَتَادَۃُ عَنْ صَحِیْفَۃِ سُلَیْمَانَ الْیَشْکُرِیِّ، وَکَانَ لَہُ کِتَابٌ عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ، فَقَالَ عَلِیُّ بنُ الْمَدِیْنِیِّ: قَالَ یَحْیَی بنُ سَعِیْدٍ: قَالَ سُلَیْمَانُ التَّیْمِیُّ: ذَھَبُوْا بِصَحِیْفَۃِ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ إِلَی الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ فَأَخَذَھَا، أَوْ قَالَ: فَرَوَاھَا، فَذَھَبُوْا بِھَا إِلٰی قَتَادَۃَ، فَرَوَاھَا، فَأَتَوْنِیْ بِھَا فَلَمْ أَرْوِھَا، حَدَّثَنَا بِذَلِکَ أَبُوْ بَکْرٍ العَطَّارُ، عَنْ عَلِیِّ بنِ الْمَدِیْنِیِّ.

ترجمہ: اس حدیث کی سند متصل نہیں (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ کو فرماتے سنا: سلیمان یشکری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا حضرت جابرؓ کی حیات میں انتقال ہو گیا تھا، امام بخاریؒ نے فرمایا: ان سے نہ قتادہ نے کوئی حدیث سنی ہے، اور نہ ابو بشر نے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: میں محدثین میں سے کسی کا بھی سلیمان یشکری سے سماع نہیں جانتا، سوائے عمرو بن دینار کے، انھوں نے سلیمان سے حضرت جابرؓ کی حیات میں پڑھا ہے، امام بخاریؒ کہتے ہیں: قتادہ: سلیمان کی کاپی ہی سے روایت کرتے تھے اور سلیمان کے پاس حضرت جابرؓ کی مرویات کی ایک کاپی تھی، علی بن المدینی فرماتے ہیں: یحیٰ قطان نے فرمایا: سلیمان تیمی نے کہا: لوگ حضرت جابر کی کاپی حضرت حسن بصریؒ کے پاس لے گئے تو انھوں نے اس کاپی کو لیا یا یہ کہا کہ اس کو روایات کیا، پھر وہ لوگ اس کاپی کو قتادہ کے پاس لے گئے تو انھوں نے بھی اس کو روایت کیا پھر لوگ وہ کاپی میرے پاس لائے تو میں نے اس سے روایت نہیں کیا۔

بابُ ماجاء فی الْمُخَابَرَۃِ وَالْمُعَاوَمَۃِ

زمین بٹائی پر دینا اور باغ کی بہار بیچنا

مخابرہ اور مزارعۃ مترادف الفاظ ہیں، مزارعہ: زَرْعٌ (کھیتی) سے ہے اور اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اور مخابرہ: خیبر سے ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اور صحابہ نے خیبر کی زمین یہود کو بٹائی پر دی تھی اس لئے خیبر سے مخابرہ بنا۔

زمین کرایہ پر دینا بالاجماع جائز ہے اور جز معین پر دینا بالاجماع جائز نہیں، مثلاً: زمین گیہوں بونے کے لئے دی اور دس من گیہوں کی شرط لگائی کہ اتنا گیہوں مجھے دینا، باقی تمہارا، یا کسی معین جگہ کی پیداوار کی شرط لگائی تو یہ بالاجماع جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے: اس معین جگہ میں کچھ پیدا نہ ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ دس من ہی یا اس سے بھی کم پیدا ہو۔

اور جز مشترک پر یعنی بٹائی پر زمین دینے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، اور جز مشترک پر بٹائی پر دینا یہ ہے

کہ کل پیداوار میں سے مثلاً: نصف یا تہائی یا تین تہائی پیداوار ایک کی اور باقی دوسرے کی، یہ جائز ہے یا نہیں؟ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں، اور باقی ائمہ کے نزدیک بشمول صاحبین جائز ہے، پھر امام شافعیؒ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں مزارعت جائز ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں بھی مزارعت جائز نہیں۔

مساقات: سَقْيٌ سے باب مفاعلہ ہے اس کے معنی ہیں درختوں کو پانی پلانا، سینچائی کرنا، کسی نے اپنا باغ کسی کو پرداخت پر دیا اور کل پیداوار میں سے نصف یا تہائی یا تین تہائی پر معاملہ کیا تو یہ مساقات ہے، اب وہ شخص درختوں کی ہر طرح کی خدمت کرے گا اور جو پھل پیدا ہوگا اس میں سے حسب معاملہ لے گا۔

امام شافعی اور دیگر ائمہ اس کو جائز کہتے ہیں، اور امام اعظمؒ کے نزدیک مزارعت اور مساقات دونوں ناجائز ہیں، غرض امام شافعیؒ کے نزدیک مساقات کے ضمن میں مزارعت جائز ہے مثلاً ایک باغ جز مشترک پر پرداخت کے لئے دیا، اس میں خالی زمین بھی ہے، باغ کے مالک نے اس میں مزارعت کا معاملہ بھی کرلیا تو یہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں احناف کے یہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے، اور شوافع کے یہاں بھی جواز کا فتوی ہے، امام شافعیؒ کے قول پر فتوی نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور معاومہ سے منع فرمایا، اور عریّہ کی اجازت دی۔

تشریح: اس حدیث کی بناء پر امام شافعی اور امام اعظم رحمہما اللہ نے مزارعت کو ناجائز کہا ہے، پھر امام اعظمؒ نے مزارعت پر قیاس کر کے مساقات کو بھی ناجائز کہا، اور امام شافعیؒ نے قیاس نہیں کیا، اباحتِ اصلیہ پر باقی رکھا، کیونکہ اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔

اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اور صحابہ نے خیبر کی زمین میں یہود کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ کیا تھا یہی مزارعت ہے، پس ثابت ہوا کہ مخابرہ جائز ہے، اب دو حدیثوں میں تعارض ہوگیا اور دونوں حدیثیں صحیح قابل استدلال ہیں اور تطبیق ممکن نہیں اس لئے تاویل ناگزیر ہے۔

امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ نے قولی روایت کو لیا اور فعلی روایت کی یہ تاویل کی کہ آنحضور ﷺ نے خیبر کے یہود کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ خَراجِ مُقاسمہ کا معاملہ تھا، مزارعت کا معاملہ نہیں تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کے یہود پر ذمی ہونے کی وجہ سے خراج واجب تھا، مگر ان سے مقررہ رقم کے بجائے کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کا نصف لیا گیا، یہ تاویل صاحب ہدایہ نے کی ہے، مگر یہ تاویل صحیح نہیں، کیونکہ خراج گورنمنٹ لیتی ہے جبکہ خیبر میں مجاہدین کی بھی زمینیں تھیں اور ان کی پیداوار کا نصف مالکان لیتے تھے۔

اور جمہور نے فعلی روایت کو لیا اور قولی روایت کی تاویل کی کہ وہ ممانعت لغیرہ تھی۔ بہ الفاظ دیگر: وہ ممانعت مبنی بر مصلحت تھی۔ اس کی نظیر: آگے آئے گی: ایک سال قربانی کے دنوں میں مدینہ میں باہر سے بہت لوگ آگئے تو آپ

نے اعلان کرایا: کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے، یہ اعلان اس لئے کرایا تھا کہ باہر سے آنے والوں کو گوشت پہنچے، مگر لوگوں نے اس کو حکم شرعی سمجھ لیا اور آئندہ سال بھی تین دن کے بقدر گوشت رکھ کر باقی گوشت تقسیم کرنا شروع کردیا تو آپؐ نے سابق اعلان کی مصلحت سمجھائی اور تین دن سے زائد گوشت رکھنے کی اجازت دی۔

اسی طرح مخابرہ کی ممانعت بھی بر بنائے مصلحت تھی، اور وہ مصلحت یہ تھی کہ لوگ ہر طرف سے ہجرت کرکے مدینہ چلے آرہے تھے، اور وہ تہی دست تھے، جبکہ مدینہ کے اصل باشندوں کے پاس زمینیں تھیں، چنانچہ آپؐ نے توازن قائم کرنے کے لئے وقتی طور پر مزارعت سے منع کیا تاکہ جس کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہو اور وہ خود اسے نہ بوسکتا ہو تو وہ اپنی زمین کسی مہاجری کو دیدے تاکہ وہ اس میں کھیتی کرکے اپنی ضرورت پوری کرے، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ بنونضیر کا علاقہ فتح ہوا، پس آپؐ نے انصار سے مشورہ کیا اور فرمایا: اگر تم اجازت دو تو میں یہ ساری زمین مہاجرین میں تقسیم کردوں، اور ان کے پاس تمہاری جو زمینیں ہیں وہ تمہیں واپس کردیں، انصار نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! آپ بنونضیر کی زمینیں بھی ان کو دیں اور ہماری زمینیں بھی ان کے پاس رہنے دیں، مگر آپؐ نے اس کو قبول نہ کیا اور انصار کی زمینیں واپس کرادیں۔ اس طرح توازن قائم کردیا، پس بعد میں مزارعت کی ممانعت کا حکم ختم ہوگیا کیونکہ مصلحت باقی نہیں رہی، چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے بھی مزارعت کا معاملہ کیا اور صحابہ نے بھی کیا، یہ ایک معقول تاویل ہے، چنانچہ حنفیہ نے بھی اور شوافع نے بھی مزارعت کے جواز کا فتوی دیا۔

اور معاومۃ: عَامٌ سے ہے جس کے معنی ہیں: سال، اور اصطلاحی معنی ہیں: ایک سال کی یا زیادہ سالوں کی بہار بیچنا، یہ بالاتفاق ناجائز ہے اور بیع باطل ہے کیونکہ ابھی مبیع کا وجود نہیں۔

[۷۰-] باب ماجاء فی المخابرۃ والمعاومۃ

[۱۲۹۸-] حدثنا ابنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ أَبِی الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَی عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَالْمُعَاوَمَةِ، وَرَخَّصَ فِی الْعَرَايَا؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ

مصری نسخہ میں یہاں باب ہے: باب ماجاء فی التَّسْعِيْرِ: تسعیر کے معنی ہیں: قیمتوں پر کنٹرول کرنا، چیزوں کے بھاؤ مقرر کرنا۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں اشیائے خوردنی کی قیمتیں بہت بڑھ

گئیں، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے لئے قیمتیں مقرر فرمادیں، یعنی کنٹرول ریٹ قائم کردیں، آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ مقرر کرنے والے، نیچے لانے والے، اوپر لے جانے والے، روزی دینے والے ہیں'' یعنی چیزوں کا بھاؤ اوراس کا اتار چڑھاؤ اللہ کی حکمت کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے پیداوار گھٹاتے بڑھاتے ہیں جس کی وجہ سے نرخ میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اوراس طرح اللہ تعالیٰ سب کو روزی پہنچاتے ہیں ـــــ آگے فرمایا: ''اور میں آرزو کرتا ہوں کہ اپنے پروردگار سے اس حال میں ملوں کہ مجھ سے کوئی حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو، نہ جان میں اور نہ مال میں'' یعنی ایسی مناسب قیمتیں مقرر کرنا کہ جس سے صارفین اور مال کے مالکان میں سے کسی کا بھی نقصان نہ ہو ممکن نہیں، اس لئے کہ بھاؤ جہاں تک پہنچا ہوا ہے اگراس کو بہت زیادہ نیچے لایا جائے گا تو تاجروں کا نقصان ہوگا اوراگر بھاؤ برائے نام گھٹایا جائے گا تو صارفین کی پریشانی دور نہ ہوگی اس لئے آپؐ نے قیمتوں پر کنٹرول کرنے سے اجتناب فرمایا۔

فائدہ: حکومت کے لئے کنٹرول ریٹ قائم کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے السياسة الشرعية في طرق الحكمية میں بحث کی ہے کہ اگر بھاؤ بہت چڑھ جائیں اور ضرر عام لازم آئے تو حکومت قیمتوں پر کنٹرول کرسکتی ہے، اور بوقت اضطرار تسعیر کا جواز: حدیث: لاضَرَرَ ولاضِرَارَ فِي الإسلام سے اور فقہی ضابطہ: الضَّررُ يُزال سے ثابت ہے، کیونکہ ضرر عام کے ازالہ کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جاسکتا ہے، وہ اہون ہے۔

[۷۱-] بابٌ

[۱۲۹۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا الْحَجَّاجُ بنُ مِنْهَالٍ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، وَثَابِتٍ، وَحُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: غَلَا السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: يَارسولَ اللهِ! سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ: " إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الرَّزَّاقُ، وإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ يُطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ: فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الغَشِّ فِي الْبُيُوْعِ

چیزوں میں ملاوٹ کرنا جائز نہیں

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلّے کے ایک ڈھیر پر سے گذرے، آپؐ نے اپنا ہاتھ اس کے اندر ڈالا تو آپؐ کے ہاتھ کو تری لگی، آپؐ نے مٹھی بھر کر غلہ اندر سے باہر نکالا تو وہ بھیگا ہوا تھا،

آپؐ نے پوچھا: یہ کیا؟ دوکان والے نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کو نہیں بھگایا، بارش میں بھیگا ہے، آپؐ نے فرمایا: بھیگا ہوا غلہ تو نے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ اس کو دیکھتے؟! پھر آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص دھوکہ کرتا ہے اس کا ہم سے کچھ لینا دینا نہیں'' (اور چیزوں میں ملاوٹ کرنا بھی فریب ہے، پس اس کے لئے بھی یہی وعید ہے)

تشریح: اسلامی حکومت میں ایک محکمۂ احتساب (داروگیر کا محکمہ) ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر چیز پر نظر رکھے، کسی بھی چیز میں ملاوٹ نہ ہونے دے، دورِ نبوی میں آپؐ خود یہ فریضہ انجام دیتے تھے، کبھی اچانک پہنچ کر چیزیں چیک کرتے تھے، اس حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

[۷۲-] باب ماجاء فی کراهیة الْغِشِّ فی البیوع

[۱۳۰۰-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِیْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ: أَنَّ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم مَرَّ عَلٰی صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ یَدَهُ فِیْهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ: ''یَاصَاحِبَ الطَّعَامِ! مَاهٰذَا؟'' قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ، یَارسولَ اللهِ! قَالَ: ''أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ، حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ؟'' ثُمَّ قَالَ: ''مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا''

وفی الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَأَبِیْ الْحَمْرَاءِ، وابنِ عبَّاسٍ، وَبُرَیْدَةَ، وَأَبِیْ بُرْدَةَ بنِ نِیَارٍ، وَحُذَیْفَةَ بنِ الْیَمَانِ؛ حدیثُ أَبِیْ هُرَیْرَةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: کَرِهُوْا الْغَشَّ، وَقَالُوْا: الغشُّ حَرَامٌ.

لغت: غَشَّ (ن) غَشًّا: دھوکہ دینا، دل میں چھپی بات کے برعکس ظاہر کرنا، غیر مفید چیزوں کو مفید بنا کر پیش کرنا، فهو غاشٌّ۔

بابُ ماجاء فی اسْتِقْرَاضِ الْبَعِیْرِ وَالشَّیْئِ مِنَ الْحَیَوَانِ

اونٹ یا اور کوئی جانور قرض لینا

قرض اور بیع کے احکام ایک ہیں، ان میں بہت کم فرق ہے اور بیع ہر چیز کی ہوسکتی ہے اور قرض صرف مثلیات یعنی ایسی چیزیں لی جاسکتی ہیں جن کی ہر طرح سے تعیین ہوسکتی ہو، اور مثلیات چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات (گز سے ناپنے کی چیزیں) اور معدودات متقاربہ یعنی ایسی گننے کی چیزیں جن کے افراد میں بہت کم تفاوت ہو، جیسے انڈے، اخروٹ وغیرہ ان کے علاوہ سب چیزیں ذوات القیم ہیں ان کا قرض جائز نہیں، یہ اتفاقی مسئلہ اصول ہے۔ البتہ حیوان کو قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز نہیں

کیونکہ وہ ذوات القیم میں سے ہے، ایک ہی نوع کے حیوان میں واضح تفاوت ہوتا ہے اوران کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، پھر نبی ﷺ نے حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث پہلے آچکی ہے۔اور قرض میں ایک عوض ادھار ہوتا ہے، پس حیوان کا استقراض بھی جائز نہیں۔اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حیوان کا استقراض جائز ہے۔

جاننا چاہئے کہ پہلے گذرے ہوئے مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے دونوں ائمہ حنفیہ کے ساتھ تھے ان کے نزدیک بھی حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع جائز نہیں تھی، مگر حیوان کے استقراض کے جواز میں تینوں ائمہ متفق ہوگئے ہیں اوران کی دلیل باب کی حدیثیں ہیں۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے بطور قرض ایک خاص عمر کا اونٹ لیا، قرض ادا کرنے کا جو وعدہ تھا اس میں ابھی وقت باقی تھا کہ یہودی آدھمکا اور اس نے قرض کا مطالبہ کیا اور سخت کلامی شروع کی، صحابہ نے اس کو تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا مگر آپؐ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑو، اس کا حق ہمارے ذمہ ہے، اور صاحبِ حق کو (سخت بات) کہنے کا حق ہے'' یعنی اگر قرض خواہ سخت الفاظ استعمال کرے تو مقروض کو برداشت کرنا چاہئے، پھر آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ''اس کو اتنی عمر کا اونٹ جو ہم نے اس سے بطور قرض لیا ہے خرید کر لادو'' لوگوں نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا مگر نہ ملا، اس سے بہتر اونٹ مل رہا تھا، آپؐ کو صورتِ حال بتلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا: ''وہی بہتر اونٹ خرید کر دیدو، تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بہتر ہیں''

حدیث (۲): حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا (آپؐ نے یہ قرض کسی مجاہد کے لئے لیا تھا) جب آپؐ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ''اس آدمی کو جوان اونٹ دے کر قرض ادا کردو'' میں نے صدقہ کے اونٹوں میں ویسا اونٹ نہ پایا تو عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان میں نہیں پاتا مگر اچھا اور رَباعی (چار دانتوں والا) اونٹ'' یعنی جیسا اونٹ آپ نے بطور قرض لیا تھا صدقہ کے اونٹوں میں ویسا اونٹ تو نہیں ہے، البتہ اس سے بہتر اور چار دانتوں والا اونٹ موجود ہے، آپ نے فرمایا: ''وہی بہتر اونٹ دیدو، اس لئے کہ لوگوں میں بہتر آدمی وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہے''

تشریح: یہ دونوں حدیثیں ائمہ ثلاثہ کی دلیلیں ہیں، ان میں یہ بات صاف ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ قرض لیا، معلوم ہوا کہ حیوان کا استقراض جائز ہے۔اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِسْتَسْلَفَ کے معنی: قرض لینے کی متعین نہیں وہ بیع کے معنی میں بھی آتا ہے، پہلے بیع سلم کے بیان میں حدیث گذری ہے: مَنْ أَسْلَفَ منکم فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ وہاں أَسْلَفَ بیع کے معنی میں ہے، اور یہی حقیقت استقراض کی بھی ہے، یعنی مذکورہ بالا دونوں واقعوں میں آنحضور ﷺ نے اونٹ قرض نہیں لیا تھا بلکہ خریدا تھا، مگر چونکہ اس زمانہ میں نہ تو ثمن وافر مقدار میں موجود تھا اور نہ لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی، اس زمانہ میں لوگ چیزیں رقم کے بدلہ میں خریدتے تھے، پھر ویسی ہی چیز واپس کردیا

کرتے تھے، آپؐ نے بھی اونٹ ثمن کے بدلہ میں خریدا تھا مگر ثمن نہ دے کر اونٹ دیدیا، اور بہتر اونٹ دیا۔

اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اور قرض میں ایک عوض ادھار ہوتا ہے، پس اُس حدیث کی وجہ سے اِس حدیث میں تاویل ضروری ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس کیا ہے، انھوں نے اِن حدیثوں کی وجہ سے گذشتہ حدیث میں تاویل کی ہے، ان کے نزدیک اگر حیوان کا حیوان کے ساتھ تبادلہ ہو اور ایک عوض ادھار ہو تو بیع جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اونٹ قرض لیا ہے اور قرض میں ایک عوض ادھار ہوتا ہی ہے، پس جس حدیث میں حیوان کو حیوان کے بدل ادھار بیچنے کی ممانعت آئی ہے: اس سے مراد دونوں عوضوں کا ادھار ہونا ہے۔

غرض کسی ایک حدیث میں تاویل ناگزیر ہے، امام اعظمؒ پہلی حدیث کی وجہ سے یہاں تاویل کرتے ہیں، اور امام شافعیؒ ان حدیثوں کی وجہ سے گذشتہ حدیث میں تاویل کرتے ہیں۔ تاویل کے بغیر چارہ نہیں۔

[۷۳-] باب ماجاء فی استقراض البعیرِ أوِ الشیئ مِنَ الْحیوانِ

[۱۳۰۱-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ عَلِيِّ بنِ صَالِحٍ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: اسْتَقْرَضَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سِنًّا، فَأَعْطَى سِنًّا خَيْرًا مِنْ سِنِّهِ، وَقَالَ: " خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً"

وفی الباب: عَنْ أَبِیْ رَافِعٍ، حديثُ أَبِیْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَمْ يَرَوْا بِاسْتِقْرَاضِ السِّنِّ بَأْسًا مِنَ الإِبِلِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ.

[۱۳۰۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " دَعُوْهُ، فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا" وَقَالَ: "اشْتَرُوْا لَهُ بَعِيْرًا، فَأَعْطُوْهُ إِيَّاهُ" فَطَلَبُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْا إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، فَقَالَ: " اشْتَرُوْهُ، فَأَعْطُوْهُ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"

حَدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۳۰۳-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ

عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: اسْتَسْلَفَ رَسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَكْرًا، فَجَاءَ تْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ، قَالَ أَبُو رَافِعٍ: فَأَمَرَنِي رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَقُلْتُ: لَاأَجِدُ فِي الإِبِلِ إِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا، فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " أَعْطِهِ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

وضاحت: پہلی اور دوسری حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ پہلی حدیث علی بن صالح کی سند سے ہے اور دوسری امام شعبہؒ کی سند سے، اس لئے تقریر میں ان کو ایک ہی حدیث کے طور پر بیان کیا ہے۔ شعبہ رحمہ اللہ کی سند بخاری (حدیث ۲۳۹۰) میں ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کی حدیث بھی بخاری (حدیث ۲۳۰۵) میں ہے۔

لغات: السِّن کے معنی ہیں: دانت، مراد خاص عمر کا جانور ہے ــــ فَهَمَّ بِه أَصْحَابُهُ یعنی اس کی تادیب کا ارادہ کیا ــــ بَكْر کے معنی ہیں: جوان اونٹ۔

بابٌ

خرید وفروخت اور قرض کی ادائیگی میں نرمی برتنے کی فضیلت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں بیچنے میں آسانی کو، خریدنے میں آسانی کو، اور قرض ادا کرنے میں آسانی کو''

تشریح: سَمْح اور سَمَاحة کے معنی ہیں: عالی ظرفی، سیر چشمی، اس سے القاب میں سماحة الشيخ استعمال ہوتا ہے اور بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ بائع کسی قیمت پر اڑ نہ جائے، اگر مشتری دام کم کرنے کی درخواست کرے اور اس کا نقصان نہ ہوتا ہو تو دام کچھ کم کردے یا مبیع کچھ زیادہ دیدے۔ اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ پیسے اگر کچھ زیادہ دینے پڑیں تو دیدے۔ اور قرض کی ادائیگی میں نرمی یہ ہے کہ وقت پر قرض ادا کرے اور کچھ زیادہ دے، اس کے علاوہ بھی نرمی کی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ پیسہ پیسہ کے لئے مرے، بلکہ فریق ثانی سے نرمی کا معاملہ کرے، چاہے بیچ رہا ہو یا خرید رہا ہو یا قرضہ چکا رہا ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ہی شخص کو پسند کرتے ہیں، اور باب کی آخری حدیث میں ہے کہ گذشتہ کسی امت کے ایک شخص کی انہی تین خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی تھی۔

[٧٤-] بابٌ

[١٣٠٤-] أَخْبَرَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُغِيْرَةَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ

الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ سَمْحَ الْبَيْعِ، سَمْحَ الشِّرَاءِ، سَمْحَ الْقَضَاءِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ يُوْنُسَ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

[۱۳۰۵-] حدثني عَبَّاسُ بْنُ مُحمدٍ الدُّوْرِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ، ثَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ زَيْدِ بنِ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "غَفَرَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ كَانَ قَبْلَكُمْ، كَانَ سَهْلاً إِذَا بَاعَ، سَهْلاً إِذَا اشْتَرَى، سَهْلاً إِذَا اقْتَضَى" هٰذَا حديثٌ غريبٌ صَحِيحٌ حسنٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ النَّهْيِ عن الْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں خرید وفروخت کی ممانعت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں کوئی چیز بیچ رہا ہے یا خرید رہا ہے تو اسے بددعا دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ کریں، اور جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کررہا ہے تو اس کو بددعا دو کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس نہ کریں'' یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲۶ میں گذر چکی ہے۔

[۷۵-] باب النَّهْيِ عن البيع فى المسجد

[۱۳۰۶-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَارِمٌ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحمدٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي يَزِيْدُ بنُ خُصَيْفَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيْعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقُوْلُوْا: لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ! وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا: لَارَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ!"

حديثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوْا الْبَيْعَ والشِّرَاءَ فِي الْمَسْجِدِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ؛ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْبَيْعِ وِالشِّرَاءِ فِي الْمَسْجِدِ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے وہ مسجد میں خرید وفروخت کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم مسجد میں خرید وفروخت کی اجازت دیتے ہیں (اور دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ سامان مسجد میں لاکر خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے اور اس کے بغیر معتکف کے لئے جائز ہے)

﴿ابھی ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات باقی ہیں، درمیان میں ابواب الاحکام شروع ہورہے ہیں﴾

بسم الله الرحمن الرحيم

أبوابُ الأحْكَامِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

عدالتی احکام

بابُ ماجاءَ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فِيْ الْقَاضِيْ

عہدہ قبول کرنا بھاری ذمہ داری اوڑھنا ہے

احکام: حکم کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: فیصلہ۔ أبواب الأحکام یعنی أبواب القضاء۔ اور پہلے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات کے درمیان میں ابواب الاحکام داخل کئے ہیں، یہ ابواب الاحکام دوصفحوں (۱۳ باب) تک ہیں، ان کے بعد پھر ابواب البیوع شروع ہونگے۔

حدیث (۱): حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ کے عہدۂ قضا کی پیش کش کی، حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا: ''کیا آپ مجھے معافی دیں گے اے امیر المؤمنین!'' یعنی معاف فرمائیں، میں قاضی بننا نہیں چاہتا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، آپ کے ابا تو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ کے قاضی تھے، حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا: میں اس لئے معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے کہ ''جو شخص قاضی بنا پس اس نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا تو وہ اس بات کے لائق ہے کہ برابر سرابر چھوٹ جائے!'' یعنی نہ ثواب ملے نہ عذاب، آخرت میں برابر سرابر چھوٹ جائے یہی کافی ہے، ظاہر ہے آدمی تنخواہ کے لئے قاضی بنتا ہے یا ثواب کے لئے، اور اس زمانہ میں تنخواہ کا تو سوال ہی نہیں تھا اور ثواب ندارد! پھر کس امید پر قاضی بنے! (یہ حدیث منقطع ہے عبداللہ بن مَوہب کا حضرت عثمانؓ سے لقاء وسماع نہیں)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے قاضی بننا چاہا وہ اس کے نفس کے حوالہ کردیا جاتا ہے اور جو شخص قاضی بننے پر مجبور کیا گیا: آسمان سے اس کی مدد کے لئے فرشتہ اترتا ہے پس وہ اس کو سیدھا رکھتا ہے''

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قضا کا عہدہ چاہا، اور اس کے لئے سفارشی لگائے: وہ اس کے نفس کے حوالہ کردیا جاتا ہے اور جو قاضی بننے پر مجبور کیا گیا: اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتہ اتارتے ہیں جو اس کو سیدھا رکھتا ہے''

تشریح: یہ حدیثیں عہدۂ قضا کے ساتھ خاص نہیں، ہر عہدہ کا یہی حکم ہے، جو شخص اپنی خواہش سے کوئی عہدہ حاصل کرتا ہے، اس کے لئے سفارشی لگاتا ہے، لوگوں کی ذہن سازی کرتا ہے، ووٹ مانگتا ہے تو جب اس کو عہدہ مل جاتا ہے تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں، اس کی کوئی مدد نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو اس کے نفس کے حوالے کردیتے ہیں کہ لے تو نے ذمہ داری لی ہے پس اسے نبیڑ! اور جس کو زبردستی کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے: ہر شخص اس کی مدد کرتا ہے، وہ جس کام کے لئے کہتا ہے ہر شخص فوراً کرتا ہے کیونکہ انہی لوگوں نے اس کو مجبور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی آسمان سے ایک فرشتہ اتارتے ہیں جو اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اس کو سیدھا رکھتا ہے۔

رہی یہ بات کہ کون عہدہ کا طالب ہے اور کس کو زبردستی ذمہ داری سونپی گئی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، دنیا میں کوئی شخص اس کا اقراری نہیں کہ وہ عہدہ چاہتا ہے، الیکشن میں بھی یہ قانون ہے کہ کوئی امیدوار خود امیدوار نہیں بن سکتا، لوگ اس کی سفارش کرتے ہیں، مگر ہر شخص حقیقتِ حال سے واقف ہے کہ وہ سفارشی اسی کے ایجنٹ ہوتے ہیں اور امیدواران کے ذریعہ اپنے لئے زمین ہموار کرتا ہے، لیکن اگر واقعی کوئی شخص ایسا ہو جس کو زبردستی عہدہ سونپا گیا ہو اور وہ عہدہ کا قطعاً طالب نہ ہو تو لوگ ضرور اس کا تعاون کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتے ہیں، اور عہدہ کے طالب کی کوئی مدد نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حدیث (۴): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو عہدۂ قضا سونپا گیا یا فرمایا: جو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا'' (یہ عربی محاورہ ہے اردو محاورہ: وہ الٹی چھری سے ذبح کردیا گیا! ہے یعنی نہایت مشقت میں پڑ گیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الأَحْکَامِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[۱-] باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی

[۱۳۰۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰی، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَیْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الْمَلِكِ،

يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَوْهَبٍ: أَنَّ عُثْمَانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ: اذْهَبْ فَاقْضِ بَيْنَ النَّاسِ، قَالَ: أَوَ تُعَافِيْنِي يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! قَالَ: فَمَا تَكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ، وَقَدْ كَانَ أَبُوْكَ يَقْضِيْ؟ قَالَ: إِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ كَانَ قَاضِيًا، فَقَضَى بِالْعَدْلِ، فَبِالْحَرِيِّ أَنْ يَنْقَلِبَ مَنْهُ كَفَافًا" فَمَا أَرْجُوْ بَعْدَ ذٰلِكَ؟ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ غريبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ عِنْدِيْ بِمُتَّصِلٍ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ الَّذِيْ رَوَى عَنْهُ الْمُعْتَمِرُ هٰذَا: هُوَ عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ أَبِيْ جَمِيْلَةَ.

[۱۳۰۸-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلٰى، عَنْ بِلَالِ بنِ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ سَأَلَ الْقَضَاءَ وُكِلَ إِلٰى نَفْسِهِ، وَمَنْ أُجْبِرَ عَلَيْهِ يَنْزِلُ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيُسَدِّدُهُ"

[۱۳۰۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، ثَنَا يَحْيَى بنُ حَمَّادٍ، عَنْ أَبِيْ عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى الثَّعْلَبِيِّ، عَنْ بِلَالِ بنِ مِرْدَاسٍ الْفَزَارِيِّ، عَنْ خَيْثَمَةَ، وَهُوَ الْبَصْرِيُّ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ، وَسَأَلَ فِيْهِ شُفَعَاءَ، وُكِلَ إِلٰى نَفْسِهِ، وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ إِسْرَائِيْلَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلٰى.

[۱۳۱۰-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، ثَنَا الْفُضَيْلُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ وُلِّيَ الْقَضَاءَ، أَوْ: جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ: فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ أَيْضًا مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: پہلی حدیث میں قصہ سے مراد: زائد مضمون ہے، یہ زائد مضمون ابن حبان اور ابویعلی کی روایت میں ہے اور وہاں سے منذری نے ترغیب وترہیب میں نقل کیا ہے ـــــ اور پہلی حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے، اس میں دو خرابیاں ہیں: ایک: عبداللہ بن موہب کا حضرت عثمانؓ سے لقاء وسماع نہیں، پس سند منقطع ہے۔ دوسری: عبد الملک مجہول راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک روایت ہے ـــــ دوسری اور تیسری حدیثیں ایک ہیں، اور اسرائیل کی سند میں خَيْثَمَة کا ذکر نہیں، ابوعوانہ کی سند میں ہے، اس لئے یہ سند نازل ہوگئی چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنے مزاج کے مطابق اسی کو اصح قرار دیا۔

بابُ ماجاء في الْقَاضِيْ يُصِيْبُ وَيُخْطِئُ

قاضی کبھی صحیح فیصلہ کرتا ہے کبھی چوکتا ہے پھر بھی اجر پاتا ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب فیصلہ کرنے والا کوئی فیصلہ کرے (خواہ بادشاہ کرے، قاضی کرے یا امت کا مجتہد کرے) پس وہ (حق کو پانے کی) انتہائی کوشش کرے (یعنی معاملہ سمجھنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرے) پس وہ نفس الامری حق کو پالے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں اور جب قاضی کوئی فیصلہ کرے اور وہ اس میں چوک جائے یعنی نفس الامری حق کو نہ پاسکے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے'' (یہی حکم مجتہدین امت کا ہے)

تشریح: ایک زبان زد جملہ ہے: المجتهدُ يُصيب ويُخطئ یعنی مجتہد حق کو پاتا بھی ہے اور چوکتا بھی ہے یہ کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ اصولِ فقہ کی عبارت ہے اور یہ بات اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

اور اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ قاضی کو معاملہ فہمی میں اور مجتہد کو مسائل شرعیہ کے فہم واستنباط میں حتی المقدور پوری کوشش کرنی چاہئے، پھر اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہ اس کی محنت ضائع نہیں کریں گے۔

اس حدیث کے ضمن میں تین باتیں سمجھنی چاہئیں:

پہلی بات: پہلے باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث آئی ہے کہ قاضی اگر آخرت میں برابر سرابر چھوٹ جائے تو بھی غنیمت ہے، اور اس حدیث میں یہ ہے کہ قاضی کو ایک ثواب تو ہر حال میں ملتا ہے اور صحیح فیصلہ کرے تو ڈبل ثواب ملتا ہے، یہ ایک طرح کا تعارض ہے، اس کا حل یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کا معاملہ وہ ہے جو ہم کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲ میں اور دیگر کئی جگہوں میں بیان کر آئے ہیں کہ جو معاملہ دو فریقوں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اس میں جب شریعت کسی بھی فریق سے مخاطب ہوتی ہے تو اس طرح خطاب کرتی ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اس کی ہے، چنانچہ جب قاضی سے خطاب کیا تو یہ فرمایا کہ قاضی آخرت میں اگر برابر سرابر چھوٹ جائے تو بھی غنیمت ہے، اور جب عوام سے خطاب کیا تو چونکہ عوام کا خیال یہ ہے کہ قاضی بہت سے فیصلے غلط کرتے ہیں اس لئے ان سے یہ کہا کہ اگر قاضی غلطی بھی کرے تو بھی ثواب کا مستحق ہے اور صحیح فیصلہ کرے تو ڈبل ثواب کا حقدار ہے، غرض قاضیوں سے منصب قضاء کی اہمیت ونزاکت کے لحاظ سے خطاب کیا اور عوام سے ان کے احوال کے اعتبار سے خطاب کیا، اس طرح ٹھنڈا گرم مل کر اعتدال پیدا ہوگیا کہ کام بے شک بڑا نازک ہے مگر قاضی کا مرتبہ بھی سوا ہے۔ پس ہر شخص کو بے دھڑک قضا پر اقدام نہیں کرنا چاہئے اور عوام کو قضات کے فیصلوں پر انگشت نمائی نہیں کرنی چاہئے۔

دوسری بات: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ میں حق ایک ہے، امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی یہی بات مروی ہے، مثلاً: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک

مکروہ تحریمی ہے، ظاہر ہے دونوں باتیں برحق نہیں ہوسکتیں، ان میں سے کوئی ایک حق ہے، اور جس مجتہد نے نفس الامری حق کو پالیا ہے اس کو ڈبل ثواب ملے گا اور جو اس کو چوک گیا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس نے بھی اپنی پوری طاقت صرف کردی ہے مگر اس کو ایک ثواب ملے گا، اور کس نے نفس الامری حق پایا ہے اور کون اس کو چوک گیا ہے؟ اس کا پتا آخرت میں چلے گا۔

تیسری بات: جو مجتہد نفس الامری حق کو چوک جاتا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں سب مجتہدین حق پر ہیں، البتہ آخرت میں ثواب پانے کے اعتبار سے تفاوت ہوگا۔ حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہٗ نے اس کی ایک مثال دی تھی کہ ایک شخص نے ریت میں سوئی رَلا دی اور لوگوں سے کہا: سوئی ڈھونڈھو، جس کو ملے گی اسے دو روپے دوں گا، اور باقیوں کو بھی ایک ایک روپیہ دوں گا، اب ظاہر ہے کہ سوئی کسی ایک ہی کو ملے گی، کیونکہ سوئی ایک ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو نہ ملے، اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل اجتہادیہ میں حق کو پوشیدہ کردیا ہے اور مجتہدین کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، پس جب مجتہدین حکم الٰہی کی تعمیل میں مصروف ہونگے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کی نماز تو صحیح ہو اور کسی کی باطل؟ کسی کا عمل قبول ہو اور کسی کا رد؟ چنانچہ چاروں مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں کہ اہل السنہ والجماعۃ کے تمام مجتہدین عمل کے اعتبار سے برحق ہیں۔

سوال: یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ امام نسفی کی مصفّٰی سے اشباہ میں، پھر وہاں سے درمختار کے مقدمہ میں جو نقل کیا گیا ہے کہ **إذا سُئِلْنا عن مذهبنا ومذهب مخالِفنا: قلنا وجوبا: مذهبُنا صوابٌ يَحتملُ الخطأ ومذهبُ مخالِفِنَا خَطأٌ يَحتملُ الصَّوابَ، وَإِذَا سُئِلْنا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقدِ خصومنا: قلنا وجوبا: الحقُّ ما نحن عليه، والباطلُ ما عليه خُصومُنا** یعنی جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے فقہی مذہب کے بارے میں اور ہمارے مخالف کے فقہی مذہب کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب برحق ہے، مگر اس میں چوک کا احتمال ہے، اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے اور اس میں درستگی کا احتمال ہے، اور جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے یعنی اہل السنہ والجماعہ کے عقیدوں کے بارے میں اور ہمارے مخالف یعنی گمراہ فرقوں کے عقیدوں کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر کہیں گے کہ برحق وہ عقیدے ہیں جن پر ہم ہیں اور غلط وہ عقیدے ہیں جن پر ہمارے مخالف ہیں: اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ آپ تو فرما رہے ہیں کہ فقہی اختلافات میں عمل کے اعتبار سے سب برحق ہیں؟

جواب: شامی میں ابن حجر مکیؒ کے فقہی فتاوی سے نقل کیا ہے کہ **إن ذلك مَبْنِيٌّ على الضَّعيف** یعنی یہ قول جس بنیاد پر متفرع ہے وہ ضعیف ہے، پس یہ بات جو اس پر متفرع ہے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ تفصیل شامی (۱:۳۶) میں ہے۔ اور حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہٗ نے ایک موقع پر جبکہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی کتاب ’’مسلک اعتدال‘‘ اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کی ایک دس نفری مجلس میں پڑھی جارہی تھی اور

اس میں درمختار سے یہ بات نقل کی گئی تھی تو فرمایا تھا کہ یہ بات کلامی مسائل کے بارے میں صحیح ہے، فروعی مسائل کے بارے میں صحیح نہیں، ورنہ حنفی کی شافعی کے پیچھے یا اس کے برعکس نماز کیسے درست ہوگی؟ جب مقتدی اپنے امام کو غلطی پر سمجھ رہا ہے تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

فائدہ: مجتہدین بہت گذرے ہیں، چار ائمہ میں انحصار نہیں، اور آج بلکہ آئندہ بھی نئے مسائل میں اجتہاد جاری ہے، یہ سب مجتہدین اگر اہل السنہ والجماعہ کے عقائد پر ہیں تو وہ سب برحق ہیں اور ان سب کا یہی حکم ہے، البتہ جو لوگ اہل السنہ والجماعہ کے عقائد سے خارج ہیں، جیسے: غیر مقلدین، مودودی اور شیعہ وغیرہ ان کے لئے یہ حکم نہیں اور اہل السنہ والجماعہ میں شامل چار مکاتب فکر کی پیروی کرنے والے ہی ہیں، حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ''مأۃ دروس'' میں اور علامہ احمد طحطاویؒ نے درمختار کے حاشیہ میں اس کی صراحت کی ہے، کیونکہ حقانیت کا مدار اصول وعقائد پر ہے، فروعات پر نہیں۔ فروعات میں اختلاف تو دور صحابہ سے چلا آرہا ہے جبکہ تمام صحابہ برحق تھے۔ تفصیل میری کتاب ''دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت'' میں ہے۔

ملحوظہ: اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حق پانے والے کو دو اجر اور حق چوکنے والے کو ایک اجر ملتا ہے یہ بات صرف مجتہدین کے تعلق سے ہے، ان کے مقلدین کے تعلق سے نہیں ہے۔ مقلدین تو سب عمل کے اعتبار سے برحق ہیں، پس سب کو یکساں ثواب ملے گا۔ البتہ ان کے ائمہ میں سے جس نے حق کو پالیا ہے اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور جو حق کو چوک گیا ہے اس کو اکہرا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۲-] باب ماجاء في القاضي يُصيبُ ويُخطئُ

[۱۳۱۱-] حدثنا حُسَيْنُ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ مُحمدِ بنِ عَمْرِو بنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ''

وفي الباب: عَنْ عَمْرِو بنِ الْعَاصِ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ؛ حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ.

نوٹ: اس حدیث کی اگرچہ ایک ہی سند ہے مگر حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی مروی ہے (مشکوۃ حدیث ۳۷۳۲)

بابُ ماجاء في الْقَاضِيْ كَيْفَ يَقْضِيْ؟

قاضی کس طرح فیصلہ کرے؟

حدیث: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو پوچھا: ''فیصلے کس طرح کرو گے؟'' انھوں نے عرض کیا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے پوچھا: ''اگر کتاب اللہ میں حکم نہ پاؤ تو؟'' انھوں نے عرض کیا: رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پوچھا: اگر رسول اللہ کی سنت میں بھی حکم نہ پاؤ تو؟ انھوں نے عرض کیا: اپنی رائے کو تھکا دوں گا یعنی پوری قوت صرف کر کے قرآن وسنت سے حکم نکالوں گا، آپ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے! اس نے اپنے رسول کے رسول کو صحیح بات سجھا دی!''

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس جیسی حدیثوں کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت دوہری ہے، آپ بلا واسطہ صحابہ کی طرف مبعوث ہیں اور صحابہ کے واسطے سے پوری دنیا کی طرف مبعوث ہیں، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۴۳۵ کتاب الطہارۃ باب ۱۱۱) میں گذر چکی ہے۔

اور قرآن وسنت میں کسی حکم کے نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں صراحۃً حکم نہ ہو، پس ایسی صورت میں منصوص احکام کی علتوں میں غور کیا جائے گا، اور علتِ مستخرجہ پر حکم متفرع کیا جائے گا۔

فائدہ (۱): اس حدیث میں خاص بات توجہ طلب یہ ہے کہ حدیث حجت نہیں، بلکہ سنت حجت ہے، چنانچہ تمام احادیث میں سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے، کسی ایک حدیث میں بھی حدیث کو مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں، اور حدیث کے معنی ہیں: ما أُضِيْفَ إِلَى النبي صلى الله عليه وسلم مَنْ قول أو فعلٍ أو تقريرٍ یعنی نبی ﷺ کے اقوال وافعال وتائیدات حدیث ہیں۔ اور سنت کے معنی ہیں: الطريقة المسلوكة في الدين یعنی دینی راہ اور دونوں میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے، جو احادیث منسوخ یا مخصوص یا ماؤل ہیں وہ صرف حدیث ہیں، سنت نہیں اور ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی خلفائے راشدین کی باتیں سنت ہیں، حدیث نہیں اور معمول بہا اقوال وافعالِ نبوی حدیث بھی ہیں اور سنت بھی، پس فرقہ ''اہل حدیث'' گمراہ فرقہ ہے، کیونکہ حدیث حجت نہیں، اہل حق صرف اہل السنہ والجماعہ ہیں کہ حجت سنت ہے، تفصیل میری کتاب: ''دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت'' میں ہے۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے قیاس کی حجیت (اعتباریت) ثابت ہوتی ہے، جب کسی معاملہ کا صریح حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو اجتہاد ناگزیر ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، مگر قیاس مثبت حکم نہیں بلکہ مظہر ہے، وہ ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ قرآن وسنت اور اجماع سے حکم نکالا جاتا ہے، پس اگر قیاس حجت نہیں تو یہ مصادر ثلاثہ بھی حجت نہیں،

وهو کما تری (اس کی تفصیل بھی میری کتاب: ''دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت'' میں ہے)

[۳-] باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی؟

[۱۳۱۲-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيْ عَوْنٍ، عَنِ الْحَارِثِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذٍ، عَنْ مُعَاذٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: "كَيْفَ تَقْضِيْ؟" فَقَالَ: أَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللهِ، قَالَ: "فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللهِ؟" قَالَ: فَبِسُنَّةِ رسولِ اللهِ، قَالَ: "فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟" قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ، قَالَ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رسولَ رسولِ اللهِ!"

حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، قَالاَ: ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ عَوْنٍ، عَنِ الْحَارِثِ بنِ عَمْرٍو ابْنِ أَخٍ لِلْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصٍ، عَنْ مُعَاذٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِنَحْوِهِ. هٰذَا حديثٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ عِنْدِيْ بِمُتَّصِلٍ، وَأَبُوْ عَوْنٍ الثَّقَفِيُّ: اسْمُهُ مُحمدُ بنُ عُبَيْدِ اللهِ.

ملحوظہ: اس حدیث میں اگرچہ مجہول واسطہ ہے، مگر حدیث صحیح ہے، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد ثقہ تھے، پس یہ مرسل روایت حجت ہے، یہ بات ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں کہی ہے، مگر غیر مقلدین مرغ کی ایک ٹانگ رٹے جاتے ہیں، کہتے ہیں: حدیث ضعیف ہے یعنی موضوع ہے، کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد ہی اس حدیث سے ڈھ جاتی ہے۔

بابُ ماجاء فی الإِمَامِ الْعَادِلِ

انصاف پرور حاکم کی فضیلت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اللہ تعالیٰ سے مجلس (مرتبہ) کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب: انصاف پرور حاکم ہوگا۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ مجلس (مرتبہ) کے اعتبار سے دور: ظالم بادشاہ ہوگا''

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہیں کرتا، پس جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے علحدہ ہوجاتے ہیں اور شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے (پس دن بدن اس کا ظلم بڑھتا چلا جاتا ہے) ——— اس حدیث میں لفظ ''امام'' عام ہے، ہر سرکاری عہدہ دار کو شامل ہے۔

[٤-] باب ماجاء في الإمام العادل

[١٣١٣-] حدثنا عَلِيُّ بنُ الْمُنْذِرِ الْكُوفِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنْ فُضَيْلِ بنِ مَرْزُوْقٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا: إِمَامٌ عَادِلٌ؛ وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ، وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا: إِمَامٌ جَائِرٌ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ أَبِيْ أَوْفَى، حديث أَبِيْ سَعِيْدٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[١٣١٤-] حدثنا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بنُ مُحَمَّدٍ أَبُوْ بَكْرٍ الْعَطَّارُ، ثَنَا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، ثنا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ ابنِ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "اللّٰهُ مَعَ الْقَاضِيْ مَالَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ، وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِمْرَانَ الْقَطَّانِ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں عطیہ عوفی ہیں، وہ متکلم فیہ راوی ہیں، اس لئے حدیث کوصرف حسن کہا ہے اورسند یہی ایک ہےاس لئے غریب ہے ـــــ اور دوسری حدیث کی سند میں عمران القطان بہت اعلی درجہ کے راوی نہیں ہیں، اس لئے سندصرف حسن ہے، اورسند یہی ایک ہےاس لئے غریب ہے۔

بابُ ماجاء فِي الْقَاضِيْ لَايَقْضِيْ بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَهُمَا

قاضی جب تک فریقین کی بات نہ سن لے فیصلہ نہ کرے

حدیث: حضوراقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کوعنفوانِ شباب میں جب قاضی بنا کر یمن بھیجا تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ناتجربہ کار ہوں، میں کس طرح فیصلے کروں گا؟ آنحضور ﷺ نے ان کوایک گُر کی بات بتائی، فرمایا: "جب تمہارے سامنے دوشخص اپنا جھگڑا لے کر آئیں تو آپ پہلے کے لئے کوئی فیصلہ نہ کریں جب تک دوسرے کی بات نہ سن لیں"، یعنی جب تک دوسرے کی بات سن نہ لیں پہلے کے حق میں کوئی ذہن نہ بنائیں، پس جب آپ دونوں کی باتیں سن لیں گے تو سمجھ میں آجائے گا کہ فیصلہ کیا کرنا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس میں برابراس وقت سے اب تک فیصلے کررہا ہوں یعنی مجھے کوئی الجھن پیش نہیں آئی۔

تشریح: اسلامی عدالت میں ہرشخص براہ راست قاضی سے ملتا ہے، درمیان میں کوئی وکیل (ایڈوکیٹ) نہیں ہوتا اور غیرمسلم عدالتوں میں فریقین خاموش کھڑے رہتے ہیں اورایڈوکیٹ بحثیں کرتے ہیں اور چونکہ وہ قانون داں ہوتے ہیں اس لئے ایسے ایسے نکتے نکالتے ہیں کہ جج پریشان ہوجاتا ہےاورکوئی فیصلہ نہیں کرپاتا اورمقدمہ چلتا رہتا ہےاور

سالوں تک مقدمے لٹکے رہتے ہیں، اسلامی عدالت کا یہ دستور نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنے مقدمہ کی پیروی خود کرتا ہے اور قاضی سے براہ راست گفتگو کرتا ہے، چنانچہ فریقین کی بات ختم ہوتے ہی قاضی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اس لئے کوئی مقدمہ التواء میں نہیں رہتا۔

[۵-] باب ماجاء في القاضي لايقضي بين الخَصْمَيْنِ حتى يسمَعَ كلامَهُمَا

[۱۳۱۵-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا حُسَيْنُ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ حَنَشٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ لِيْ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ، فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الآخَرِ، فَسَوْفَ تَدْرِيْ كَيْفَ تَقْضِيْ؟" قَالَ عَلِيٌّ: فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

بابُ ماجاء في إِمَامِ الرَّعِيَّةِ

سربراہِ مملکت کی ذمہ داری

رَعِيَّةٌ: کے معنی ہیں: ریوڑ، اور چرواہے کے لئے لفظ راعی ہے۔ امام (سربراہِ مملکت) راعی (چرواہا) ہے اور پبلک رعیت (ریوڑ) ہے۔ ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ چرواہا اپنے ریوڑ کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے حاکم کو بھی پبلک کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور ہر شخص اپنے ریوڑ کے بارے میں مسئول ہے، پھر آپؐ نے بطور مثال فرمایا: امام (سربراہِ مملکت) چرواہا ہے اور وہ پبلک کے بارے میں مسئول ہے یعنی امام سے پبلک کے بارے میں باز پرس ہوگی، شوہر چرواہا ہے اور اس کا ریوڑ اس کی فیملی ہے، اسی طرح استاذ چرواہا ہے اور اس کا ریوڑ طلبہ ہیں، پس سب سے ان کے ریوڑوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، غرض ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ حاکم کو پبلک کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟

حدیث: دشمنانِ اسلام نے حضرت علی، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم پر فجر کی نماز میں قاتلانہ حملہ کا پروگرام بنایا، حضرت علیؓ تو شہید ہوگئے اور عمرو بن العاصؓ اس دن اتفاق سے فجر کی نماز میں نہیں آئے، ان کی جگہ جو آیا وہ شہید ہوگیا، اور حضرت امیر معاویہؓ پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا مگر اندھیرے میں وار اوچھا پڑا، خنجر پیٹ کے بجائے سرین کے گوشت میں لگا اور وہ بچ گئے، اس واقعہ کے بعد انھوں نے سیکورٹی قائم کی، اب ہر شخص ان سے نہیں مل سکتا تھا، اس وقت حضرت عمرو بن مرہؓ نے ان کو حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "جو بھی امام اپنا دروازہ حاجت مندوں، غریبوں اور محتاجوں کے ورے بھیڑ لیتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت، حاجت اور مسکنت کے ورے آسمانوں کے دروازے بھیڑ لیتے ہیں یعنی اس کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے، یہ حدیث سن کر امیر

معاویہؓ نے ایک آدمی مقرر کیا جو لوگوں کی ضرورتیں ان تک پہنچاتا تھا (اس طرح لوگوں کی حاجتیں بھی امیر المؤمنین تک پہنچ گئیں اور زمانہ کے احوال کی بھی رعایت ہوگئی)

[٦-] باب ماجاء فی إمام الرَّعِيَّةِ

[١٣١٦-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بنُ الْحَكَمِ، حَدَّثَنِيْ أَبُو الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ عَمْرُو بنُ مُرَّةَ لِمُعَاوِيَةَ: إِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَامِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُوْنَ ذَوِى الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ، إِلَّا أَغْلَقَ اللهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ" فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلَى حَوَائِجِ النَّاسِ.

وفي الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، حديثُ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ، وَعَمْرُو بنُ مُرَّةَ الْجُهَنِيُّ: يُكْنَى أَبَا مَرْيَمَ.

حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ حَمْزَةَ، عَنْ يَزِيْدَ أَبِيْ مَرْيَمَ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُخَيْمَرَةَ، عَنْ أَبِيْ مَرْيَمَ صَاحِبِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيْثِ بِمَعْنَاهُ.

وضاحت: حاجت، مسکنت اور خلّت: متقارب المعنی الفاظ ہیں، تاکید ومبالغہ کے طور پر چند الفاظ لائے گئے ہیں اور دوسری سند میں ابومریم: حضرت عمرو بن مرة کی کنیت ہے، حافظ نے فتح میں فرمایا ہے کہ حدیث کی یہ دوسری سند جید (عمدہ) ہے۔

بابُ ماجاء لَايَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ

غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدعی یا مدعی علیہ کی کسی بات پر قاضی کو غصہ آجاتا ہے یا اور کسی شخص پر قاضی غضبناک ہوتا ہے پس اس حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، غصہ میں دماغ کا ٹمپریچر ڈاؤن ہوجاتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

رفتہ رفتہ آدمی را کم تر سازد غضب ❁ آب را چنداں کہ جوشانند کمتر شود

غصہ کرنے سے آدمی رفتہ رفتہ اوچھا ہوجاتا ہے÷ پانی کو جتنا جوش دیں گے کم ہوتا رہے گا۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ قوتِ عاقلہ کی کمزوری سے غصہ آتا ہے اور غصہ سے قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے جیسے بیڑی پینے سے قبض ہوتا ہے اور بیڑی پینے ہی سے اجابت ہوتی ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا۔

حدیث: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ بَکْرۃ کے معنی ہیں: چرخی۔ جب آنحضور ﷺ نے طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو وہاں جو غلام مسلمان تھے وہ نکلنا چاہتے تھے، مگر چارہ نہیں تھا، اس وقت حضرت ابوبکرہ نے قلعے سے بھاگنے کے لئے چرخی کا آئیڈیا پیش کیا تھا، اس لئے وہ ابوبکرہ (چرخی والے) مشہور ہوگئے، ان کے صاحبزادے عبید اللہ کرمان کے قاضی تھے، آپؓ نے صاحبزادے کو نصیحت لکھ کر بھیجی کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''حاکم دوشخصوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے''

[۷-] باب ماجاء لایقضی القاضی وهُوَ غضبانُ

[۱۳۱۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِيْ بَكْرَةَ، قَالَ: كَتَبَ أَبِيْ إِلَى عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ بَكْرَةَ، وَهُوَ قَاضٍ: أَنْ لَا تَحْكُمْ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " لَايَحْكُمُ الْحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ بَكْرَةَ: اسْمُهُ نُفَيْعٌ.

بابُ ماجاء فی هَدَايَا الْأُمَرَاءِ

امراء کے ہدایا کا حکم

امراء کے پاس جو ہدیے آتے ہیں وہ ہدیے کم رشوت زیادہ ہوتے ہیں اور ضروری نہیں کہ آج ہی ہدیہ دینے والے کو حاکم سے کوئی کام لینا ہو، دو چار سال کے بعد بھی وہ کسی کام کے لئے کہہ سکتا ہے، اس لئے امراء کو ہدایا نہیں لینے چاہئیں، البتہ وہ لوگ جو اس کو امیر بننے سے پہلے ہدیے دیتے لیتے رہے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں، اسی طرح وہ اقارب جن کے ساتھ ہدیہ دینے لینے کا رواج ہے وہ بھی مستثنیٰ ہیں۔ اور جو حکم ہدیہ کا ہے وہی حکم دعوت کا ہے اور اس سلسلہ میں آگے باب آرہا ہے۔

حدیث: آنحضور ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک پرگنہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپؐ ان کو رخصت کرنے کے لئے ثَنِیَّۃُ الوداع تک تشریف لے گئے، جب وہ رخصت ہوگئے تو آپؐ نے آدمی بھیج کر ان کو واپس بلایا اور فرمایا: ''جانتے ہو میں نے آپ کو واپس کیوں بلایا ہے؟'' یعنی ایک بات رہ گئی تھی وہ بتانے کے لئے واپس بلایا ہے: ''ہرگز میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ وہ سرکاری مال میں خیانت ہوگی، اور جو شخص پبلک کے مال میں خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا! اسی لئے میں نے آپ کو بلایا ہے، اب آپ اپنے کام پر جائیں''

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وزراء اور سربراہوں کو دوسرے ملک جانے پر جو ہدایا ملتے ہیں وہ بھی

سرکاری مال ہیں، کیونکہ ان کو وہ ہدیہ ملک کا صدر یا وزیر ہونے کی حیثیت سے ملا ہے، مگر کوئی اپنا ہدیہ سرکاری خزانہ میں داخل نہیں کرتا، خود رکھ لیتا ہے یہ خیانت ہے۔ پھر جب دوسرے ملک کا کوئی وزیر یا صدر آتا ہے تو سرکاری خزانہ سے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ فیا للعجب!

[۸-] باب ماجاء في هَدَايَا الْأُمَرَاءِ

[۱۳۱۸-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ دَاوُدَ بنِ يَزِيْدَ الْأَوْدِيِّ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُبَيْلٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ قَالَ: بَعَثَنِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْيَمَنِ، فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِيْ أَثَرِيْ، فَرُدِدْتُ، فَقَالَ: " أَتَدْرِيْ لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ؟" قَالَ: " لَاتُصِيْبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِيْ فَإِنَّهُ غُلُوْلٌ، وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ"

وفي الباب: عَنْ عَدِيِّ بنِ عَمِيْرَةَ، وَبُرَيْدَةَ، وَالْمُسْتَوْرِدِ بنِ شَدَّادٍ، وَأَبِيْ حُمَيْدٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ مُعَاذٍ، حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حديثِ أَبِيْ أُسَامَةَ، عَنْ دَاوُدَ الْأَوْدِيِّ.

بابُ ماجاء في الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ

عدالت میں رشوت لینے دینے کا بیان

عربی میں رشوت دینے والے کو راشی اور رشوت لینے والے کو مرتشی کہتے ہیں، اور اردو میں لفظ مرتشی کا تو استعمال نہیں اور راشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں، پس غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عدالت میں رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی۔

تشریح: اس حدیث میں في الحكم کی قید یا تو اتفاقی ہے یا تشنیع کے لئے ہے، پس عدالت میں رشوت دینے لینے کا جو حکم ہے وہی اور جگہوں کا بھی ہے، البتہ عدالت میں رشوت دینا لینا بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ جب عدالت میں رشوت کا چلن ہو جائے گا تو پھر انصاف کہاں سے ملے گا؟

الغرض رشوت نہ لینا جائز ہے نہ دینا، البتہ اگر رشوت دیئے بغیر حق نہ مل سکتا ہو تو رشوت دینے کی گنجائش ہے مگر لینے کی کسی صورت میں گنجائش نہیں، مثلاً ایک شخص ٹکٹ ریزرو کرانے گیا، کلرک کہتا ہے: جگہ نہیں! لیکن اگر پچاس کا نوٹ تھما دیا جائے تو فوراً جگہ نکل آتی ہے! معلوم ہوا کہ جگہ ہے پس اس پر مسافر کا حق ہے مگر وہ رشوت دیئے بغیر نہیں مل سکتا تو اپنا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دے سکتے ہیں، لیکن اگر وہ کسی کا ریزرویشن کینسل کر کے آپ کو دے

تو رشوت دینا جائز نہیں، یہ دوسرے کے حق کو مارنے کے لئے رشوت دینا ہے۔

فائدہ: باب میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جو مسند احمد میں ہے، اس میں رائش کا بھی ذکر ہے۔ رائش: بیچ کا آدمی ہے، اس پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے۔

[۹-] باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم

[۱۳۱۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عُمَرَ بن أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: لَعَنَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِيْ الْحُكْمِ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وابنِ حَدِيْدَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ؛ حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ.

وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَرُوِيَ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَايَصِحُّ.

وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُوْلُ: حديثُ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَحْسَنُ شَيْءٍ فِيْ هٰذَا الْبَابِ وَأَصَحُّ.

[۱۳۲۰-] حدثنا أَبُوْ مُوْسَى مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: لَعَنَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: ابوسلمہ کے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں، یہ حدیث ان سے منقول نہیں ہے اسی لئے امام دارمی رحمہ اللہ نے آئندہ حدیث کو باب کی صحیح ترین حدیث قرار دیا ہے۔

بابُ ماجاء في قُبُوْلِ الهَدِيَّةِ وَإِجابَةِ الدَّعْوَةِ

قضات وامراء کا ہدیہ لینا اور دعوت قبول کرنا

امراء کو جو تحفے عوام دیتے ہیں وہ درحقیقت رشوت ہوتے ہیں اس لئے جائز نہیں، یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ سابقہ معرفت ہے یا عام دعوت ہے اس کو امیر قبول کرسکتا ہے اور عام دعوت وہ ہے کہ امیر شریک ہو یا نہ ہو دعوت وقت پر ہوگی، اور جو دعوت امیر کی شرکت پر موقوف ہو وہ خاص دعوت ہے، اس کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجھے ہدیہ میں بکری کے پائے دیئے جائیں تو میں ان کو قبول کروں

گا، اور اگر پایوں کی دعوت کی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا"

تشریح: نبی ﷺ کی ایک حیثیت امیر المؤمنین ہونے کی تھی اور دوسری اصل حیثیت رسول اللہ ہونے کی تھی، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر ہدیہ اگرچہ معمولی ہو قبول کروں گا اور ہر دعوت اگرچہ چٹنی روٹی کی ہو قبول کروں گا، اس میں امت کو اور امراء کو سادگی کی تعلیم دی گئی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس ہدیہ اور دعوت کے قبول کرنے میں رشوت کا پہلو نہ ہو وہ بے تکلف قبول کی جاسکتی ہے۔

لطیفہ: ایک مولانا صاحب نے میزبان سے پوچھا: کیا پکاؤ گے؟ میزبان نے از راہ تواضع کہا: دال روٹی پیش کروں گا! مولانا صاحب نے کہا: "دال بڑا مال! یہ چیز تو حضور کو بھی نصیب نہیں ہوئی تھی، اپنے لئے تو مرغی چرغی چلے گی!" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سیرت نبوی نہیں تھی، آپ دال روٹی کی دعوت بھی قبول فرمالیتے تھے۔

[١٠-] باب ماجاء في قبول الهَدِيَّة وإجابة الدعوة

[١٣٢١-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ اللهِ بنِ بَزِيْعٍ، ثَنَا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، ثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَالْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، وَسَلْمَانَ، وَمُعَاوِيَةَ بنِ حَيْدَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَلْقَمَةَ، حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في التَّشْدِيْدِ عَلَى مَنْ يُقْضَى لَهُ بِشَيْءٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ

قاضی نے جس چیز کا فیصلہ کیا اگر وہ چیز اس کی نہیں تو اس کے لینے پر وعید

عدالت میں ایک مقدمہ چلا، قاضی نے اس کے سامنے جو شواہد و دلائل آئے ان کے پیش نظر فیصلہ کردیا، مگر نفس الامر میں چیز جس کو دلائی ہے اس کی نہیں ہے تو قاضی کے فیصلے کے باوجود وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں، اگر وہ اس کو لے گا تو اس حدیث میں اس کے لئے سخت وعید آئی ہے، کیونکہ قاضی اگرچہ حقیقت حال سے واقف نہیں، مگر صاحب معاملہ تو جانتا ہے کہ چیز اس کی نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " آپ لوگ اپنے مقدمات لے کر میرے پاس آتے ہو اور میں ایک انسان ہی ہوں (عالم الغیب نہیں ہوں) اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک دوسرے سے اپنی بات پیش کرنے میں چرب زبان ہو، پس اگر میں تم میں سے کسی کے لئے اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کروں تو وہ سمجھ لے

کہ میں نے اس کو دوزخ کا ایک حصہ ہی کاٹ کر دیا ہے، پس وہ اس میں سے کچھ نہ لے''

فائدہ: اس حدیث میں ایک بہت ہی اہم مسئلہ زیر بحث آیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ قاضی اگر جھوٹے گواہوں کی بنا پر عقود وفسوخ میں کوئی فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا یا باطناً بھی؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوگا، اور ظاہراً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس اس فیصلے کے مطابق کاروائی کرے گی، مگر نفس الامر میں نہ تو وہ اس چیز کا مالک ہوگا نہ وہ چیز اس کے لئے حلال ہوگی۔ مثلاً زید اور بکر میں ایک مکان کے بارے میں جھگڑا ہے، زید دعوی کرتا ہے کہ بکر نے یہ مکان مجھے بیچ دیا ہے، حالانکہ حقیقت میں نہیں بیچا، مگر زید نے جھوٹے گواہ پیش کردیئے اور وہ گواہ قاضی کی تحقیق میں معتبر ثابت ہوئے، پس قاضی نے زید کے حق میں فیصلہ کردیا تو اس مکان کو خالی کرا کر زید کو سونپنا پولیس کی ذمہ داری ہے، مگر زید اس کا مالک نہیں ہوگا، ظاہراً نافذ ہونے کا یہی مطلب ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ ظاہراً بھی نافذ ہوگا اور باطناً بھی، اور باطناً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد اس مکان کا مالک زید ہوجائے گا اب اس کا بیچنا صحیح ہوگا، اسی طرح ہبہ بھی صحیح ہوگا اور بعد وفات وہ مکان زید کے ورثاء کو ملے گا، اور جو ثمن قاضی نے بکر کو دلوایا ہے وہ اس کا مالک ہوگا، یا ایک شخص نے غیر منکوحہ عورت پر دعوی کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور ثبوت میں نکاح کے جھوٹے گواہ پیش کئے، قاضی نے ان کا تزکیہ کیا تو وہ ٹھیک ثابت ہوئے، پس قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کردیا، حالانکہ نکاح نہیں ہوا تو عورت کو مدعی کے سپرد کرنا پولیس کی ذمہ داری ہے اور مرد کا اس سے صحبت کرنا جائز ہے اور اولاد ثابت النسب ہوگی، باطناً نافذ ہونے کا یہی مطلب ہے، باطناً نافذ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آخرت میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

اور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر جھوٹا دعوی کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور جھوٹے گواہ پیش کئے، حضرت علیؓ نے اس کے حق میں فیصلہ کردیا۔ جب فیصلہ ہوگیا تو اس عورت نے عرض کیا: حضرت! جب آپ نے فیصلہ کردیا تو ہمارا نکاح بھی پڑھ دیں حقیقت میں نکاح نہیں ہوا اور اب میں راضی ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا: شَاهِدَاكِ زَوَّجَاكِ: تیرے دونوں گواہوں نے تیرا نکاح پڑھ دیا، چنانچہ آپؓ نے نکاح نہیں پڑھا اور عورت اس آدمی کے حوالے کردی گئی، اس حدیث کا حوالہ ایضاح الادلہ میں ہے۔ اس مسئلہ کو شرح وبسط کے ساتھ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے ایضاح الادلہ میں اور ادلۂ کاملہ میں لکھا ہے، خواہش مند حضرات وہاں دیکھیں۔

اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل باب کی حدیث ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے: فإنما أقطع له من النار: میں اس کو جہنم کا ایک حصہ ہی کاٹ کر دے رہا ہوں، معلوم ہوا کہ قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہوئی۔

حنفیہ کہتے ہیں: باطناً نافذ ہونے کا یہ مطلب ہی نہیں، یہ تو آخرت کا مطالبہ ہے، جس کو احناف بھی تسلیم کرتے ہیں اس شخص کو آخرت میں ضرور سزا ملے گی، مگر دنیوی احکام میں عورت اس کے لئے حلال ہوجائے گی، اور وہ اس

چیز کا مالک ہو جائے گا جس کا قاضی نے فیصلہ کیا ہے۔

[١١-] باب ماجاء في التشديد على من يُقضى له بشيئ ليس له أن يأخذه

[١٣٢٢-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، ثَنَا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَإِنْ قَضَيْتُ لِأَحَدٍ مِّنْكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ مِنَ النَّارِ، فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ؛ حديثُ أُمِّ سَلَمَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: أَلْحَنُ: اسم تفضیل ہے از لَحِنَ (س) فلان بُحَجَّتِه: اپنی دلیل کے ہر پہلو سے واقف ہونا اور اس کو سمجھ داری سے پیش کرنا...... اور باب میں لیس له: شیئ کی صفت بھی ہوسکتا ہے اور مابعد سے بھی اس کا تعلق ہوسکتا ہے۔

بابُ ماجاء في أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ

گواہ مدعی کے ذمے اور قسم مدعی علیہ کے ذمے

اس باب میں اور آئندہ باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قاضی کس طرح فیصلہ کرے گا؟ احناف کے نزدیک فیصلہ کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے، اگر وہ گواہ پیش کردے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے، اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کردے، اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے یا ناتمام پیش کرے یا وہ قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کالعدم قرار دیئے جائیں اور قاضی مدعی علیہ کو قسم کھلائے، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کرے اور اگر وہ قسم کھالے تو اس کے حق میں فیصلہ کرے۔ حنفیہ کے نزدیک فیصلہ کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو قاضی مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے، پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے، اس کا نام: قضاءُ القاضی بشاهدٍ واحدٍ ویَمینٍ ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل دوسرے باب میں آرہی ہے اس باب میں حنفیہ کی دلیل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعی علیہ کے ذمے ہے" (یہ حدیث باب میں ہے) اس حدیث میں نبی ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے، پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہونگے، یہ تقسیم کے منافی ہے۔

حدیث: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ اور ایک یہودی کا ایک واقعہ ہے جو پہلے باب ۴۲ میں گذر چکا ہے،

یہودی کے دادا نے حضرت اشعثؓ کے دادا سے ایک زمین غصب کی تھی، اس کا فیصلہ کرانے کے لئے اشعث اس یہود کو لے کر حضور اقدس ﷺ کے پاس مدینہ آئے تھے، اس واقعہ کو حضرت وائلؓ نے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں: حضر موت کا ایک آدمی اور کندہ کا ایک آدمی آنحضور ﷺ کے پاس آئے۔ حضرمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے میری زمین پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے، کندی نے کہا: وہ میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس زمین میں کوئی حق نہیں۔ نبی ﷺ نے حضرمی سے کہا: کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس تم اس سے قسم لو، حضرمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو بدکار آدمی ہے وہ کس بات پر قسم کھا رہا ہے، اس کی اس کو کوئی پرواہ نہیں اور یہ کسی چیز سے نہیں بچتا، آپؐ نے فرمایا: تمہیں بس یہی حق حاصل ہے! راوی کہتا ہے: پس وہ شخص قسم کھانے کے لئے (منبر کی طرف) چلا، جب اس نے پیٹھ پھیری تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس نے اس کے مال پر قسم کھائی تا کہ وہ اس کو ظلماً (ناحق) کھالے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہونگے!“

[١٢-] باب ماجاء في أن البَيِّنَةَ على المدعي واليمينَ على المدعى عليه

[١٣٢٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ: يارسولَ الله! إِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلَى أَرْضٍ لِيْ، فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ، لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم لِلْحَضْرَمِيِّ: "أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَلَكَ يَمِيْنُهُ؟" قَالَ: يارسولَ الله! إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَايُبَالِيْ عَلَى مَا حلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْئٍ، قَالَ: "لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ"، قَالَ: فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِيَحْلِفَ لَهُ، فَقَالَ رَسولُ اللهِ صلى الله لعيه وسلم لَمَّا أَدْبَرَ: "لَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا، لَيَلْقَيَنَّ اللهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو والأَشْعَثِ بنِ قَيْسٍ، حديثُ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ، حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٣٢٤-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ مُسْهِرٍ وَغَيْرُهُ، عَنْ مُحمدِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِيْ خُطْبَتِهِ: "الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ، وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ"

هٰذَا حديثٌ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَمُحمدُ بنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْعَرْزَمِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، ضَعَّفَهُ ابنُ الْمُبَارَكِ وَغَيْرُهُ.

[١٣٢٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ سَهْلِ بنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ يُوْسُفَ، ثَنَا نَافِعُ بنُ عُمَرَ

الْجُمَحِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَضَى أَنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

وضاحت: امام ترمذیؒ نے حدیث: البينة على المدعى واليمين على من أنكر کی جوسند پیش کی ہے وہ اگرچہ متکلم فیہ ہے مگر یہ حدیث دیگر کتب میں اچھی سند سے مروی ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں نصب الرایہ (۴:۹۵) اوراس کا آخری جزء حضرت ابن عباسؓ سے بخاری (حدیث ۴۵۵۲) میں مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ

ایک گواہ کے ساتھ قسم لینے کا بیان

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم کا فیصلہ کیا۔

تشریح: اس حدیث کے سمجھنے میں اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ مدعی کے پاس ایک گواہ تھا، آنحضور ﷺ نے دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی، اس لئے ان کے نزدیک اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہوتو قاضی دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک گواہ کے ساتھ یعنی اس کی موجودگی میں نبی ﷺ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا یعنی مدعی کے ایک گواہ کو کالعدم قرار دیا، اس لئے کہ ایک گواہ نصاب شہادت سے کم ہے، غرض اس حدیث کا محمل متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔

فائدہ: ابوداؤد (۲:۵۰۸ باب القضاء باليمين والشاهد) میں ایک لمبی حدیث ہے اس سے ائمہ ثلاثہ کے فہم کی تائید ہوتی ہے، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لی ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ آپؐ نے اس واقعہ میں فیصلہ یہ کیا تھا کہ جاؤ، چیز آدھی آدھی بانٹ لو (اذهبوا، فقاسموهم أنصاف الأموال) پس یہ مصالحت ہوئی، دوٹوک فیصلہ نہیں ہوا۔

[۱۳-] باب ماجاء فی اليمين مع الشاهد

[۱۳۲۶-] حدثنا يَعْقُوْبُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِي، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ رَبِيْعَةُ بنُ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ قَضَى رسولُ اللهِ

صلى الله عليه وسلم بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ، قَالَ رَبِيْعَةُ: وَأَخْبَرَنِي ابْنٌ لِسَعْدِ بنِ عُبَادَةَ، قَالَ: وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ سَعْدٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ.

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَسُرَّقٍ، حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ: حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[١٣٢٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بنُ أَبَانٍ، قَالاَ: ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ.

[١٣٢٨-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا جَعْفَرُ بنُ مُحمّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ، قَالَ: وَقَضَى بِهَا عَلِيٌّ فِيْكُمْ.

وَهٰذَا أَصَحُّ، وَهٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ جَعْفَرِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا، وَرَوَى عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ أَبِيْ سَلَمَةَ، وَيَحْيىَ بنِ سُلَيْمٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحمّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: رَأَوْا أَنَّ الْيَمِيْنَ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ جائِزَةٌ فِي الْحُقُوْقِ وَالْأَمْوَالِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَقَالُوْا: لَايُقْضَى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ إِلَّا فِي الْحُقُوْقِ وَالْأَمْوَالِ، وَلَمْ يَرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يُقْضَى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کا عمل ہے، انھوں نے حقوق واموال میں ایک گواہ کے ساتھ قسم کا اعتبار کیا ہے (یعنی حدود میں شہادت کا نصاب مکمل ہونا ضروری ہے، صرف حقوق واموال میں اگر شہادت ناتمام ہوتو دوسرے گواہ کی جگہ قسم لی جائے گی) اور یہ مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: ایک گواہ کے ساتھ قسم کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا مگر حقوق واموال میں، اور اہل کوفہ اور ان کے علاوہ بعض اہل علم ایک گواہ کے ساتھ قسم سے فیصلہ کئے جانے کو جائز نہیں کہتے۔ یعنی انھوں نے حقوق واموال میں بھی اس حدیث کو نہیں لیا۔

فائدہ: یہ حدیث عام ہے پس حدود وقصاص میں بھی اس کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے، کیونکہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، مگر ائمہ ثلاثہ اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم حدود میں اس حدیث کا اس لئے اعتبار نہیں کرتے کہ حدود وقصاص شبہات سے رفع ہوجاتے ہیں، یعنی ائمہ ثلاثہ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم لینے میں فی الجملہ شبہ تسلیم کرلیا، پس حقوق واموال میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ گواہی مشتبہ ہے، علاوہ ازیں اس حدیث کا مفہوم مختلف فیہ ہے اور اوپر والے باب میں جو حدیث گذری ہے وہ دوٹوک اور واضح ہے، اس میں نبی ﷺ نے گواہی

اور قسم کو مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان تقسیم فرمایا ہے، پس اسی حدیث پر مسئلہ کی بنیاد رکھنا اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

بابُ ماجاء فی العَبْدِ یَکُوْنُ بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ فَیُعْتِقُ أَحَدُهُمَا نَصِیْبَهُ

غلام میں سے ایک شریک اپنا حصہ آزاد کردے تو اس کا حکم

ابواب الاحکام پورے ہوگئے، اب پھر ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات شروع ہوتے ہیں، اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو یا زیادہ آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے کوئی ایک شریک اپنا حصہ آزاد کردے تو کیا صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا یا سارا غلام آزاد ہوجائے گا؟ اس سلسلہ میں پہلے دو مسئلے جان لیں:

پہلا مسئلہ: عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کبھی متجزی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

وضاحت: یہ تعبیر مجازی ہے کہ عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مراد یہ ہے کہ ازالۂ ملک متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک غلام میں دو آدمی شریک ہیں، ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو کیا صرف اسی کے حصے کی ملک زائل ہوئی یا پورے غلام میں ملک زائل ہوگئی؟ عتق متجزی ہونے نہ ہونے کا یہ مطلب ہے، اور ہر حال کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے وہ مالدار ہو یا غریب۔

غرض: امام اعظمؒ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو عتق متجزی نہیں ہوتا، یعنی اس صورت میں سارا غلام آزاد ہوجاتا ہے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوتا ہے، اس صورت میں عتق متجزی ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: جن ائمہ کے نزدیک عتق متجزی ہوتا ہے ان میں اختلاف ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ غلامی میں برقرار رہے گا یا وہ بھی ثانی حال (بعد) میں آزاد ہوجائے گا؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اب وہ غلام غلامی میں باقی نہیں رہ سکتا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دوسرے شریک کا حصہ بدستور غلامی میں باقی رہے گا —— اور یہیں سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوگیا کہ غلام پر سِعایہ (کمانا) ہے یا نہیں؟ احناف کے تینوں ائمہ سعایہ کے قائل ہیں، اور ائمہ ثلاثہ سعایہ کے قائل نہیں۔

اب سنیے: ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک تھا، ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو دیکھیں گے: آزاد کرنے والا مالدار ہے یا غریب؟ یعنی وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضمان دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ مالدار ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے شریک کو تین اختیار ہونگے یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے (اس صورت میں غلام کی میراث (ولاء) دونوں کو ملے گی، کیونکہ آزاد کرنے والے دو ہیں) یا وہ اپنے ساتھی سے ضمان لے، کیونکہ پہلے آزاد

کرنے والے نے اس کا حصہ بگاڑ دیا ہے، اب وہ غلام نہیں رہ سکتا (اور اس صورت میں دوسرے شریک کا حصہ پہلے شریک کی طرف منتقل ہوکر فوراً آزاد ہوجائے گا، پس میراث تنہا اسی کو ملے گی) یا دوسرا شریک غلام سے اپنے حصہ کی قیمت کموائے (جب غلام اس کو اس کے حصہ کی قیمت کما کر دیدے گا تو وہ حصہ بھی آزاد ہوجائے گا اور اس صورت میں میراث دونوں کو ملے گی) اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو اس کے ساتھی کو دو اختیار ہیں یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے یا قیمت کموائے۔

اور صاحبین کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو صرف ضمان لینے کا اختیار ہے، وہ اپنا حصہ آزاد نہیں کرسکتا، اور نہ قیمت کمواسکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک عتق متجزی نہیں ہوتا، پس ایک شریک کے آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد ہوگیا ہے۔ اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو دوسرا شریک اپنے حصہ کے بقدر قیمت کموائے اس صورت میں بھی آزاد نہیں کرسکتا کیونکہ وہ پورا آزاد ہوچکا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کا شریک اس سے ضمان لے گا کیونکہ اس صورت میں عتق متجزی نہیں ہوتا پس پہلے پر ضمان واجب ہے کیونکہ اس نے اپنے شریک کا حصہ بگاڑا ہے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو غلام بدستور غلام رہے گا، کیونکہ وہ حضرات سعایہ (کموانے) کے قائل نہیں اور ساتھی غریب ہے اس لئے ضمان نہیں لے سکتے۔

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کیا (نَصِيْبًا، شَقِيْصًا اور شِرْكًا مترادف الفاظ ہیں اور أَوْ شک راوی کا ہے) اور معتبر آدمی غلام کی جو قیمت لگائے اتنا مال آزاد کرنے والے کے پاس موجود ہو یعنی وہ مالدار ہو تو غلام (سارا ہی) آزاد ہے، ورنہ (یعنی اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو) غلام میں سے اتنا حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے یعنی صرف آزاد کرنے والے کا حصہ آزاد ہوگا اس کے ساتھی کا حصہ آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ان کے دونوں راوی: سالم اور نافع روایت کرتے ہیں، مگر: وإلا فقد عَتَقَ منه مَاعَتَقَ: صرف نافع کی روایت میں ہے، سالم کی روایت میں یہ ٹکڑا نہیں ہے، اور نافع بھی اس کو کبھی بڑھاتے تھے کبھی نہیں بڑھاتے تھے، یہ بات حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

استدلال: اس حدیث کے آخری ٹکڑے کو جس کو تنہا نافع روایت کرتے ہیں: احناف نہیں لیتے، کیونکہ اس کا مرفوع ہونا یقینی نہیں، پھر صاحبین فرماتے ہیں کہ جب معتق کے مالدار ہونے کی صورت میں عتق متجزی نہیں ہوتا تو غریب ہونے کی صورت میں بھی متجزی نہیں ہوگا۔

اور جمہور کے نزدیک عتق متجزی ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں مالدار کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر معتق

غریب ہوتو عتق متجزی ہوگا، پھر ائمہ ثلاثہ نے پوری حدیث لی ہے، اس لئے معتق آزاد ہے یا غریب؟ دونوں صورتوں کا حکم علحدہ علحدہ کردیا ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب معتق غریب ہوتو عتق متجزی ہوتا ہے پس جب معتق مالدار ہوتب بھی عتق متجزی ہوگا۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مملوکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کیا تو معتق کو وہ غلام اپنے مال کے ذریعہ چھڑانا ہوگا، اگر اس کے پاس مال ہو یعنی اگر معتق مالدار ہوتو اس پر ضمان واجب ہے، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہوتو غلام کی انصاف کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی، پھر وہ شخص جس نے اس کو آزاد نہیں کیا اس سے اپنے حصے کے بقدر قیمت کموائے گا، غلام پر مشقت ڈالے بغیر، یعنی مالک غلام سے جلدی جلدی رقم کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کرے گا، بلکہ غلام اپنی وسعت کے مطابق کما کر دے گا (اس حدیث سے سعایہ ثابت ہوا، پس یہ احناف کی دلیل ہے)

[٧٦-] باب ماجاء في العبد يكون بين الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أحدُهما نصيبَه

[١٣٢٩-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَنْ أَعْتَقَ نَصِيْبًا، أَوْ قَالَ شَقِيْصًا، أَوْ قَالَ شِرْكًا لَهُ فِيْ عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيْمَةِ الْعَدْلِ، فَهُوَ عَتِيْقٌ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ" قَالَ أَيُّوْبُ: وَرُبَّمَا قَالَ نَافِعٌ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، يَعْنِي:" فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ"، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٣٣٠-] وَقَدْ رَوَاهُ سَالِمٌ عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ أَعْتَقَ نَصِيْبًا لَهُ فِيْ عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ، فَهُوَ عَتِيْقٌ مِنْ مَالِهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٣٣١-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيْرِ بنِ نَهِيْكٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَعْتَقَ نَصِيْبًا، أَوْ قَالَ: شَقِيْصًا فِيْ مَمْلُوْكٍ، فَخَلَاصُهُ فِيْ مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ، قُوِّمَ قِيْمَةَ عَدْلٍ، ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِيْ نَصِيْبِ الَّذِيْ لَمْ يُعْتِقْ، غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِي عَرُوْبَةَ نَحْوَهُ، وَقَالَ: شَقِيْصًا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَهٰكَذَا رَوَى أَبَانُ بنُ يَزِيْدَ، عَنْ قَتَادَةَ مِثْلَ رِوَايَةِ سَعِيْدِ بنِ أَبِي عَرُوْبَةَ، وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ قَتَادَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ أَمْرَ السِّعَايَةِ.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي السِّعَايَةِ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ السِّعَايَةَ فِي هٰذَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، وَبِهِ يَقُوْلُ إِسْحَاقُ.

وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ: غَرِمَ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ، وَعَتَقَ الْعَبْدُ مِنْ مَالِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ: عَتَقَ مِنَ الْعَبْدِ مَاعَتَقَ، وَلَا يُسْتَسْعَى، وَقَالُوْا بِمَا رُوِيَ عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ، وَبِهِ يَقُوْلُ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو نافع کی سند سے روایت کیا ہے، پھر اسی حدیث کو سالم کی سند سے بیان کیا ہے، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، عیسیٰ بن یونس کی سند سے اس میں نصیباً اور شقیصاً میں شک ہے، پھر یحیٰ قطان کی سند ہے اس میں شک نہیں پھر سعید بن ابی عروبہ کا متابع ابان بن یزید کو پیش کیا ہے، کیونکہ شعبہ کی روایت میں کموانے کا تذکرہ نہیں (یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ شعبہ کا کوئی متابع نہیں)

ترجمہ: علماء کا سعایہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم اس صورت میں یعنی جب کہ معتق غریب ہو سعایہ کے قائل ہیں، اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے، اور اسی کے اسحاق قائل ہیں۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو پس ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کردے پس اگر اس کے پاس مال ہو تو وہ اپنے ساتھی کے حصے کا ضامن ہوگا، اور غلام اس کے مال سے یعنی معتق کی ملکیت میں داخل ہو کر آزاد ہوگا، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اتنا حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ اور اس سے قیمت نہیں کموائی جائے گی، اور انھوں نے یہ بات اُس حدیث کی وجہ سے کہی ہے جو ابن عمرؓ سے مروی ہے یعنی نافع کی حدیث میں جو اضافہ ہے اس کی بنیاد پر ان حضرات نے یہ بات کہی ہے، اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی کے مالک، شافعی، احمد اور اسحاق قائل ہیں (حضرت اسحاق کا تذکرہ یہاں وہم ہے، وہ سعایہ کے قائل ہیں، یہاں ان کا تذکرہ صحیح نہیں، یہ بات بین السطور میں لکھی ہے)

بابُ ماجاء فی العُمْرَی

لفظ عُمری سے جائداد دینے کا بیان

یہ دو باب آپ کے کام کے نہیں ہیں، یہ دونوں باب عربی معاشرہ کے لئے ہیں، جہاں عربی بولی جاتی ہے۔ دو لفظ ہیں: عُمری اور رُقبی، جب کوئی شخص کسی کو کوئی جائداد دے اور یہ الفاظ استعمال کرے مثلاً کہے: هذه الدارُ لك عُمری۔ یا کہے: هذه الدارُ لك رُقبی۔ یا کہے: أَعْمَرْتُكَ هذه الدارَ۔ یا کہے أَرْقَبْتُكَ هذه الدار تو یہ ہبہ ہے یا عاریت؟ جواب: اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عرف میں ان لفظوں کا مفہوم ہبہ ہے تو جائداد ہبہ ہے، اور مُعْمرله (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) اس جائداد کا مالک ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء مالک ہونگے۔ اور اگر ان لفظوں کا مفہوم عاریت ہے تو معمرلہ زندگی بھر اس جائداد سے فائدہ اٹھائے گا اس کی وفات کے بعد وہ جائداد مُعمِر (جائداد دینے والے) یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی، اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف عرف پر مبنی ہے، کیونکہ عرف بدلتا رہتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: عمری نافذ ہے عمری والوں کے لئے (ابھی مفہوم واضح نہیں ہوا) یا فرمایا: عمری مُعمرلہ کے ورثاء کے لئے ہے (اب مفہوم واضح ہو گیا)

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ لفظ عُمری سے جو جائداد دی گئی وہ ہبہ ہے، چنانچہ احناف اور حنابلہ اسی کے قائل ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص عمری دیا گیا اس کے لئے اور اس کے ورثاء کے لئے یعنی مُعمِر نے لفظ عمری بول کر کوئی چیز دی اور اپنے کلام میں لَكَ وَلِعَقِبِكَ کی صراحت کردی تو وہ عمری جس کو دیا گیا ہے اس کے لئے ہے، جس نے دیا ہے اس کی طرف نہیں لوٹے گا اس لئے کہ اس نے ایسا دیا ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہے“ یعنی یہ عمری ہبہ ہے۔

تشریح: اگر مُعمِر نے لفظ عمری سے کوئی جائداد دی اور لَكَ وَلِعَقِبِكَ کی صراحت کردی یعنی یہ جائداد ہمیشہ کے لئے تیری ہے اور تیرے بعد تیرے ورثاء کی ہے، تو بالاتفاق وہ چیز ہبہ ہوگئی اور اگر اس کی صراحت نہیں کی تو شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائداد عاریت ہے، مُعمرلہ زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کی وفات کے بعد جائداد مُعمِر کی طرف لوٹ آئے گی اور احناف وحنابلہ کے نزدیک خواہ مُعمِر نے لك ولعقبك کی صراحت کی ہو یا نہ کی ہو: جائداد ہبہ ہوگی۔

[۷۷-] باب ماجاء فی العُمْرَی

[۱۳۳۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّی، ثَنَا ابنُ أَبِی عَدِیٍّ، عَنْ سَعِیْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ: أَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ”اَلْعُمْرَی جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا، أَوْ: مِیْرَاثٌ لِأَهْلِهَا“

وفي الباب: عَنْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وابنِ الزُّبَيْرِ، وَمُعَاوِيَةَ.

[۱۳۳۳-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَى، لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَإِنَّهَا لِلَّذِي يُعْطَاهَا، لاتَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا، لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهٰكَذَا رَوَى مَعْمَرٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ مِثْلَ رِوَايَةِ مَالِكٍ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: "وَلِعَقِبِهِ"

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوْا: إِذَا قَالَ: هِيَ لَكَ: حَيَاتَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَإِنَّهَا لِمَنْ أُعْمِرَهَا، لاتَرْجِعُ إِلَى الأَوَّلِ، وَإِذَا لَمْ يَقُلْ: "لِعَقِبِكَ" فَهِيَ رَاجِعَةٌ إِلَى الأَوَّلِ إِذَا مَاتَ الْمُعْمَرُ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ.

وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا" وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا: إِذَا مَاتَ الْمُعْمَرُ فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَجْعَلْ لِعَقِبِهِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے وہ فرماتے ہیں: جب مُعمِر نے کہا: هی لك حياتك ولعقبك (یہ جائداد زندگی بھر تیری ہے اور تیرے بعد تیرے ورثاء کی ہے) تو وہ چیز جس کو عمری دیا گیا ہے اس کی ہوگئی، وہ چیز پہلے کی طرف نہیں لوٹے گی۔ اور اگر مُعمِر نے لعقبك کی صراحت نہیں کی تو پہلے کی طرف لوٹ جائے گی، جب مُعمر لہ کا انتقال ہوجائے، اور یہ مالک اور شافعی کا قول ہے۔ اور نبی ﷺ سے متعدد طرق سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''عمری نافذ ہے عمری والوں کے لئے'' اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب مُعمر لہ کا انتقال ہوجائے تو وہ چیز اس کے ورثاء کی ہے اگرچہ مُعمِر نے لعقبك کی صراحت نہ کی ہو اور یہ سفیان ثوری، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

بابُ ماجاء في الرُّقْبَى

لفظ رُقبیٰ سے جائداد دینے کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمری نافذ ہے عمری والوں کے لئے اور رُقبی نافذ ہے رُقبی والوں کے لئے''

تشریح: اگر کوئی شخص لفظ رُقبیٰ سے کسی کو کوئی جائداد دے تو وہ ہبہ ہے یا عاریت؟ احناف کے نزدیک اگر اس نے لعقبك کی صراحت نہیں کی تو عاریت ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عمری اور رُقبیٰ دونوں کا ایک حکم ہے، یعنی

خواہ لعقبك کی صراحت کی ہو یا نہ کی ہو، وہ جائداد ہبہ ہے۔

[۷۸-] باب ماجاء فی الرقبی

[۱۳۳٤-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ دَاوُدَ بنِ أَبِيْ هِنْدٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " اَلْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا، وَالرُّقْبَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوْفًا.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الرُّقْبىٰ جَائِزَةٌ مِثْلَ الْعُمْرَى، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وَفَرَّقَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهِمْ بَيْنَ الْعُمْرَى وَالرُّقْبىٰ: فَأَجَازُوْا الْعُمْرَى وَلَمْ يُجِيْزُوا الرُّقْبَى.

وَتَفْسِيْرُ الرُّقْبَى: أَنْ يَقُوْلَ: هٰذَا الشيئُ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنْ مُتَّ قَبْلِيْ فَهِيَ رَاجِعَةٌ إِلَيَّ.

وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: الرُّقْبَى مِثْلُ الْعُمْرَى، وَهِيَ لِمَنْ أُعْطِيَهَا، وَلاَ تَرْجِعُ إِلَى الْأَوَّلِ.

ترجمہ: اس پر صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کا عمل ہے کہ رقبی: عمری کی طرح نافذ ہے اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔ اور کوفہ وغیرہ کے بعض اہل علم نے عمری اور رقبی کے درمیان فرق کیا ہے، اور انھوں نے عمری کو نافذ کیا ہے اور رقبی کو نافذ نہیں کیا یعنی عمری کو ہبہ قرار دیا ہے اور رقبی کو عاریت قرار دیا ہے۔ اور رقبی کی تفسیر یہ ہے کہ کہا جائے: یہ چیز تیری ہے جب تک تو زندہ ہے اگر تو مجھ سے پہلے مرگیا تو وہ چیز میری طرف لوٹ آئے گی (رقبی کی یہ تفسیر صحیح نہیں کیونکہ اگر کلام میں صراحت ہو تو کوئی اختلاف نہیں ہوگا شرط کے مطابق عمل ہوگا) اور احمد واسحاق فرماتے ہیں: رقبی عمری کی طرح ہے اور وہ جس کو دیا گیا اس کے لئے ہے پہلے کی طرف نہیں لوٹے گا (یہ تکرار ہے)

بابُ ماذُكِرَ عَنْ رسول الله صلى الله عليه وسلم فِيْ الصُّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ

لوگوں میں مصالحت کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے، البتہ وہ صلح جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے (جائز نہیں) اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں، مگر وہ شرط جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے'' (جائز نہیں)

تشریح: اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جب مسلمان کسی جھگڑے میں باہمی مصالحت کریں تو وہ جن شرطوں پر

بھی مصالحت کریں جائز ہے، البتہ حکم شریعت کے خلاف کوئی مصالحت جائز نہیں، بس اس ایک بات کا خیال رکھ کر ہر شرط پر مصالحت جائز ہے۔اور ہر فریق پر ان شرطوں کو پورا کرنا لازم ہے جو شریعت کے خلاف نہیں، اسی طرح کسی ادارے کا یا انجمن کا یا ملک کا دستور اساسی بنائیں تو اس میں جو دفعات رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں، البتہ کوئی دفعہ خلافِ شرع نہیں ہونی چاہئے۔ پھر جب دستور پاس ہو گیا تو ہر ملازم پر اس کی پابندی ضروری ہے۔

ایک اختلافی مسئلہ: اگر کسی مکان میں زید اور بکر کا جھگڑا ہو، اور مکان پر قبضہ بکر کا ہو، اور مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہو یا نہ ہو اور وہ باہم مصالحت کرنا چاہیں تو تین صورتیں ہیں: عن إقرار، أو إنكار، أو سكوت یعنی قابض اقرار کرتا ہے کہ مکان اس کا نہیں ہے زید کا ہے، یا قابض منکر ہے کہ مکان زید کا ہے مگر وہ کورٹ کچہری کے دھکوں سے بچنے کے لئے صلح کرنا چاہتا ہے، یا قابض نہ اقرار کرتا ہے اور نہ انکار کہ مکان زید کا ہے یا نہیں، پس احناف کے نزدیک تینوں صورتوں میں مصالحت جائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک: صرف اقرار کی صورت میں مصالحت جائز ہے، باقی دو صورتوں میں جائز نہیں۔

[۷۹-] باب ماذُكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فِي الصُّلْحِ بين الناس

[۱۳۳۵-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، ثَنَا كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرِو بنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ، إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلاَلاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلاَلاً أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسنٌ صحيحٌ کہا ہے حالانکہ اس میں عبداللہ بن عمرو مزنی ضعیف راوی ہے، اور کتاب الصلوۃ باب تکبیرات العیدین میں اسی راوی کی حدیث کی تحسین کی ہے، فتذکر۔

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَضَعُ عَلٰى حَائِطِ جَارِهِ خَشَبًا

پڑوسی کی دیوار پر کڑی رکھنا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے پڑوسی سے اس کی دیوار پر کڑی رکھنے کی اجازت مانگے تو وہ اس کو منع نہ کرے"

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حق واجب ہے اگر کوئی شخص پڑوسی سے اس کی دیوار پر کڑی رکھنے کی اجازت مانگے تو پڑوسی پر واجب ہے کہ اپنی دیوار پر اس کو کڑی رکھنے دے، ورنہ گنہ گار ہوگا۔ دیگر ائمہ کے نزدیک یہ

حکم اخلاق ومروت کے باب سے ہے، یعنی دیوار پر لکڑی رکھنے دینا مستحب ہے واجب نہیں۔

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو طلبہ نے سر جھکالیا، آپؓ سمجھ گئے کہ ان کو یہ حدیث پسند نہیں آئی، پس آپؓ نے فرمایا: کیا بات ہے، سب نے سگنل کیوں ڈاؤن کرلیا؟! بخدا! میں یہ حدیث تمہارے شانوں کے درمیان ماروں گا! (جاننا چاہئے کہ صحابہ حدیث برائے حدیث بیان نہیں کرتے تھے بلکہ مجلس میں موجود لوگ سوال کرتے تھے وہ اس کے جواب میں مسئلے کے طور پر حدیث سناتے تھے، یہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سائل کے جواب میں سنائی ہے اور حقِ واجب کے طور پر سنائی ہے جس کا طلبہ نے سر جھکا کر انکار کیا ہے، پس یہ حدیث کا انکار نہیں، بلکہ اس کے محمل کا انکار ہے کہ راوی اس کا جو مطلب سمجھ رہا ہے وہ صحیح نہیں)

[۸۰-] باب ماجاء في الرجل يضع على حائط جاره خشبًا

[۱۳۳۶-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدَكُمْ جَارُهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهِ: فَلَا يَمْنَعْهُ" فَلَمَّا حَدَّثَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، طَأْطَأُوْا رُؤُوْسَهُمْ، فَقَالَ: مَالِيْ أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ؟ وَاللهِ! لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ!

وفي الباب: عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، وَمُجَمِّعِ بنِ جَارِيَةَ؛ حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُوْلُ الشَّافِعِيُّ، وَرُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمْ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، قَالُوْا: لَهُ أَنْ يَمْنَعَ جَارَهُ أَنْ يَضَعَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وضاحت: قال: سمعتُه يقول: اعرج نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ——— امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا وہی مذہب بیان کیا ہے جو امام احمدؒ کا ہے مگر یہ حضرت کا قول قدیم ہے اور قولِ جدید میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں (تحفۃ الاحوذی ۲: ۲۸۵) ——— اور ایک تطبیق یہ ہے کہ وجوب کا قول دیانت پر محمول ہے اور عدم وجوب کا قولِ قضاء پر محمول ہے پس والقول الأول أصح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بابُ ماجاء أَنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى مَا يُصَدِّقُهُ صَاحِبُهُ

قسم اسی بات پر محمول ہوگی جس میں اس کا ساتھی تصدیق کرے

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم اس بات پر محمول ہوگی جس میں تیرا ساتھی تیری تصدیق کرے"

تشریح: اس باب میں لوگ جو قسمیں آپس میں کھاتے ہیں وہ زیر بحث نہیں، بلکہ عدالت میں جو قسم کھائی جاتی

ہےاس کا بیان ہے۔ اگر مدعی علیہ قسم میں توریہ کرے تو اس کا اعتبار نہیں، مدعی جس بات پر قسم کھلا رہا ہے اسی پر قسم محمول ہوگی، مثلاً ایک شخص پر کسی کا پیسوں کا مطالبہ ہے، مدعی علیہ کہتا ہے: وہ قلاش ہے، اور مدعی کہتا ہے: اس کے پاس پیسے ہیں، قاضی نے مدعی سے ثبوت مانگا مگر وہ گواہوں سے ثابت نہ کرسکا تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی، اس نے قسم کھائی: ''میرے پاس پیسے نہیں!'' اور مراد لی: میری جیب میں پیسے نہیں، یہ توریہ غیر معتبر ہے اور مدعی جو قسم کھلا رہا ہے کہ اس کی ملک میں پیسے ہیں یا نہیں؟ وہی قسم ہوجائے گی اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا، البتہ اگر قسم کھانے والا مظلوم ہو تو احناف کے نزدیک توریہ کی گنجائش ہے، ظالم ہو تو گنجائش نہیں۔

ایک واقعہ: حاجیوں کا جہاز جدہ پہنچا، گودی پر ایک حاجی کا قلی سے جھگڑا ہوگیا، حاجی نے قلی کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی تو نکل آئی، قلی عدالت میں گیا، حاجی بہت پریشان ہوا کہ قصاص لیا جائے گا۔ ایک وکیل (ایڈوکیٹ) حاجیوں میں تھا، اس نے کہا: گھبراؤ نہیں، میں ترکیب نکالتا ہوں۔ جب قاضی تجھ سے پوچھے کہ تو نے ڈاڑھی نکالی ہے؟ تو مکھی اڑانا اور سر نفی میں ہلا دینا اور منہ سے کچھ نہ بولنا! اس طرح جھوٹ بولنے سے بچ جائے گا پھر قاضی قلی سے گواہ مانگے گا، وہ پیش نہیں کرسکے گا، کیونکہ اس بھیڑ میں سے کس کو گواہ لائے گا؟! پس قاضی تجھے قسم کھلائے گا تو تو کہنا: بلّی آئی، میں نے نہیں نکالی! قاضی نے پوچھا: یہ کیا کہہ رہا ہے؟ وکیل نے کہا: حضور! یہ کہہ رہا ہے: باللہ! میں نے ڈاڑھی نہیں نکالی، یہ ہندی ہے، اس لئے صاف نہیں بول سکتا، چنانچہ قاضی نے مقدمہ خارج کردیا ——— یہ سب جھوٹ ہے، شرعاً اس نے جھوٹی قسم کھائی، اس کی قسم اسی پر محمول ہوگی جو قلی کھلا رہا ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہے اور قسم کھانے والا ظالم ہے، پس اس کے توریہ کا اعتبار نہیں۔

[۸۱-] باب ماجاء أن الیمین علی ما یُصَدِّقُهُ صاحِبُهُ

[۱۳۳۷-] حدثنا قُتَیْبَةُ، وَأَحْمَدُ بنُ مَنِیْعٍ - الْمَعْنَى وَاحِدٌ - قَالَا: ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " اَلْیَمِیْنُ عَلَی مَایُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مَنْ حَدِیْثِ هُشَیْمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، وَعَبْدُ اللهِ: هُوَ أَخُوْ سُهَیْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ.

وَالْعَمَلُ عَلَی هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ یَقُوْلُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَرُوِیَ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ النَّخعِیِّ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا کَانَ الْمُسْتَحْلِفُ ظَالِمًا، فَالنِّیَّةُ نِیَّةُ الْحَالِفِ، وَإِذَا کَانَ الْمُسْتَحْلِفُ مَظْلُوْمًا، فَالنِّیَّةُ نِیَّةُ الَّذِیْ اسْتَحْلَفَ.

ترجمہ: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: جب قسم کھلانے والا ظالم ہوتو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا یعنی توریہ معتبر ہوگا۔ اور اگر قسم کھلانے والا مظلوم ہوتو پھر وہی نیت ہوگی جو قسم کھلانے والے کی ہے یعنی اب توریہ معتبر نہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الطَّرِیْقِ إِذَا اخْتُلِفَ فِیْهِ: کَمْ یُجْعَلُ؟

راستہ کاٹنے میں اختلاف ہوجائے تو کتنا راستہ کاٹا جائے؟

اگر کسی مشترک زمین کا بٹوارہ ہورہا ہو اور شرکاء میں راستہ کاٹنے میں اختلاف ہوتو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم راستہ کے بارے میں جھگڑو تو سات ہاتھ کا راستہ کاٹو'' اسی طرح نئی آبادی بس رہی ہو اور لوگوں میں راستہ کاٹنے میں جھگڑا ہوتو بھی سات ہاتھ چوڑا راستہ کاٹا جائے، یہ اتنا چوڑا راستہ ہے کہ دو بوگیاں اور دو ٹرک کراس کرسکتے ہیں، اس سے زیادہ چوڑے راستہ کی ضرورت نہیں۔

ملحوظ رہے کہ یہ حکم نزاع کی صورت میں ہے، اگر لوگ رضامندی سے اس سے کم یا زیادہ راستہ کاٹنا چاہیں تو جائز ہے، البتہ نزاع کی صورت میں حدیث پر عمل ہوگا۔

[۸۲-] باب ماجاء فی الطَّریق إذا اختُلفَ فیه: کم یُجْعَلُ؟

[۱۳۳۸-] حدثنا أَبُوْ کُرَیْبٍ، ثَنَا وَکِیْعٌ، عَنِ الْمُثَنَّی بنِ سَعِیْدٍ الضُّبَعِیِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ بَشِیْرِ بنِ نَهِیْكٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: '' اجْعَلُوْا الطَّرِیْقَ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ''

[۱۳۳۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا یَحْیَی بنُ سَعِیْدٍ، ثَنَا الْمُثَنَّی بنُ سَعِیْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ بُشَیْرِ بنِ کَعْبٍ الْعَدَوِیِّ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: '' إِذَا تَشَاجَرْتُمْ فِی الطَّرِیْقِ فَاجْعَلُوْهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ'' وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ وَکِیْعٍ.

وفی الباب: عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، حدیثُ بُشَیْرِ بنِ کَعْبٍ الْعَدَوِیِّ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ: حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَرَوَی بَعْضُهُمْ هٰذَا عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ بَشِیْرِ بنِ نَهِیْكٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، وَهُوَ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ.

وضاحت: بَشیر بن نَهِیْك: طبقہ ثالثہ کے ثقہ راوی ہیں اور بُشیر بن کعب: مخضرم تابعی ہیں ان کی روایت میں تشاجرتم کی قید ہے اور یہی روایت اصح ہے، معلوم ہوا کہ یہ حکم اختلاف کی صورت میں ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي تَخْيِيْرِ الْغُلَامِ بَيْنَ أَبَوَيْهِ إِذَا افْتَرَقَا

زوجین میں جدائی ہو جائے تو بچے کو اختیار دیا جائے

اگر زوجین میں کسی وجہ سے جدائی ہو جائے اور ان کا کوئی بچہ ہو تو احناف کے نزدیک سات یا آٹھ سال تک بچہ کی پرورش کا حق ماں کا ہے، اس کے بعد بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی باپ کو ملے گا اور باپ نہ ہو تو اس کے ورثاء کو ملے گا۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سات سال تک پرورش کا حق ماں کا ہے اس کے بعد بچے کو اختیار ہوگا، ماں کے ساتھ رہنا چاہے تو ماں کے ساتھ رہے اور باپ کے ساتھ رہنا چاہے تو باپ کے ساتھ رہے ——— اور اس باب میں جو روایت ہے اس میں نبی ﷺ نے ایک ایسے بچے کو جو ابھی گھٹنوں چلتا تھا یعنی ابھی وہ دو سال کا بھی نہیں ہوا تھا اختیار دیا ہے، پس یہ حدیث کسی کی دلیل نہیں، کیونکہ اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا اور اس کی بیوی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئی، ان کا بچے کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا تو دونوں فیصلہ کرانے کے لئے حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے، قاعدے سے وہ بچہ باپ کو ملنا چاہئے، کیونکہ بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے، مگر آپؐ کے لئے یہ فیصلہ کرنے میں دشواری تھی آپ پر الزام آتا کہ بچہ کو ماں سے جدا کر دیا، اس لئے آپؐ نے بچے کو لے لیا اور ماں باپ کو مسجد کے دو کونوں میں بیٹھنے کا حکم دیا، پھر دونوں سے کہا: بچے کو بلاؤ چنانچہ دونوں نے بلانا شروع کیا، بچے کو ماں سے زیادہ انسیت ہوتی ہے پھر ماں بلانا بھی جانتی ہے، اس لئے بچہ ماں کی طرف چلا۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کو راہ راست دکھا'' چنانچہ بچہ مڑا اور باپ کے پاس چلا گیا، باپ اس کو لے کر چل دیا۔ امام احمدؒ نے اس حدیث کی بنا پر یہ بات کہی ہے کہ بچے کو سات سال کے بعد اختیار دیا جائے گا، مگر ان کا یہ استدلال ناتمام ہے اس لئے کہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ایسے بچے کو اختیار دیا ہے جو ابھی ناسمجھ ہے اور یہ معجزہ کی روایت ہے اس کا مسئلہ باب سے کوئی تعلق نہیں، اور مسئلہ باب میں کوئی اور روایت نہیں پس یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

[۸۳-] باب ماجاء في تخيير الغلام بين أبويه إذا افترقا

[۱۳۴۰-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زِيَادِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ هِلَالِ بنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ التَّغْلَبِيِّ، عَنْ أَبِي مَيْمُوْنَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ أَبِيْهِ وَأُمِّهِ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَجَدِّ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بنِ جَعْفَرٍ؛ حديثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ؛ وَأَبُوْ مَيْمُوْنَةَ: اسْمُهُ سُلَيْمٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ،

قَالُوْا: يُخَيَّرُ الْغُلَامُ بَيْنَ أَبَوَيْهِ إِذَا وَقَعَتْ بَيْنَهُمَا الْمُنَازَعَةُ فِي الْوَلَدِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَا: مَاكَانَ الْوَلَدُ صَغِيْرًا فَالْأُمُّ أَحَقُّ، فَإِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ سَبْعَ سِنِيْنَ خُيِّرَ بَيْنَ أَبَوَيْهِ.

وِهَلَالُ بنُ أَبِيْ مَيْمُوْنَةَ: هُوَ هِلَالُ بنُ عَلِيِّ بنِ أُسَامَةَ، وَهُوَ مَدَنِيٌّ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ يَحْيَى بنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ، وَمَالِكُ بنُ أَنَسٍ، وَفُلَيْحُ بنُ سُلَيْمَانَ.

وضاحت: ہلال کے استاذ ابومیمونہ: ان کے ابا نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے ابومیمونہ ہیں اور ہلال ثقہ راوی ہیں، ان سے اکابر روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ: اس حدیث پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: بچہ کو ماں باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا جب ان کے درمیان بچہ کے سلسلہ میں جھگڑا ہو اور یہی احمد و اسحاق کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں: جب تک بچہ چھوٹا ہے پرورش کا حق ماں کا زیادہ ہے، پس جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو ماں باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔

بابُ ماجاء أَنَّ الْوَالِدَ يَأْخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ

باپ اولاد کے مال میں سے لے سکتا ہے

اولاد کا مال اولاد کا ہے، والدین کا نہیں۔ البتہ بوقت ضرورت ماں باپ کا ہاتھ اولاد کے مال میں دراز ہے یعنی بوقت ضرورت والدین اولاد کے مال میں سے لے سکتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ اولاد کا مال اولاد کا ہے، وہ حدیث ہے جو آئندہ چند ابواب کے بعد آرہی ہے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو ان کے والد بشیر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام ہبہ کیا تھا اور انھوں نے اس ہبہ پر حضور اقدس ﷺ کو گواہ بنانا چاہا تھا تو آپؐ نے پوچھا تھا: ''کیا تم نے اپنی سب اولاد کو اسی طرح غلام دیا ہے؟'' انھوں نے نفی میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا: ''میں اس ظلم پر گواہ نہیں بنتا'' یہ ظلم اسی وقت ہوگا جب باپ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دے، اور ترجیح کا تحقق اس وقت ہوگا جب اولاد کو بخشا ہوا مال اس کا ہو جائے، باپ کا نہ رہے، معلوم ہوا کہ اولاد کا مال اولاد کا ہے باپ کا نہیں، البتہ بوقت ضرورت والدین اولاد کے مال میں سے لے سکتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین لقمہ جو تم کھاتے ہو تمہاری کمائی کا ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے''

تشریح: بعض لوگ جب بچے کمانے لگتے ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں، کمانا چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ ابھی ہاتھ پیر چل رہے ہیں، یہ لوگ غلط ہیں، جب تک طاقت رہے خود کما کر کھانا چاہئے، یہی بہترین لقمہ ہے۔ اور بعض لوگ ضرورت سے زیادہ خوددار ہوتے ہیں، آنکھوں سے دکھتا نہیں، پیروں میں طاقت نہیں، کمزوری انتہا کو پہنچ

گئی ہے اور اولاد برسبیل روزگار ہے، پھر بھی لاٹھی کے سہارے چلتے ہیں اور کماتے ہیں تاکہ اولاد سے خرچہ نہ لینا پڑے وہ اس کو پرائے ٹکڑوں پر پلنا سمجھتے ہیں یہ بھی غلط ذہن ہے۔اس حدیث میں اس دوسری قسم کے لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اولاد سے خرچہ لینا پرائے ٹکڑوں پر پلنا نہیں ہے اس لئے کہ اولاد اپنی کمائی ہے، پس اپنی کمائی کی کمائی بھی اپنی کمائی ہے، پس بڑھاپے میں ان سے خرچہ لینا پرائے ٹکڑوں پر پلنا نہیں۔

[۸٤-] باب ماجاء أن الوالد يأخذ من مالِ ولدِه

[۱۳٤۱-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ زَكَرِيَّا بنِ أَبِيْ زَائِدَةَ، ثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ عُمَارَةَ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَمَّتِهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم: "إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ، وَإِنْ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ"

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَىٰ بَعْضُهُمْ هٰذَا عَنْ عُمَارَةَ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، وَأَكْثَرُهُمْ قَالُوْا عَنْ عَمَّتِهِ، عَنْ عَائِشَةَ.

وَالْعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: قَالُوْا: إِنَّ يَدَ الوَالِدِ مَبْسُوْطَةٌ فِيْ مَالِ وَلَدِهِ يَأْخُذُ مَاشَاءَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَايَأْخُذُ مِنْ مَالِهِ إِلَّا عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ.

وضاحت: باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے کہ أنت ومالك لأبيك: آپ اور آپ کا مال اپنے باپ کے لئے ہیں اس میں لام اباحت کا ہے، تملیک کا نہیں ہے، ورنہ اولاد پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، نہ ان کا مال ان کے ورثاء کو ملے گا، اور جب اولاد کا مال اولاد کا ہوا تو بوقت ضرورت ہی والدین لے سکتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِی مَنْ يُكْسَرُ لَهُ الشَّيْئُ: مَايُحْكَمُ لَهُ مِنْ مَالِ الْكَاسِرِ؟

کسی کی کوئی چیز توڑ دے تو ضمان کس طرح دیا جائے؟

اگر کوئی شخص دوسرے کی کوئی چیز توڑ دے تو اس پر ضمان واجب ہوگا، اور وہ چیز جو توڑی گئی ہے اگر مثلی ہے تو ضمان بالمثل واجب ہوگا اور ذوات القیم میں سے ہے تو ضمان بالقیمہ واجب ہوگا۔ ذوات الامثال وہ چیزیں ہیں جن کے افراد یکساں ہوتے ہیں، پہلے زمانہ میں مکیلات اور موزونات ذوات الامثال تھیں، مگر اب مشینری دور میں بے شمار چیزیں ذوات الامثال ہیں، پس اگر ضائع کردہ چیز ذات المثل ہے تو ضمان میں ویسی ہی چیز واجب ہوگی۔ اور اگر وہ ذوات القیم میں سے ہے جیسے مرغی ماردی تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں لکڑی کے کٹورے ہوتے تھے، اور وہ ہاتھ سے بنائے جاتے تھے اس لئے ہر

کٹورہ دوسرے سے مختلف ہوتا تھا پس اس زمانہ میں کٹورہ ذوات القیم میں سے تھا اور حدیث میں ہے کہ کٹورے کے بدلے میں کٹورہ دیا گیا، حالانکہ قیمت واجب ہونی چاہئے تھی، اس لئے اشکال ہوتا ہے، مگر پورا واقعہ پیش نظر رکھا جائے تو اشکال حل ہو جائے گا۔

واقعہ: یہ پیش آیا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آپؐ کی باری تھی، اور جس دن جہاں باری ہوتی تھی آپؐ وہیں کھانا نوش فرماتے تھے، اس دن حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کے لئے حلوہ بھیجا، جب باندی حلوہ لے کر آئی تو حضرت عائشہؓ نے کچھ اس طرح ہاتھ چلایا کہ پیالہ گر گیا اور کھانا بکھر گیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا۔ آنحضور ﷺ نے دوسرے برتن میں اچھا اچھا کھانا چن لیا اور فرمایا: طعامٌ بطعامٍ وإناءٌ بإناء: کھانے کے بدل کھانا اور برتن کے بدل برتن! چنانچہ حضرت عائشہؓ کے یہاں جو کھانا پکا تھا وہ ان کے پیالے میں حضرت زینبؓ کے پاس بھیج دیا گیا، اور اس ٹوٹے ہوئے پیالے کی مرمت کرالی گئی اور وہ حضرت عائشہؓ کے یہاں رہا، جب حضور اقدس ﷺ کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تبرکات تقسیم کئے تو وہ کٹورہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کٹورہ آنحضرت ﷺ کی ملک تھا، حضرت زینبؓ یا حضرت عائشہؓ کی ملک نہیں تھا۔

غرض اس حدیث میں ضمان کا مسئلہ نہیں ہے، پس اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ کٹورے کے ضمان میں کٹورہ واجب ہوگا شاید صحیح نہ ہو۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی کسی اہلیہ صاحبہ نے پیالے میں آپؐ کے لئے کھانا بھیجا، حضرت عائشہؓ نے پیالے پر ہاتھ مارا جس سے کھانا بکھر گیا (اور پیالہ ٹوٹ گیا) پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''کھانے کے بدلے میں کھانا اور کٹورے کے بدلے میں کٹورہ!'' —— عربوں کا معاشرہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کھانا یا کوئی اور چیز ہدیہ بھیجے تو وہ بھی جواباً ضرور ہدیہ دے گا، خالی برتن واپس نہیں کرے گا، میرے استاذ شیخ مصری قدس سرہٗ کے یہاں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے گھر سے کھانا آیا اتفاق سے حضرت کے پاس کچھ نہیں تھا، پس برتن میں چورن بھر کر بھیج دیا۔ یہ عربوں کا طریقہ ہے اس لئے آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ہدیے کے بدلے میں آپ بھی ہدیہ بھیجیں اور برتن توڑ دیا ہے تو اس کی جگہ دوسرا برتن بھیجیں۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک پیالہ عاریت (برتنے کے لئے) لیا پس وہ ٹوٹ گیا تو آپؐ نے اس کا ضمان دیا۔ یہ پہلا ہی واقعہ ہے اور روایت بالمعنی کی وجہ سے مضمون بدل گیا ہے۔

[۸۵-] باب ماجاء فيمن يُكْسَرُ له الشيئ: ما يُحْكَمُ له من مالِ الْكَاسِرِ؟

[۱۳٤۲-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ:

أَهْدَتْ بَعْضُ أَزْوَاجِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم طَعَامًا فِيْ قَصْعَةٍ، فَضَرَبَتْ عَائِشَةُ الْقَصْعَةَ بِيَدِهَا، فَأَلْقَتْ مَا فِيْهَا، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "طَعَامٌ بِطَعَامٍ، وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ"، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[۱۳۴۳-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا سُوَيْدُ بنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَعَارَ قَصْعَةً فَضَاعَتْ فَضَمِنَها لَهُمْ.

وَهٰذَا حديثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وَإِنَّمَا أَرَادَ عِنْدِيْ سُوَيْدٌ الْحَدِيْثَ الَّذِيْ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ. وَحَدِيْثُ الثَّوْرِيِّ أَصَحُّ.

وضاحت: سوید: لین الحدیث ہیں، اور ثوری رحمہ اللہ مضبوط راوی ہیں، اس لئے ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے۔

بابُ ماجاء فی حَدِّ بُلُوْغِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ

لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کا زمانہ

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب غزوہ احد کے موقع پر فوج میں بھرتی کی جارہی تھی تو مجھے آنحضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی۔ آپؐ نے مجھے قبول نہیں کیا، پھر اگلے سال جب غزوۂ احزاب کے لئے بھرتی کی جارہی تھی تو مجھے آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا، آپؐ نے مجھے قبول کرلیا، نافع کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: یہ عمر (پندرہ سال) صغیر وکبیر کے درمیان حد فاصل ہے، پھر حکم جاری کیا کہ پندرہ سال کی عمر میں فوج میں بھرتی کرلی جائے (اور اس کی تنخواہ جاری کردی جائے) اور سفیان بن عیینہؒ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "یہ عمر بچوں اور فوجیوں کے درمیان حد فاصل ہے"

جمہور ائمہ نے بشمول صاحبین اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بلوغت کی عمر پندرہ سال ہے، یعنی اگر بلوغت کی علامتیں نہ پائی جائیں تو چاند کے حساب سے جب پندرہ سال مکمل ہوجائیں تو لڑکا اور لڑکی بالغ سمجھے جائیں گے، فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لڑکی اور لڑکا بالترتیب نو اور بارہ سال سے پہلے بالغ نہیں ہوسکتے، اس کے بعد کسی بھی وقت بالغ ہوسکتے ہیں۔ اور جب کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال مکمل ہونے پر دونوں بالغ سمجھے جائیں گے، البتہ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک لڑکی کے لئے سترہ سال اور لڑکے کے لئے اٹھارہ سال بلوغت کی آخری حد ہے، مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے، کیونکہ یہی امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ہے (شامی ۵: ۱۰۷ فی آخر کتاب الحجر)

فائدہ: بلوغت کی اصل علامت احتلام ہے، باقی لڑکے میں حاملہ کرنا اور انزال ہونا بھی علامتیں ہیں اور لڑکی میں احتلام کے علاوہ حیض آنا اور حاملہ ہونا بھی علامتیں ہیں۔

[٨٦-] باب ماجاء فى حدِّ بلوغ الرَّجُلِ والمَرْأَةِ

[١٣٤٤-] حدثنا مُحمدُ بنَ وَزِيْرِ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ يُوْسُفَ الْأَزْرَقُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: عُرِضْتُ عَلَى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ جَيْشٍ وَأَنَا ابنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ، فَلَمْ يَقْبَلْنِيْ، فَعُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِيْ جَيْشٍ وَأَنَا ابنُ خَمْسَ عَشْرَةَ، فَقَبِلَنِيْ، قَالَ نَافِعٌ: وَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، فَقَالَ: هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ يَبْلُغُ الْخَمْسَ عَشْرَةَ.

حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: "أَنَّ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ أَنَّ هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ" وَذَكَرَ ابنُ عُيَيْنَةَ فِيْ حَدِيْثِهِ: قَالَ: حَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، فَقَالَ: هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الذُّرِّيَّةِ وَالْمُقَاتِلَةِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وابنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: يَرَوْنَ أَنَّ الْغُلَامَ إِذَا اسْتَكْمَلَ خَمْسَ عَشْرَةَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ، وَإِنْ احْتَلَمَ قَبْلَ خَمْسَ عَشْرَةَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ.

وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: لِلْبُلُوْغِ ثَلَاثَةُ مَنَازِلَ: بُلُوْغُ خَمْسَ عَشْرَةَ، أَوْ الِاحْتِلَامُ، فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ سِنُّهُ وَلَا احْتِلَامُهُ، فَالإِنْبَاتُ يَعْنِى الْعَانَةَ.

وضاحت: سب سے پہلے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی سند سے حدیث لائے ہیں، پھر سفیان بن عیینہ کی سند سے (دونوں سفیان ایک ہی طبقہ کے ہیں) اور دونوں کی روایتوں میں دو فرق ہیں: ایک: ثوری کی روایت میں: هذا حدُّ مابين الصغير والكبير ہے اور ابن عیینہ کی روایت میں: هذا حدُّ ما بين الذُّرِّيَّةِ والمقاتلة ہے۔ دوسرا: ثوری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمان جاری کیا، ابن عیینہ کی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے —— پھر امام ترمذیؒ نے حدیث کی تصحیح کی ہے، مگر یہ صراحت نہیں کی کہ کونسی روایت کی تصحیح کی ہے، مگر آگے کتاب الجہاد میں پھر یہ باب آرہا ہے، وہاں صراحت ہے کہ اسحاق بن یوسف کی روایت صحیح ہے یعنی ثوری رحمہ اللہ کی روایت کی تصحیح کی ہے۔

ترجمہ: اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے اور اسی کے قائل ہیں: سفیان ثوری الخ، وہ کہتے ہیں: جب لڑکے کی عمر پندرہ سال ہوجائے تو اس کا حکم بالغ آدمیوں کا حکم ہے۔ اور اگر پندرہ سال سے پہلے احتلام ہوجائے تو بھی اس کا

حکم بالغ آدمیوں کا حکم ہے۔اور احمد واسحاق فرماتے ہیں: بلوغ کے تین درجے (علامتیں) ہیں: پندرہ سال پورے ہونا یا احتلام ہونا اور اگر اس کی عمر یاد نہ رہے اور احتلام بھی نہ ہو تو زیر ناف اگ آنا بلوغ کی علامت ہے۔

بابُ ماجاء فی مَنْ تزوَّجَ امْرَأةَ أبِيْهِ

سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا

اگر کسی نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا تو ظاہر ہے: نکاح نہیں ہوا کیونکہ سوتیلی ماں محرمات میں سے ہے، پس اگر وہ شخص اس عورت سے صحبت کرے تو وہ زنا ہے، مگر کیا اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی یا کوئی اور سزا دی جائے گی؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی یعنی اگر کنوارا ہے تو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ ہے تو رجم کیا جائے گا۔اور احناف کے نزدیک یہ زنا سے بھاری گناہ ہے، ایسے آدمی کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا، کوڑے مار کر چھوڑ نہیں دیا جائے گا، اور باب کی حدیث سے دونوں فریقوں نے استدلال کیا ہے۔

حدیث: براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے ماموں ابو بردۃ بن نیار رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے درانحالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا، میں نے پوچھا: ماموں جان! کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فلاں آدمی کے پاس بھیجا ہے اس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے، آپؐ نے مجھے یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ میں اس کو قتل کر کے اس کا سر لے آؤں۔

استدلال: ائمہ ثلاثہؒ نے اس کو زنا کی سزا قرار دیا ہے، حنفیہ نے کہا یہ زنا کی سزا کہاں ہوئی؟ زنا میں تو کوڑے مارے جاتے ہیں یا سنگسار کیا جاتا ہے، آپؐ نے تو اس کو قتل کروایا ہے، پھر آپؐ نے اس کا سر منگوایا ہے اور زنا کی سزا میں یہ بھی نہیں ہوتا۔اس حدیث سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے صحبت کرنا زنا کے علاوہ گناہ ہے اور وہ زنا سے بھاری ہے، اس کے مرتکب کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا، اس کی نظیر: لواطت ہے۔یہ زنا سے الگ اور اس سے بھاری گناہ ہے، پس لوطی کو سخت سے سخت سزا دی جائے گی اور اس کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک محارم سے نکاح کرنے سے شبہ فی العقد پیدا ہوتا ہے اور شبہ سے حد اٹھ جاتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے: الحدودُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ۔پس محارم سے نکاح کر کے صحبت کرنے سے حد اٹھ جائے گی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجرم کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ وہ جس درجہ کا گناہ ہے اس کے بقدر سزا دی جائے گی، اگر جہالت کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے اور جہالت کا موقعہ ہے تو ہلکی سزا دی جائے گی اور اگر خباثت کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے یا جہالت کا کوئی موقع نہیں تو سخت سزا دی جائے گی اور وہ قتل کی سزا ہے۔

[۸۷-] باب ماجاء فيمن تزوّج امرأة أبيه

[۱۳٤٥-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا حَفْصُ بنُ غِيَاثٍ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ عَدِيِّ بنِ ثَابِتٍ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: مَرَّبِيْ خَالِيْ أَبُوْ بُرْدَةَ بنُ نِيَارٍ، وَمَعَهُ لِوَاءٌ، فَقُلْتُ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ: بَعَثَنِيْ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيْهِ: أَنْ آتِيَهُ بِرَأْسِهِ.

وفى الباب: عَنْ قُرَّةَ، حديثُ الْبَرَاءِ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَى مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ هٰذَا الْحديثَ عَنْ عَدِيِّ بنِ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ يَزِيْدَ، عَنِ الْبَرَاءِ.

وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ عَدِيٍّ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ الْبَرَاءِ، عَنْ أَبِيْهِ، وَرُوِيَ عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ عَدِيٍّ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ الْبَرَاءِ، عَنْ خَالِهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: اس حدیث کی اسانید میں بہت زیادہ اختلاف ہے، منذری نے ترغیب میں اور شوکانی نے نیل میں ان کو ذکر کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کی دو سندیں ذکر کی ہیں: ایک: اشعث کی، دوسری: محمد بن اسحاق کی، ان کی سند میں عدی اور حضرت براء کے درمیان عبداللہ بن یزید کا واسطہ ہے، پھر اشعث کی سند تین طرح مروی ہے: (۱) حفص: عدی اور براء کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے (۲) اور اشعث کے بعد تلامذہ درمیان میں حضرت براء کے لڑکے یزید کا واسطہ لاتے ہیں (۳) اور بعض تلامذہ یزید سے اور وہ اپنے ماموں (یعنی ان کے والد کے ماموں) حضرت ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاء فى الرَّجُلَيْنِ يَكُوْنُ أَحَدُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الآخَرِ فِي الْمَاءِ

سینچائی میں جس کا کھیت بعد میں ہو اس کا حکم

نہر کے پانی سے باغ یا کھیت کی سینچائی کا پہلا حق کس کا ہے؟ مثلاً ایک بول پر پندرہ کھیت ہیں تو سیراب کرنے کا پہلا حق کس کا ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے۔ اگر عرف یہ ہو کہ سینچائی دہانے سے شروع کی جائے تو ایسا کیا جائے، اور اگر آخر سے سینچائی کرنے کا معمول ہو تو ایسا کیا جائے، ہمارے دیار میں معمول یہ ہے کہ ایک مرتبہ دہانے سے سینچائی شروع کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ آخر سے، کیونکہ کھیتوں کے دہانے کھولنے باندھنے کی سہولت اس میں ہے۔ غرض عرف کے مطابق عمل کیا جائے گا، پھر ہر شخص اپنی کھیتی کا تقاضا پورا کر کے اگلے کو نمبر دے گا۔

حدیث: ایک انصاری نے آنحضور ﷺ کے سامنے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جو آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، حرۃ کی ان نالیوں کے بارے میں جھگڑا کیا جو ان کے باغوں کو سیراب کرتی تھیں، حرۃ مدینہ منورہ کے

قریب ایک جگہ ہے، وہاں حضرت زبیرؓ کا باغ تھا، پھر اس انصاری کا باغ تھا، اس انصاری نے حضرت زبیرؓ سے کہا: پانی میرے باغ میں آنے دو، حضرت زبیرؓ نے انکار کیا، یہ جھگڑا نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے فرمایا: ''زبیر! جب اپنا باغ سیراب کرلو تو پڑوسی کی طرف پانی جانے دو'' ——— اس فیصلہ سے وہ انصاری ناراض ہوا اور کہا: آپؐ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا کہ زبیرؓ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں! یہ سن کر آپؐ کا چہرہ غصہ سے بدل گیا، اور فرمایا: زبیر! اپنے باغ کو سیراب کرو پھر پانی روکے رہو تا آنکہ منڈیر تک پانی آجائے، یعنی باغ لبالب بھر جائے، کیونکہ باغ کی سینچائی کا یہی تقاضا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے پہلے انصاری کی رعایت کی تھی مگر وہ سمجھے نہیں اور نامناسب بات کہہ دی تو آپؐ نے شریعت کا جو اصل حکم تھا وہ بتلایا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں: قسم بخدا! میرا خیال ہے کہ سورۂ نساء کی آیت ۶۵ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ الخ اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ آیت کا ترجمہ: پس قسم ہے آپ کے پروردگار کی! یہ لوگ ایمان دار نہیں ہوسکتے جب تک ان کے آپس میں جو جھگڑے ہوں ان میں وہ آپؐ کو حکم نہ مان لیں، پھر آپؐ کے حکم سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں، بلکہ وہ پوری طرح سر تسلیم خم کرلیں۔

فائدہ: مدینہ میں نہروں کا نظام نہیں ہے وہ خشک پہاڑی علاقہ ہے، وہاں جب بارش ہوتی تھی اور پہاڑوں پر سے پانی اتر کر چلتا تھا تو اسے باندھ کر جمع کر لیتے تھے، پھر اس سے کھیتوں اور باغوں کی سینچائی کرتے تھے، ایسے ہی کسی باندھ کا پانی ختم ہونے جارہا تھا، انصاری چاہتا تھا کہ اس کے کھیت میں پانی آئے، مگر اس کا کھیت بعد میں تھا، پہلے حضرت زبیرؓ کا تھا اس سلسلہ کا یہ واقعہ ہے۔

[۸۸-] باب ماجاء في الرجلين يكون أحدُهما أسفلَ منَ الآخر في الماء

[۱۳۴۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِيْ يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ، سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ، فَأَبَى عَلَيْهِ، فَاخْتَصَمُوْا عِنْدَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، للزُّبَيْرِ: "اسْقِ يَازُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ" فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ: فَقَالَ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَالَ: " يَازُبَيْرُ! اسْقِ، ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ" فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللّٰهِ! إِنِّيْ لَأَحْسِبُ نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ فِيْ ذٰلِكَ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتَّى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ الآيَةَ.

هٰذا حديثٌ حسنٌ، وَرَوَى شُعَيْبُ بنُ أَبِيْ حَمْزَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ

الزُّبَيْرِ ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ، وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ وَهْبٍ، عَنِ اللَّيْثِ، وَيُونُس عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ نَحْوَ الْحَدِيْثِ الْأَوَّلِ.

وضاحت: أنه حَدَّثَه: کہ عروہ نے زہری سے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن الزبیر نے ان سے بیان کیا ـــــ شِرَاج: شَرْج کی جمع ہے، جیسے بحار: بحر کی جمع ہے: پانی کی بول ـــــ الحَرَّة: جگہ کا نام ـــــ سَرِّح: تسریح سے فعل امر: چھوڑ، آنے دے ـــــ أن کان: أی لأن کان أو بأن کان، جیسے أن کان ذا مال وبنین ـــــ الجَدْر: کھیت کی مینڈ اور کھجور کی جڑ میں بنایا ہوا گھیرا ـــــ حدیث متفق علیہ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلح میں شعیب کی حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں عبداللہ کا ذکر نہیں ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ مَنْ يُعْتِقُ مِمَالِيْكَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ

کوئی مرض موت میں تمام غلام آزاد کردے اور اس کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

حدیث: ایک انصاری صحابی نے مرض موت میں اپنے چھ غلام آزاد کردیئے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ کچھ نہیں تھا، جب یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے اس کے حق میں سخت بات کہی پھر ان غلاموں کو بلایا، اور ان کی دو دو کی جوڑیاں بنائیں، پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا، پس جس جوڑی کے نام قرعہ نکلا ان دو کو آزاد کردیا اور باقی چار کو غلامی میں لوٹا دیا (اس لئے کہ مرض موت کا تبرع بحکم وصیت ہوتا ہے اور تہائی مال سے نافذ ہوتا ہے)

تشریح: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: آج اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو ایسا ہی کیا جائے گا، اور احناف کے نزدیک ہر غلام کا تہائی آزاد ہوگا اور وہ دو تہائی قیمت ورثاء کو کما کردے گا۔ اس طرح ہر غلام کو آزادی مل جائے گی اور ورثاء کا نقصان بھی نہیں ہوگا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ قرعہ کی کیا حیثیت ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قرعہ مُلزِم (لازم کرنے والا) ہے اور احناف کے نزدیک قرعہ کی یہ حیثیت ابتدائے اسلام میں تھی، بعد میں اس کی یہ حیثیت باقی نہیں رہی، اب قرعہ صرف تطییب قلوب یعنی دل خوش کرنے کے لئے ہے، اور دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں قرعہ سے فیصلہ کیا تھا، پھر جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کی ستائش کی مگر جب حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایسا ہی قصہ پیش آیا تو آپؓ نے قرعہ اندازی سے فیصلہ نہیں کیا (ذکرہ الطحاوی بحوالہ اعلاء السنن ۱۱: ۳۰۹) معلوم ہوا کہ قرعہ اندازی کی جو پہلے حیثیت تھی وہ بعد میں باقی نہیں رہی۔ اور بذل مجہود میں یہ ہے کہ قرعہ کی یہ حیثیت شروع اسلام میں تھی، پھر جب قمار حرام ہوا تو قرعہ کی یہ حیثیت بھی منسوخ ہوگئی، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب القرعة فی المشكلات (کتاب الشهادة) میں جو روایات ذکر کی ہیں وہ سب

باب دیانات سے ہیں، باب حکم (قضاء) سے کوئی بھی روایت نہیں ہے (فیض الباری)

غرض احناف کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جب مذکورہ بالا فیصلہ کیا تھا اس وقت قرعہ کی ایک خاص حیثیت تھی جو بعد میں باقی نہیں رہی، اس لئے آج اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو قرعہ اندازی سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر غلام کا ایک تہائی آزاد ہوگا اور اس پر دو تہائی قیمت کمانا لازم ہوگا۔

[۸۹-] باب ماجاء فيمن يُعْتِقُ مماليكَهُ عند موتِهِ، ولَيْسَ لهُ مالٌ غيرُهُمْ

[۱۳۴۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الأنْصَارِ أَعْتَقَ سِتَّةَ أَعْبُدٍ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيْدًا، قَالَ: ثُمَّ دَعَاهُمْ فَجَزَّأَهُمْ، ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، حديثُ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ: يَرَوْنَ الْقُرْعَةَ فِيْ هٰذَا وَفِيْ غَيْرِهِ.

وَأَمَّا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهِمْ فَلَمْ يَرَوُا الْقُرْعَةَ، وَقَالُوْا: يُعْتَقُ مِنْ كُلِّ عَبْدٍ الثُّلُثُ، وَيُسْتَسْعَى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهِ.

وَأَبُوْ الْمُهَلَّبِ: اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ عَمْرٍو، وَيُقَالُ مُعَاوِيَةُ بنُ عَمْرٍو.

ملحوظہ: حضرت عمران کی یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۱۶۶۸ کتاب الأیمان) اور ابو داؤد (حدیث ۳۹۵۸ کتاب العتق) میں بھی ہے۔

بابُ ماجاء في مَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ

ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے وہ آزاد ہوجاتا ہے

مذاہبِ فقہاء: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے دو شخص جن میں ولادت کا تعلق ہے اگر ان میں سے ایک دوسرے کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہوجائے گا۔ اور ولادت کا تعلق اصول وفروع کے درمیان ہوتا ہے، پس ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اوپر تک اور بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی نیچے تک: اگر کوئی ان کا مالک ہو تو وہ فوراً آزاد

ہو جائیں گے۔اور بھائی بہن آزاد نہیں ہونگے ، کیونکہ ان کے ساتھ ولادت کا تعلق نہیں۔

دیگر ائمہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے۔رحم: سے مراد: ناتا ہے، یعنی ددھیالی یا ننھیالی رشتہ دار، پس سسرالی اور رضاعی رشتہ دار نکل گئے،اور محرم: وہ رشتے دار ہیں جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، پس اگر کوئی ماں باپ، بیٹا، بیٹی بھائی بہن چچا، پھوپھی اور ماموں خالہ کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہو جائے گا، البتہ ماموں زاد، خالہ زاد، چچازاد اور پھوپھی زاد آزاد نہیں ہونگے کیونکہ وہ اگرچہ ذو رحم ہیں مگر محرم نہیں۔

[۹۰-] باب ماجاء في مَنْ مَلَكَ ذارَحِمٍ مَحْرَمٍ

[۱۳۴۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مُسْنَدًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُمَرَ: شَيْئًا مِنْ هٰذَا.

[۱۳۴۹-] حدثنا عُقْبَةُ بنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ الْبَصْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا مُحمدُ بنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ"

وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا ذَكَرَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَاصِمًا الْأَحْوَلَ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، غَيْرَ مُحَمَّدِ بنِ بَكْرٍ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۱۳۵۰-] وَقَدْ رُوِىَ عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ" رَوَاهُ ضَمْرَةُ بنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَا يُتَابَعُ ضَمْرَةُ بنُ رَبِيْعَةَ عَلَى هٰذَا الْحَدِيْثِ، وَهُوَ حديثٌ خَطَأٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وضاحت: پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے صرف اتنی بات کہی ہے کہ حماد بن سلمہ سے آخر تک اس کی بس یہی ایک سند ہے، مگر یہ سند فی نفسہ کیسی ہے؟ یہ بات بیان نہیں کی ، البتہ ابن حزم، عبدالحق اور ابن القطان نے اس کی تصحیح کی ہے، دوسرے حضرات تضعیف کرتے ہیں، کیونکہ سعید بن ابی عروبہ: عن قتادہ، عن الحسن مقطوع روایت کرتے ہیں، سعید کی روایت ابوداؤد (حدیث ۳۹۵۱) میں ہے —— اور بعض روات یہ حدیث قتادہ سے روایت کرتے ہیں، وہ حسن بصری سے اور وہ حضرت عمرؓ سے ان کا قول روایت کرتے ہیں (یہ روایت ابوداؤد (حدیث ۳۹۵۰) میں ہے مگر اس میں حسن بصری کا ذکر نہیں ، قتادہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، پس یہ

روایت منقطع ہے) ——— اس کے بعد حماد بن سلمہ کے تلمیذ بر سانی کی سند ہے، وہ قتادہ کے ساتھ عاصم احول کا بھی اضافہ کرتے ہیں، مگر یہ بھی بُرسانی کا تفرد ہے، قتادہ کا اور کوئی شاگرد اس سند میں عاصم کا تذکرہ نہیں کرتا ——— پھر امام ترمذیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے، مگر اس کے راوی صرف ضَمْرة ہیں، ان کا کوئی متابع نہیں، اس لئے محدثین کے نزدیک یہ سند صحیح نہیں، محدثین کے نزدیک اس سند سے حدیث: نھی عن بیع الولاء وعن ھبتہ مروی ہے (مگر حاکم نے مستدرک میں اس سند سے دونوں حدیثیں روایت کی ہیں، اور یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور ابن حزم، عبدالحق اور ابن القطان نے اس کی تصحیح کی ہے)

بابُ ماجاء فِيْ مَنْ زَرَعَ فِيْ أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ

اجازت کے بغیر کسی کی زمین میں کھیتی کرنے کا حکم

کسی نے کسی کی زمین غصب کر کے اس میں کھیتی کی پھر قاضی نے وہ زمین مالک کو دلوادی تو پیداوار غاصب کی ہے یا مالک کی؟ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک پیداوار زمین کا نُما ہے پس وہ زمین کے مالک کی ہے، اور غاصب نے جو محنت کی ہے اور بیج کھاد ڈالا ہے وہ صرفہ غاصب کو ملے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پیداوار بیج کا نما ہے، اور بیج غاصب کا ہے اس لئے پیداوار غاصب کو ملے گی، مگر وہ ساری پیداوار اس کے لئے طیب نہیں، صرف محنت اور صرفہ کے بقدر پیداوار طیّب ہے، باقی مالِ خبیث ہے، اس کو ثواب کی نیت کے بغیر غریبوں کو دینا ضروری ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی قوم کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کھیتی کی تو اس کے لئے کھیتی میں سے کچھ نہیں اور اس کے لئے اس کا خرچہ ہے''

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ نے یہ قول کیا ہے کہ زمین کی پیداوار مالک کو ملے گی اور غاصب کو صرف محنت اور خرچہ ملے گا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ بلا اجازت دوسرے کی زمین میں کھیتی کرنے والے کو نفقہ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مگر آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ باقی پیداوار زمین والے کو ملے گی، یہ اپنی طرف سے اضافہ ہے، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غاصب کے لئے اس پیداوار میں سے صرف نفقہ اور محنت کے بقدر حلال ہے باقی پیدوار اس کے لئے نہیں یعنی حلال نہیں وہ واجب التصدق ہے، اور احناف کی دلیل حضرت مجاہدؒ کی مرسل روایت ہے جو طحاوی میں ہے اور حضرت مجاہد کے مراسیل حجت ہیں، واقعہ یہ تھا کہ چار آدمیوں نے مل کر ایک زمین میں کھیتی کی، ایک نے اپنے ذمے بیج لیا، دوسرے نے ہل بیل، تیسرے نے زمین اور چوتھے نے محنت۔ جب کھیتی تیار ہوئی تو ان میں جھگڑا ہوا، چنانچہ مقدمہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، آپؐ نے مزارعت کو فاسد قرار دیا، اور پیداوار کا فیصلہ بیج والے کے لئے کیا۔ اور دوسروں کو محنت اور خرچہ

دلوایا (طحاوی ۴: ۱۱۹کتاب المزارعة) معلوم ہوا کہ پیداوار بیج کا نُما ہے پس مذکورہ صورت میں بھی پیداوار غاصب کو ملے گی، البتہ اس کے لئے اس میں سے محنت اور صرفہ کے بقدر حلال ہے، باقی پیداوار واجب التصدق ہے۔

[۹۱-] باب ماجاء فیمن زَرَعَ فی أرضِ قومٍ بغیرِ إِذْنِهِمْ

[۱۳۵۱-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا شَرِیْكُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ النَّخعِيُّ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِیْجٍ أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "مَنْ زَرَعَ فِيْ أَرْضِ قَوْمٍ بِغَیْرِ إِذْنِهِمْ، فَلَیْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْئٌ، وَلَهُ نَفقَتُهُ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ، لانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِیْثِ أَبِيْ إِسْحَاقَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِیْثِ شَرِیْكِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا الْحَدِیْثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَسَأَلْتُ مَحَمَّدَ بنَ إِسْمَاعِیْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَ: هُوَ حدیثٌ حسنٌ، وَقَالَ: لَا أَعْرِفُ مِنْ حَدِیْثِ أَبِيْ إِسْحَاقَ إِلَّا مِنْ رِوَایَةِ شَرِیْكٍ.

قَالَ مُحمدٌ: حَدَّثَنَا مَعْقِلُ بنُ مَالِكٍ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عُقْبَةُ بنُ الْأَصَمِّ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِیْجٍ، عَنِ النبيِّ صلی الله علیه وسلم نَحْوَهُ.

وضاحت: یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے اور امام بخاریؒ سے بھی حسن کا قول نقل کیا ہے، مگر امام بخاری کا حسن دوسروں کے صحیح کے مترادف ہوتا ہے، پس امام ترمذیؒ کو چاہئے تھا کہ اس کو حسن صحیح کہتے، مگر ایسا نہیں کیا، معلوم ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے، چنانچہ خطابی نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے اور بیہقی نے بھی اس کی تضعیف کی ہے اور ابوزرعہ کہتے ہیں: حضرت عطاء بن ابی رباح کا حضرت رافع سے سماع نہیں، نیز اس کو ابواسحاق سے شریک ہی روایت کرتے ہیں اور وہ کثیر الخطا ہیں —— اور امام بخاریؒ نے اس کی جو دوسری سند پیش کی ہے اس میں عقبۃ بن الاصم ضعیف راوی ہے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حسن بھی نہیں، ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء فی النَّحْلِ وَالتَّسْوِیَةِ بَیْنَ الْوَلَدِ

اولاد کو عطیہ دینا اور اس میں برابری کرنا

جب باپ اپنی اولاد کو کوئی عطیہ دے تو ان میں برابری کرے، یہ نہ ہو کہ کسی کو بہت نواز دیا اور کسی کو محروم کردیا، تفاضل (کمی بیشی) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ اور برابری کا

مطلب کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام محمد اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک برابری یہ ہے کہ میراث کی طرح لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا دے، اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: یہ میراث کا مخصوص حکم ہے، عطیہ میں سب کو برابر دے۔

اس مسئلہ میں صرف ایک حدیث ہے: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت نعمان کو ایک غلام بخشا، اور گواہ بنانے کے لئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس میں اس ظلم پر گواہ نہیں بنتا، جاؤ کسی اور کو گواہ بناؤ (یہ حدیث ابو داؤد ۲:۴۹۹ میں ہے) اور حکم دیا کہ ہبہ واپس لو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے اس عطیہ کو ظلم قرار دیا ہے اور ظلم حرام ہے، پس اولاد کو کم زیادہ دینا حرام ہے اور ہبہ صحیح نہیں۔ اور جمہور فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ خود تو گواہ نہیں بنے مگر دوسرے کو گواہ بنانے کے لئے فرمایا۔ اگر ہبہ صحیح نہ ہوتا تو کسی اور کو گواہ بنانا بھی کیسے درست ہوتا؟ معلوم ہوا کہ تفاضل حرام نہیں، مکروہ تحریمی ہے کیونکہ جواز کراہت تحریمی کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے، حرام کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

غرض امام احمدؒ کا استدلال پہلے جملہ سے ہے اور جمہور کا دوسرے جملہ سے۔ علاوہ ازیں نبی ﷺ نے حضرت بشیرؓ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا عطیہ واپس لیں، یہ بھی دلیل ہے کہ عطیہ درست تھا، جبھی واپس لینے کے لئے فرمایا، اس کی نظیر: وہ حدیث ہے جو پہلے گذری ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو نبی ﷺ نے ان کو رجوع کا حکم دیا، اگر طلاق نافذ نہ ہوتی تو رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اسی طرح اگر حضرت بشیرؓ کا دیا ہوا عطیہ صحیح نہیں تھا تو پھر واپس لینے کے لئے کیوں فرمایا؟ معلوم ہوا کہ اولاد کے درمیان تفاضل اگرچہ ظلم ہے، مگر ہبہ صحیح ہے۔

سوال: احناف کے نزدیک اگر سات موانع میں سے کوئی مانع موجود ہو تو ہبہ واپس نہیں لے سکتے، یہاں واہب اور موہوب لہ کے درمیان قرابت محرمہ ہے، پھر ہبہ واپس لینا کیسے جائز ہوا؟

جواب: یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، امت کے سامنے یہ مسئلہ آج پہلی مرتبہ آیا ہے اس لئے رجوع کرنے کی گنجائش دی گئی۔

[۹۲-] باب ماجاء في النَّحلِ والتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ

[۱۳۵۲-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، وَسَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ - الْمَعْنَى وَاحِدٌ - قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَعَنْ مُحمدِ بنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، يُحَدِّثَانِ عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ: أَنَّ أَبَاهُ نَحلَ ابْنًا لَهُ غُلَامًا، فَأَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم يُشْهِدُهُ، فَقَالَ: "أَكُلَّ وَلَدِكَ قَدْ نَحَلْتَهُ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هٰذَا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: " فَارْدُدْهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَسْتَحِبُّوْنَ التَّسْوِيَةَ بَيْنَ الْوَلَدِ، حَتَّى قَالَ بَعْضُهُمْ: يُسَوِّيْ بَيْنَ وَلَدِهِ حَتَّى فِي الْقُبْلَةِ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُسَوِّيْ بَيْنَ وَلَدِهِ فِي النَّحْلِ وَالْعَطِيَّةِ، الذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى سَوَاءٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْوَلَدِ: أَنْ يُعْطَى الذَّكَرُ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، مِثْلَ قِسْمَةِ الْمِيْرَاثِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ اولاد کے درمیان برابری کرنے کو مستحب کہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء فرماتے ہیں: اولاد کے درمیان برابری کرے یہاں تک کہ ان کو چومنے میں بھی برابری کرے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اپنی اولاد کے درمیان خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ہدیہ اور عطیہ دینے میں برابری کرے، اور یہ سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اولاد کے درمیان برابری کرنا یہ ہے کہ لڑکے کو میراث کی طرح دوہرا دیا جائے، اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

فائدہ: امام احمد اور جمہور کے قول کے درمیان میں نے تطبیق یہ دی ہے کہ باپ اپنی اولاد کو جو دیتا ہے وہ دینا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک محض عطیہ، دوسرا: جب باپ بوڑھا ہو جاتا ہے اور زندگی ختم ہوئی نظر آتی ہے، اور سب اولاد باشعور اور گھر ہستی والی ہو جاتی ہے تو باپ اپنی ساری جائداد ان کو دیدیتا ہے تاکہ بعد میں جھگڑے نہ ہوں، یہ دینا اگرچہ میراث نہیں ہے مگر بحکم میراث ہے کیونکہ باپ اسی نیت سے دیتا ہے، اس صورت میں قاعدہ: للذکر مثل حظ الأنثیین جاری ہونا چاہئے اور پہلی صورت میں سب اولاد کو برابر دینا چاہئے، مثلاً عید کے کپڑے بنائے یا عیدی دے تو سب کو برابر دے کہ یہ محض عطیہ ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الشُّفْعَةِ

شفعہ (حقِ ہمسائیگی) کا بیان

مادہ: ش، ف، ع کے معنی ہیں: ملانا۔ دو رکعتوں کو ''شفعہ'' کہتے ہیں اور کسی کی عرضی کے ساتھ سفارش ملائی جائے تو اس کو ''شفاعت'' کہتے ہیں اور اصطلاح میں: کسی کی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ ملانے کا نام شفعہ ہے۔

شفیع تین قسم کے ہیں: شریک فی نفس المبیع، شریک فی حقوق المبیع (جار فی الحقوق) اور جار محض۔ کسی جائداد میں چند لوگ شریک ہیں، ان میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو باقی شرکاء: شریک فی نفس المبیع ہیں۔ اور اگر جائداد میں تو شرکت نہیں مگر اس کے حقوق میں شرکت ہے مثلاً کنواں ایک ہے جس سے کھیت سیراب ہوتے ہیں یا راستہ مشترک ہے تو ہر ایک جار فی الحقوق ہے، اس کو شریک فی الحقوق بھی کہتے ہیں۔ اور جو شخص مبیع میں بھی شریک نہیں اور حقوق میں بھی شریک نہیں صرف پڑوسی ہے تو یہ جار محض ہے۔

پھر شریک فی نفس المبیع کی دو صورتیں ہیں: مبیع بٹوارے کے قابل ہے یا نہیں؟ اگر بٹوارے کے بعد بھی سابق نفع

باقی رہے تو مبیع قابل قسمت ہے، مثلاً ایک بڑا مکان مشترک ہے، یہ مبیع قابل قسمت ہے کیونکہ بٹوارے کے بعد بھی مبیع قابل انتفاع رہے گی اور اگر بٹوارے سے جائداد کا پہلا نفع جاتا رہے مثلاً مشترک غسل خانہ تو مبیع قابل قسمت نہیں۔

مذاہبِ فقہاء: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حقِ شفعہ صرف شریک فی نفس المبیع کے لئے ہے جبکہ مبیع قابل قسمت ہو، اور اگر مبیع قابل قسمت نہ ہو یا صرف حقوق میں شراکت ہو یا جارِ محض ہو تو ان کے لئے شفعہ نہیں۔ اور احناف کے نزدیک بالترتیب سب کے لئے شفعہ ہے سب سے پہلے شریک فی نفس المبیع کا حق ہے پھر شریک فی الحقوق کا پھر جار محض کا۔

اختلاف کی بنیاد: اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ شفعہ کی علت کیا ہے؟ احناف کے نزدیک شفعہ کی علت: دفعِ ضرر جوار (پڑوسی کی تکلیف سے بچنا) ہے، یہ علت چاروں صورتوں کو عام ہے، اس لئے ان کے نزدیک چاروں کو بالترتیب حقِ شفعہ حاصل ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علت: دفع ضرر قسمت ہے یعنی بٹوارے کے خرچے سے بچنا، کیونکہ اگر اجنبی خریدار آگیا تو اس کے ساتھ جائداد تقسیم کرنی پڑے گی اور اس کا جو خرچہ ہوگا اس میں شریک کو بھی حصہ لینا پڑے گا۔ اس لئے اگر وہ خرچ سے بچنا چاہے تو خریدار کو نہ آنے دے، فروخت شدہ حصہ اسی قیمت پر لیلے۔ یہ علت اس مبیع میں نہیں پائی جاتی جو قابل تقسیم نہیں ہے کیونکہ وہ مشترک ہی استعمال کی جائے گی، اور حقوق اور جار محض کے ساتھ تو تقسیم کا کوئی سوال نہیں، اس لئے ان ائمہ نے صرف ایک صورت میں شفعہ ثابت کیا ہے۔

اور اختلاف کی دوسری بنیاد: نص فہمی کا اختلاف ہے، آگے باب ۹۴ میں حدیث نمبر ۱۳۵۵ آرہی ہے، وہ حدیث اصح مافی الباب ہے: اس کے سمجھنے میں اختلاف ہوا ہے کہ اس میں مسئلہ ہے یا غلط فہمی کا ازالہ؟ تفصیل آگے آئے گی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شفعہ کے سلسلے میں تین روایتیں ہیں: ایک: روایت میں شریک فی نفس المبیع کے لئے شفعہ ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری: میں شریک فی الحقوق کے لئے اور تیسری: میں جار محض کے لئے۔ امام ترمذیؒ نے تینوں روایتوں کو بیان کیا ہے، اور احناف نے تینوں کو لیا ہے اور ائمہ ثلاثہ نے صرف پہلی روایت کو لیا ہے، باقی روایات کو نہیں لیا پس یہ نص فہمی کا اختلاف بھی ہے، جیسا کہ تیسرے باب میں آرہا ہے۔

حدیث: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے'' یعنی اگر پڑوسی فروخت شدہ گھر لینا چاہے تو وہ اجنبی خریدار سے زیادہ حق دار ہے، اجنبی نے جتنی قیمت پر خریدا ہے اتنی قیمت پر پڑوسی لے سکتا ہے۔ اس حدیث میں جارِ محض کے لئے شفعہ ثابت کیا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کی سند عیسیٰ بن یونس نے عن سعید بن أبی عروبة، عن قتادة، عن أنس بیان کی ہے مگر یہ سند صحیح نہیں، صحیح سند سعید بن ابی عروبہ کے دیگر تلامذہ کی ہے، وہ عن قتادہ، عن الحسن، عن سمرۃ سند بیان کرتے ہیں یعنی اس کو حضرت سمرہ کی حدیث قرار دیتے ہیں اور یہی سند صحیح ہے، اور یہ حدیث عمرو بن الشرید عن أبیه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم کی سند سے بھی مروی ہے اور عن عمرو بن الشرید عن أبی رافع عن

النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے بھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں سندوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

[۹۳-] باب ماجاء فی الشُّفْعَةِ

[۱۳۵۳-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِیْلُ بنُ عُلَیَّةَ، عَنْ سَعِیْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ"

قَالَ أَبُوْ عِیْسیٰ: وَفِی الْبَابِ عَنِ الشَّرِیْدِ، وَأَبِیْ رَافِعٍ، وَأَنَسٍ، حَدِیْثُ سَمُرَةَ حَسَنٌ صحیحٌ، وَقَدْ رَوَی عِیْسَی بنُ یُوْنُسَ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ أَبِیْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ؛ وَرُوِیَ عَنْ سَعِیْدِ بنِ أَبِیْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَالصَّحِیْحُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ حَدِیْثُ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، وَلَا نَعْرِفُ حَدِیْثَ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ، إِلَّا مِنْ حدیثِ عِیْسَی بنِ یُوْنُسَ.

وَحَدِیْثُ عَبْدِ اللهِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّائِفِیِّ، عَنْ عَمْرِو بنِ الشَّرِیْدِ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ هٰذَا الْبَابِ: هُوَ حدیثٌ حسنٌ، وَرَوَی إِبْرَاهِیْمُ بنُ مَیْسَرَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ الشَّرِیْدِ، عَنْ أَبِیْ رَافِعٍ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: سَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَقُوْلُ: کِلَا الْحَدِیْثَیْنِ عِنْدِیْ صَحِیْحٌ.

وضاحت: ائمہ ثلاثہ اس حدیث میں بھی جار سے شریک مراد لیتے ہیں، مگر باب میں شرید بن سوید کی جو حدیث ہے اس سے یہ تاویل باطل ہوجاتی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک زمین ہے، اس میں نہ کوئی شریک ہے نہ کسی کا حصہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: الجار أحقُّ بِسَقَبِهِ: ماکان: پڑوسی اپنے نزدیک کا زیادہ حقدار ہے: جائداد جیسی بھی ہو (رواہ احمد، والنسائی، وابن ماجہ)

اور سند پر بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث قتادہ: حسن بصری سے، وہ حضرت سمرۃ سے روایت کرتے ہیں، یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نہیں ہے، پس قتادہ عن انس کی سند غلط ہے ——— نیز یہ حدیث عمرو بن الشرید اپنے ابا سے بھی روایت کرتے ہیں اور حضرت ابورافع سے بھی اور دونوں روایتیں صحیح ہیں، یہ بات امام بخاریؒ نے فرمائی ہے، اور پہلی روایت نسائی میں ہے اور دوسری بخاری میں۔

بابُ ماجاء فی الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ

شفیع غیر حاضر ہو تو بھی اس کے لئے شفعہ ہے

اگر شفیع کی عدم موجودگی میں کوئی جائداد فروخت ہوئی ہو تو اس کے واپس آنے تک انتظار کیا جائے گا اگر وہ

واپس آکر جائداد کا مطالبہ کرے تو اس کا حق زیادہ ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے، شفعہ کے لئے اس کا انتظار کیا جائے گا، اگر وہ غیر موجود ہو، جبکہ دونوں کا راستہ ایک ہو''

تشریح: اس حدیث میں شریک فی الحقوق کے لئے حق شفعہ ثابت کیا گیا ہے، اور یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے اور شعبہؒ نے اسی حدیث کی وجہ سے عبدالملک بن ابی سلیمان پر جرح کی ہے مگر وہ جرح صحیح نہیں، کتاب الزکوٰۃ باب ۲۲ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ محدثین جس طرح راویوں کے احوال سے حدیث پر حکم لگاتے ہیں: متن کی وجہ سے بھی راویوں پر کلام کرتے ہیں، کیونکہ ائمہ جرح وتعدیل پر روات کے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوتی، بلکہ وہ استدلال لمّی اور اِنّی سے حکم لگاتے ہیں، حدیث کے متابعات وشواہد کی تائید یا عدم تائید سے ثقہ یا ضعیف قرار دیتے ہیں، کبھی حدیث کے مضمون کا شریعت کے قواعد معلومہ سے موازنہ کرتے ہیں، اور حکم لگاتے ہیں۔ شعبہؒ نے اس حدیث کی وجہ سے عبدالملک پر جرح کی ہے، مگر وہ محدثین کے نزدیک ثقہ قابل اعتماد ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کی وجہ سے شعبہ کے علاوہ کسی امام نے عبدالملک پر جرح نہیں کی، بلکہ ان کے ساتھی سفیان ثوریؒ تو فرماتے ہیں: عبدالملک کسوٹی ہیں، یعنی ان کے ذریعہ صحیح اور سقیم حدیثوں میں امتیاز کیا جائے گا۔

[۹۴-] باب ماجاء فی الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ

[۱۳۵٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا خَالِدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ، يُنْتَظَرُ بِهِ، وإِنْ كَانَ غَائِبًا، إِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا"

هٰذَا حديثٌ حَسَنٌ غريبٌ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى هٰذَا الحديثَ غَيْرَ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِيْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ مِنْ أَجْلِ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ: هُوَ ثِقَةٌ مَأْمُوْنٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ، لَا نَعْلَمُ أَحَداً تَكَلَّمَ فِيْهِ غَيْرَ شُعْبَةَ، مِنْ أَجْلِ هٰذَا الْحديث، وَقَدْ رَوَى وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ هٰذَا الحديثَ، وَرُوِيَ عَنِ ابنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، قَالَ: عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ أَبِيْ سُلَيْمَانَ مِيْزَانٌ: يَعْنِيْ فِيْ الْعِلْمِ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الرَّجُلَ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ: وَإِنْ كَانَ غَائِبًا، فَإِذَا قَدِمَ فَلَهُ الشُّفْعَةُ، وَإِنْ تَطَاوَلَ ذٰلِكَ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت عطاء سے صرف عبدالملک روایت کرتے ہیں اور اس کی تخریج امام احمد، ابوداؤد، ابن

ماجہ اور دارمی نے کی ہے، پس حدیث صحیح ہے مگر امام ترمذیؒ نے صرف حسن کا حکم لگایا ہے وہ شعبہ رحمہ اللہ کی جرح سے متاثر ہوئے ہیں۔

ترجمہ: اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے کہ آدمی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ وہ غیر حاضر ہو، پس جب وہ آئے تو اس کے لئے شفعہ ہوگا اگرچہ مدت دراز کے بعد آئے (یہ مسئلہ تو اجماعی ہے، مگر حدیث میں جو دوسرا مسئلہ ہے کہ شریک فی الحقوق کے لئے بھی شفعہ ہے اس کو امام ترمذی نے چھوڑ دیا ہے)

بابُ ماجاء إِذَا حُدَّتِ الْحُدُوْدُ وَوَقَعَتِ السِّهَامُ فَلاَ شُفْعَةَ

جب حدیں قائم ہوجائیں اور راہیں الگ ہوجائیں تو شفعہ نہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب حدیں قائم کردی جائیں اور راہیں جدا کردی جائیں تو شفعہ نہیں''

تشریح: یہ حدیث اصح مافی الباب ہے اور ائمہ ثلاثہ نے صرف اسی حدیث کو لیا ہے۔ اور اس حدیث کا مطلب انھوں نے یہ لیا ہے کہ صرف ایسی جائداد میں جو بانٹی جاسکتی ہے، حق شفعہ ہے، اور جو جائداد قابلِ قسمت نہیں ہے: اس میں شریک کے لئے، اسی طرح شریک فی الحقوق کے لئے اور جار محض کے لئے شفعہ نہیں، کیونکہ پہلی صورت میں جائداد مشترک استعمال کی جائے گی، پس مصارف تقسیم کا کوئی سوال نہیں اور باقی دو صورتوں میں راستے پھیرنے کا اور حدود قائم کرنے کا کوئی سوال نہیں، غرض ائمہ ثلاثہ نے حدیث کا منطوق بھی لیا ہے اور مفہوم مخالف بھی، منطوق یہ ہے کہ مذکورہ تین شخصوں کے لئے شفعہ نہیں، اور مفہوم یہ ہے کہ صرف شریک کے لئے شفعہ ہے جبکہ جائداد بٹوارے کے قابل ہو۔

اور حنفیہ کہتے ہیں: یہ روایت ایک غلط فہمی کے ازالے کے لئے ہے، اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے، اور یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی۔

مثال: ایک شخص کا انتقال ہوا اس کی جائداد کے وارث، مثال کے طور پر، تین لڑکے ہیں، پس جب تک باپ کی جائداد ان میں مشترک ہے اگر کوئی لڑکا اپنا حصہ فروخت کرے تو دوسرے بھائی شفیع ہیں لیکن جب زمین کا بٹوارا ہوجائے، حدیں قائم ہوجائیں، اور کھیتوں میں جانے کے راستے الگ ہوجائیں پھر کوئی بھائی اپنی زمین بیچے تو دوسرے بھائی شرکت کی بنیاد پر شفیع نہیں ہیں، مگر دنیا کا رواج یہ ہے کہ اب بھی اگر کوئی بھائی اپنی زمین بیچتا ہے تو دوسرے بھائی یہ کہہ کر کھڑے ہوجاتے ہیں کہ ہمارے باپ کی جائداد ہے، ہم لیں گے، دوسرے کو نہیں لینے دیں گے۔ حدیث شریف میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ جب تک تم سب بھائی شریک تھے، بیشک شرکت کی بنیاد پر شفیع تھے، مگر اب جبکہ بٹوارہ ہوگیا تو تم شفیع نہیں رہے، اب جس بھائی کی زمین فروخت شدہ زمین سے متصل ہے وہی شفیع ہے اور اگر کسی کی بھی زمین اس زمین سے متصل نہیں تو اجنبی پڑوسی شفیع ہے۔

غرض احناف کے نزدیک شفعہ کی روایات میں کوئی تعارض نہیں، سب روایتیں قابل عمل ہیں، اس لئے سب کے لئے ترتیب وار شفعہ ثابت کیا جائے گا، اور اس روایت کا مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں، یہ تو غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہے۔

[۹۵-] باب ماجاء إذا حُدَّتِ الحدودُ ووقعتِ السِّهامُ فلا شُفْعَةَ

[۱۳۵۵-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ، وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ، فَلَا شُفْعَةَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ مُرْسَلًا عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عَنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: مِنْهُمْ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ، وَعُثْمَانُ بنُ عَفَّانَ، وَبِهِ يَقُوْلُ بَعْضُ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ: مِثْلُ عُمَرَ بنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَغَيْرِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ: مِنْهُمْ يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ، وَرَبِيْعَةُ بنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَمَالِكُ بنُ أَنَسٍ، وَبِهِ يَقُوْلُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: لَايَرَوْنَ الشُّفْعَةَ إِلَّا لِلْخَلِيْطِ، وَلَايَرَوْنَ لِلْجَارِ شُفْعَةً إِذَا لَمْ يَكُنْ خَلِيْطًا.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: الشُّفْعَةُ لِلْجَارِ، وَاحْتَجُّوْا بِالْحَدِيْثِ الْمَرْفُوْعِ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ" وَقَالَ: "الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ" وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وابنِ الْمُبَارَكِ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

وضاحت: خلیط کے معنی ہیں: نفس مبیع میں شریک۔ اور سَقَب: کے معنی ہیں: قریب، پڑوسی۔

بابٌ

شریک فی نفس المبیع شفیع ہے

حدیث: حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے"

تشریح: یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے: باب ماجاء أن الشريك شفيع، ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کا بھی منطوق و مفہوم لیا ہے۔ منطوق یہ ہے کہ شریک کے لئے شفعہ ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ غیر شریک کے لئے شفعہ نہیں۔ اور احناف نے صرف منطوق لیا ہے کہ شریک کے لئے خواہ نفس مبیع میں شریک ہو یا حقوق میں شفعہ ہے، اور مفہوم مخالف ان کے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ دیگر روایات سے غیر شریک کے لئے بھی شفعہ ثابت ہے، اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ شفعہ صرف جائداد یعنی مکان اور زمین میں ہے منقولات میں حق شفعہ نہیں، اور یہ روایت مرفوع نہیں ہے، اصح یہ ہے کہ مرسل ہے۔

[٩٦-] بابٌ

[١٣٥٦-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عِيْسَى، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ السُّكَّرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ رُفَيْعٍ، عَنِ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "الشَّرِيْكُ شَفِيْعٌ، وَالشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شَيْئٍ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا إِلَّامِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ حَمْزَةَ السُّكَّرِيِّ، وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ رُفَيْعٍ، عَنِ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا وَهٰذَا أَصَحُّ.

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ رُفَيْعٍ، عَنِ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَلَيْسَ فِيْهِ: عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ رُفَيْعٍ: مِثْلَ هٰذَا، لَيْسَ فِيْهِ: عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ حَمْزَةَ، وَأَبُوْ حَمْزَةَ ثِقَةٌ، يُمْكِنُ أَنْ يَكُوْنَ الْخَطَأُ مِنْ غَيْرِ أَبِي حَمْزَةَ.

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ رُفَيْعٍ، عَنِ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيْثِ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ.

وَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّمَا تَكُوْنُ الشُّفْعَةُ فِيْ الدُّوْرِ وَالْأَرَضِيْنَ، وَلَمْ يَرَوْا الشُّفْعَةَ فِيْ كُلِّ شَيْئٍ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: الشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شَيْئٍ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وضاحت: ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث کو ابوحمزہ سکری نے متصل روایت کیا ہے یعنی آخر میں حضرت ابن عباسؓ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور عبدالعزیز بن رُفیع کے دیگر تلامذہ نے مثلاً ابوبکر بن عیاش اور ابوالاحوص نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے، اور امام ترمذیؒ نے مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ابوحمزہ سکری ثقہ قابل اعتماد راوی ہیں، اس لئے ممکن ہے یہ غلطی ان کی کتاب میں کسی اور نے کی ہو —— اور اکثر اہل علم کہتے ہیں: شفعہ مکانوں اور زمینوں ہی میں ہے ہر چیز (منقولات) میں شفعہ نہیں، اور بعض علماء کہتے ہیں: ہر چیز میں شفعہ ہے اور پہلا قول اصح ہے۔

بابُ ماجاء فی اللُّقَطَةِ وَضالَّةِ الإبلِ وَالْغَنَمِ

پڑی چیز پانے کا اور گم شدہ اونٹ بکری کا حکم

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: پڑی چیز پانے کے بارے میں ہے، اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہو جہاں اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ

ہواور غالب گمان یہ ہو کہ مالک وہاں اس کو تلاش کرتا ہوا آئے گا تو اس کو اٹھانا نہیں چاہئے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ مالک اس کو وہاں تلاش کرتا ہوا نہیں آئے گا، مگر وہ محفوظ جگہ ہے، چیز کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اختیار ہے: چاہے اٹھائے چاہے نہ اٹھائے، اور اگر اس کے ہلاک ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس کو اٹھالینا واجب ہے۔

پھر اگر وہ معمولی چیز ہے مثلاً کھجور کا ایک دانہ ہے تو اس کے مالک کو تلاش کرنا ضروری نہیں، اور اگر وہ قیمتی چیز ہے تو اس کے مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے، اور مالک کو تلاش کرنے کی مدت مالیت کے اعتبار سے کم وبیش ہوتی ہے، یعنی ہر چیز کی اس وقت تک تعریف کرنا واجب ہے جب تک غالب گمان یہ ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کررہا ہوگا، پھر جب مایوسی ہوجائے اور غالب گمان یہ ہوجائے کہ اب اس کا مالک نہیں آئے گا تو احناف کے نزدیک اگر خود اٹھانے والا غریب ہے تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور مال دار (صاحب نصاب) ہے تو خیرات کردے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالدار بھی اپنے استعمال میں لاسکتا ہے...... پھر اگر مالک آجائے تو اس کو صورتِ حال بتائے، وہ منظور رکھے تو سبحان اللہ! ورنہ اپنے پاس سے ضمان دے۔

دوسرا مسئلہ: اگر جنگل میں کوئی بھٹکی ہوئی بکری ملے تو اس کو پکڑ لینا چاہئے، ورنہ کوئی درندہ اس کو پھاڑ کھائے گا، اور اونٹ کو نہ پکڑے، اس کو درندوں سے کوئی خطرہ نہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بکریوں کا ریوڑ بڑا ہوتا ہے اگر اتفاق سے کوئی بکری پیچھے رہ گئی تو پتا نہیں چلے گا، اور کوئی جنگل جاکر اس کو تلاش نہیں کرے گا۔ اور اونٹ تھوڑے ہوتے ہیں، اگر ایک اونٹ بھی کم آیا تو پتہ چل جائے گا اور مالک اس کو تلاش کرنے کے لئے جنگل میں جائے گا، پس اگر کوئی شخص اس کو پکڑ کر گھر لے آیا تو وہ بے چارہ رات بھر پریشان پھرے گا!

مگر آج کل کے احوال اور ہیں، اب کوئی چیز کہیں محفوظ نہیں، حتی کہ مسجد میں بھی محفوظ نہیں، پس گم شدہ اونٹ بھی گھر لے آنا چاہئے تاکہ چور نہ پکڑ لے جائیں۔

حدیث (۱): سوید بن غَفلہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں: یزید بن صوحان اور سلمان بن ربیعہ کے ساتھ (سفر میں) نکلا، راستہ میں مجھے ایک کوڑا پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اٹھالیا، میرے ساتھیوں نے کہا: پڑا رہنے دے! مت اٹھا! میں نے کہا: میں اس کو یونہی نہیں چھوڑوں گا، درندے اس کو کھا جائیں گے (کوڑا چمڑے کا ہوتا ہے) میں اس کو اٹھا کر اس سے فائدہ اٹھاؤں گا (کیونکہ وہ معمولی قیمت کا ہے) پھر میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے مسئلہ پوچھا، اور ان کو پورا واقعہ بتایا، انھوں نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، پھر انھوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ مجھے نبی ﷺ کے زمانہ میں روپوں کی ایک تھیلی ملی تھی اس میں سو دینار تھے، میں اس کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا آپؐ نے فرمایا: ایک سال تک مالک ڈھونڈھو، میں ایک سال تک اعلان کرتا رہا مگر کوئی ایسا شخص نہ ملا جو اس کو پہچانتا ہو، میں پھر حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ایک سال تک اور اعلان کرو، پھر میں نے ایک سال تک اعلان کیا،

پھر حاضر خدمت ہوا، تو آپؐ نے فرمایا: ایک سال اور اعلان کرو، تین سال اعلان کرنے کے بعد جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے فرمایا: دیناروں کو شمار کرلو اور تھیلی اور سر بند محفوظ رکھو، اگر ان کا مالک آجائے اور وہ دیناروں کی گنتی اور تھیلی اور سر بند کی علامتیں بتائے تو (اپنے پاس سے) دینار اس کو دیدینا، اور ان دیناروں سے تم فائدہ اٹھاؤ، اس واقعہ سے حضرت ابیؓ نے یہ استدلال کیا کہ پڑی ہوئی چیز اٹھالینی چاہئے۔

حدیث (۲): حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پڑی ہوئی چیز کا حکم دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کرو، پھر اس کا تسمہ، برتن اور تھیلی محفوظ رکھو، اور اس کو خرچ کرلو، پھر اگر مالک آجائے تو اپنے پاس سے دیدو، اس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اس کو پکڑلو، اس لئے کہ وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے ہے یا بھیڑیے کے لئے ہے'' اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر گم شدہ اونٹ مل جائے تو کیا حکم ہے؟ راوی کہتا ہے: نبی ﷺ کو غصہ آیا، آپؐ کے دونوں رخسار سرخ ہوگئے یا یہ کہا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا: ''تجھے اونٹ سے کیا لینا ہے؟ اس کے ساتھ اس کا جوتا اور اس کا مشکیزہ ہے (یعنی نہ دھوپ میں اس کے پیر جلتے ہیں اور نہ پیاس اس کو ستاتی ہے، اس کے پاس پانی کا اسٹاک ہے) یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالیتا ہے''

استدلال: پہلے مسئلہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب لقطہ کا مالک نہ ملے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود اٹھانے والا اس کو استعمال کرسکتا ہے، خواہ مالدار ہو یا غریب۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی دو دلیلیں بیان کی ہیں:

پہلی دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ نے ملے ہوئے دیناروں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تھی جبکہ ان کا شمار مالدار صحابہ میں تھا، معلوم ہوا کہ اٹھانے والا اگرچہ غنی ہو لقطہ کو استعمال کرسکتا ہے۔

اس دلیل کا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے بعد دور صحابہ میں مالدار ہوئے تھے، آپؐ کے عہد مبارک میں غریب تھے اور دلیل یہ ہے کہ جب چوتھے پارہ کی پہلی آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا قیمتی باغ بیرحاء آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا، پس آپؐ نے ان سے فرمایا تھا: اجعل فی فقراءِ أهلك یعنی تمہارے خاندان میں جو لوگ غریب ہیں ان کو یہ باغ بانٹ دو، چنانچہ حضرت ابی کو بھی اس میں سے حصہ دیا تھا، معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں وہ غریب تھے اور حدیث میں مذکور واقعہ اسی زمانہ کا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار ملا تھا انھوں نے مالک تلاش کیا مگر نہ ملا تو وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا: آپؐ نے ان کو وہ دینار خرچ کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ لقطہ کا تصدق واجب نہیں، ورنہ آپؐ حضرت علیؓ کو وہ دینار کھانے کی اجازت نہ دیتے، کیونکہ وہ بنو ہاشم میں سے ہیں، اور بنو ہاشم کے لئے

صدقہ حرام ہے۔

اس دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آلِ رسول کے لئے صدقات واجبہ یعنی زکوۃ اور صدقۂ فطر حرام ہیں، صدقات نافلہ جائز ہیں، اور لقطہ کا شمار صدقات نافلہ میں ہے یعنی یہ مال کا اور لوگوں کا میل نہیں ہے۔ پس بنو ہاشم اگر غنی نہ ہوں تو ان کے لئے لقطہ کھانا جائز ہے، پس اس واقعہ سے بھی استدلال صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں: اس واقعہ میں دینار کھانے کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر فاقہ تھا ان کو کہیں سے ایک دینار پڑا ملا اور مالک کا پتا نہ چلا تو آپؓ نے وہ دینار ایک قصاب کے پاس گروی رکھا اور ایک درہم کا گوشت ادھار خریدا، وہ دینار ایک بچے کا تھا وہ حضرت علیؓ کے گھر پہنچ گیا، تو نبی ﷺ نے اپنی ذمہ داری پر وہ دینار چھڑایا، اور اس بچہ کو واپس کیا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے۔

اور احناف کی پہلی دلیل: دوسری حدیث ہے: جب سائل نے گم شدہ بکری کا حکم دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: اس کو پکڑلو کیونکہ وہ تیرے کام آئے گی یا تیرے بھائی کے کام آئے گی یا بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔ یہاں أخيك سے مراد غریب آدمی ہے، مالک مراد نہیں، کیونکہ اس کا حق تو سب سے مقدم ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اٹھانے والا اگر غریب ہے تو پہلا حق اس کا ہے اور غنی ہے تو کسی دوسرے غریب کو دیدے۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے، آپؓ نے لقطہ کا مسئلہ بیان کیا کہ اٹھانے والا ایک سال تک مالک تلاش کرے، آجائے تو فبہا، ورنہ اس کو خیرات کردے، پھر اگر ڈھونڈ ھنے والا آجائے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے پس صدقہ کا ثواب اٹھانے والے کے لئے ہوگا اور اگر چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور ثواب اس کے لئے ہوگا (یہ روایت بیہقی نے اپنی سنن (۶:۱۸۸) میں اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ذکر کی ہے)

[۹۷-] باب ماجاء في اللُّقَطَةِ وضَالَّةِ الإبِلِ والْغَنَمِ

[۱۳۵۷-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوْحَانَ، وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيْعَةَ، فَوَجَدْتُ سَوْطًا، قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِيْ حَدِيْثِهِ: فَالْتَقَطْتُ سَوْطًا فَأَخَذْتُهُ، قَالَا: دَعْهُ! فَقُلْتُ: لَا أَدَعُهُ، تَأْكُلُهُ السِّبَاعُ، لَآخُذَنَّهُ فَلَأَسْتَمْتِعَنَّ بِهِ، فَقَدِمْتُ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، وَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيْثَ، فَقَالَ: أَحْسَنْتَ، وَجَدْتُ عَلٰى عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم صُرَّةً فِيْهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ لِيْ: "عَرِّفْهَا حَوْلًا" فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، فَمَا أَجِدُ مَنْ يَعْرِفُهَا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ:

"عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ" فَعرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ" وَقَالَ:" أَحْصِ عِدَّتَهَا، وَوِعَاءَ هَا، وَوِكَاءَ هَا، فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَأَخْبَرَكَ بِعِدَّتِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ، وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٣٥٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بن أَبِى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ اللُّقَطَةِ؟ فَقَالَ:" عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَ هَا وَوِعَاءَ هَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ" فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ فَقَالَ:" خُذْهَا، فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ، أَوْ لِأَخِيْكَ، أَوْ لِلذِّئْبِ" فَقَالَ: يارسولَ اللهِ! فَضَالَّةُ الإِبِلِ؟ قَالَ: فَغَضِبَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، أَوْ: احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ: " مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى تَلْقَى رَبَّهَا"

وفى الباب: عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، وَالْجَارُوْدِ بنِ الْمُعَلَّى، وَعِيَاضِ بنِ حِمَارٍ، وَجَرِيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ؛ حديثُ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِىَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، وَحديثُ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ: حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِىَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: رَخَّصُوْا فِيْ اللُّقَطَةِ إِذَا عَرَّفَهَا سَنَةً، فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا: أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: يُعَرِّفُهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ الْمُبَارَكِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوْفَةِ: لَمْ يَرَوْا لِصَاحِبِ اللُّقَطَةِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا إِذَا كَانَ غَنِيًّا.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَنْتَفِعُ بِهَا، وإِنْ كَانَ غَنِيًّا، لِأَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ أَصَابَ عَلَى عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم صُرَّةً فِيْهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ، فَأَمَرَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُعَرِّفَهَا ثُمَّ يَنْتَفِعَ بِهَا، وَكَانَ أُبَيٌّ كَثِيْرَ الْمَالِ، مِنْ مَيَاسِيْرِ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُعَرِّفَهَا، فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، فَأَمَرَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَأْكُلَهَا.

فَلَوْ كَانَتِ اللُّقَطَةُ لَمْ تَحِلَّ إِلَّا لِمَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ، لَمْ تَحِلَّ لِعَلِيِّ بنِ أَبِىْ طَالِبٍ، لِأَنَّ عَلِيَّ بنَ أَبِيْ طَالِبٍ أَصَابَ دِيْنَارًا عَلَى عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَعَرَّفَهُ، فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهُ، فَأَمَرَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بِأَكْلِهِ، وَكَانَ عَلِيٌّ لَاتَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا كَانَتِ اللُّقَطَةُ يَسِيْرَةً: أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا، وَلَا يُعَرِّفَهَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ دُوْنَ دِيْنَارٍ يُعَرِّفُهَا قَدْرَ جُمُعَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ إِسْحَاقَ بنِ إِبْرَاهِيْمَ.

[۱۳۵۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ الْحنفِيُّ، ثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنِيْ سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ؛ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنِ اعْتُرِفَتْ فَأَدِّهَا، وَإِلَّا فَاعْرِفْ وِعَاءَ هَا وَوِكَاءَ هَا وَعَدَدَهَا، ثُمَّ كُلْهَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَالَ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ: أَصَحُّ شَيْئٍ فِيْ هٰذَا الْبَابِ هٰذَا الْحديثُ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: رَخَّصُوْا فِي اللُّقَطَةِ إِذَا عَرَّفَهَا سَنَةً، فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا: أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

لغات: عِدَّةٌ: شمار...... وِعَاء: برتن یعنی تھیلا...... وِكَاء: تسمہ، تھیلے کا منہ باندھنے کا ڈورا...... عِفَاص: سربند، ڈاٹ، کارگ...... وَجْنَة: رخسار، گال...... مَيَاسِيْر: الْمُوْسِر کی جمع: مالدار، خوش حال۔

ترجمہ: اس پر صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کا عمل ہے، انھوں نے لقطہ سے جبکہ ایک سال تک اعلان کیا گیا ہو اور مالک نہ ملا ہو تو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایک سال تک اعلان کرے، پس اگر مالک مل جائے تو ٹھیک (فبہا پوشیدہ ہے) ورنہ اس کو صدقہ کرے، اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔ وہ حضرات ملتقط کو لقطہ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ملتقط اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگرچہ وہ مالدار ہو، اس لئے کہ ابی بن کعب کو نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے، ان کو نبی ﷺ نے اعلان کرنے کا حکم دیا، پھر اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی، اور حضرت ابی مالدار تھے، اور مالدار صحابہ میں ان کا شمار تھا ان کو نبی ﷺ نے اعلان کرنے کا حکم دیا ان کو مالک نہیں ملا تو آپ نے ان کو اس پائے ہوئے مال کو کھانے کا حکم دیا۔

(دوسری دلیل) پس اگر لقطہ حلال نہ ہوتا مگر جس کے لئے صدقہ حلال ہوتا ہے تو حضرت علیؓ کے لئے حلال نہ ہوتا اس لئے کہ علیؓ کو نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک دینار ملا تھا، پس انھوں نے مالک کو تلاش کیا، مگر مالک نہ ملا تو ان کو آپ نے وہ دینار کھانے کا حکم دیا، اور حضرت علیؓ کے لئے صدقہ حلال نہیں تھا۔

اور بعض اہل علم نے اجازت دی ہے کہ جب لقطہ معمولی قیمت کا ہو: اس سے فائدہ اٹھانے کی اور اعلان نہ کرنے کی، اور بعض علماء کہتے ہیں: جب لقطہ ایک دینار سے کم ہو تو ایک ہفتہ تک اعلان کرے، اور یہ اسحاق کا قول

ہے (یہ آخر میں جو والعمل علی ھذا ہے وہ تکرار ہے)

بابُ ماجاءَ فِي الْوَقْفِ

وقف کا بیان

وقف کے لغوی معنی ہیں: رکنا، روکنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: جائداد جیسی باقی رہنے والی چیز کو محفوظ کر لینا اور اس کے منافع کو خیرات کر دینا، پھر وقف کی چار صورتیں ہیں:

اول: کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے مسجد بنا کر اس کو وقف کرے یعنی اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدے، تو ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھتے ہی مسجد وقف ہو جائے گی۔

دوم: موت پر وقف کو معلق کرے مثلاً یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ مکان دار العلوم کے لئے وقف ہے پس واقف کے مرتے ہی وہ مکان وقف ہو جائے گا۔

سوم: قاضی کسی چیز کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان تین صورتوں میں بالاجماع موقوفہ چیز اور اس کے منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہو جائیں گے، اور موقوفہ چیز بندے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلی جائے گی، اور اب اس کا کوئی مجازی مالک نہیں رہے گا اس لئے اس کی بیع اور ہبہ جائز نہیں، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

چہارم: واقف کسی زمین کے صرف منافع وقف کرے، اصل زمین وقف نہ کرے اس صورت میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی اصل زمین اور منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہو جائیں گے، اور موقوفہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی، اور اللہ کی ملک میں چلی جائے گی، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف منافع وقف ہونگے اور اصل چیز واقف کی ملک میں رہے گی، مگر احناف کے یہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے، کیونکہ اس میں وقف کی مصلحت ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک چونکہ اس صورت میں وقف کی بیع اور ہبہ صحیح ہے اگرچہ مکروہ ہے، اس لئے وقف کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے، اس لئے بربنائے مصلحت صاحبین کے قول پر فتوی دیا گیا ہے، پس فتوی کی رو سے اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک عمدہ زمین ہاتھ آئی تھی، جب آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ نازل ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایک ایسی زمین ملی ہے جس سے بہتر کوئی مال مجھے نہیں ملا، پس آپؐ اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اصل زمین روک لو اور اس کی آمدنی خیرات کر دو'' چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور ایک سرخ چمڑے پر وقف نامہ لکھا کہ یہ زمین نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس میں وراثت

جاری ہو، اوراس کی آمدنی فقراء پر، رشتہ داروں پر (حضرت عمر کے رشتہ دار بھی مراد ہوسکتے ہیں اور نبی ﷺ کے رشتہ دار بھی) غلاموں کی آزادی میں، جہاد میں اور مسافر پر اور (وقف کے) مہمان پر خرچ کی جائے، اور جو شخص اس وقف کا متولی ہو وہ اس میں سے قاعدہ کے مطابق کھائے اور دوستوں کو کھلائے، بشرطیکہ مالدار بننے والا نہ ہو یعنی ضرورت سے زیادہ لینا اس کے لئے جائز نہیں، ابن عون کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ابن سیرین سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: اس ہبہ نامہ میں غیر مُتَمَوِّلٍ فیه کے بجائے غیرَ مُتَأثِّلٍ مالاً تھا۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: وہ مال کو جڑ پکڑوانے والا نہ ہو، مراد یہ ہے کہ مالدار بننے والا نہ ہو۔ ابن عون کہتے ہیں: یہ حدیث مجھے ایک اور شخص نے سنائی اور اس نے کہا کہ اس نے ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر یہ عبارت لکھی ہوئی پڑھی ہے: غیر متأثِّل مالاً. اسماعیل کہتے ہیں: وہ تحریر عبیداللہ بن عمر کے صاحبزادے کے پاس تھی میں نے اس تحریر کو پڑھا ہے اس میں غیر مُتَأَثِّل مالاً تھا، معلوم ہوا کہ متأثل والی روایت صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر واقف اصل جائداد کو محفوظ رکھے اور منافع کو وقف کرے تو صحیح ہے، اس صورت میں وقف واقف کی ملکیت میں بدستور رہے گا اور اس کے منافع ان جگہوں میں صرف کئے جائیں گے جو اس نے مقرر کئے ہیں۔ غرض باب میں یہی ایک حدیث ہے اور وہ امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل ہے، مگر وقف کی مصلحت کی بنا پر فتوی صاحبین کے قول پر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ اس آیت میں مِنْ تبیین کا بھی ہوسکتا ہے اور تبعیض کا بھی، اور ما موصوفہ بمعنی شيئ یا موصولہ بمعنی الذی یا مصدر یہ ہوسکتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تبیین کا ترجمہ کیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے: ''تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے'' اور حضرت شاہ صاحب اور ان کے دونوں صاحبزادوں نے تبعیض کا ترجمہ کیا ہے، شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے: ''ہرگز نیابید نیکوکاری را تا آنکہ خرچ کنید از آنچہ دوست می دارید'' اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے: ''ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ'' (ترجمہ شیخ الہند)

اور نزول آیت کے وقت جو واقعات پیش آئے ہیں ان سے دونوں احتمال صحیح ثابت ہوتے ہیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ صدقہ کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا خیرات کیا، اس سے معلوم ہوا کہ من تبیین کے لئے ہے یعنی محبوب چیز ساری خرچ کردی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے جو مشورہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے اور آیت کا مطلب ہے: اپنی محبوب چیز میں سے کچھ خرچ کرو یعنی محبوب چیز محفوظ رکھو، اور اس کی آمدنی خرچ کرو یہی وقف کی حقیقت ہے، غرض نبی ﷺ نے اس آیت سے

وقف کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں، علاوہ تین اعمال کے: صدقۂ جاریہ، اور وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے'' —— صدقۂ جاریہ میں وقف بھی آتا ہے اس لئے یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں۔

تشریح: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک صدقہ، حج اور عمرہ کے علاوہ: ایصال ثواب جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں: مرنے کے بعد آدمی کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں پس ایصالِ ثواب کا کوئی فائدہ نہیں، اور مذکورہ تین چیزوں کا استثناء اس وجہ سے ہے کہ حدیثوں میں ان کے بارے میں آیا ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا رہتا ہے، مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس حدیث میں متوفی کے اعمال منقطع ہونے کا بیان ہے اور ایصالِ ثواب میں غیر کا عمل پہنچتا ہے، اس سلسلہ میں کچھ کلام تحفۃ الالمعی (۲: ۵۹۴ کتاب الزکاۃ باب ۳۱) میں بھی گذر چکا ہے۔

[۹۸-] باب ماجاء فی الوقف

[۱۳۶۰-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ ابنِ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! أَصَبْتُ مَالاً بِخَيْبَرَ، لَمْ أُصِبْ مَالاً قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ، فَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: '' إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا'' فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ: أَنَّهَا لَايُبَاعُ أَصْلُهَا، وَلَا يُوْهَبُ، وَلَا يُوْرَثُ: تَصَدَّقَ بِهَا فِيْ الْفُقَرَاءِ، وَالْقُرْبَى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وابنِ السَّبِيْلِ، وَالضَّيْفِ، لَاجُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ، أَوْيُطْعِمَ صَدِيْقًا، غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيْهِ، قَالَ: فَذَكَرْتُهُ لِمُحَمَّدِ بنِ سِيْرِيْنَ، فَقَالَ: '' غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالاً'' قَالَ: ابنُ عَوْنٍ: فَحَدَّثَنِيْ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ أَنَّهُ قَرَأَهَا فِيْ قِطْعَةِ أَدِيْمٍ أَحْمَرَ: '' غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالاً'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، قَالَ إِسْمَاعِيْلُ: وَأَنَا قَرَأْتُهَا عِنْدَ ابنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، فَكَانَ فِيْهِ: ''غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالاً''

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَانَعْلَمُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ مِنْهُمْ فِيْ ذٰلِكَ اخْتِلَافًا فِيْ إِجَازَةِ وَقْفِ الْأَرَضِيْنَ وَغَيْرِ ذٰلِكَ.

[۱۳۶۱-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضى الله عنهُ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: '' إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: مُتَمَوِّل: اسم فاعل از تَمَوَّل: مالدار ہوجانا، مال میں اضافہ ہوجانا، بیلنس بڑھالینا ..... مُتَأَثِّل: اسم فاعل

ازتأثَّل: جڑ پکڑنا، مضبوط ہونا، سرمایہ کاری کے لئے مال جمع کرنا، مفہوم دونوں لفظوں کا ایک ہے۔

وضاحت: تمام ائمہ متفق ہیں کہ غیر منقولات یعنی جائداد کو وقف کرنا صحیح ہے اور منقولات کے بارے میں اختلاف ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تمام منقولات کا وقف صحیح ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منقولات کو کسی شخص حقیقی یا حکمی کے تابع کر کے وقف کر سکتے ہیں، بالذات اس کا وقف صحیح نہیں، مثلاً جنازہ کی چارپائی مسجد کے تابع کر کے وقف کریں تو صحیح ہے اور کتابیں مدرسہ کے تابع کر کے وقف کریں تو صحیح ہے۔ اسی طرح جس منقول کے وقف کا عرف ہو جائے مثلاً مسجد یا مدرسہ میں چندہ دینا: یہ روپیوں کا وقف صحیح ہے، کیونکہ اس کا عرف ہے۔

بابُ ماجاء فی الْعَجْماءِ: أَنَّ جُرْحَها جُبارٌ

چوپائے کا زخم رائگاں ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چوپائے کا زخم رائگاں ہے اور کنواں رائگاں ہے اور کھان رائگاں ہے، اور رکاز میں خمس ہے'' ـــــ اس حدیث کی شرح کتاب الزکوۃ باب ۱۶ میں گذر چکی ہے۔

[۹۹-] باب ماجاء فی الْعَجْمَاءِ: أَن جُرْحَها جُبارٌ

[۱۳۶۲-] حدثنا أحمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: " الْعَجْماءُ جُرْحُها جُبارٌ، وَالْبِئْرُ جُبارٌ، والْمَعدِنُ جُبارٌ، وَفِیْ الرِّكَازِ الْخُمُسُ"

قَالَ: وفی الباب عَنْ جَابِرٍ، وعَمْرِو بنِ عَوْفٍ الْمُزَنِیِّ، وَعُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، حديثُ أَبِیْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ، وَأَبِیْ سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ هُريرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم نَحْوَهُ.

حدثنا الأَنْصَارِیُّ، ثَنَا مَعْنٌ، قَالَ: قَالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: وَتَفْسِيْرُ حَدِيْثِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم: "الْعَجْمَاءُ جُرْحُها جُبارٌ" يَقُوْلُ: هَدْرٌ لَادِيَةَ فِيْهِ.

وَمَعْنَی قَوْلِهِ:" الْعَجْماءُ جُرْحُهَا جُبارٌ" فَسَّرَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوْا: الْعَجْمَاءُ: الدَّابَّةُ الْمُنْفَلِتَةُ مِنْ صَاحِبِهَا، فَمَا أَصَابَتْ فِیْ انْفِلَاتِهَا فَلَا غُرْمَ عَلٰی صَاحِبِهَا.

وَالْمَعدِنُ جُبارٌ: يَقُوْلُ: إِذَا احْتَفَرَ الرَّجُلُ مَعْدِنًا، فَوَقَعَ فِيْهَا إِنْسَانٌ فَلَا غُرْمَ عَلَيْهِ.

وَكَذٰلِكَ الْبِئْرُ إِذَا احْتَفَرَهَا الرَّجُلُ لِلسَّبِيْلِ، فَوَقَعَ فِيْهَا إِنْسَانٌ، فَلَا غُرْمَ عَلَی صَاحِبِهَا.

وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ: فَالرِّكَازُ: مَا وُجِدَ مِنْ دَفْنِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ: فَمَنْ وَجَدَ رِكَازًا أَدَّى مِنْهُ الْخُمُسَ إِلَى السُّلْطَانِ، وَمَا بَقِيَ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند میں زہری صرف حضرت سعید سے روایت کرتے ہیں، اور دوسری سند میں سعید اورابوسلمہ دونوں سے روایت کرتے ہیں —— پھر امام مالک رحمہ اللہ سے سند کے ساتھ روایت کیا کہ جُبارٌ کے معنی ہیں: رائگاں یعنی اس کے زخم میں کوئی دیت نہیں، پھر امام ترمذیؒ نے پوری حدیث کی شرح کی ہے: (۱) العَجْمَاءُ جرحها جبار کے معنی بعض اہل علم نے یہ بیان کئے ہیں کہ عجماء یعنی چوپایہ جو مالک کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، جب وہ اپنے چھٹے ہوئے ہونے کی حالت میں کوئی نقصان کرے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان نہیں (۲) المعدِنُ جبار کی تفسیر: جب آدمی کوئی کھان کھودے، پس اس میں گر کر کوئی مرجائے تو کھان والے پر کوئی تاوان نہیں (۳) اور اسی طرح کنواں ہے: جب کسی نے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے (سرکاری چراگاہ میں) کنواں کھودا، پس اس میں کوئی شخص گر کر مرگیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان نہیں (۴) وفی الرکاز الخمس: رکاز: جاہلی دفینہ ہے، پس جس نے جاہلی دفینہ پایا تو وہ اس میں سے پانچواں حصہ حکومت کو ادا کرے، اور جو اس میں سے بچ جائے یعنی باقی چار اخماس پانے والے کے ہیں۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ خزانے دو قسم کے ہیں: ایک: وہ جو انسانوں نے زمین میں گاڑے ہیں ان کو دفینہ کہتے ہیں، دوسرے وہ جو قدرت نے زمین میں پیدا کئے ہیں جیسے سونا، چاندی، لوہا کوئلہ وغیرہ کی کھانیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکاز صرف دفینے ہیں، قدرتی کھانیں رکاز نہیں ہیں اور احناف کے نزدیک دونوں رکاز ہیں۔

بَابُ ماذُكِرَ فِيْ إِحْيَاءِ أَرْضِ الْمَوَاتِ

ویران زمین کی آبادکاری کا بیان

اگر کوئی شخص کسی ویران زمین کو آباد کرے اور کاشت کے قابل بنائے تو کیا آبادکاری کرنے سے وہ اس کا مالک ہوجائے گا یا حکومت کی اجازت ضروری ہے؟ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک آبادکاری سے مالک ہوجائے گا، اجازت لینے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ’’جس شخص نے کسی ویران زمین کو آباد کیا: وہ زمین اس کی ہے‘‘ یعنی آبادکاری کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگیا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مالک ہونے کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے، اجازت خواہ لاحقہ ہو یا سابقہ۔ یعنی اجازت لے کر زمین آباد کی ہو یا آباد کرنے کے بعد اجازت لی ہو، بہر حال اجازت لینی ضروری ہے، محض آبادکاری سے مالک نہیں ہوگا، اور دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے: لیس لِلْمَرْءِ إلا ماطابَتْ به نفسُ إِمَامِه: انسان کے لئے صرف وہ چیز طیب ہے جس

سے اس کے امام کا دل خوش ہو جائے (نصب الرایہ ۳:۴۳۱) یہ ارشاد سرکاری املاک کے بارے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدمی سرکاری چیز کا مالک جبھی ہوگا جب امیر اجازت دے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی سرکاری چیز کا مالک نہیں ہوسکتا۔

اور باب کی حدیث کے بارے میں امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ عام پرمیشن (اجازت) ہے یعنی آنحضور ﷺ نے اپنے زمانہ میں یہ عام اعلان کیا تھا کہ جو بھی شخص کسی ویران زمین کو کاشت کے قابل بنائے گا وہ اس کا مالک ہے۔

ایسا ہی اختلاف اُس حدیث میں بھی ہوا ہے جو آگے آرہی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَتَلَ قتيلاً فله سلَبُه: جو جنگ میں کسی کو مارے وہ مقتول کے ساز وسامان کا مالک ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک یہ مسئلہ ہے، وہ اسی کے قائل ہیں کہ مقتول کا ساز وسامان قاتل کا حق ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک یہ وقتی اعلان ہے یعنی آنحضور ﷺ نے کسی جنگ میں یہ اعلان کیا ہے، پس اس جنگ کے علاوہ کے لئے یہ مسئلہ نہیں۔

غرض یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، اور اب ساری دنیا امام اعظمؒ کے قول پر عمل کرنے پر مجبور ہے، کیونکہ جو چاہے سرکاری زمین بلا اجازت آباد کرلے، اور مالک ہو جائے: کوئی حکومت اس کی روادار نہیں۔

حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ ہے: ''ظالم کی رگ (مرکب اضافی) یا ظالم رگ (مرکب توصیفی) کے لئے کوئی حق نہیں'' اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی آباد کی ہوئی زمین میں درخت لگائے یا کوئی تعمیر کرے تو وہ ظالم ہے اور اس کا یہ تصرف ظالمانہ ہے، پس اس پر اپنے درخت کو کاٹ لینا اور عمارت کو توڑ لینا ضروری ہے ہاں اگر وہ درخت کاٹنے کے بجائے کٹے ہوئے درختوں کی قیمت لینا چاہے اور مالک اس پر راضی ہو تو یہ جائز ہے۔

[۱۰۰-] باب ماذُكِرَ فى إحياءِ أرضِ المَوَاتِ

[۱۳٦۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ زَيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ أَحْيٰى أَرْضًا مَيْتَةً فِهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ حَقٌّ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۳٦٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ وَهْبِ بنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ أَحْيٰى أَرْضًا مَيْتَةً فِهِيَ لَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوْا: لَهُ أَنْ يُحْيِيَ الْأَرْضَ الْمَوَاتَ بِغَيْرِ إِذْنِ السُّلْطَانِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ لَهُ أَنْ يُحْيِيَهَا إِلَّا بِإِذْنِ السُّلْطَانِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعَمْرِو بنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ جَدِّ كَثِيْرٍ، وَسَمُرَةَ.

حدثنا أَبُوْ مُوْسَى مُحَمَّدُ بنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْوَلِيْدِ الطَّيَالِسِيَّ عَنْ قَوْلِهِ: " وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ" فَقَالَ: الْعِرْقُ الظَّالِمُ: الْغَاصِبُ الَّذِيْ يَأْخُذُ مَا لَيْسَ لَهُ، قُلْتُ: هُوَ الرَّجُلُ الَّذِيْ يَغْرِسُ فِيْ أَرْضِ غَيْرِهِ، قَالَ: هُوَ ذَاكَ.

ترجمہ: امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: آدمی کے لئے حکومت کی اجازت کے بغیر ویران زمین کو آباد کرنا جائز ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: حکومت کی اجازت کے بغیر آبادکاری جائز نہیں، اور پہلا قول اصح ہے (کیونکہ قلم حضرت کے ہاتھ میں ہے، جو چاہیں لکھیں، ذرا ہمیں قلم دیں پھر دیکھیں ہم کیا لکھتے ہیں؟!) ——— محمد بن المثنی کہتے ہیں: میں نے ابوالولید طیالسی سے ولیس لِعرقٍ ظالمٍ حقٌّ کا مطلب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''ظالم رگ: وہ غاصب ہے جو دوسرے کی زمین پر زبردستی قبضہ کرتا ہے'' میں نے عرض کیا: بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دوسرے کی زمین میں درخت لگاتا ہے۔ ابوالولید نے کہا: میں بھی یہی کہہ رہا ہوں (صرف تعبیر کا فرق ہے)

بابُ ماجاءَ فی القَطَائِعِ

جاگیر دینے کا بیان

قَطَائع: قطیعة کی جمع ہے، اس لفظ کو امام ابویوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں استعمال کیا ہے، مگر نہ تو امام ابویوسف رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم واضح کیا ہے اور نہ بخاری کے دونوں شارحوں نے۔

قطیعہ: کے ایک معنی ہیں: ٹھیکہ، کنٹریکٹ (جس کو اب عربی میں مقاولة کہتے ہیں) یہ معنی یہاں مراد نہیں، دوسرے معنی ہیں: بادشاہ یا حکومت کا کسی کو جاگیر دینا، اور تیسرے معنی ہیں: کسی چیز کا لائسنس دینا۔ یہ دونوں معنی یہاں مراد ہوسکتے ہیں۔

حدیث (۱): ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کی طرف سے نمائندہ بن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یمن کے مآرب علاقے میں نمک بنانے کا حق مجھے عنایت فرمائیں، آپؐ نے یہ حق ان کو دیدیا،

جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ جانتے ہیں: آپؐ نے کیا دیا؟ آپؐ نے ان کو ایسا پانی الاٹ کردیا جس کا سوت کبھی خشک نہیں ہوتا، یعنی سمندر کے پانی سے نمک تیار ہوتا ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اور نمک بنانے میں کچھ زیادہ محنت اور خرچ بھی نہیں، پس ایسا حق ایک شخص کو دینا مناسب نہیں، راوی کہتا ہے: پس آپؐ نے ان سے وہ حق واپس لے لیا، انھوں نے درخواست کی کہ ان کے لئے پیلو کے درخت کے پتے ریزرو کردیئے جائیں یعنی پیلو کے درخت کے پتے جھاڑ کر اسٹاک کرکے بیچنے کا حق ان کو دیا جائے، آپؐ نے یہ حق ان کو اس شرط پر دیا کہ وہاں تک اونٹوں کے پیر نہ پہنچتے ہوں، یعنی جہاں تک اونٹ چرنے کے لئے جاتے ہیں وہاں تک کے درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں، اس سے آگے کے پتے جھاڑنے کی اجازت ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ اصول اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کم محنت اور زیادہ نفع والی چیزیں حکومت کی تحویل میں رہنی چاہئیں تاکہ سب لوگوں کو نفع پہنچے، یا پھر ان کو رفاہ عام کے لئے باقی رکھا جائے تاکہ جو چاہے فائدہ اٹھائے۔

فائدہ: جب استاذ حدیث پڑھتا تھا تو حدثنا یا أخبرنا کہہ کر اپنی سند بیان کرتا تھا، اور جب شاگرد استاذ کے سامنے حدیث پڑھتا تھا تو: حَدَّثَكُمْ فلانٌ کہہ کر پڑھنا شروع کرتا تھا اس کا نام عرض تھا، اور یہ حدیث اس کی مثال ہے (مزید تفصیل کتاب الزکاۃ ۲:۵۱۱ میں پڑھیں)

حدیث (۲): حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو حضر موت میں زمین کا ایک ٹکڑا بطور جاگیر عنایت فرمایا، اور تعیین کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ زمین ان کے حوالہ کریں۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر امیر سرکاری زمین کسی کو بہ طور جاگیر دے تو یہ جائز ہے اور جس کو جاگیر دی گئی ہے وہ اس کا مالک ہوجائے گا۔ اور اگر امیر نے ویران زمین آباد کرنے کے لئے بطور جاگیر دی تو وہ اگر تین سال میں آباد کرلے تو وہ زمین اس کی ہوجائے گی، اور اگر تین سال کے اندر آباد نہ کرسکے تو وہ اس سے واپس لے لی جائے گی۔

[۱۰۱-] باب ماجاء في القَطَائِعِ

[۱۳٦٥-] قَالَ: قُلْتُ لِقُتَيْبَةَ بنِ سَعِيْدٍ، حَدَّثَكُمْ مُحمدُ بْنُ يَحْيَى بنِ قَيْسٍ الْمَآرِبِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ ثُمَامَةَ بنِ شَرَاحِيْلَ، عَنْ سُمَيِّ بنِ قَيْسٍ، عَنْ سُمَيْرٍ، عَنْ أَبْيَضَ بنِ حَمَّالٍ؛ أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ، فَقَطَعَ لَهُ، فَلَمَّا أَنْ وَلَّى قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجْلِسِ: أَتَدْرِيْ مَا قَطَعْتَ لَهُ؟ إِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ! قَالَ: فَانْتَزَعَهُ مِنْهُ، قَالَ: وَسَأَلَهُ عَمَّا

يُحْمَى مِنَ الْأَرَاكِ؟ قَالَ: " مَالَمْ تَنَلْهُ خِفَافُ الإِبِلِ": فَأَقَرَّ بِهِ قُتَيْبَةُ، وَقَالَ: نَعَمْ.
حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ عُمَرَ. ثَنَا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ بنِ قَيْسٍ الْمَآرِبِيُّ نَحْوَهُ.
وفى الباب: عَنْ وَائِلٍ، وأَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِيْ بَكْرٍ، حديثُ أَبْيَضَ بنِ حَمَّالٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ الْقَطَائِعِ: يَرَوْنَ جَائِزًا أَنْ يَقْطَعَ الإِمَامُ لِمَنْ رَأَى ذٰلِكَ.
[١٣٦٦-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بنَ وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضَرَ مَوْتَ، قَالَ مَحْمُوْدٌ: وحدثنا النَّضْرُ، عَنْ شُعْبَةَ، وَزَادَ فِيْهِ: وَبَعَثَ مَعَهُ مُعَاوِيَةَ لِيُقْطِعَهَا إِيَّاهُ؛ هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: باب کے بالکل شروع میں جو قال ہے اس کا فاعل امام ترمذی ہیں اور حَدَّثکم سے پہلے ہمزہ استفہام پوشیدہ ہے...... العِدّ: المهيأ: تیار...... الأراك: پیلو کے درخت جس کی جڑوں کی مسواک بناتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ الْغَرْسِ

باغ لگانے کی فضیلت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی مسلمان کوئی باغ لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پس اس میں سے انسان، پرندے یا چوپائے کھاتے ہیں تو یہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے'' یعنی تسبّب کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اگرچہ کھیتی کرنے والے کی اور درخت لگانے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی مگر جب اس میں سے انسان اور پرندے اور چوپائے کھاتے ہیں تو اس کو ثواب ملتا ہے (اور مسلم کی قید احترازی ہے)

[١٠٢-] باب ماجاء فى فضل الْغَرْسِ

[١٣٦٧-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَامِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا، أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ، أَوْ طَيْرٌ، أَوْ بَهِيْمَةٌ: إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ"
وفى الباب: عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ، وَأُمِّ مُبَشِّرٍ، وَجَابِرٍ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماذُكِرَ فی الْمُزارَعَةِ

مزارعت کا بیان

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اہل خیبر سے آدھی پیداوار پر معاملہ فرمایا، چاہے پھل ہوں یا کھیتی۔

تشریح: مزارعہ اور مخابرہ ہم معنی ہیں یعنی زمین بٹائی پر دینا، اور یہ امام شافعی اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور جمہور کے نزدیک جائز ہے، یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے جب خود نبی ﷺ نے مزارعت فرمائی ہے تو اس کے عدم جواز کے کوئی معنی نہیں (تفصیل باب ۷۰ میں گذر چکی ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام اعظمؒ نے جو مزارعت کو ناجائز کہا ہے: وہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں، کیونکہ جب مزارعت کی جائز ناجائز صورتوں کا بیان شروع ہوتا ہے تو وہاں بھی امام اعظم رحمہ اللہ اپنی رائے دیتے ہیں، پس اگر نفس مزارعت ہی جائز نہ ہوتی تو اس کی بعض صورتوں کے جائز اور بعض صورتوں کے ناجائز ہونے کیا مطلب؟!

[۱۰۳-] باب ماجاء فی المزارعة

[۱۳۶۸-] حدثنا إسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا: مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ.

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَجَابِرٍ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَمْ يَرَوْا بِالْمُزَارَعَةِ بَأْسًا عَلَى النِّصْفِ، وَالثُّلُثِ، وَالرُّبُعِ، وَاخْتَارَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَكُوْنَ الْبَذْرُ مِنْ رَبِّ الْأَرْضِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْمُزَارَعَةَ بِالثُّلُثِ، وَالرُّبُعِ: وَلَمْ يَرَوْا بِمُسَاقَاةِ النَّخِيْلِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَصِحَّ شَيْئٌ مِنَ الْمُزَارَعَةِ، إِلَّا أَنْ تُسْتَأْجَرَ الْأَرْضُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

ترجمہ: بعض صحابہ وغیرہ کا اس پر عمل ہے وہ نصف، ثلث اور ربع پر مزارعت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور بعض علماء نے پسند کیا کہ بیج زمین والے کا ہو، اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے، اور بعض اہل علم ثلث اور ربع پر مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں اور وہ ثلث اور ربع پر مساقات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یعنی ان کے نزدیک مساقات جائز اور

مزارعت ناجائز ہے (اور مساقات یہ ہے کہ کسی کے باغ کی پرداخت کرے اس شرط پر کہ پھل دونوں کے درمیان مشترک ہونگے) اور یہ مالک وشافعی کا قول ہے (امام مالک جمہور کے ساتھ ہیں، اور ممکن ہے یہ ان کا مرجوح قول ہو) اور بعض حضرات کے نزدیک مزارعت قطعاً جائز نہیں مگر یہ کہ زمین دراہم ودنانیر کے عوض کرایہ پر دے، یعنی صرف اجرت کا معاملہ کرنا جائز ہے، مزارعت اور مساقات کی بالکل گنجائش نہیں، یہ امام اعظم کا قول ہے۔

وضاحت: مزارعت کی تین صورتیں بالاتفاق جائز ہیں: اول: زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل اور محنت دوسرے کی ہو۔ دوم: صرف زمین ایک شخص کی ہو اور باقی تمام چیزیں: ہل بیل، بیج اور محنت کاشتکار کی ہو، خیبر کے یہود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بٹائی کا معاملہ کیا تھا اس لئے اس کو مخابرہ کہتے ہیں۔ سوم: زمین، ہل بیل اور بیج سب ایک کے ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو، باقی صورتوں میں اختلاف ہے، تفصیل ہدایہ میں ہے۔

بابٌ

مزارعت کی ممانعت مصلحت کی بنا پر تھی

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے ایک ایسی چیز سے منع فرمایا جو ہمارے لئے مفید تھی وہ یہ کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو اس کی بعض پیداوار کے بدل (یعنی بٹائی پر) یا دراہم کے عوض (یعنی کرایہ پر) دے اور فرمایا: "اگر تم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو یا اپنے بھائی کو منیحہ یعنی عاریتاً کاشت کے لئے دے یا خود کاشت کرے"

تشریح: پہلے (باب ۷۰ میں) بتایا جاچکا ہے کہ نبی ﷺ نے مزارعت سے مصلحتاً منع فرمایا تھا، جو مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ تہی دست تھے جبکہ انصار کے پاس زمین، جائداد اور مکان سب کچھ تھا جس کی وجہ سے توازن بگڑ گیا تھا، پس آپؐ نے توازن قائم کرنے کے لئے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی زمین بٹائی پر یا کرایہ پر نہ دے یا تو خود کاشت کرے یا کسی مہاجر کو کاشت کرنے کے لئے عاریتاً دے، یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں کیا تھا، بلکہ یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم بھی آپؐ نے بربنائے مصلحت دیا تھا اور وہ مصلحت ابن عباسؓ نے بتائی تھی، اسی طرح مزارعت کی ممانعت کا حکم بھی مصلحتاً دیا تھا اور وہ مصلحت بھی ابن عباسؓ نے بتائی ہے کہ مزارعت کی ممانعت لوگوں کے مفاد کی خاطر تھی۔ پھر جب بنو نضیر کا علاقہ فتح ہوا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو دیدی گئیں تو توازن قائم ہوگیا اور مزارعت کی ممانعت ختم ہوگئی، چنانچہ خود نبی ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ فرمایا۔

[١٠٤-] بابٌ

[١٣٦٩-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: نَهَانَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا: إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِنَا أَرْضٌ أَنْ يُعْطِيَهَا بِبَعْضِ خَرَاجِهَا أَوْ بِدَرَاهِمَ، وَقَالَ: "إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِكُمْ أَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ أَوْ لِيَزْرَعْهَا"

[١٣٧٠-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى الشَّيْبَانِيُّ، ثَنَا شَرِيْكٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يُحَرِّمِ الْمُزَارَعَةَ، وَلٰكِنْ أَمَرَ أَنْ يَرْفُقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفِي الْبَابِ عَنْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، حديثُ رَافِعٍ حديثٌ فِيْهِ اضْطِرَابٌ، يُرْوَى هٰذَا الْحديثُ عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عَنْ عُمُوْمَتِهِ. وَيُرْوَى عَنْهُ عَنْ ظُهَيْرِ بنِ رَافِعٍ، وَهُوَ أَحَدُ عُمُوْمَتِهِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحديثُ عَنْهُ عَلٰى رِوَايَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ.

وضاحت: حضرت رافع کی حدیث باوجود اسنادی اختلاف کے صحیح ہے، امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں لیا ہے اور حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿الحمد للہ! کتاب البیوع کی اور درمیان میں ابواب الاحکام کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی!﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبو ابُ الدِّيَاتِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

خوں بہا کا بیان

بابُ ماجاءَ فی الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الإِبِلِ؟

دیت کتنے اونٹ ہیں؟

وَدَى يَدِئ دِيَةً کے معنی ہیں: خوں بہا ادا کرنا، خون کی قیمت دینا۔ قرآن کریم میں دیت کا ذکر ہے: ﴿دِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ﴾[النساء۹۲] مگر دیت کیا چیز ہے؟ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، یہ بات حدیثوں میں آئی ہے۔

قتل کی دو قسمیں ہیں: قتل عمد (بسکون المیم) اور قتل خطا۔ دونوں کا ذکر قرآن کریم میں ہے، پھر نبی ﷺ نے قتل خطا میں سے ایک تیسری قسم شبہ عمد علحدہ کی یعنی وہ قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہے یہ قسم: قتل خطا سے اوپر اور قتل عمد سے نیچے ہے، اور فقہاء نے جو قسمیں مستنبط کی ہیں وہ اس سے نیچے ہیں، پس کل پانچ قسمیں ہوئیں، اور حدیثیں سمجھنے کے لئے جاری مجری خطا اور قتل بالسبب کے احکام جاننے ضروری نہیں، البتہ قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطا کے احکام جاننے ضروری ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ قتل کی یہ تینوں قسمیں گناہ اور کوتاہی کے اعتبار سے ہلکی بھاری ہیں، شدید ترین قتل: جان بوجھ کر قتل کرنا ہے، پھر شبہ عمد ہے، پھر قتل خطا ہے، اس لئے ان کے احکام بھی ہلکے بھاری ہیں، اور تغلیظ وتخفیف تین طرح سے کی گئی ہے۔

پہلی صورت: قتل عمد میں قصاص واجب ہے اور باقی دو قتلوں میں دیت واجب ہے۔ پھر قصاص میں یہ تخفیف کی گئی ہے کہ اس کو حد نہیں قرار دیا، حد میں معافی اور تبدیلی کا اختیار نہیں ہوتا، اور قصاص میں معافی کی گنجائش ہوتی ہے وہ بالکل بھی معاف کیا جا سکتا ہے اور اس کے بدل دیت بھی لی جا سکتی ہے۔

دوسری صورت: قتل عمد میں دیت خود قاتل کو ادا کرنی ہوتی ہے کوئی دوسرا اس میں حصہ دار نہیں ہوتا اور شبہ عمد اور

خطا میں دیت عاقلہ پر یعنی قاتل کے خاندان اور قبیلہ پر واجب ہوتی ہے۔ اور اب جبکہ نسب کے اعتبار سے خاندان اور قبیلے نہیں رہے تو برادری عاقلہ ہے۔

اور قتل عمد میں تشدید کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز قاتل کے لئے سخت جھڑکی اور بھاری ابتلا بنے، اور اس کو بہت مالی خسارہ ہوتا کہ آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرے اور باقی دوقتلوں میں دیت کے وجوب کی وجہ یہ ہے کہ کسی خون کورائگاں جانا بڑی خرابی کی بات ہے، کیونکہ مقتول کے ورثاء کی تشفی ضروری ہے، ورنہ ان کے دلوں کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوگی، اور وہ کوئی بھی حرکت کر بیٹھیں گے اور یہ قتل اگر چہ عمداً نہیں ہوا مگر قتل جیسے سنگین معاملہ میں لاپرواہی برتنا بھی قابل گرفت ہے، اس لئے اگر قصاص معاف کر دیا گیا تو دیت ضرور دلائی جائے، اور دیت عاقلہ پر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل خطا میں لاپرواہی برتنا اگر چہ قابل گرفت ہے اور قاتل کو اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے، مگر اس سزا کو آخری حد تک پہنچانا یعنی دیت تنہا اس پر واجب کرنا مناسب نہیں، اس لئے اس میں قاتل کے رشتہ داروں کو بھی شامل کیا گیا۔

تیسری صورت: قتل عمد میں دیت فوری ایک سال میں ادا کرنی ہوتی ہے اور باقی دوقتلوں میں عاقلہ سے تین سال میں دیت وصول کی جاتی ہے، یہ تغلیظ وتخفیف بھی قتل کی نوعیت کے پیش نظر کی گئی ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا میں بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس جذعے اور بیس حقّوں کا فیصلہ فرمایا۔

تشریح: قتل کی تینوں قسموں میں دیت بالا جماع سو اونٹ ہیں اور اس حدیث میں قتل خطا کی دیت کا ذکر ہے، قتل خطا: وہ قتل ہے جس میں آلۂ قتل مارنے کا ارادہ نہ ہو، غلطی سے لگ جائے، اور مر جائے جیسے کوئی کسی پر گر پڑے اور وہ مر جائے یا کوئی درخت کو تیر مارے اور وہ آدمی کو لگ جائے اور وہ مر جائے، قتل خطا کی دیت ہلکی ہے اور اس میں پانچ طرح کے اونٹ لئے جاتے ہیں: ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ ابن مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰ جذعے اور ۲۰ حقے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: ابن مخاض کے بجائے ۲۰ ابن لبون لئے جاتے ہیں۔

حدیث (۲): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی کو بالقصد قتل کیا تو قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے، چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت۔ اور قتل عمد کی دیت: تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس گابھن اونٹنیاں ہیں، یا وہ چیز جس پر انھوں نے مصالحت کی ہو، پس وہ ان کے لئے ہے اور یہ دیت کو سخت کرنے کی وجہ سے ہے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں قتل عمد کی دیت بیان کی گئی ہے اور قتل عمد: وہ قتل ہے جو (بظاہر) جان سے ختم کرنے کے ارادہ سے کسی ایسے آلہ سے کیا گیا ہو جس سے عام طور پر آدمی مر جاتا ہے خواہ وہ زخمی کرنے والا ہتھیار ہو خواہ وزنی چیز ہو جیسے بڑا پتھر، اور اس دیت کو دیت مغلظہ کہتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دیت مغلظہ اثلاثا ہے اور یہ

حدیث ان کی دلیل ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ارباعاً ہے یعنی ۲۵ جذعے، ۲۵ حقے، ۲۵ بنت لبون اور ۲۵ بنت مخاض، ان کی دلیل ابن مسعودؓ کا قول ہے جو ابو داؤد (حدیث ۴۵۵۲) میں ہے اور یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (ابو داؤد حدیث ۴۵۵۳) یہ روایت حکماً مرفوع ہے۔

۲- اگر کوئی شخص کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو مقتول کے ورثاء کو دو باتوں کا اختیار ہوگا، چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں، مگر احناف کے نزدیک دیت لینے کا اختیار: اختیارِ ناقص ہے یعنی قاتل کی رضامندی سے دیت لے سکتے ہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اختیار: اختیار کامل ہے یعنی دیت لینے کے لئے قاتل کی رضامندی ضروری نہیں۔

۳- اگر ورثاء اور قاتل باہمی رضامندی سے کسی چیز پر صلح کرلیں تو یہ جائز ہے مثلاً کسی مکان یا جائداد پر معاملہ طے ہو جائے تو وہی ان کو ملے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الديات

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في الدية: كم هِيَ مِنَ الإبِلِ؟

[۱۳۷۱-] حدثنا عَلِيُّ بنُ سَعِيْدٍ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ زَيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ خِشْفِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابنَ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَضَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ دِيَةِ الْخَطَأِ عِشْرِيْنَ ابْنَةَ مَخَاضٍ، وَعِشْرِيْنَ بَنِيْ مَخَاضٍ ذُكُوْرًا، وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ، وَعِشْرِيْنَ جَذَعَةً، وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً.

حدثنا أَبُوْ هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ، ثنا ابنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، وَأَبُوْ خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عَنِ الْحَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ نَحْوَهُ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، حديثُ ابنِ مَسْعُوْدٍ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْقُوْفًا، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ الدِّيَةَ تُؤْخَذُ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ، فِيْ كُلِّ سَنَةٍ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَرَأَوْا أَنَّ دِيَةَ الْخَطَأِ عَلَى الْعَاقِلَةِ: فَرَأَىٰ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْعَاقِلَةَ قَرَابَةُ الرَّجُلِ مِنْ قِبَلِ أَبِيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ؛ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّمَا الدِّيَةُ عَلَى الرِّجَالِ دُوْنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مِنَ الْعَصَبَةِ، وَيُحَمَّلُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ رُبْعَ دِيْنَارٍ، وَقَدْ قَالَ بَعْضُهُمْ: إِلٰى نِصْفِ دِيْنَارٍ، فَإِنْ تَمَّتِ الدِّيَةُ، وَإِلَّا نُظِرَ إِلٰى

أَقْرَبِ الْقَبَائِلِ مِنْهُمْ، فَأُلْزِمُوْا ذٰلِكَ.

[۱۳۷۲-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ سَعِيْدِ الدَّارِمِيُّ، ثَنَا حِبَّانُ، ثَنَا مُحمدُ بنُ رَاشِدٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بنُ مُوْسَى، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ، فَإِنْ شَاؤُا قَتَلُوْا وَإِنْ شَاؤُا أَخَذُوْا الدِّيَةَ، وَهِيَ ثَلاَثُوْنَ حِقَّةً، وَثَلاَثُوْنَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً، وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ، وَذٰلِكَ لِتَشْدِيْدِ الْعَقْلِ" حديثُ عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

ترجمہ: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ (قتل خطا اور شبہ عمد کی) دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، ہر سال تہائی دیت وصول کی جائے گی، اور وہ کہتے ہیں کہ قتل خطا (اور شبہ عمد) کی دیت عاقلہ پر ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ عاقلہ قاتل کے باپ کی طرف کے (ددھیالی) رشتہ دار ہیں (ننھیالی رشتہ دار نکل گئے وہ دیت کی ادائیگی میں شامل نہیں ہونگے) اور یہ مالک اور شافعی کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ دیت عاقلہ میں سے صرف مردوں پر ہے عورتوں اور بچوں پر نہیں، اور ان میں سے ہر ایک پر چوتھائی دینار (ڈھائی درہم) کا بوجھ ڈالا جائے گا یعنی فی نفر زیادہ سے زیادہ ربع دینار لیں گے اس سے زیادہ کسی حال میں نہیں لیں گے، اور بعض علماء نصف دینار کے قائل ہیں پس اگر (فی نفر ربع دینار سے) دیت پوری ہو جائے تو ٹھیک (فبہا پوشیدہ) ہے ورنہ قاتل کے قبیلہ سے قریب تر قبیلہ کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا اور ان کے ذمے دیت لازم کی جائے گی۔

بابُ ماجاء في الدِّيَةِ: كَمْ هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ؟

دراہم سے دیت کی مقدار کتنی ہے؟

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر فرمائی۔

تشریح:

۱- حضور اقدس ﷺ کی شریعت عرب وعجم سب کے لئے ہے اور دنیا میں سب لوگ اونٹ نہیں پالتے اور نہ سب جگہ اونٹ دستیاب ہیں، اس لئے آپؐ نے سونے اور چاندی سے بھی دیت مقرر فرمائی ہے۔ سونے سے ایک ہزار دینار، اور چاندی سے بارہ ہزار درہم، اور بعض روایات میں دس ہزار درہم ہیں۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے بارہ ہزار والی روایت لی ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے دس ہزار والی۔ اور مشکوٰۃ (حدیث ۳۵۰۰) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ گایوں سے دو سو گائیں اور بکریوں سے دو ہزار بکریاں دیت مقرر کی گئی ہے۔

۲-اصل دیت صرف اونٹوں سے مقرر کی گئی ہے یا دیگر اموال سے بھی؟ اس میں اختلاف ہے: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اونٹوں سے مقرر کی گئی ہے اور دیگر اموال میں قیمت کا اعتبار ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تین اصناف سے یعنی اونٹ، سونا اور چاندی سے دیت مقرر کی گئی ہے اور گایوں اور بکریوں اور دیگر اموال میں قیمت کا اعتبار ہے، اور صاحبین کے نزدیک مذکورہ بالا پانچوں صنفوں سے دیت مقرر کی گئی ہے، اور ان کے علاوہ میں قیمت کا اعتبار ہے۔

ملحوظہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث مرفوع ہے یا مرسل؟ یعنی اس میں ابن عباسؓ کا ذکر ہے یا نہیں؟ اس میں عمرو بن دینار کے تلامذہ میں اختلاف ہے، محمد بن مسلم نے حدیث مرفوع کی ہے اور سفیان بن عیینہ نے مرسل، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو تنہا محمد بن مسلم نے مرفوع کیا ہے ان کے علاوہ ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے یہ حدیث مرفوع کی ہو یعنی اس کا مرسل ہونا اصح ہے کیونکہ ابن عیینہؒ محمد بن مسلم طائفی سے اثبت ہیں۔

[۲-] باب ماجاء فی الدية: كم هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ؟

[۱۳۷۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هَانِيءٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ مُسْلِمٍ، هُوَ الطَّائِفِيُّ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم: أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا.

حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، وَفِيْ حَدِيْثِ ابنِ عُيَيْنَةَ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا يَذْكُرُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ ابنِ عباسٍ غَيْرَ مَحمدِ بنِ مُسْلِمٍ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا أَعْرِفُ الدِّيَةَ إِلَّا مِنَ الإِبِلِ، وَهِيَ مِائَةٌ مِنَ الإِبِلِ.

وضاحت: ابن عیینہ کی مرسل روایت ابو داؤد (حدیث ۴۵۴۶) میں ہے اور تفصیل سے مصنف عبد الرزاق (۹: ۲۹۶ حدیث نمبر ۱۷۲۷۳) میں ہے، زائد کلام بھی وہاں ہے۔

بابُ ماجاء فی الْمُوْضِحَةِ

ہڈی کھولنے والے زخم کی دیت

اگر زخم ایسا ہو جس سے کوئی مستقل قوت ضائع نہ ہوئی ہو، نہ آدھی قوت ختم ہوئی ہو اور نہ اس سے شکل بگڑی ہو، بلکہ زخم مندمل ہو گیا ہو، ایسے زخم دس ہیں اور ان کا ادنیٰ درجہ موضحہ ہے، موضحہ میں ہڈی کھل جاتی ہے اور نظر آنے لگتی

ہے اس سے کم خراش اور رگڑ ہے، زخم نہیں، اس لئے موضحہ میں دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ واجب ہیں، کیونکہ بیسواں حصہ ہی کم از کم وہ حصہ ہے جو حساب کی گہرائی میں اترے بغیر جانا جاسکتا ہے۔

ملحوظہ: یہ جب ہے کہ زخم غلطی سے لگا ہو یا زخم میں برابری ممکن نہ ہو اور اگر زخم عمداً ہو اور مساوات ممکن ہو تو قصاص واجب ہے، سورۃ المائدہ آیت ۴۵ میں اس کا ذکر ہے۔

[۳-] باب ماجاء في المُوْضِحَةِ

[۱۳۷٤-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا حُسَيْنُ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ: أَنَّ فِي الْمُوْضِحَةِ خَمْسًا مِنَ الإِبِلِ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ہڈی ظاہر کرنے والے زخموں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں (مَوَاضِح: مُوْضِحَة کی جمع ہے یہ باب افعال سے بھی ہوسکتا ہے اور باب تفعیل سے بھی اور باقی زخموں کے احکام کتب فقہ میں ہیں)

بابُ ماجاء في دِيَةِ الأَصَابِعِ

انگلیوں کی دیت

اگر کوئی شخص بالقصد کسی کی انگلی کاٹ دے تو اس میں قصاص ہے اور اگر دیت پر مصالحت ہوجائے یا خطاءً کاٹی ہو تو ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں، اور چھوٹی بڑی سب انگلیاں یکساں ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: "ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی دیت یکساں ہے اور ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں" دوسری حدیث میں ہے: "یہ اور یہ یعنی انگوٹھا اور خنصر یکساں ہیں" جو دیت انگوٹھے کی ہے وہی خنصر کی بھی ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی سب انگلیاں کاٹ دے تو دوسو اونٹ واجب ہونگے، یہاں مور کی دُم: مور سے بڑھ جاتی ہے۔

[٤-] باب ماجاء في دِيَةِ الأَصَابِعِ

[۱۳۷۵-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنِ الْحُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ، عَنْ يَزِيْدَ النَّحْوِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ: رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "دِيَةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ والرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ: عَشَرَةٌ مِنَ الإِبِلِ لِكُلِّ إِصْبَعٍ"

وفي الباب: عَنْ أَبِي مُوْسَى، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو؛ حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحُ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: وَبِهِ يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

[۱۳۷٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، وَمُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ قَالَا: ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ" يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالإِبْهَامَ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في العَفْوِ

قصاص معاف کرنے کا ثواب

حدیث: ایک قریشی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا، انصاری نے جس کا دانت توڑا گیا تھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فریاد کی، یہ واقعہ امیر معاویہؓ کے دور خلافت کا ہے، اس نے کہا: امیر المؤمنین! اس نے میرا دانت توڑا ہے (مجھے قصاص چاہئے) امیر معاویہؓ نے اس کو سمجھایا کہ قصاص معاف کردے اور فرمایا: ہم تجھے راضی کریں گے، یعنی دیت دلائیں گے مگر مظلوم نے حضرت معاویہؓ کے سامنے اصرار کیا یعنی وہ قصاص لینے پر مصر رہا اور امیر معاویہ کو تنگ کردیا، یعنی وہ کسی حال میں مصالحت پر راضی نہ ہوا تو امیر معاویہؓ نے قصاص کا فیصلہ کردیا اور فرمایا: اپنے ساتھی کے ساتھ جو چاہے کر، یعنی اس کو مظلوم کے حوالہ کردیا، اس مجلس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، جب انصاری اس قریشی کو دانت توڑنے کے لئے لے چلا تو انھوں نے اس کو ایک حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس شخص کو اس کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ تکلیف پہنچانے والے کو معاف کردے یعنی قصاص نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کا بڑا درجہ بلند فرماتے ہیں اور بڑا گناہ معاف فرماتے ہیں" یہ سن کر انصاری نے کہا: آپ نے خود یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے محفوظ رکھا ہے یعنی مجھے اس حدیث کے سننے اور محفوظ رکھنے میں ذرا شک نہیں! پس مظلوم نے کہا: میں اس زخم کو اس کے لئے چھوڑتا ہوں، یعنی ویسے ہی (دیت لئے بغیر) معاف کرتا ہوں، امیر معاویہؓ نے کہا: میں آپ کو نامراد نہیں کروں گا، پھر انھوں نے کچھ مال کا حکم دیا۔

[٥-] باب ماجاء في العَفْوِ

[۱۳۷۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ الله بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا يُوْنُسُ بنُ أَبِي إِسْحَاقَ، ثَنَا أَبُوْ السَّفَرِ: قَالَ دَقَّ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ سِنَّ رَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ، فَاسْتَعْدَى عَلَيْهِ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ لِمُعَاوِيَةَ:

يَاأَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! إِنَّ هٰذَا دَقَّ سِنِّيْ! فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: إِنَّا سَنُرْضِيْكَ، وَأَلَحَّ الآخَرُ عَلٰى مُعَاوِيَةَ، فَأَبْرَمَهُ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: شَأْنَكَ بِصَاحِبِكَ، وَأَبُوْ الدَّرْدَاءِ جَالِسٌ عِنْدَهُ، فَقَالَ أَبُوْ الدَّرْدَاءِ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِيْ جَسَدِهِ، فَيَتَصَدَّقُ بِهِ، إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهِ دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْهُ بِهِ خَطِيْئَةً" فَقَالَ الأَنْصَارِيُّ: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ، قَالَ: فَإِنِّيْ أَذَرُهَا لَهُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: لَاجَرَمَ لَا أُخَيِّبُكَ! فَأَمَرَ لَهُ بِمَالٍ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَا أَعْرِفُ لِأَبِي السَّفَرِ سَمَاعًا مِنْ أَبِيْ الدَّرْدَاءِ، وَأَبُوْ السَّفَرِ: اسْمُهُ سَعِيْدُ بْنُ أَحْمَدَ، وَيُقَالُ ابنُ يُحْمِدَ الثَّوْرِيُّ.

وضاحت: اسْتَعْدَاه: ان سے مدد مانگی، جیسے کہا جائے: اسْتَعْدَيْتُ الأميرَ على فلان: میں نے فلاں کے خلاف امیر سے مدد مانگی...... وألَحَّ الآخر: یہ دوسرا وہی انصاری ہے، جس کا دانت توڑا گیا تھا...... أَبْرَمَه: تنگ کرنا...... شأنك بصاحبك: تو جانے اور تیرا ساتھی! (مجرم) یعنی جو چاہے اس کے ساتھ کر، خواہ قصاص لے خواہ معاف کر، خواہ دیت لے ...... بشيئ: کسی بھی زخم کے ساتھ یعنی خواہ بڑا زخم ہو یا چھوٹا...... درجة: اور خطيئة میں تنوین تعظیم کے لئے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی مَنْ رُضِخَ رَأْسُهُ بِصَخْرَةٍ

جس کا سر پتھر سے کچل دیا جائے: اس کا حکم

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک باندی (بکریاں چرانے) نکلی اور اس نے زیور پہن رکھا تھا (أوضاح: وَضَحٌ کی جمع ہے اور یہ ایک خاص قسم کا زیور ہوتا تھا جو پاؤں میں پہنا جاتا تھا) اس کو ایک یہودی نے پکڑ لیا، اور دو پتھروں کے درمیان اس کا سر کچل دیا، اور زیورات لے کر فرار ہو گیا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس وہ اس حال میں پائی گئی کہ اس میں کچھ جان باقی تھی، لوگ اس کو اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، آپؐ نے اس کا نزعی بیان لیا، آپؐ یعنی آپؐ کی طرف سے کوئی صحابی مدینہ کے ایک ایک گنڈے کا نام لے کر پوچھتے تھے: کیا تجھے فلاں نے قتل کیا؟ وہ سر کے اشارہ سے منع کرتی، وہ دوسرے کا نام لیتے یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا پس اس نے ہاں کا اشارہ کیا، اس پر وہ یہودی پکڑا گیا، پس اس نے قتل کا اقرار کیا (اور وہ زیورات بھی برآمد ہو گئے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کا سر دو پتھروں کے بیچ میں کچل دیا گیا۔

تشریح: اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہوئے:

۱- پولیس مرتے وقت زخمی سے نزعی بیان لے گی، اور اس بیان کی بنیاد پر اگر چہ کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ زخمی پورے ہوش میں نہیں ہوتا وہ غلط نام بھی لے سکتا ہے مگر وہ بیان قرائن میں شامل کیا جا سکتا ہے اور اس کی بنیاد پر قتل

کی تفتیش کی جاسکتی ہے۔

۲-پولیس کے پاس شہر کے گنڈوں کا ریکارڈ ہونا چاہئے۔ نبی ﷺ نے اس باندی کے سامنے گنڈوں کا نام لیا تھا، مدینہ کے تمام باشندوں کا نام نہیں لیا تھا، معلوم ہوا کہ آپ مدینہ کے گنڈوں کو جانتے تھے اور ان پر آپؐ کی نظر تھی۔

۳-قتل بالمُثقَّل (کسی ایسی بھاری چیز سے مارنا جو ہتھیار نہ ہو) قتل عمد ہے یا شبہ عمد؟ قصاص صرف قتل عمد میں ہے، شبہ عمد میں نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شبہ عمد ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک قتل عمد ہے، پس امام اعظم کے نزدیک قصاص نہیں اور قاتل کا قتل سیاسۃً ہے، اور جمہور کے نزدیک قصاص ہے۔

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قصاص بالسیف ہے یا بالمثل؟ یعنی قاتل کی صرف گردن اڑائی جائے گی یا اس نے قتل جس طرح کیا ہے اسی طریقہ سے اس کو قتل کیا جائے گا؟ احناف کے نزدیک صرف سر قلم کیا جائے گا، ان کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لاقَوَدَ إلا بالسَّيْفِ: قصاص صرف تلوار سے لیا جائے۔ اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک قصاص بالمثل ہے مثلاً ایک شخص نے کسی کو کنویں میں پھینک دیا اور وہ مرگیا تو قاتل کو بھی کنویں میں ڈالا جائے گا، مگر جب ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی چھوٹے بچے سے اغلام کرے اور وہ مرجائے تو کیا وہاں بھی مماثلت ہوگی؟ تو انھوں نے کہا: توبہ! توبہ!!

پس اصل سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث قصاص میں دوٹوک نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے جو اس یہودی کو قتل کرایا ہے وہ قصاص بھی ہوسکتا ہے اور سیاست بھی، اگر امیر ملک کے مفاد میں کسی کو شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کے علاوہ کوئی سزا دینا چاہے تو اس کا نام سیاست ہے اور امیر کو اس کا اختیار ہے، وہ سزائیں ہلکی بھاری کرسکتا ہے، پس نبی ﷺ نے جو اس یہودی کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر کچلوایا تھا وہ قصاص تھا یا سیاست؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک وہ قصاص تھا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: قتل بالمثقل قتل عمد ہے اور قصاص میں مماثلت ضروری ہے، اور امام اعظمؒ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ آپؐ نے اس یہودی کو سیاستاً قتل کرایا ہو، اور شبہ عمد میں بلکہ قتل خطا میں بھی امیر سیاستاً قتل کرسکتا ہے، پس اس حدیث کی وجہ سے قتل بالمثقل کو قتل عمد قرار دینا اور مماثلت کا قول کرنا محل نظر ہے، غرض اس حدیث کو امام اعظم رحمہ اللہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم

[٦-] باب ماجاء في مَنْ رُضِخَ رأسُهُ بِصَخْرَةٍ

[١٣٧٨-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: قَالَ: خَرَجَتْ جَارِيَةٌ عَلَيْهَا أَوْضَاحٌ، فَأَخَذَهَا يَهُوْدِيٌّ، فَرَضَخَ رَأْسَهَا، وَأَخَذَ مَا عَلَيْهَا مِنَ الْحُلِيِّ، قَالَ: فَأُدْرِكَتْ وَبِهَا رَمَقٌ، فَأُتِيَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " مَنْ قَتَلَكِ؟ أَفُلاَنٌ؟" فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا:

لَا، قَالَ: "فَفُلَانٌ" حَتَّى سَمَّى الْيَهُودِيَّ، فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا: نَعَمْ، قَالَ فَأُخِذَ، فَاعْتَرَفَ، فَأَمَرَ بِهِ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ.

بابُ ماجاء فی تَشْدِيْدِ قَتْلِ الْمُؤْمِنِ

مسلمان کاقتل بڑا بھاری گناہ ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ پوری دنیا کی تباہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل سے ہلکی ہے''یعنی مسلمان کاقتل بڑا بھاری گناہ ہے اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں۔

تشریح: اس سے زیادہ سخت وعید سورۂ نساء آیت ۹۳ میں ہے، ارشاد پاک ہے: ''جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے: اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہونگے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کو بڑا سخت عذاب دیں گے'' ـــــــ اس ارشاد سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمداً کسی مؤمن کو قتل کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک ہے، مگر جمہور کے نزدیک قتل عمد بھی دیگر کبائر کی طرح ہے جو سچی توبہ سے معاف ہوسکتا ہے، ان کی دلیل سورۃ النساء کی آیات ۴۸ و۱۱۶ ہیں، ان آیات پاک میں یہ مضمون ہے کہ شرک تو ناقابل معافی جرم ہے مگر اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں: اللہ تعالیٰ جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے، اور عمداً قتل مؤمن شرک کے علاوہ گناہ ہے، پس وہ قابل معافی ہے۔ اور دوسری دلیل مسلم شریف (۱۷: ۸۳ کتاب التوبہ) کی حدیث ہے اس میں ایک اسرائیلی کا واقعہ ہے جس نے سو قتل کئے تھے پھر اس کو ندامت ہوئی تھی اور اس نے سچی توبہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا تھا۔

اور مذکورہ آیت میں جو وعید ہے وہ زجر و توبیخ پر محمول ہے اور خلود سے: مدت دراز تک جہنم میں رہنا مراد ہے یا خلود اس کے لئے ہے جو قتل مؤمن کو حلال سمجھتا ہے، اور ابن عباسؓ کے نزدیک بھی قاتل کی توبہ مقبول تھی مگر وہ مصلحتاً اس میں سختی کرتے تھے، درمنثور (۲: ۱۹۸) میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو مؤمن کو قتل کرے گا اس کی توبہ مقبول ہے، راوی کہتے ہیں: پھر آپ کے پاس ایک شخص آیا اور دریافت کیا: کیا اس شخص کے لئے جو کسی مؤمن کو قتل کرے توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مگر دوزخ! جب وہ چلا گیا تو حاضرین نے عرض کیا: آپ ہمیں تو یہ فتوی نہیں دیا کرتے تھے؟ آپ تو ہمیں یہ فتوی دیا کرتے تھے کہ جو مؤمن کو قتل کرے گا اس کی توبہ مقبول ہے، پھر آج کیا بات ہوئی؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ یہ شخص کسی پر غضبناک ہے وہ کسی کو قتل کرنا

چاہتا ہے' چنانچہ تحقیق حال کے لئے اس کے پیچھے آدمی بھیجا گیا، پس ایسا ہی نکلا، معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے یہ فتوی مصلحتًا دیا تھا، ورنہ ان کے نزدیک بھی قتل مؤمن کا گناہ سچی توبہ سے معاف ہوسکتا ہے۔

[۷-] باب ماجاء في تشديد قَتْلِ الْمُؤْمِنِ

[۱۳۷۹-] حدثنا أَبُوْ سَلَمَةَ يَحْيىَ بنُ خَلَفٍ، وَمُحمدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بَزِيْعٍ، قَالَا: ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، اَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ"

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِيْ عَدِيٍّ.

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وابنِ عَباسٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَبُرَيْدَةَ.

حديثُ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو: هٰكَذَا رَوَاهُ ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ [عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَى مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ] فَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَهٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ مَوْقُوْفًا، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الْمَرْفُوْعِ.

وضاحت: کھڑی دوقوسوں کے درمیان کی عبارت مصری نسخہ سے بڑھائی ہے، اس کے بغیر عبارت صحیح نہیں ہوتی، اور سفیان ثوریؒ کی روایت نسائی (۸۲:۷) میں ہے مگر وہ منصور کے واسطہ سے یعلی سے روایت ہے۔

بابُ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ

دِماء (خونوں) کا فیصلہ

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کے درمیان خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا"

تشریح: کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۹۱) میں یہ حدیث گذری ہے کہ قیامت کے دن بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اُس حدیث کا باب کی حدیث سے کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جس عمل کو سب سے پہلے جانچا جائے گا وہ نماز ہے اور جس کا سب سے پہلے نتیجہ نکلے گا وہ خون کا معاملہ ہے، باب کی حدیثوں میں اس کی صراحت ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمام آسمانوں والے اور زمین والے مل کر ایک مسلمان کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں سب کو جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیں گے'' اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن خونوں کا کیا فیصلہ ہوگا؟!

[۸-] باب الحكم في الدِّمَاءِ

[۱۳۸۰-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: '' إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ''

حديثُ عَبْدِ اللهِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ مَرْفُوْعًا، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، وَلَمْ يَرْفَعُوْهُ.

[۱۳۸۱-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: '' إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِيْ الدِّمَاءِ''

[۱۳۸۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: '' إِنَّ أَوَّلَ مَا يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فِيْ الدِّمَاءِ.

[۱۳۸۳-] حدثنا الْحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنِ الْحُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ، عَنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ، ثَنَا أَبُوْ الْحَكَمِ الْبَجَلِيُّ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ وَأَبَا هُرَيْرَةَ يَذْكُرَانِ عَنْ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: '' لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِيْ النَّارِ'' هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

وضاحت: یہ آخری حدیث غریب ہے کیونکہ اس کی یہی ایک سند ہے اور ضعیف بھی ہے، کیونکہ یزید بن ابان رقاشی: ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء فى الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابْنَهُ: يُقَادُ مِنْهُ أَمْ لَا؟

باپ: بیٹے کو قتل کرے تو قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟

اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو قتل کرے تو باپ کو اولاد کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، اور برعکس صورت میں یعنی باپ کے قصاص میں اولاد کو قتل کیا جائے گا، یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور وجہ فرق یہ ہے کہ باپ: اولاد کے وجود ظاہری کا سبب ہے پس اولاد اس کے عدم کا سبب نہیں بن سکتی، یہ کفرانِ نعمت ہے، علاوہ ازیں اولاد پر باپ کی شفقت بے پناہ

ہوتی ہے اور ہمیشہ رہتی ہے، پس وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرسکتا اس لئے احتمال ہے کہ در پردہ کوئی ایسی وجہ رہی ہو جس سے قتل جائز ہوا ہو یا اس نے عمداً قتل نہ کیا ہو، اگر چہ بظاہر قتل عمد نظر آتا ہو، اور اولاد کا معاملہ اس کے برعکس ہے، اس کا باپ کی طرف میلان ایک وقت تک رہتا ہے پھر رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے اور یہ قدرتی نظام ہے تاکہ اولاد کمانے کے لئے منتشر ہو اور دنیا آباد ہو، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ نے تو اولاد کو وجود بخشا ہے، اور اولاد نے باپ کو موت کی گھاٹ اتار دیا یہ کفرانِ نعمت ہے، پس اولاد کو تو باپ کے قصاص میں قتل کیا جائے گا مگر باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو بس یونہی چھوڑ دیا جائے گا بلکہ انتظام مملکت کے پیش نظر جو سزا مناسب ہوگی وہ دی جائے گی۔

[۹-] باب ماجاء في الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابنَهُ: يقادُ منه أم لا؟

[۱۳۸٤-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ عَيَّاشٍ، ثَنَا الْمُثَنَّى بنَ الصَّبَاحِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ سُرَاقَةَ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَضَرْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُقِيْدُ الْأَبَ مِن ابْنِهِ، وَلَا يُقِيْدُ الإِبْنَ مِنْ أَبِيْهِ.

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ سُرَاقَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِصَحِيْحٍ، رَوَاهُ إِسْمَاعِيْلُ بنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ الصَّبَّاحِ؛ وَالْمُثَنَّى بنُ الصَّبَّاحِ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ، وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيْثَ أَبُوْ خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ عُمَرَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم؛ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ مُرْسَلًا، وَهٰذَا حديثٌ فِيْهِ اضْطِرَابٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْأَبَّ إِذَا قَتَلَ ابْنَهُ لَا يُقْتَلُ بِهِ، وَإِذَا قَذَفَهُ لَايُحَدُّ.

[۱۳۸۵-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الْأَشَجُّ، ثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ حَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " لَايُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ"

[۱۳۸٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمِ بنِ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَاتُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَلَايُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ: وَإِسْمَاعِيْلُ بنُ مُسْلِمٍ الْمَكِّيِّ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

پہلی حدیث کے دو ترجمے ہیں: پہلا ترجمہ: حضرت سراقہ کہتے ہیں: میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے

باپ کو قصاصاً قتل کیا اس کے بیٹے کی وجہ سے (أَقَادَ القاتلَ بالقتيل کے معنی ہیں: مقتول کے بدلے میں قاتل کو مار ڈالنا اور من: سببیہ ہے أي لأجلِ ابْنه) اور بیٹے کو قتل نہیں کیا اس کے باپ کی وجہ سے (یہ الٹی بات ہوگئی، چنانچہ ابن الملک کہتے ہیں: یہ بات ابتدائے اسلام میں تھی، پھر منسوخ ہوگئی، اور سید شریف نے فرائض سراجیہ کی شرح میں لکھا ہے کہ شاید بیٹا پاگل ہوگا یا بچہ ہوگا، اس لئے قتل نہیں کیا ہوگا) دوسرا ترجمہ: میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے باپ کے لئے قصاص لیا اس کے بیٹے سے یعنی باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کیا اور بیٹے کے لئے قصاص نہیں لیا اس کے باپ سے یعنی بیٹے کے قصاص میں باپ کو قتل نہیں کیا (اب بات ٹھیک ہوگئی)

وضاحت: یہ حدیث ضعیف ہے، عمرو بن شعیب کے تلامذہ میں اختلاف ہے: کوئی عن أبيه، عن جده، عن سراقة روایت کرتا ہے (یہ مثنی بن الصباح کی روایت ہے جو ضعیف راوی ہیں) اور کوئی عن أبيه، عن جده، عن عمر روایت کرتا ہے (یہ حجاج بن ارطاۃ کی روایت ہے اور وہ بھی ضعیف راوی ہیں) اور کوئی عمرو بن شعیب سے مرسل روایت کرتا ہے یعنی ان کے بعد کسی راوی کا نام نہیں لیتا (یہ روایت مسند احمد میں ہے اور اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہیں اور وہ بھی ضعیف ہیں) اس لئے فرمایا کہ اس کی سند میں اضطراب (اختلاف) ہے، مگر حدیث کے ضُعف کے باوجود تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ باپ اگر اپنی اولاد کو قتل کرے تو قصاص میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اگر باپ اولاد پر تہمت لگائے تو باپ پر حد قذف جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور اولاد کے لئے باپ کو قتل نہ کیا جائے (دور اول میں قاضی جامع مسجد میں بیٹھتا تھا اور تمام مقدمات کے فیصلے مسجد میں کرتا تھا مگر سزا باہر دی جائے گی مسجد میں کسی کو قصاص میں قتل کرنا یا کوڑے مارنا جائز نہیں) یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اسماعیل کو حدیثیں اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

بَابُ مَاجَاءَ لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدىٰ ثَلَاثٍ

مسلمان کا قتل صرف تین وجوہ سے جائز ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی ایسے مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، مگر تین باتوں میں سے کسی ایک بات کی وجہ سے: شادی شدہ زناکار، اور جان کے بدلہ میں جان اور اپنے دین سے جدا ہونے والا، جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا (عطف بیان ہے)

تشریح: مرتد کا قتل اسلام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں، کیونکہ ارشاد پاک ہے: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾: دین میں زبردستی نہیں چنانچہ مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جاتا، گھر میں نظر بند کیا جاتا ہے، اگر ارتداد کی وجہ سے قتل ہوتا تو مرتدہ

کو بھی قتل کیا جاتا، بلکہ مرتد کا قتل: فتنہ روکنے کے لئے ہے، چونکہ اسلام میں جیل کی سزا نہیں اور مرد کو نظر بند رکھنا اس کے موضوع کے خلاف ہے پس اس کو چلنے پھرنے کی آزادی ہوگی، اس لئے وہ لوگوں کے ذہن بگاڑے گا اور فتنہ میں مبتلا کرے گا چنانچہ اس کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ یعنی فتنہ: قتل سے سنگین بات ہے، اس لئے فتنہ روکنے کے لئے مرتد کو قتل کیا جاتا ہے۔

[١٠-] باب ماجاء لَايَحِلُّ دمُ امْرِیٔءٍ مسلمٍ إلا بإحدی ثلاثٍ

[١٣٨٧-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايَحِلُّ دَمُ امْرِیٔءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَی ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِیْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ"

وفی الباب: عَنْ عُثْمَانَ، وَعَائِشَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، حديثُ ابنِ مَسْعُوْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی مَنْ يَقْتُلُ نَفْسًا مَعَاهَدَةً

ذمی کو قتل کرنے پر وعید

غیر مسلم چار قسم کے ہیں: (۱) ذمّی: وہ غیر مسلم جس کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہے (۲) مستأمن: (امن طلب کرنے والا) وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے (۳) مُعاہد: (عہد و پیمان کرنے والا) دارالحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک نے ناجنگ معاہدہ کیا ہے (۴) حربی: اس دارالحرب کا باشندہ جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان مستأمن، معاہد یا حربی کو قتل کرے تو قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ذمی میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کی دلیل بخاری (حدیث ۱۱۱) کی حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَایُقْتَلُ مسلمٌ بِکافرٍ: کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔ کافرٌ: عام ہے چاروں قسموں کو شامل ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث ذمی کو شامل نہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ متعدد ضعیف روایات میں یہ بات مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین میں سے حضرات عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا، یہ روایات اعلاء السنن (۱۸: ۹۴-۱۰۵) میں ہیں۔ یہ روایات اگرچہ متکلم فیہ ہیں مگر سب مل کر قوی قابل استدلال ہو جاتی ہیں اور اتنی بات جاننے کے لئے کافی ہیں کہ مذکورہ حدیث ذمی کو شامل

نہیں (یہ مسئلہ آگے باب ۱۶ میں بھی آرہا ہے)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: سنو! جس شخص نے کسی ذمی کو قتل کیا جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے (کہ اس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی جائے گی) تو اس نے اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالا۔ ایسا شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا جبکہ جنت کی خوشبو ستر خریف (اردو محاورہ میں ستر بہار یعنی ستر سال کی مسافت) سے سونگھی جاتی ہے، یعنی ذمی کو قتل کرنے والا جنت کے قریب بھی نہیں جاسکے گا۔

فائدہ: ذمی: شاندار لفظ ہے اس کے معنی ہیں: لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وذمّةُ رسولِه: جس کی اللہ اور اس کے رسول نے ذمہ داری لی ہے یعنی جس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے، مگر یہ لفظ استعمال ہوتے ہوتے خراب ہوگیا ہے، اب غیر مسلم اس کو گالی سمجھتے ہیں یہی حال لفظ جزیہ کا ہوگیا ہے، وہ بھی شاندار لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں: بدلہ، یعنی اسلامی حکومت نے شہریوں کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی ہے اور فوج اور پولیس کے ذریعہ ان کی حفاظت کرتی ہے اس کا بدلہ، مگر اب غیر مسلم اس کو بھی گالی سمجھنے لگے ہیں، پس ضروری نہیں کہ یہی الفاظ استعمال کئے جائیں ان کو نئے الفاظ سے بدلا جاسکتا ہے، مقصود پیڑ نہیں آم ہیں! مگر دوسرے مناسب الفاظ ملنے بھی دشوار ہیں۔

[۱۱-] باب ماجاء فيمن يَقْتُل نفسًا مُعَاهَدَةً

[۱۳۸۸-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مَعْدِيُّ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أَلَا! مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدَةً لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، فَقَدْ أَخفرَ بِذِمَّةِ اللّٰهِ، فَلَا يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ؛ حديثُ أَبِيْ هُريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: سند کا دوسرا راوی معدی بن سلیمان البصری ہے، مهدی: تصحیف ہے، مصری نسخہ سے تصحیح کی ہے، اس راوی کی ابن عجلان سے روایت جلد دوم صفحہ ۳۹ میں بھی آرہی ہے، یہ راوی ضعیف ہے مگر امام ترمذیؒ نے یہاں اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے اور جلد دوم میں حسن غریب کہا ہے، یہ روایت ابن ماجہ نے بھی بیان کی ہے۔

بابٌ

ذمی کی دیت: مسلمان کی دیت ہے

ذمی کی دیت کتنی ہے؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمان اور ذمی کی دیت ایک ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ

کے نزدیک نصف ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عیسائی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم ہیں، اور دیگر غیر مسلموں کی آٹھ سو درہم۔

باب کی حدیث حنفیہ کی دلیل ہے، قبیلہ بنی عامر کے دو آدمیوں نے مدینہ منورہ آکر نبی ﷺ سے عہد و پیمان کیا، واپسی میں ان کو ایک سریہ ملا جس میں عمرو بن امیہ ضمریؓ وغیرہ تھے، انھوں نے ان کو قتل کردیا وہ نہیں جانتے تھے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے عہد و پیمان کیا ہے، جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کے ورثاء کے پاس اتنی ہی دیت بھیجی جتنی مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔

اور دوسری دلیل سورۃ النساء آیت ۹۲ ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهِ﴾ یعنی جس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے اگر مقتول اس میں سے ہو تو اس کی دیت اس کے خاندان کے سپرد کی جائے، اس آیت میں دیت کا لفظ مطلق ہے پس مسلمان کی دیت اور ذمی کی دیت ایک ہے۔

دیگر ائمہ کے دلائل دوسری کتابوں میں ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں اور گذشتہ مسئلہ میں کہ مسلمان کو ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے گا: یہ روایتیں اس لئے اختیار کی ہیں کہ انتظام مملکت سے ہم آہنگ یہی روایتیں ہیں، جب اسلامی حکومت نے ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور اس کا ان سے بدل بھی لیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ ایسا انتظام کیا جائے کہ کوئی مسلمان ان کی جان کے درپے نہ ہو، اگر مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا تو کوئی بھی مسلمان ذمی کو قتل کردے گا، اور دیت بھی معمولی دے کر چھوٹ جائے گا، یہ بات حفاظتی نقطۂ نظر کے خلاف ہے، اس لئے امام صاحب نے ہر اعتبار سے ذمی کو مسلمان کے مساوی قرار دیا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے جو حکمت بیان کی ہے کہ دونوں میں قصاص و دیت میں تفاوت کرنے سے اسلام کی شان بلند ہوتی ہے، یہ بات صحیح ہے، مگر حسن اخلاق اور ایفائے عہد سے بھی یہ بات حاصل ہوتی ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۲۴۳)

[۱۲-] بابٌ

[۱۳۸۹-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا يَحْيىَ بْنُ آدَمَ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِيْ سَعْدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَدَى الْعَامِرِيَّيْنِ بِدِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَكَانَ لَهُمَا عَهْدٌ مِنْ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَأَبُوْ سَعْدِ الْبَقَّالُ: اسْمُهُ سَعِيْدُ بنُ الْمَرْزُبَانِ.

وضاحت: ابوسعد سعید بن المرزبان ضعیف اور مدلس راوی ہے اس لئے غریب بمعنی ضعیف بھی ہے۔

بابُ ماجاء فی حُکمِ وَلِیِّ الْقَتِیْلِ فِی الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ

قاتل کے ورثاء کو قصاص لینے کا اور معاف کرنے کا اختیار

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ہاتھوں مکہ فتح کرایا تو آپؐ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، پس اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: ''جس کا کوئی آدمی قتل کیا گیا اس کو دو مفید باتوں میں اختیار ہے یا تو قاتل کو معاف کردے (اور دیت لے، آئندہ حدیث میں اس کی صراحت ہے) یا اس کو قصاصاً قتل کرے'' (معاف کرے گا تو آخرت میں ثواب کا مستحق ہوگا اور قصاص لے گا تو دل ٹھنڈا ہوگا اور آئندہ قتل کا سلسلہ بند ہوگا۔ غرض یہ دنیا کے اعتبار سے مفید ہے اور وہ آخرت کے اعتبار سے مفید ہے)

حدیث (۲): ابو شریح عدویؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے اس کو کسی آدمی نے محترم قرار نہیں دیا، پس کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو: جائز نہیں کہ وہ حرم میں خون بہائے یا حرم کے کسی درخت کو کاٹے، پس اگر کوئی نبی ﷺ کے حرم میں قتال کرنے سے جواز پر استدلال کرے (فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے تھے وہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی اور حضرت خالد بن ولیدؓ زیریں حصہ سے داخل ہوئے تھے وہاں کچھ لوگوں نے مزاحمت کی تھی ان میں سے کچھ لوگ مارے گئے تھے) پس تم اس سے کہو: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تجھے اجازت نہیں دی، اور میرے لئے بھی حرم میں قتال کی اجازت دن کے ایک خاص حصہ میں تھی (نبی ﷺ کے لئے طلوع شمس سے عصر تک قتال کی اجازت تھی ساعۃ سے یہی وقت مراد ہے) پھر قیامت تک کے لئے قتال حرام کردیا گیا (یہاں تک حدیث کتاب الحج کے شروع میں گذر چکی ہے) بیشک تم نے اے خزاعہ! ہُذیل کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، آج میں اس کی دیت دیتا ہوں، لیکن آج کے بعد جس کا بھی کوئی آدمی قتل کیا جائے گا تو مقتول کے ورثاء کو دو مفید باتوں میں اختیار ہوگا یا تو قاتل کو قصاصاً قتل کریں یا دیت لیں''

تشریح: قبیلۂ ہُذیل اور خزاعہ کے درمیان عرصہ سے قتل اور جواب قتل کا سلسلہ جاری تھا اور فتح مکہ سے کچھ پہلے خزاعہ نے ہذیل کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، حضور اقدس ﷺ نے خیال فرمایا کہ اگر بدلہ لینے کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے خزاعہ کی طرف سے دیت ادا کی اور اعلان کیا کہ آئندہ اگر کوئی کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے ورثاء کو قصاص لینے کا حق ہوگا، البتہ وہ قصاص کی جگہ دیت بھی لے سکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے۔

حدیث (۳): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی کو قتل کیا

گیا، آپؐ نے قاتل کو مقتول کے حوالے کر دیا، قاتل نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قسم بخدا! میں نے اس کو ضرور مار ڈالا ہے مگر میرا ارادہ جان سے مارنے کا نہیں تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے وارث سے فرمایا: "سن! اگر یہ سچ کہتا ہے کہ اس کا جان سے مارنے کا ارادہ نہیں تھا پھر بھی تو نے اس کو قتل کیا تو تو جہنم میں جائے گا" اس شخص نے فوراً قاتل کو چھوڑ دیا، اس کے ہاتھ چمڑے کی رسّی سے پیچھے بندھے ہوئے تھے راوی کہتا ہے: وہ اپنا تسمہ گھسیٹتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا (غیر متوقع طور پر جان بچ گئی تو وہ خوشی میں وارفتہ ہو گیا) چنانچہ وہ بعد میں "تسمہ والا" کہلاتا تھا۔

[١٣-] باب ماجاء فی حُكْمِ وَلِيِّ القتيلِ فی القصاصِ والعَفْوِ

[١٣٩٠-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، وَيَحْيىَ بنُ مُوْسَى، قَالاَ: ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ أَبِیْ كَثِيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنِیْ أَبُوْ سَلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مَكَّةَ قَامَ فِی النَّاسِ، فَحَمِدَ الله وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ:" وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَعْفُوَ، وَإِمَّا أَنْ يَقْتُلَ"

وفی الباب: عَنْ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِیْ شُرَيْحٍ خُوَيْلِدِ بنِ عَمْرٍو.

[١٣٩١-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا ابنُ أَبِیْ ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ سَعِيْدُ بنُ أَبِیْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِیُّ، عَنْ أَبِیْ شُرَيْحٍ الْكَعْبِیِّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يَسْفِكَنَّ فِيْهَا دَمًا، وَلَا يَعْضِدَنَّ فِيْهَا شَجَرًا، فَإِنْ تَرَخَّصَ مُتَرَخِّصٌ، فَقَالَ: أُحِلَّتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَلَّهَا لِیْ، وَلَمْ يُحِلَّهَا لِلنَّاسِ، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِیْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ هِیَ حَرَامٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ إِنَّكُمْ مَعْشَرَ خُزَاعَةَ! قَتَلْتُمْ هٰذَا الرَّجُلَ مِنْ هُذَيْلٍ، وَإِنِّیْ عَاقِلُهُ، فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَقْتُلُوْا، أَوْ يَأْخُذُوْا الْعَقْلَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَحديثُ أَبِیْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرَوَاهُ شَيْبَانُ أَيْضًا عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِی كَثِيْرٍ مِثْلَ هٰذَا، وَرُوِیَ عَنْ أَبِیْ شُرَيْحٍ الْخُزَاعِیِّ، عَنِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَلَهُ أَنْ يَقْتُلَ أَوْ يَعْفُوَ وَيَأْخُذَ الدِّيَةَ" وَذَهَبَ إِلٰى هٰذَا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

[١٣٩٢-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قُتِلَ رَجُلٌ فِیْ عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَدُفِعَ الْقَاتِلُ إِلٰى وَلِيِّهِ، فَقَالَ الْقَاتِلُ:

يَارسولَ اللهِ! مَا أَرَدْتُ قَتْلَهُ، فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَمَا إِنَّهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا فَقَتَلْتَهُ دَخَلْتَ النَّارَ" فَخَلَّاهُ الرَّجُلُ، وَكَانَ مَكْتُوفًا بِنِسْعَةٍ، قَالَ: فَخَرَجَ يَجُرُّ نِسْعَتَهُ، فَكَانَ يُسَمَّى ذَا النِّسْعَةِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: ابوشریح کعبی اور ابوشریح خزاعی ایک ہیں اور ابوشریح خزاعی کی یہ روایت ابوداؤد اور دارمی میں بھی ہے، مگر اس میں أو يأخذ الدية ہے یعنی واو کی جگہ أو ہے یعنی وارث کو تین باتوں میں اختیار ہوگا، قصاص لے یا درگذر کرے یا دیت لے۔

بابُ ماجاء في النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ

لاش بگاڑنے کی ممانعت

جہاد میں دشمن کو قتل کرنا تو ناگزیر ہے لیکن اس کی لاش بگاڑنے کی اجازت نہیں، اور جب جہاد میں دشمن کی لاش بگاڑنے کی اجازت نہیں تو قصاص میں قاتل کی لاش بگاڑنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ پس جو ائمہ قصاص میں مماثلت کے قائل ہیں وہ غور فرمائیں کہ ان کی رائے کہاں تک صحیح ہے؟! مثلاً: ایک شخص نے مقتول کے پہلے ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان کاٹے پھر آنکھیں پھوڑیں، پھر گردن کاٹی تو اگر قاتل سے اسی طرح قصاص لیا جائے گا تو یہ اس کی لاش بگاڑنا ہوا اور مثلہ سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، اسی بنا پر حنفیہ قصاص میں مماثلت کے قائل نہیں، کیونکہ قصاص کا مقصد قاتل کو دنیا سے چلتا کرنا ہے اور یہ مقصد گردن زدنی سے حاصل ہوجاتا ہے، پس قاتل نے مقتول کے ساتھ جو غلط کام کیا ہے اس کا وہ ذمہ دار ہے، ہم وہ کام نہیں کریں گے، نیز حدیث میں ہے: لاقَوَدَ إلا بالسيف یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا، یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے، حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ جب کسی کو لشکر کا امیر مقرر فرماتے تھے تو اس کو اللہ سے ڈرنے کی اور ماتحت مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کی خاص طور پر تاکید فرماتے تھے، پھر عام نصیحت فرماتے تھے کہ اللہ کے نام پر اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کافروں سے لڑو، جہاد کرو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، اور وعدہ خلافی نہ کرو اور کسی لاش کو نہ بگاڑو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں نکوکاری (عمدہ کرنے) کو فرض کیا ہے، پس جب تم (جہاد میں دشمنوں کو) قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، یعنی قتل کرکے چھوڑ دو، لاش نہ بگاڑو (اسی مناسبت سے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی ہے) اور جب تم جانور ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، اور تمہیں چاہئے کہ اپنی چھری تیز کرلو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ (اگر چھری تیز ہوگی تو ہاتھ رکھتے ہی گردن کٹ جائے گی اور جانور بے ہوش ہوجائے

گا، پھراس کوتکلیف کا احساس نہیں رہے گا اور اگر چھری کُھٹل ہوگی تو جب تک شاہ رگیں نہیں کٹیں گی ذبیحہ کوتکلیف ہوتی رہے گی اس لئے تیز چھری سے ذبح کرنا چاہئے یہ اچھی طرح ذبح کرنا ہے)

فائدہ: بعض لوگ جانور کو گولی مارتے ہیں یا بجلی کا شاک دیتے ہیں، پھر جب جانور بیہوش ہوجاتا ہے تو ذبح کرتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے جانور کو ذبح کی تکلیف نہیں ہوتی، مگر ان کا یہ خیال غلط ہے، ذبح کی تکلیف تو بیشک نہیں ہوتی مگر گولی لگنے کی اور بجلی کے شاک کی تکلیف تو ہوتی ہے، اور معروف طریقہ میں جب گلے پر پہلا ہاتھ رکھا جاتا ہے: تکلیف ہوتی ہے پھر جانور بے ہوش ہوجاتا ہے اور اس کو تکلیف کا احساس نہیں رہتا اور معروف طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ جب جانور ہوش کی حالت میں ذبح ہوتا ہے تو دم مسفوح سارا نکل جاتا ہے اور بے ہوش کرکے ذبح کرنے سے پورا خون نہیں نکلتا، جبکہ ذبح کا مقصد خون نکالنا ہے، اس لئے مشینی ذبح اسلامی اصول کے خلاف ہے اور ذبیحہ کو حتی الامکان تکلیف سے بچانے کے لئے چھری تیز کرنا کافی ہے، اس صورت میں ہاتھ رکھتے ہیں گردن کٹ جائے گی اور جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔ حدیث میں مُجَثَّمَة (تیروں کا نشانہ بنائے ہوئے جانور) کے کھانے کی ممانعت آئی ہے، الکوکب الدری (۱۱:۳) میں اس ممانعت کی وجہ یہ بھی لکھی ہے: ولأنها تصير بذلك أقرب إلى الموت، فلا تفعلُ فيها الذكاةُ كاملَ فعلِها یعنی تیر کھاتے کھاتے وہ موت کے قریب پہنچ جائے گا، پس ذبح اس میں پورا اثر نہیں کرے گا، مشینی ذبح کی بھی بالکل یہی صورت ہوتی ہے، گھن لگنے سے یا بجلی کا شاک لگنے سے جانور اَدھ مرا ہوجاتا ہے، پھر ذبح کیا جاتا ہے اس لئے ذبح اس میں اچھی طرح مؤثر نہیں ہوسکتا، اس لئے نہ ذبح کا یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، نہ ایسا ذبیحہ کھانا چاہئے، اگرچہ وہ حلال ہے، واللہ الموفق!

[۱۴-] باب ماجاء في النهي عن المُثْلَةِ

[۱۳۹۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إذا بَعَثَ أَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّةِ نَفْسِهِ: بِتَقْوَى اللهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا، فَقَالَ:" اغْزُوْا بِسْمِ اللهِ، وَفِي سَبِيْلِ اللهِ، قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، اغْزُوْا وَلَا تَغُلُّوْا، وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا" وفي الحديثِ قِصَّةٌ.

وفي الباب: عَن ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَشَدَّادِ بنِ أَوْسٍ، وَسَمُرَةَ، وَالْمُغِيْرَةِ، وَيَعْلَى بنِ مُرَّةَ، وأَبِيْ أَيُّوْبَ، حديثُ بُرَيْدَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَكَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ الْمُثْلَةَ.

[۱۳۹۴-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ

الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ شَدَّادِ بنِ أَوْسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُوْ الأَشْعَثِ: اسْمُهُ شُرَحْبِيْلُ بنُ آدَةَ.

وضاحت: مَن معه کا عطف تقوی پر ہے أی بمن معه اور حدیث میں قصہ یعنی زائد مضمون مسلم شریف (حدیث ۱۷۳۱ کتاب الجہاد) میں ہے ـــــ إن الله كتب الإحسان على كل شيئ: قاعدہ کلیہ ہے اور اس کے بعد اس کی دو مثالیں ہیں: ایک: دشمن کو قتل کرو تو عمدہ طریقہ پر قتل کرو یعنی لاش نہ بگاڑو، دوسری: جانور کو ذبح کرو تو بہتر طریقہ پر ذبح کرو، پھر بہتر طریقہ پر ذبح کرنے کا طریقہ اور اس کا فائدہ ذکر کیا ہے۔

بابُ ماجاء فی دِيَةِ الْجَنِيْنِ

پیٹ کے بچہ کی دیت

حدیث (۱): حضرت شعبہؓ سے مروی ہے کہ دو سوکنیں ایک شخص کے نکاح میں تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمہ کا ڈنڈا مارا جس سے اس کے پیٹ کا بچہ گر گیا، پس رسول اللہ ﷺ نے جنین میں غُرَّۃ (بُردہ) کا فیصلہ فرمایا یعنی غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا اور اس کو ڈنڈا مارنے والی عورت کے عاقلہ پر لازم کیا۔

تشریح: جنین (پیٹ کے بچہ) میں دو جہتیں ہیں: ایک: اس کے مستقل جان ہونے کی جہت ہے، اس لحاظ سے جان کے بدلے میں جان ہونی چاہئے۔ دوم: اس کے ماں کا جز اور عضو ہونے کی جہت ہے، کیونکہ ابھی وہ ماں کے تابع ہے مستقل نہیں ہے، اس لحاظ سے جنین کو جروح (زخموں) کے بمنزلہ قرار دینا چاہئے۔ نبی ﷺ نے دونوں جہتوں کا لحاظ کر کے بردہ واجب کیا جو جان بھی ہے اور مال بھی۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنین میں غرہ: غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا، پس جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے عرض کیا: کیا ہم اس کی دیت دیں جس نے نہ پیا نہ کھایا، نہ چیخا نہ رویا، اس جیسا (خون) تو رائگاں جانا چاہئے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ آدمی شاعری کرتا ہے یعنی قافیہ بندی کرتا ہے کیوں نہیں! اس میں ایک غرہ: غلام یا باندی ہے۔

[۱۵-] باب ماجاء فی دية الجنين

[۱۳۹۵-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عُبَيْدِ بنِ نَضْلَةَ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ: أَنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا

الْأُخرَى بَحجَرٍ أَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ، فَأَلْقَتْ جَنِيْنَهَا، فَقَضَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً: عَبْدًا أَوْ أَمَةً، وَجَعَلَهُ عَلٰى عَصَبَةِ الْمَرْأَةِ.

قَالَ الْحَسَنُ: وَحَدَّثَنا زَيْدُ بنُ الْحُبَابِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۳۹۶-] حدثنا عَلِيُّ بنُ سَعِيْدِ الْكِنْدِيُّ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَضَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْجَنِيْنِ بِغُرَّةٍ: عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، فَقَالَ الَّذِيْ قُضِيَ عَلَيْهِ:أَنُعْطِي مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ، وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ، فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ هٰذَا لَيَقُوْلُ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ، بَلٰى فِيْهِ غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ"

وفي الباب: عَنْ حَمَلِ بنِ مَالِكِ بنِ النَّابِغَةِ، حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْغُرَّةُ: عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ، أَوْ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَوْ فَرَسٌ أَوْ بَغْلٌ.

وضاحت: اگر غلام باندی نہ ہوں تو جنین میں پوری دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم واجب ہونگے اور بعض علماء فرماتے ہیں: غرہ کی جگہ گھوڑا یا خچر دیدے۔اور باب میں روایت حضرت حمل کی ہے، ہمارے نسخوں میں حمید تصحیف ہے، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے۔

بابُ ماجاء لَا يُقْتَلُ مُسلِمٌ بِكَافِرٍ

کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا

باب ۱۱ میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ مستأمن، معاہد اور حربی کے بدلے میں بالاجماع کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور ذمی کے بارے میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا، اور ائمہ ثلاثہ انکار کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کافر کے بدلہ میں کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے'' وہ فرماتے ہیں: کافر عام ہے، سب قسموں کو شامل ہے۔اور حنفیہ کہتے ہیں: یہ حدیث زمانۂ جاہلیت کے خونوں کے بارے میں ہے یعنی اگر کسی نے کفر کے زمانہ میں کسی کافر کو قتل کیا ہے، پھر وہ مسلمان ہو گیا اور مقتول کے ورثاء بھی مسلمان ہو گئے تو اب اگر وہ قصاص کا مطالبہ کریں تو اس کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ذمی کے بدلے میں ایک مسلمان کو قتل

کیا ہے، یہ روایت سنن بیہقی کے حاشیہ میں ابن الترکمانی نے ذکر کی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ایک واقعہ میں ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، مگر بعد میں دیت پر مصالحت ہوگئی تھی، یہ روایت نصب الرایہ میں ہے۔ غرض ان روایات کی وجہ سے باب کی روایت کی تخصیص ضروری ہے۔

علاوہ ازیں: ذمی کا مسلمان سے قصاص نہ لینا ملکی انتظام کے خلاف ہے، ایسی صورت میں کوئی غیر مسلم اسلامی ملک میں رہنا پسند نہیں کرے گا وہ خود کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھے گا اور ہر وقت اس کو دھڑ کا لگا رہے گا کہ کوئی مسلمان اسے قتل کر دے گا، پس ملکی مصلحت کا تقاضہ وہی ہے جو امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حدیث (۱): أبو جُحیفه کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ حضرات (آلِ رسول) کے پاس کوئی سفید میں سیاہ ہے؟ سفید سے مراد کاغذ ہے اور سیاہ سے مراد سیاہی ہے یعنی آپ حضرات کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جس میں وہ باتیں ہوں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں (یہ سوال اس لئے کیا گیا تھا کہ شیعوں اور رافضیوں نے پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ آنحضور ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص باتیں لکھوائی ہیں جو اوروں کو نہیں بتائیں) حضرت علیؓ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا (جب زمین میں دانہ ڈالتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پھاڑتے ہیں اور اس میں سے پودا نکلتا ہے) اور جس نے روح کو پیدا کیا میرے علم میں ایسی کوئی تحریر نہیں، سوائے اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن میں عطا فرماتے ہیں (یہ سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب آپ کے پاس کوئی خاص تحریر نہیں ہے تو آپؓ تقریر، سبق اور مجلس میں جو نہایت قیمتی باتیں بیان فرماتے ہیں وہ کہاں سے لاتے ہیں؟ اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو الگ فہم عطا فرمایا ہے، مجھے بھی اللہ نے خاص فہم دیا ہے، میں جب قرآن میں تدبر کرتا ہوں تو یہ لطائف اور نکتے منکشف ہوتے ہیں، اس لئے میری باتیں انوکھی ہوتی ہیں، پھر آپ نے ایک استثناء کیا) ہاں وہ تحریر جو اس صحیفہ میں ہے وہ میرے پاس خاص چیز ہے، میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا: اس میں دیت کے احکام ہیں اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے (جب حضرت علیؓ یمن گئے تھے تو حضور اقدس ﷺ نے ان کو زکوٰۃ کا نصاب لکھ کر دیا تھا وہ تحریر اور حضرات کے پاس بھی تھی لیکن حضرت علیؓ کے پاس جو تحریر تھی اس میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور احکام بھی تھے جو صرف حضرت علیؓ کے پاس تھے، راوی نے صرف انہی کو بیان کیا ہے)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے'' اور اسی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ: ''کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی آدھی ہے'' —— یہ مسئلہ باب ۱۲ میں گذر چکا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ذمی اور مسلمان کی دیت ایک ہے، اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عیسائی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم

(ثلث دیت) اور دوسرے کافروں کی دیت آٹھ سو درہم ہے (امام ترمذیؒ نے امام مالک کو امام شافعیؒ کے ساتھ رکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ امام احمدؒ کے ساتھ ہیں)

[١٦-] باب ماجاء لايُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

[١٣٩٧-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا مُطَرِّفٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، ثَنَا أَبُوْ جُحَيْفَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ عِنْدَكُم سَوْدَاءُ فِيْ بَيْضَاءَ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ! مَا عَلِمْتُهُ، إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيْهِ اللّٰهُ رَجُلاً فِيْ الْقُرْآنِ، وَمَا فِي الصَّحِيْفَةِ، قَالَ: قُلْتُ: وَمَا فِيْ الصَّحِيْفَةِ؟ قَالَ: فِيْهَا الْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الأَسِيْرِ، وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، وَحدِيثُ عَلِيٍّ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عَنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ قَالُوْا: لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْمُعَاهِدِ، وَالْقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ.

[١٣٩٨-] حدثنا عِيسَى بنُ أَحْمَدَ، ثَنَا ابنُ وَهْبٍ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ" وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " دِيَةُ عَقْلِ الْكَافِرِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُؤْمِنِ"

حديثُ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو فِيْ هٰذَا الْبَابِ حديثٌ حسنٌ ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ دِيَةِ الْيَهُوْدِيِّ، وَالنَّصْرَانِيِّ: فَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى مَا رُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ عُمَرُ بنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ: دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ، وَبِهٰذَا يَقُوْلُ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ، وَرُوِيَ عَنْ عمرَ بنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ أَرْبَعَةُ آلَافٍ، وَدِيَةُ الْمَجُوْسِيِّ ثَمَانُ مِائَةٍ، وَبِهٰذَا يَقُوْلُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: علماء کا یہودی اور نصرانی کی دیت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے اور عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے اور اسی کے امام احمد قائل ہیں اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے، اور اس کے مالک، شافعی اور اسحاق قائل ہیں۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں:

یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت ہے اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

بابُ ماجاء فی الرَّجُلِ یَقْتُلُ عَبْدَہٗ

اپنے غلام کو قتل کرنے والے کا حکم

تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کرے تو آقا کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ملکیت سے شبہ پیدا ہوتا ہے اور شبہ سے حد اٹھ جاتی ہے، البتہ انتظامی نقطۂ نظر سے جو سزا مناسب ہو وہ دی جاسکتی ہے حتی کہ قتل بھی کر سکتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اس کو قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کے ناک، کان کاٹے ہم اس کے ناک کان کاٹیں گے۔

تشریح: یہ ارشاد باب سیاست وتعزیر سے ہے یعنی آقا سے نہ نفس میں قصاص لیا جائے گا، نہ مادون النفس میں، مگر تعزیراً اس کو قتل کر سکتے ہیں، اور ناک کان کاٹ سکتے ہیں۔

فائدہ: اگر کوئی شخص غیر کے غلام کو قتل کرے تو کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بھی آزاد کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا، ان کا استدلال ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ کے مفہوم مخالف سے ہے یعنی آزاد کو آزاد کے بدلے میں قتل کیا جائے گا غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں، پس غیر کے غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کیا جائے گا۔

[۱۷-] باب ماجاء فی الرجل یقتل عبدہ

[۱۳۹۹-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غریبٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِيْنَ، مِنْهُمْ إِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ، إِلٰى هٰذَا؛ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، وَعَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ: لَيْسَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ قِصَاصٌ فِي النَّفْسِ وَلَا فِيْ مَادُوْنَ النَّفْسِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا قَتَلَ عَبْدَهُ لَا يُقْتَلُ بِهِ، وَإِذَا قَتَلَ عَبْدَ غَيْرِهِ قُتِلَ بِهِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ.

وضاحت: ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اپنے غلام کا بھی قصاص مولیٰ سے لیا جائے گا، نفس کا بھی اور مادون النفس کا بھی، انھوں نے یہ حدیث اسی پر محمول کی ہے اور جمہور کے نزدیک مطلقاً قصاص نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اپنے غلام

میں قصاص نہیں، غیر کے غلام میں ہے، ان حضرات نے یہ حدیث سیاست پر محمول کی ہے۔

بابُ ماجاء فِي الْمَرْأَةِ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

شوہر کی دیت سے عورت کو میراث ملے گی

مقتول کی دیت سے عورت کو میراث ملے گی یا نہیں؟ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ نہ ملے کیونکہ شوہر کے مرنے کے بعد دیت ثابت ہوتی ہے اور موت سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، پس نکاح ختم ہونے کے بعد دیت کا مال ملا ہے، اس لئے عورت کو میراث نہیں ملنی چاہئے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فتوی دیا تھا، لیکن اس میں دوسری جہت یہ ہے کہ عورت جب تک عدت میں رہتی ہے فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے، پس گویا دیت نکاح کے اندر ہی واجب ہوئی، اس لئے عورت کو میراث ملنی چاہئے، علاوہ ازیں دیت قُبیل الموت واجب ہوتی ہے، پس عورت وارث ہوگی اور اس کو بھی دیگر ورثاء کی طرح دیت میں سے حصہ ملے گا۔ اس سلسلہ میں مرفوع حدیث موجود ہے، اَشیم الضبابیؓ کا خطأً قتل ہوا تھا، نبی ﷺ نے خط لکھ کر اہل قبیلہ کو حکم دیا کہ مقتول کی بیوی کو بھی دیت میں سے حصہ دیا جائے، جب ضحاک بن سفیانؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

[۱۸-] باب ماجاء فی المرْأة تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

[۱۴۰۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وَأَبُوْ عَمَّارٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا: ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا، حَتَّى أَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَتَبَ إِلَيْهِ: "أَنْ وَرِّثِ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت عاقلہ پر ہے اور عورت کو اس کے شوہر کی دیت میں سے بطور میراث کچھ نہیں ملے گا، یہاں تک کہ سفیان بن الضحاک کلابیؓ نے ان کو اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ خط لکھا تھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے میراث دیں۔

بابُ ماجاء فی الْقِصَاصِ

دفاع میں قتل کیا یا زخمی کیا تو قصاص نہیں

یہ باب غیر واضح ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ کیا بیان کرنا چاہتے ہیں: واضح نہیں، پہلے حدیث پڑھیں:

حدیث: ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ کو منہ سے کاٹا اس نے ہاتھ چھڑانے کے لئے جھٹکا دیا جس سے کاٹنے والے کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے، پس وہ اپنا مقدمہ خدمت اقدس میں لے گیا (اور جس کے دانٹ ٹوٹے تھے اس نے قصاص کا مطالبہ کیا) نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے ایک اپنے بھائی کو کاٹتا ہے نر اونٹ کے کاٹنے کی طرح(۱) تیرے لئے کوئی دیت نہیں''، یعنی اس نے اپنا دفاع کیا ہے اور دفاع کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں، نہ قصاص نہ دیت۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حملہ آور کو قتل کردے یا زخمی کردے تو دفاع کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں، پھر اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس واقعہ میں آیتِ پاک: ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاص﴾ نازل ہوئی، یہ حدیث امام ابوداؤد کے علاوہ سبھی نے روایت کی ہے(۲) مگر یہ آخری ٹکڑا ترمذی کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں، اور یہ بے جوڑ بھی ہے، کیونکہ آیت میں زخموں میں قصاص کا ثبوت ہے اور حدیث میں نفی ہے، البتہ اگر یہ کہا جائے کہ زخموں میں قصاص اس وقت ہے جبکہ زخم بطور تعدی ہو، اگر بطور دفاع ہو تو کوئی قصاص نہیں: تو بات بن سکتی ہے۔

[۱۹-] باب ماجاء في القصاص

[۱۴۰۱-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيْسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ زُرَارَةَ بنَ أَوْفَى، يُحَدِّثُ عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلاً عَضَّ يَدَ رَجُلٍ، فَنَزَعَ يَدَهُ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ، فَاخْتَصَمَا إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: ''يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ! لَادِيَةَ لَكَ'' فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾

وفي الباب: عَنْ يَعْلَى بنِ أُمَيَّةَ، وَسَلَمَةَ بنِ أُمَيَّةَ، وَهُمَا أَخَوَانِ، وَحديثُ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الحَبْسِ وَالتُّهْمَةِ

حوالات اور تہمت کی سزا

اسلام میں جیل کی سزا نہیں، جرائم کی سزائیں ہاتھ کے ہاتھ چکا دی جاتی ہیں، البتہ حوالات (حراست) ہے یعنی کسی پر کوئی الزام ہو اور ابھی تحقیق جاری ہو تو دورانِ تحقیق حراست میں رکھا جاتا ہے تاکہ بھاگ نہ جائے۔ نبی ﷺ

(۱) اونٹ عجیب وغریب جانور ہے اس کی بردباری کا عالم یہ ہے کہ ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے ذرا چپڑ مچڑ نہیں کرتا، لیکن کینہ پرور بھی اتنا ہی ہے، اگر کسی کا دشمن ہو جائے تو اس کی کھوپڑی پکڑ کر اکھاڑ لیتا ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس کی مثال دی ہے۔ (۲) بخاری حدیث ۶۸۹۲ کتاب الدیات، باب ۱۸ مسلم شریف حدیث ۱۶۷۳

کے عہد مبارک میں ایک شخص پر تہمت تھی تو آپ نے اس کو روک لیا اور ستون وغیرہ سے باندھ دیا پھر تحقیق میں وہ بے قصور ثابت ہوا تو چھوڑ دیا۔

[۲۰-] باب ماجاء في الْحَبْسِ وَالتُّهْمَةِ

[۱۴۰۲-] حدثنا عَلِيُّ بنُ سَعِيْدٍ الْكِنْدِيُّ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ بَهْزِ بنِ حَكِيْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم حَبَسَ رَجُلاً فِي تُهْمَةٍ ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ؛ حديثُ بَهْزٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَى إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ بَهْزِ بنِ حَكِيْمٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ أَتَمَّ مِنْ هٰذَا وَأَطْوَلَ.

وضاحت: بہز بن حکیم کی سند میں بعض حضرات نے کلام کیا ہے، اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے، اور اسماعیل کی مفصل روایت مسند احمد (۲:۵) میں ہے۔

بابُ ماجاءَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ

جو مال کی حفاظت میں مارا جائے: شہید ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مال کے ورے (ادھر، اس طرف) قتل کیا گیا وہ شہید ہے''

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مالک: مال اور غاصب کے درمیان حائل ہے، اور حفاظت کر رہا ہے، پس اگر وہ مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو شہید ہے اور شہید کی تین قسمیں ہیں: یہ حکمی شہید ہے، تفصیل کتاب الجنائز (باب ۶۵) میں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حفاظتِ خودی میں مارا جائے، یا اپنے دین کی حفاظت میں لڑتے ہوئے مارا جائے یا اپنی فیملی کی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو یہ سب شہید حکمی ہیں، یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مال کی، ذات کی، دین کی اور اہل وعیال کی حفاظت کرنی چاہئے اور اس کے لئے لڑنا چاہئے، کتے کی موت نہیں مرنا چاہئے، پھر اگر کامیاب ہوا تو بامراد ہوا اور مارا گیا تو شہید ہوا، پس وہ بھی بامراد ہوا۔

[۲۱-] باب ماجاء مَنْ قتل دونَ مَالِهِ فَهُو شهيد

[۱۴۰۳-] حدثنا سَلَمَةُ بنُ شَبِيْبٍ، وَحَاتِمُ بنُ سِيَاهٍ الْمَرْوَزِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ عَوْفٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرِو بنِ

سَهْلٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ زَيْدِ بنِ عَمْرِو بنِ نُفَيْلٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٤٠٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنِ الْمُطَّلِبِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن الْحَسَنِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ مُحمدِ بنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ"

وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعِيْدِ بنِ زَيْدٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، حديثُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِىَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلرَّجُلِ أَنْ يُقَاتِلَ عَنْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ، وَقَالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: يُقَاتِلُ عَنْ مَالِهِ وَلَوْ دِرْهَمَيْنِ.

حدثنا هَارُوْنُ بنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، حدثنى مُحمدُ بنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ الْحَسَنِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بنُ مُحمدِ بنِ طَلْحَةَ، قَالَ سُفْيَانُ: وَأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْراً، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أُرِيْدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيْدٌ" هٰذَاحديثٌ صحيحٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ الْحَسَنِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ مُحمدِ بنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

[١٤٠٥-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنِيْ يَعْقُوْبُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ بنِ سَعْدٍ، ثَنَا أَبِيْ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بنِ مُحَمَّدِ بنِ عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ عَوْفٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ زَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ سَعْدٍ نَحْوَ هٰذَا، وَيَعْقُوْبُ: هُوَ ابنُ إِبْرَاهِيْمَ بنِ سَعْدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ.

عبارت: قال سفیان: حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: اور عبداللہ بن الحسن نے ابراہیم بن محمد کی تعریف کی یعنی ان کو ثقہ راوی قرار دیا، قال: ابراہیم کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عمرو سے سنا۔

وضاحت: حضرت ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی کے دو درہم غصب کرنا چاہے تو ان کو

بچانے کے لئے بھی لڑنا چاہئے، اس لئے کہ جو اپنے دو درہم نہیں بچا سکتا وہ دو لاکھ بھی نہیں بچا سکتا۔ آج کل ایک خوبصورت مگر احمقانہ نظریہ یہ چل پڑا ہے کہ دوکان اور جائداد کا انشورنش کرالیا جائے تاکہ فسادات میں نقصان نہ ہو، پھر جب فساد ہوتا ہے اور تخریب کار آتے ہیں تو مقابلہ کرنے کے بجائے گھر میں گھس کر بیٹھ جاتا ہے اور فسادی صرف دوکان ہی نہیں لوٹتے جلاتے بلکہ دوکاندار کو اور اس کی فیملی کو بھی ختم کردیتے ہیں تاکہ نہ انشورنش کا مطالبہ کرنے والا کوئی بچے نہ بازار میں مسلمانوں کی دوکانیں رہیں، اور جن لوگوں نے انشورنش نہیں کرایا وہ اپنی دوکانوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں، مارتے ہیں اور مرتے ہیں، پس جان لینا چاہئے کہ جو اپنی دوکان و مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے، اور گھر میں چھپ کر بیٹھ جانا بزدلی ہی نہیں غیرت وحمیت کے بھی خلاف ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي الْقَسَامَةِ

قسامہ (حلف برداری) کا بیان

قسامہ اور قسم مترادف الفاظ ہیں، دونوں کے معنی ہیں: حلف برداری، مگر قسامہ: خاص قسم کی حلف برداری کا نام ہے، مطلق قسم کھانا قسامہ نہیں ہے۔ جاننا چاہئے کہ اسلامی حکومت میں کوئی خون رائگاں نہیں جاتا، بہر صورت قاتل کا پتہ چلایا جاتا ہے، اگر کسی بھی صورت سے قاتل کا پتہ نہ چلے تو آخری صورت قسامہ ہے، یعنی جہاں لاش ملی ہے اور اس پر قتل کے آثار ہیں، قاتل کے ورثاء وہاں کے پچاس آدمیوں کا انتخاب کریں گے اور وہ سب قاضی کے سامنے اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ نہ انھوں نے قتل کیا نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں، کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں کوئی نہ کوئی قتل سے واقف ہوگا، پس وہ ضرور نشاندہی کرے گا، جھوٹی قسم نہیں کھائے گا، اور اگر سب قسمیں کھالیں تو بستی والوں پر دیت ڈال دی جائے گی۔

اور قسامہ سے فیصلہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ قتل کبھی مخفی جگہ میں یا تاریک رات میں ہوتا ہے جہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا، پس اگر مخفی قتل کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ گواہ نہیں، تو لوگ قتل پر جری ہو جائیں گے، اور اگر بے دلیل مقتول کے ورثاء کا دعوی مان لیا جائے گا تو ہر کوئی اپنے دشمن پر دعوی ٹھوک دے گا کہ اس نے قتل کیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ قسامہ سے فیصلہ کیا جائے۔

قسامہ کی علت: قسامہ کی علت میں اختلاف ہے یعنی کس صورت میں قسامہ ہوگا اور کس صورت میں نہیں ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے: احناف کے نزدیک اگر کوئی ایسی لاش ملی ہے جس پر زخم کا نشان ہے یا اس کو پیٹا گیا ہے یا گلا گھونٹا گیا ہے اور وہ لاش ایسی جگہ ملی ہے جو کسی قوم کی حفاظت میں ہے جیسے محلّہ میں یا مسجد میں یا کسی گھر میں

ملی ہے یا بستی سے اتنی قریب ملی ہے کہ فریاد کرنے والے کی آواز لوگوں تک پہنچ سکتی ہے تو قسمیں کھلائی جائیں گی اور اگر لاش پر کوئی نشان نہیں اور ڈاکٹری رپورٹ بھی طبعی موت کی ہے یا گاؤں سے بہت دور ویرانہ میں لاش ملی ہے تو قسامہ نہیں، احناف نے یہ علت باب کی حدیث سے سمجھی ہے، یہ واقعہ زمانۂ اسلام کا ہے، اس لئے اس سے علت اخذ کرنا اولیٰ ہے۔

اور شوافع وغیرہ کے نزدیک: اگر کوئی شخص مقتول پایا گیا اور کسی شخص پر شبہ ہے کہ اس نے قتل کیا ہے اور یہ شبہ یا تو مقتول کے نزعی بیان سے پیدا ہوا ہو یا ناتمام شہادت (ایک شخص کی گواہی) سے یا اس قسم کی کسی اور بات سے پیدا ہوا ہو، مثلاً قتل کی جگہ سے ایک شخص خون آلود خنجر لے کر بھاگا تو قسامہ ہوگا، اور اگر کسی پر شبہ نہیں تو قسامہ نہیں ہوگا۔ ان حضرات نے یہ علت ابو طالب کے فیصلے سے اخذ کی ہے، اس واقعہ میں ایک شخص نے خبر دی تھی جس سے شبہ پیدا ہوا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہاشمی کو قریش کی ایک دوسری شاخ کے آدمی نے مزدور رکھا اور سفر میں لے گیا، مزدور نے اونٹ کے پیر باندھنے کی رسی ایک دوسرے ہاشمی کو دیدی، اس پر مزدور رکھنے والے نے اس کو قتل کر دیا اور معاملہ چھپا دیا، مگر مرنے والے نے ایک یمنی کو وصیت کی کہ وہ اس قتل کی خبر ابو طالب کو پہنچائے، جب ابو طالب کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قاتل کے پاس گئے اور کہا: تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو: یا تو دیت کے سو اونٹ ادا کرو، اس لئے کہ تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے یا تمہاری قوم کے پچاس آدمی قسمیں کھائیں کہ تم نے اس کو قتل نہیں کیا، یا ہم تمہیں مقتول کے بدلے میں قتل کریں گے، اس نے اپنی قوم سے مشورہ کیا، اس کی قوم قسمیں کھانے کے لئے تیار ہوگئی مگر ایک عورت نے اپنے لڑکے کے لئے ابو طالب سے معافی لے لی اور ایک شخص نے قسم کے بدل دو اونٹ دیدیئے، باقی اڑتالیس نے جھوٹی قسمیں کھالیں، ابن عباسؓ قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ سال پورا نہیں ہوا تھا کہ سب کے سب مر گئے (بخاری حدیث ۳۸۴۵)

حدیث: عبد اللہ بن سہل اور ان کے چچازاد بھائی مُحَیِّصة بن مسعود خیبر گئے، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے، وہاں پہنچ کر دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور اپنی اپنی جائدادیں دیکھنے چلے گئے، پھر جب محیصہ: عبد اللہ کے پاس پہنچے تو وہ مرے ہوئے تھے اور خون میں لتھڑے ہوئے تھے، پس وہ اور ان کے بھائی حویّصہ اور مقتول کا بھائی عبد الرحمٰن خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، مقتول کا بھائی عبد الرحمٰن تینوں میں کم عمر تھا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بات کرنی چاہی مگر وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا اس لئے نبی ﷺ نے خوبصورت طریقہ سے اس کو روک دیا، فرمایا: بڑے کو بولنے کا موقع دو، چنانچہ وہ خاموش ہو گیا اور اس کے چچازاد بھائیوں نے بات شروع کی، پھر اس نے بھی ان دونوں کے ساتھ بات کی، یعنی بیچ بیچ میں وہ بھی بولتا رہا، انھوں نے نبی ﷺ سے عبد اللہ بن سہلؓ کے قتل کا واقعہ بیان کیا (اور جس یہودی کے پاس ان کی زمین تھی اس پر شک ظاہر کیا) آپؐ نے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھانے کو

تیار ہو جس کے نتیجہ میں تم اپنے صاحب کے یا فرمایا اپنے قاتل کے مستحق بن جاؤ؟ انھوں نے کہا: جب ہم وہاں موجود نہیں تھے اور ہم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تو ہم قسمیں کیسے کھائیں؟ آپؐ نے فرمایا: پس یہود پچاس قسمیں کھا کر تمہارے مطالبہ سے سبکدوش ہو جائیں گے، ان لوگوں نے کہا: ہم ان سے قسمیں کیسے لیں وہ تو کفار ہیں؟ پس جب آپؐ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو عبداللہ کی دیت اپنے پاس سے ادا فرمائی، اور معاملہ ختم کر دیا۔

تشریح: باب قسامہ میں تین مسئلوں میں اختلاف ہے:

پہلا مسئلہ: قسامہ کے لئے لَوث (کسی بات کا غیر واضح ثبوت، شبہ) ضروری ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں، صرف اتنی بات ضروری ہے کہ موت حادثاتی ہو طبعی نہ ہو، معین شخص یا معین لوگوں پر شبہ ہونا ضروری نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قسمیں لینے کے لئے لوث ضروری ہے یعنی کسی معین شخص پر یا معین لوگوں پر شبہ ہو کہ انھوں نے قتل کیا ہے تب ان سے قسمیں لی جائیں گی۔

دوسرا مسئلہ: قسامہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ کے نزدیک قصاص ثابت ہوتا ہے، جب مقتول کے ورثاء کسی معین آدمی کے بارے میں پچاس قسمیں کھائیں کہ اس نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا اور باقی تمام فقہاء کے نزدیک قسامہ سے قصاص ثابت نہیں ہو سکتا، اس سے دیت ہی ثابت ہوتی ہے۔

تیسرا مسئلہ: قسامہ میں پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک مقتول کے ورثاء پر قسمیں نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے اگر وہ کسی معین آدمی کے بارے میں عمداً قتل کرنے کی پچاس قسمیں کھالیں تو دیت مغلظہ واجب ہوگی، اور قتل خطا کی قسمیں کھائیں تو دیت مخففہ واجب ہوگی، اور اگر مقتول کے ورثا قسمیں کھانے سے انکار کریں تو مدعیٰ علیہ یا جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ پچاس قسمیں کھائیں گے اور ان پر دیت مخففہ واجب ہوگی۔

[۲۲-] باب ماجاء في القَسَامَةِ

[۱٤۰٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ بَشِيْرِ بنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ أَبِيْ حَثْمَةَ، قَالَ: قَالَ يَحْيىَ: وَحَسِبْتُ عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، أَنَّهُمَا قَالاَ: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بنُ سَهْلِ بنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةُ بنُ مَسْعُوْدِ بنِ زَيْدٍ، حَتّٰى إِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِيْ بَعْضِ مَا هُنَاكَ، ثُمَّ إِنَّ مُحَيِّصَةَ وَجَدَ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ سَهْلٍ قَتِيْلاً: قَدْ قُتِلَ [فَدَفَنَهُ، ثُمَّ] أَقْبَلَ إِلَى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، هُوَ، وَحُوَيِّصَةُ بنُ مَسْعُوْدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ سَهْلٍ، وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ: ذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ، قَالَ لَهُ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "كَبِّرِ الْكُبْرَ" فَصَمَتَ، وَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ،

ثُمَّ تَكَلَّمَ مَعَهُمَا، فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَقْتَلَ عَبْدِ اللهِ بنِ سَهْلٍ، فَقَالَ لَهُمْ: "أَتَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا فَتَسْتَحِقُّوْنَ صَاحِبَكُمْ أَوْ: قَاتِلَكُمْ؟" قَالُوْا: كَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ؟ قَالَ: "فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُوْدُ بِخَمْسِيْنَ يَمِيْنًا؟" قَالُوْا: وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَى عَقْلَهُ.

حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلاَّلُ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ أَبِيْ حَثْمَةَ، وَرَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيْثِ بِمَعْنَاهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْقَسَامَةِ، وَقَدْ رَأَى بَعْضُ فُقَهَاءِ الْمَدِيْنَةِ الْقَوَدَ بِالْقَسَامَةِ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهِمْ: إِنَّ الْقَسَامَةَ لاَ تُوْجِبُ الْقَوَدَ، وَإِنَّمَا تُوْجِبُ الدِّيَةَ.

ترجمہ: اس حدیث پر باب قسامہ میں علماء کا عمل ہے اور بعض فقہائے مدینہ قسامت کی وجہ سے قصاص کے قائل ہیں (حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک قسامہ سے دیت واجب ہوتی ہے اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصاص واجب ہوتا ہے) اور کوفہ وغیرہ کے بعض اہل علم کہتے ہیں: قسامہ قصاص کو واجب نہیں کرتا صرف دیت کو واجب کرتا ہے۔

نوٹ: کھڑی قوسین کے درمیان کی عبارت مصری نسخہ سے بڑھائی ہے۔

﴿الحمدللہ! ابواب الدیات کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی!﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الْحُدُوْدِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

شرعی سزاؤں کا بیان

بابُ ماجاءَ فی مَنْ لَایَجِبُ عَلَیْهِ الْحَدُّ

حد کس پر واجب نہیں

حدود: حَدّ کی جمع ہے، اور حدود وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، اس میں کسی کو کسی طرح کی تبدیلی کا حق نہیں اور ایسی سزائیں صرف چار ہیں: ان میں سے تین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور ایک کا حدیث میں ہے: پہلی: زنا کی سزا ہے۔ اگر زانی غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑوں کی سزا ہے اور یہ سزا قرآن میں مذکور ہے، اور شادی شدہ کی سزا سنگساری ہے یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور تھی، مگر بعد میں آیت منسوخ کردی گئی اور حکم باقی رکھا گیا، اب اس کا ذکر حدیث میں ہے۔ دوسری: چوری کی سزا ہے۔ اور وہ ہاتھ کاٹنا ہے اور یہ سزا بھی قرآن میں مذکور ہے۔ تیسری: حد قذف ہے یعنی تہمت لگانے کی سزا اور وہ اسّی کوڑے ہیں اور اس کا تذکرہ بھی قرآن میں ہے۔ چوتھی: شراب پینے کی سزا ہے۔ اس کا تذکرہ حدیثوں میں ہے، قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، قاضی انتظامی نقطۂ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے اور بالکل معاف بھی کرسکتا ہے۔ قرآن وحدیث نے ان جرائم کی سزائیں مقرر نہیں کی ہیں، البتہ حدیثوں میں راہنمائی ہے کہ کس طرح کی سزائیں دینی چاہئیں، پھر فقہاء نے احادیث کی روشنی میں بہت سے جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں، اسی طرح آج کل پارلیمنٹ بھی جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے سزائیں مقرر کرسکتی ہے، قاضی وہ سزائیں بھی دے سکتا ہے مگر شرعاً وہ ان کا پابند نہیں وہ ان کے علاوہ بھی سزا دے سکتا ہے اور سزاؤں میں تخفیف وتشدید بھی کرسکتا ہے۔

آج ساری دنیا نے جو شور مچا رکھا ہے کہ اسلام میں بربریت ہے اور وحشت ناک سزائیں ہیں وہ صرف مذکورہ بالا چار سزائیں ہیں اور یہ واویلا صرف کافر نہیں مچاتے بلکہ ان سے زیادہ اسلامی ملکوں میں جو دانشور ہیں: وہ مچاتے ہیں، وہ شرعی سزائیں نافذ نہیں ہونے دیتے کیونکہ یہی دانشوران چار گناہوں میں سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں، شراب وہ پیتے ہیں، زنا وہ کرتے ہیں، سب سے زیادہ تہمتیں وہ لگاتے ہیں اور چوری تو ایسی کرتے ہیں کہ ملک کے سارے چوران کے پاسنگ کو نہیں پہنچ سکتے، اس لئے ان کو ڈر ہے کہ اگر اسلامی سزائیں نافذ ہوگئیں تو سب سے پہلے ان کی گردن نپے گی، آنرا کہ حساب بے باک است از کسے چہ باک! جس کا حساب صاف ہو اس کو کسی سے کیا ڈرنا! ان کا حساب چونکہ صاف نہیں اس لئے وہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ سزا سے بہتر سزا کا ہوا ہے، مذکورہ بالا سزائیں صرف ہوا ہیں ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے مگر ان کے ڈر سے آدمی سہار رہتا ہے، کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا، پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے مثلاً: سنگساری: حد درجہ کی بھیانک سزا ہے مگر اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے، زنا کے ثبوت کے لئے چار عینی، دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس طرح زنا ہوتے دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی برسر عام زنا نہیں کرتا، جو زنا کرتا ہے چھپ کر کرتا ہے، پس آسانی سے اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا، مشکل ہی سے کسی زنا کا ثبوت ہوجاتا ہے، اور حد زنا جاری کرنے کی نوبت آتی ہے، اگر آپ سعودیہ میں جو قتل اور زنا وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اور یوروپ، امریکہ اور برطانیہ میں جو جرائم ہوتے ہیں ان کا تناسب دیکھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں! سعودیہ میں یہ گناہ ایک دو فیصد بھی نہیں ہوتے اور یوروپ وغیرہ میں ان جرائم کی کوئی حد ہی نہیں حالانکہ سعودیہ میں سب اولیاء اللہ نہیں بستے، ان کے بھی نفس ہیں، ان کے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے مگر ان سزاؤں کا ہوا ایسا سوار ہے کہ کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ غرض مذکورہ بالا سزائیں وحشت ناک ضرور ہیں مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت شاذ ونادر ہی آتی ہے، کیونکہ ان کا ہوا ہی جرائم سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی وہ مکلّف نہیں: سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے اور پاگل سے یہاں تک کہ اس کو عقل آجائے''

تشریح: مذکورہ لوگ اگر کسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان پر حد واجب نہیں، وہ مرفوع القلم ہیں، البتہ اگر بچہ سمجھ دار ہے اور وہ کوئی جرم کرے تو اگرچہ حد واجب نہیں مگر جرم کے مناسب قاضی اس کو سزا دے گا، جیسے بچہ پر نماز اور روزہ فرض نہیں مگر تمرین ومشق کے لئے نابالغی ہی میں نماز اور روزے شروع کرادیئے جاتے ہیں، اسی طرح بچہ پر حد تو نہیں مگر تنبیہ کے طور پر قاضی اس کو بھی کوئی مناسب سزا دے گا اسی طرح نیند میں کوتاہی نہیں ہے مگر نماز کے وقت اس کو بھی اٹھایا جائے گا۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہتے تھے اور کوفہ اور بصرہ کے درمیان تقریباً پینتالیس پچاس میل کا فاصلہ ہے، ان کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہے یا نہیں؟ اور حضرت علیؓ سے سماع ہے یا نہیں؟ امام ترمذیؒ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے وہ فرماتے ہیں: حضرت حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے سماع ہے یا نہیں: ہم یہ بات نہیں جانتے —— مگر کتب خانہ میں ایک کتاب ہے: فخر الحسن یعنی حضرت حسن بصریؒ کے فضائل اس میں اس سلسلہ کی مفصل بحث ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لقاء وسماع ہے، اور اس کی تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ تصوف کے تمام سلسلے ایک سلسلہ کے علاوہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے سب سلسلے حضرت خواجہ حسن بصری کے واسطہ سے حضرت علیؓ تک پہنچتے ہیں پس اگر ان کا حضرت علیؓ سے سماع ثابت نہ ہو تو تصوف کے سارے سلسلے بوگس ہوکر رہ جائیں گے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الحدودِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء فيمن لَايَجِبُ عَلَيْهِ الْحدُّ

[١٤٠٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ القُطَعِيُّ، ثَنَا بِشْرُ بنُ عُمَرَ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَشِبَّ، وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتَّى يَعْقِلَ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، حديثُ عَلِيٍّ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِىَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَلِيٍّ، وَذَكَرَ بَعْضُهُمْ: "وَعَنِ الْغُلَامِ حَتَّى يَحْتَلِمَ" وَلَا نَعرِفُ لِلْحَسَنِ سَمَاعًا مِنْ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ.

وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الْحديثُ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيْ ظَبْيَانَ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيْثِ، وَرَوَاهُ الأَعْمَشُ، عَنْ أَبِيْ ظَبْيَانَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوْفًا، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وَالْعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَأَبُوْ ظَبْيَانَ: اِسْمُهُ حُصَيْنُ بنُ جُنْدُبٍ.

وضاحت: وروا ہ الأعمش: ہندی نسخہ میں ورواه عن الأعمش ہے، یہ عن غلط ہے، مصری نسخہ سے تصحیح کی ہے اور حضرت علیؓ کی یہ موقوف روایت ابوداؤد (حدیث ۴۳۹۹ کتاب الحدود) میں ہے، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے۔

بابُ ماجاء فِيْ دَرْءِ الْحُدُوْدِ

حدود کو ہٹانے کا بیان

پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ حد شبہ کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہے اور شبہے تین ہیں: اول: شبہ فی الفعل: یعنی کوئی شخص بیوی کے شبہ میں کسی اجنبی عورت سے صحبت کرے تو یہ شبہ فی الفعل ہے۔ دوم: شبہ فی العقد: یعنی کوئی شخص محارم سے نکاح کر کے صحبت کرے تو یہ شبہ فی العقد ہے۔ سوم: شبہ فی المحل: یعنی مزنیہ میں حلت کا احتمال ہو، جیسے بیوی کی باندی سے صحبت کرنا شبہ فی المحل ہے، ان تین شبہوں سے حد ساقط ہوجاتی ہے مگر قاضی انتظامی نقطۂ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے گا دے گا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ، اگر مجرم کے لئے بچنے کی کوئی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرے''

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حدود کے مقدمہ میں اگر جرم کے ثبوت میں جھول ہو تو حد جاری نہیں کرنی چاہئے، البتہ دوسری کوئی سزا مناسب سمجھے وہ دے سکتا ہے۔

[۲-] باب ماجاء فی دَرْءِ الْحُدُوْدِ

[۱۴۰۸-] حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ الأَسْوَدِ، وَأَبُوْ عَمْرٍو الْبَصْرِيُّ قَالَا: ثَنَا مُحمدُ بنُ رَبِيْعَةَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " ادْرَءُوْا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ، فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِيءَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِيءَ فِي الْعُقُوْبَةِ"

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ زِيَادٍ نَحْوَ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ بنِ رَبِيْعَةَ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، حديثُ عائشة لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ رَبِيْعَةَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَاهُ وَكِيْعٌ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ زِيَادٍ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَرِوَايَةُ وَكِيْعٍ أَصَحُّ.

وَقَدْ رُوِیَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ رسولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم: أَنَّهُمْ قَالُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ. وَيَزِيْدُ بنُ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيُّ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيْثِ، وَيَزِيْدُ بنُ أَبِيْ زِيَادٍ الْكُوْفِيُّ أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَأَقْدَمُ.

وضاحت: امام ترمذیؒ نے وکیع رحمہ اللہ کی موقوف روایت کو ترجیح دی ہے مگر اس کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ ضعیف راوی تو یزید ہے اور وہ ان کی سند میں بھی موجود ہے ـــــ اور یزید دو ہیں: ایک ابن زیاد، یہ دمشقی ہیں اور ضعیف ہیں، دوسرے ابن ابی زیاد: یہ کوفی ہیں اور ثقہ ہیں اور ان کا زمانہ مقدم ہے۔

بابُ ماجاء في السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ

مسلمان کا عیب چھپانے کی فضیلت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی کوئی بے چینی دور کی تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی بڑی بے چینی دور فرمائیں گے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں رہتا ہے''

تشریح: یہ حدیث عام ہے، پس اس کی رو سے اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو مذکورہ چار گناہوں میں مبتلا دیکھے تو اس کے عیب پر پردہ ڈالے، قاضی کے پاس جا کر گواہی نہ دے، ان روایات میں غور کرنے سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ حدود کا ثبوت کتنا مشکل ہے؟ آئندہ بھی روایات آرہی ہیں کہ ایک شخص نے کسی جرم کا ارتکاب کیا، پھر پشیمان ہوا اور اپنے گناہ کا اعتراف کرنا چاہا اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا تو دونوں نے اس کو جرم کا اعتراف کرنے سے روک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ قاضی کے پاس جا کر اپنے گناہ کا اعتراف نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور سچی توبہ کرے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھے تو مستحب یہ ہے کہ اس کے خلاف گواہی نہ دے بلکہ اس کے عیب کی پردہ پوشی کرے، ان حالات میں حدود کا ثبوت کتنا مشکل ہو جاتا ہے اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے، اسی لئے میں نے پہلے یہ بات کہی ہے کہ مذکورہ چاروں سزائیں صرف ہوا ہیں ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، پس ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو دشمن کے ہاتھ میں پھنساتا ہے، اور جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی بے چینی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی آخرت کی بے چینی دور فرمائیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب کی پردہ پوشی فرمائیں گے''

فائدہ: ایک جملہ حدیث کے طور پر زبان زد ہے: من کان للہ کان اللہ له: اور اسی سے بعض حضرات اپنے نام کے ساتھ کان اللہ له لکھتے ہیں مگر ایک مرتبہ میں نے یہ حدیث بہت ڈھونڈھی تھی مگر مجھے اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں ملی، بلکہ حدیث یہ ہے: مَنْ کان فی حاجة أخیه کان اللہ فی حاجته اور مذکورہ جملہ کا بھی یہی مطلب ہے۔

[۳-] باب ماجاء فی السَّتْرِ علی المسلم

[۱۴۰۹-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم: "مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِیْ الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَاکَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ أَخِیْهِ"

وفی الباب: عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وابنِ عُمَرَ، حدیثُ أَبِیْ هُرَیْرَةَ هٰکَذَا رَوَی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوَ رِوَایَةِ أَبِیْ عَوَانَةَ.

وَرَوَی أَسْبَاطُ بنُ مُحمدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حُدِّثْتُ عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوَهُ، حدثنا بِذٰلِكَ عُبَیْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنِ مُحمدٍ، قَالَ: حدثنی أَبِیْ، عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْحدیثِ.

[۱۴۱۰-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِیْهِ أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ: " اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُهُ، وَلَا یُسْلِمُهُ، وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ أَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ مِنْ حَدِیْثِ ابنِ عُمَرَ.

لغت: نَفَّسَ عنه کُرْبَتَه: غم و تکلیف دور کرنا، دل کو تسلی اور سکون بخشنا..... فَرَّجَ الشیئَ: کشادہ کرنا یعنی دل خوش کرنا، پس دونوں فعل ہم معنی ہیں ـــــ اسباط بن محمد کی سند میں امام اعمش اور ابوصالح کے درمیان مجہول واسطہ ہے۔

بابُ ماجاء فی التَّلْقِیْنِ فِی الْحَدِّ

زنا کے اقرار کی تلقین کرنا

اس باب کا مطلب یہ ہے کہ قاضی مجرم کو تلقین کرے کہ وہ جرم زنا کا اعتراف کرے تاکہ دنیا ہی میں معاملہ صاف ہوجائے مگر احادیث میں ایسا کوئی حکم نہیں، ابھی یہ بات ذکر کی ہے کہ حضرات شیخینؓ نے ایک شخص کو جواپنے

جرم کا اعتراف کرنا چاہتا تھا روک دیا تھا کہ وہ اقرار نہ کرے بلکہ توبہ کرے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ سے یہ تسامح باب میں جو حدیث ہے اس کی وجہ سے ہوا ہے، یہ حدیث مختصر ہونے کی وجہ سے بات بگڑ گئی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ماعز! تیرے بارے میں مجھے جو بات پہنچی ہے وہ صحیح ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو میرے بارے میں کیا بات پہنچی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو نے فلاں خاندان کی باندی سے زنا کیا ہے؟ پس انھوں نے اقرار کیا، پھر چار مرتبہ گواہی دی یعنی چار مرتبہ اقرار کیا، پس نبی ﷺ نے حکم دیا چنانچہ وہ سنگسار کیے گئے ــــــ اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا یعنی جرم قبول کرنے کی تلقین کی، یہیں سے امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا ہے حالانکہ واقعہ کی صحیح نوعیت وہ ہے جو آئندہ باب میں آرہی ہے بلکہ قاضی کے لئے مستحب یہ ہے کہ زنا کا اقرار کرنے والے کو بھی رجوع کی تلقین کرے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں باب باندھا ہے۔

[٤-] باب ماجاء فی التلقین فی الحد

[١٤١١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ لِمَاعِزِ بنِ مَالِكٍ: "أَحَقٌّ مَا بَلَغَنِیْ عَنْكَ؟" قَالَ: مَابَلَغَكَ عَنِّیْ؟ قَالَ: "بَلَغَنِیْ أَنَّكَ وَقَعْتَ عَلٰی جَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ" قَالَ: نَعَمْ، فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ.

وفی الباب: عَنِ السَّائِبِ بنِ يَزِيْدَ، حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ، وَرَوٰی شُعْبَةُ هٰذَا الْحديثَ عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ مُرْسَلًا، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ.

وضاحت: یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور مسلم شریف (حدیث ۱۶۹۳) میں ہے، مگر ضروری نہیں کہ جو روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہو اس کا مضمون بھی صحیح ہو۔ اسی طرح اس کا برعکس ہے یعنی اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہو تو ضروری نہیں کہ اس کا مضمون بھی غلط ہو، بلکہ یہ بات باب کی جملہ روایات جمع کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے کہ واقعہ کی صحیح نوعیت کیا ہے۔ اور حضرت سائب کی حدیث کسی کتاب میں نہیں ملی۔

بابُ ماجاء فی دَرْءِ الْحَدِّ عَنِ الْمُعْتَرِفِ إِذَا رَجَعَ

زنا کا اقرار کرنے والا اگر رجوع کرلے تو حد ساقط ہوجاتی ہے

جرم کا اقرار کرنے سے جرم ثابت ہوجاتا ہے پس حد جاری ہوگی، پھر اگر معترف سزا سے پہلے یا سزا کے دوران اپنے قول سے رجوع کرلے اگرچہ رجوع فعلی ہو تو حد ساقط ہوجائے گی، اس لئے کہ جب مجرم کا اقرار معتبر ہے تو اس

کا رجوع بھی معتبر ہے، کیونکہ وہ بھی ایک اقرار ہے، البتہ اگر جرم گواہیوں سے ثابت ہوا ہو تو پھر لامحالہ حد جاری ہوگی۔ ہاں اگر گواہ اپنے قول سے رجوع کرلیں تو حد ساقط ہوجائے گی اور گواہوں کو حد قذف لگے گی۔

حدیث: قبیلہ اسلم کے ایک شخص حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک دوست ھَزَّال کی باندی سے زنا کیا، جب اس کی خبر ہزال کو ہوئی تو انھوں نے حضرت ماعزؓ سے کہا: تمھیں نبی ﷺ کے پاس جا کر اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہئے، اور جو سزا ملے اس کو سہنا چاہئے تاکہ دنیا ہی میں قصہ نمٹ جائے، اور آخرت میں اس کی کوئی سزا نہ ملے، حضرت ماعزؓ نے کہا: میں یہ بات کس منہ سے کہوں؟! آپؐ کیا خیال فرمائیں گے! ہزال برابر ان کی ذہن سازی کرتے رہے کہ کچھ بھی ہو تمیں زنا کا اقرار کرنا چاہئے، وہ ہمت کر کے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور زنا کی بات کہی تو نبی ﷺ نے ان سے منہ پھیرلیا، چنانچہ وہ لوٹ گئے، اور ہزال کو کوسا کہ مجھے رسوا کیا، مگر انھوں نے پھر اصرار کیا اور برابر پیچھے لگے رہے کہ دوبارہ جاؤ اور اقرار کرو، چنانچہ وہ پھر حاضر خدمت ہوئے اور زنا کا اقرار کیا، اب بھی آپؐ نے منہ پھیرلیا اور وہ لوٹ گئے، پھر ہزال ہی کے اصرار پر تیسری مرتبہ آئے اور اقرار کیا اب بھی آپؐ نے منہ پھیر لیا، پھر جب چوتھی مرتبہ حاضر ہو کر اقرار کیا تو آپؐ نے منہ نہیں پھیرا بلکہ پوچھا: تو پاگل تو نہیں! انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں باہوش ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تونے بوسہ لیا ہوگا؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آخر تک معاملہ کیا ہے، آپؐ نے فرمایا: تونے ہاتھ لگایا ہوگا؟ آپ اس کو ٹلانا چاہتے تھے مگر وہ اپنے اقرار پر مصر تھے، پس آپؐ نے حاضرین سے فرمایا: اس کا منہ سونگھو! اس نے پی تو نہیں رکھی؟ لوگوں نے منہ سونگھا اور عرض کیا: یہ مست نہیں ہے، پس آپؐ نے ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، جب ان کو سنگسار کیا جانے لگا تو جب تک طاقت رہی پتھر کھاتے رہے، مگر جب سکت نہ رہی تو بھاگے، لوگ پیچھے بھاگے، اتفاق سے ادھر سے ایک آدمی سنگسار کرنے ہی کے لئے آرہا تھا اور وہ اونٹ کا جبڑا لئے ہوئے تھا اس نے وہ جبڑا ان کو مارا تو وہ گر گئے پھر سب نے ان کو سنگسار کردیا، جب آنحضرت ﷺ کے سامنے اس کا ذکر آیا کہ وہ بھاگے تھے تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کے بندو! اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، کیونکہ بھاگنا فعلی رجوع تھا پس ان کو چھوڑ دینا چاہئے تھا، پھر جب آنحضور ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ ماعزؓ جو بار بار آکر اقرار کرتے تھے تو اس کے پیچھے ہزال کا ہاتھ تھا تو آپؐ نے ہزال سے فرمایا: ہزال! تم نے اچھا نہیں کیا، اگر تم ماعز کے معاملہ کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپالیتے تو بہتر ہوتا، پھر آپؐ نے ایک شخص کو سنا جو ماعزؓ کو برا بھلا کہہ رہا تھا، پس آپؐ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک گروہ پر بانٹ دی جائے تو سب کے لئے کافی ہوجائے (مشکوۃ حدیث ۳۵۶۲)

مذاہبِ فقہاء: اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک زانی چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار نہ کرے اس پر سزا جاری نہیں ہوگی۔ اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے، ان کا استدلال ایک مزدور کے واقعہ سے ہے، مزدور نے جس عورت سے زنا کیا تھا اس کے پاس نبی ﷺ نے

حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر وہ عورت اقرار کرے تو اس کو رجم کر دینا، آپؐ نے چار مرتبہ اقرار لینے کی قید نہیں لگائی تھی (تفصیل باب ۷ میں آرہی ہے)

[۵-] باب ماجاء فی دَرْءِ الْحَدِّ عن المُعْتَرِفِ إذا رَجَعَ

[۱۴۱۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، ثَنَا أَبُوْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ مَاعِزٌ الأَسْلَمِيُّ إِلٰى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ، فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَأَعْرَض عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! إِنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَأَمَرَ بِهِ فِي الرَّابِعَةِ، فَأُخْرِجَ إِلَى الْحَرَّةِ، فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ، فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ، حَتّٰى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيُ جَمَلٍ، فَضَرَبَهُ بِهِ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰى مَاتَ، فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ فَرَّ حِيْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ، فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

[۱۴۱۳-] وَرُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا: حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ اعْتَرَفَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، حَتّٰى شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَبِكَ جُنُوْنٌ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "أَحْصَنْتَ؟" قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فِي الْمُصَلّٰى، فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ، فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ، فَقَالَ لَهُ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَيْرًا، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْمُعْتَرِفَ بِالزِّنَا إِذَا أَقَرَّ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ: أُقِيْمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أَقَرَّ عَلٰى نَفْسِهِ مَرَّةً: أُقِيْمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ.

وَحُجَّةُ مَنْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ: حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ: أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلٰى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: يَارسولَ اللهِ! إِنَّ ابْنِيْ زَنٰى بِامْرَأَةِ هٰذَا، الْحديثَ بِطُوْلِهِ، وَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "اغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا" وَلَمْ يَقُلْ فَإِنِ اعْتَرَفَتْ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ.

وضاحت: چند وضاحتیں درج ذیل ہیں:

۱-حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے زنا کا اقرار کرتے وقت متکلم کی ضمیر استعمال کی ہوگی مگر راوی نے اس کو ضمیر غائب سے بدل دیا ہے کیونکہ بولنے کا یہی ادب ہے، بری بات حکایت کے طور پر بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرنی چاہئے۔

۲-اس حدیث سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ماعز اسلمیؓ نے ایک ہی مجلس میں چار الگ الگ جانبوں سے اعتراف کیا تھا مگر یہ روایت بالمعنی ہے واقعہ ایسا نہیں تھا واقعہ کی صحیح نوعیت وہ ہے جو میں نے بیان کی ہے۔

۳-فلمَّا وَجدَ مسَّ الحجارة: ترجمہ: جب انھوں نے پتھروں کی تکلیف پائی تو بھاگے اور تیز بھاگے، یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گذرے جس کے پاس اونٹ کا جبڑا تھا ——— فلما أَذْلَقَتْهُ الحجارةُ: ترجمہ: جب ان کو پتھروں نے لاغر کر دیا تو بھاگے پس پکڑے گئے اور رجم کئے گئے یہاں تک کہ مر گئے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کلمۂ خیر فرمایا، اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تا کہ لوگوں کو عبرت ہو ———

أَحْصَنْتَ: تیری شادی ہوگئی ہے؟

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے (وہ فرماتے ہیں) زنا کا اقرار کرنے والا جب اپنی ذات پر چار مرتبہ اقرار کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اور یہ احمد و اسحاق (اور امام اعظم) کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب زانی ایک مرتبہ اقرار کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اور یہ مالک و شافعی کا قول ہے، اور اس قول کے قائلین کی دلیل حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ دو شخصوں نے نبی ﷺ کے پاس جھگڑا کیا ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے نے اس کی عورت کے ساتھ زنا کیا، طویل حدیث پڑھیے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اے اُنیس! کل صبح آپ اس کی بیوی کے پاس جائیں اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کر دیں، آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر چار مرتبہ اقرار کرے، معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اقرار کرنے سے زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ تفصیل (باب ۷ میں) آرہی ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ أَنْ يَشْفَعَ فِيْ الْحُدُوْدِ

حدود میں سفارش کرنا جائز نہیں

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کی ایک شاخ بنو مخزوم کی ایک عورت نے قریش کو فکر مند بنا دیا، اس نے چوری کی تھی، قریش نے سوچا: ابھی ابھی مکہ فتح ہوا ہے جس سے ہماری ہیٹی ہو چکی ہے، اب اگر قریش کی عورت کا ہاتھ کٹا تو پوری قوم کی ناک کٹ جائے گی، چنانچہ انھوں نے مشورہ کیا کہ کس سے سفارش کرائی جائے؟ ان کو مشورہ دیا گیا کہ حضرت اسامہؓ جو آپؐ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کے صاحبزادے ہیں اور

آپؐ کے لئے بمنزلہ پوتے کے ہیں، وہی سفارش کر سکتے ہیں، وہ آپؐ کے محبوب ہیں، چنانچہ لوگوں نے ان کو تیار کیا اور انھوں نے سفارش کی، آپؐ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے ایک سزا کے بارے میں سفارش کرتے ہیں؟ پھر آپؐ نے تقریر فرمائی کہ گذشتہ امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو معاف کر دیتے اور کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، خدا کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (پناہ بخدا!) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدود اربعہ (چار سزائیں) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں ہیں، ان میں کسی طرح کی تبدیلی یا تخفیف کا حق کسی کو نہیں، ان میں کوئی سفارش بھی نہیں کی جا سکتی، نہ ان میں شریف غیر شریف، اور مالدار غریب کا فرق کیا جائے گا، یہ سزائیں سب پر یکساں جاری ہونگی۔

[٦-] باب ماجاء فی کراهية أَنْ يَشفَعَ فی الحدود

[١٤١٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّتْهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ، فَقَالُوْا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَقَالُوْا: مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ!" ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، قَالَ: "إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ مَنْ قَبْلَكُمْ: أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيْمُ اللّٰهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا"

وفی الباب: عَنْ مَسْعُوْدِ بنِ الْعَجْمَاءِ، وَيُقَالُ: ابنُ الأَعْجَمِ، وابنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ؛ حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: حِبّ: محبوب...... اخْتَطَبَ: خَطَبَ: تقریر فرمائی...... أَيْمُ الله: قسم بخدا!

بابُ ماجاء فی تَحْقِيْقِ الرَّجْمِ

رجم (سنگساری) کی سزا قطعی ہے

حَقَّقَ الْقَوْلَ: بات پکی کرنا، حَقَّقَ المسئلةَ: مسئلے کو دلیل سے ثابت کرنا، پکا کرنا، تحقیق الرجم: رجم (سنگساری) کو پکا کرنا یعنی دلیل سے ثابت کرنا چونکہ اس حکم کی آیت منسوخ کردی گئی ہے اس لئے کچھ لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ سنگساری کی سزا ختم کردی گئی ہے، صرف کوڑوں کی سزا باقی ہے، اس لئے یہ باب قائم کیا ہے

تا کہ دلیل سے ثابت کریں کہ یہ سزا باقی ہے۔

حدیث (۱): حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا (الحق: صفت موصوف کے قائم مقام ہے، تقدیر عبارت بالدین الحق ہے) اور آپؐ پر کتاب نازل فرمائی، پس آپؐ پر جو آیات اتاری گئیں ان میں آیتِ رجم بھی تھی، پس رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے رجم کیا اور مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز ہو جائے، پس کوئی کہنے والا کہے: ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے، پس وہ اُس فریضے کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، سنو! رجم اللہ کی کتاب (شریعت) میں برحق ہے اس شخص پر جس نے زنا کیا: جب وہ شادی شدہ ہو اور گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اقرار ہو''

تشریح:

۱- آیتِ رجم: جس کی تلاوت منسوخ کی گئی ہے اور حکم باقی ہے یہ ہے: الشیخُ والشیخةُ إذا زَنَیا فارجموهُمَا الْبَتَّةَ نکالاً مِنَ اللهِ، واللہ عزیز حکیم یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت: جب زنا کریں تو ان کو قطعی طور پر سنگسار کردو، اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی (فتح الباری ۱۲: ۱۴۳)

۲- قرآنِ کریم میں تین قسم کی آیتیں ہیں: اول: وہ آیات جن کی تلاوت بھی باقی ہے اور حکم بھی۔ دوم: وہ آیات جن کی صرف تلاوت باقی ہے، حکم منسوخ ہے۔ سوم: وہ آیات جن کا حکم باقی ہے اور تلاوت منسوخ ہے۔

اول الذکر سارا ہی قرآن ہے اور وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہے تقریباً بیس ہیں، اور وہ قرآن میں اس لئے باقی ہیں کہ بعض صورتوں میں اور بعض زمانوں میں وہ معمول بہ ہیں، مثلاً مؤلفۃ القلوب کا حکم منسوخ ہے، لیکن اگر آئندہ کبھی مسلمانوں کی حالت دور اول کے مسلمانوں جیسی ہو جائے تو یہ حکم لوٹ آئے گا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر میں ایسی تمام آیتوں کو جمع کیا ہے، اور شاہ صاحبؒ نے ان میں سے اکثر کا مطلب بیان کیا ہے، اور جو پانچ چھ آیتیں باقی رہ گئی ہیں جن کا حضرت نے مطلب بیان نہیں کیا، ان کا مطلب میں نے الفوز الکبیر کی عربی شرح العون الکبیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں فلاں فلاں مواقع کے لئے اور فلاں فلاں زمانوں میں معمول بہا ہیں، غرض قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو کسی بھی موقع اور کسی بھی زمانہ میں معمول بہ نہ ہو۔

اور وہ آیات جن کا حکم باقی ہے اور تلاوت منسوخ کی گئی ہے: یہی ایک آیت ہے، دوسری کوئی آیت میرے علم میں نہیں ہے، اور اس کی تلاوت اس لئے منسوخ کی گئی ہے کہ قرآن کتابِ دعوت بھی ہے، صرف کتابِ احکام نہیں اور جب یہ کتابِ دعوت ہے تو اس کو غیر مسلم بھی پڑھیں گے اور جب وہ اس آیت پر سے گذریں گے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، کیونکہ غیر مسلموں کے نزدیک زنا کوئی گناہ ہی نہیں، یوروپ وامریکہ کا حال تو اور بھی

ابتر ہے پس یہ لوگ اسلام سے قریب ہونے کے بجائے دور ہو جائیں گے، وہ خیال کریں گے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو فوراً گردن نپ جائے گی، حالانکہ اسلام سابقہ تمام گناہوں سے درگذر کرتا ہے، حدیث میں ہے: **الإسلام يهدم ماكان قبله**: اسلام سابقہ گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے، مگران کو یہ اندیشہ دامن گیر رہے گا کہ شاید ہم اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس گناہ سے نہ بچ سکیں، حالانکہ اسلام سے مکمل زندگی بدل جاتی ہے۔

غرض اس مصلحت سے حکمت بالغہ کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت باقی نہ رکھی جائے جو غیر مسلموں کے لئے قبول اسلام میں روڑا بنے اس لئے پہلے یہ آیت قرآن میں نازل کی گئی، پھر جب اس پر عمل شروع ہو گیا تو اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی (اس کی اور بھی تفصیل کرتا، مگر اب سالانہ قریب ہے اس لئے تفصیل کا وقت نہیں)

٣- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اس خدشہ کا بھی اظہار کیا ہے کہ جب زمانہ طویل ہو جائے گا تو کچھ لوگ اس وجہ سے کہ آیتِ رجم قرآن میں نہیں ہے: رجم کا انکار کریں گے، کیونکہ جو حکم طبیعتوں کے خلاف ہوتا ہے عام طور پر لوگ اس کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور طرح طرح کی باتیں چھانٹتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں واضح کر دیا ہے کہ قرآن کریم میں آیتِ رجم موجود تھی بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کی گئی ہے، لیکن حکم بحالہ باقی ہے، بلکہ حضرت عمرؓ نے قرآن کے آخر میں اس آیت کو لکھنے کا ارادہ بھی کیا تھا مگر پھر اندیشہ لاحق ہوا کہ لوگ کہیں گے: عمرؓ نے قرآن مجید میں اضافہ کر دیا، اس لئے ارادہ بدل دیا اور نہیں لکھا (قرآن کے آخر میں آج بھی دعائے ختم القرآن وغیرہ لکھی ہوئی ہیں، پس اگر حضرت عمرؓ یہ آیت لکھ دیتے تو کچھ آسمان ٹوٹ نہ پڑتا، مگر باتیں چھانٹنے والوں کی زبان کون پکڑتا، اس لئے اچھا ہوا حضرت نے نہ لکھا)

٤- زنا کا ثبوت یا تو چار عینی گواہوں سے ہوتا ہے یا چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کرنے سے، البتہ اگر زنا کا قرینہ موجود ہو تو ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی حد جاری کرنے کے لئے کافی ہے، مثلاً زانی یا زانیہ میں سے کسی ایک پر زنا کی سزا جاری ہو گئی ہو تو اب دوسرے کا ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے، یا مثلاً کوئی کنواری لڑکی حاملہ ہو تو یہ زنا کا واضح ثبوت ہے، پس جب وہ ایک مرتبہ اقرار کرے تو حد جاری کی جائے گی اب بار بار اقرار کی ضرورت نہیں، البتہ اس میں امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک کنواری کا حاملہ ہونا سزا کو قطعی کر دیتا ہے، خواہ وہ زنا کا اقرار کرے یا نہ کرے حد جاری کی جائے گی۔ اور حنفیہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار لینا اس لئے ضروری ہے کہ ممکن ہے اس کے ساتھ کسی نے جبراً زنا کیا ہو، اس صورت میں زانیہ پر حد نہیں آتی۔

حدیث (۲): حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا اور اگر میں اس کو ناپسند نہ کرتا کہ میں قرآن کریم میں زیادتی کروں تو میں آیت رجم کو مصحف میں لکھ دیتا (فتح الباری ۱۲: ۱۴۳ **کتاب الحدود** میں ہے: **لكتبتها فى آخر القرآن**) واقعہ یہ ہے کہ مجھے

اندیشہ ہے کہ بعد میں ایسے لوگ آئیں جو آیت رجم کو قرآن میں نہ پاکر اس کا انکار کردیں۔

[٧-] باب ماجاء في تحقيق الرجم

[١٤١٥-] حدثنا سَلَمَةُ بنُ شَبِيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، وَالْحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ قَالَ: إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، وَكَانَ فِيْمَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ، فَرَجَمَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، وَإِنِّيْ خَائِفٌ أَنْ يَطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ، فَيَقُوْلَ قَائِلٌ: لَانَجِدُ الرَّجْمَ فِيْ كِتَابِ اللهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ، أَلَا! وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَنَ، وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ حَمْلٌ، أَوِ الاعْتِرَافُ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٤١٦-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ يُوْسُفَ الْأَزْرَقُ، عَنْ دَاوُدَ بنِ أَبِيْ هِنْدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: رَجَمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَجَمَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَرَجَمْتُ، وَلَوْلَا أَنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ أَزِيْدَ فِيْ كِتَابِ اللهِ لَكَتَبْتُهُ فِي الْمُصْحَفِ، فَإِنِّيْ قَدْ خَشِيْتُ أَنْ يَجِيْءَ أَقْوَامٌ فَلَا يَجِدُوْنَهُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَكْفُرُوْنَ بِهِ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، حديثُ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُمَرَ.

بابُ ماجاء في الرَّجْمِ عَلَى الثَّيِّبِ

شادی شدہ کو رجم کرنے کا بیان

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ، زید بن خالد اور شبل (یہ صحابی نہیں) رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں موجود تھے: دو شخص اپنا مقدمہ لے کر آئے ان میں سے ایک نے کھڑے ہوکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں (جاننا چاہئے کہ کسی کے قسم دینے سے قسم نہیں ہوتی، البتہ جو اللہ کی قسم دے کر کوئی کام کرنے کو کہے اس کا کام ضرور کرنا چاہئے، جیسے اگر کوئی اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اس کی ضرور مدد کرنی چاہئے مگر پیشہ ور سائل اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ''اللہ کے لئے'' ان کا تکیہ کلام ہے) آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کریں، پس اس کے حریف نے جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا کہا: ہاں! اے اللہ کے رسول! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں اور آپ مجھے اجازت دیں: میں واقعہ عرض کروں: میرا بیٹا اس کے یہاں مزدوری کرتا تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا، اس لئے میں

نے سو بکریاں اور ایک غلام دے کر اس کی جان بچائی، پھر میری اہل علم سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لئے اس کو جلاوطن کیا جائے گا (کیونکہ وہ کنوارا ہے اور جلاوطنی حد میں شامل ہے یا تعزیر ہے؟ یہ مسئلہ آگے مستقل باب میں آرہا ہے) اور اس کی بیوی سنگسار کی جائے گی (کیونکہ وہ شادی شدہ ہے، پس میں نے اس سے اپنی بکریاں اور غلام واپس مانگا) نبی ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں ضرور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، تم نے جو سو بکریاں اور ایک غلام بہ طور فدیہ دیا ہے وہ تمہیں واپس کیا جاتا ہے، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا، اور کل صبح جاؤ انیس! اس کی بیوی کے پاس، پس اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کردو چنانچہ انیسؓ آئندہ صبح کو اس کی بیوی کے پاس گئے، پس اس نے اقرار کیا، پس اس کو رجم کردیا۔

تشریح: امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر زانی ایک بار بھی زنا کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اس کا چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری نہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت اُنیس سے مطلق فرمایا ہے کہ اگر وہ عورت زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کردو، یہ نہیں فرمایا تھا کہ چار مرتبہ اقرار لینا پھر رجم کرنا۔

مگر اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے کہ چار مرتبہ اقرار لینا ابتداءً ضروری ہے جہاں زنا کا کوئی قرینہ نہ ہو، اور یہاں چونکہ قرینہ موجود ہے، زانی پر حد زنا جاری کی جاچکی ہے پس زانیہ کا ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی کافی ہے، اب چار مرتبہ اقرار ضروری نہیں۔

[٨-] باب ماجاء في الرَّجْمِ على الثَّيِّبِ

[١٤١٧-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، وَغَيْرُ واحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا ابنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، سَمِعَهُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، وَشِبْلٍ، أَنَّهُمْ كَانُوْا عِنْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ، فَقَامَ إِلَيْهِ أَحَدُهُمَا، فَقَالَ: أَنْشُدُكَ اللّٰهَ يَارسولَ اللهِ! لَمَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَقَالَ خَصْمُهُ، وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ: أَجَلْ يَارسولَ اللّٰهِ! اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَأْذَنْ لِيْ فَأَتَكَلَّمَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عسِيفًا عَلَى هٰذَا، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، فَأَخْبَرُوْنِيْ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَفَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ، ثُمَّ لَقِيْتُ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَزَعَمُوْا أَنَّ عَلَى ابْنِيْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ، وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ: المِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ؛ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ! عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا " فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا.

حدثنا إسحاقُ بنُ مُوسَى الأَنْصارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثنَا مَالِكٌ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، بِإِسْنَادِهِ نَحْوَ حَدِيْثِ مَالِكٍ بِمَعْنَاهُ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ، وَعُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وَهَزَّالٍ، وَبُرَيْدَةَ، وَسَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ، وَأَبِيْ بَرْزَةَ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ.

حديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ حَديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهٰكَذَا رَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَمَعْمَرٌ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَاهُ بِهٰذَا الإِسْنَادِ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَاجْلِدُوْهَا، فَإِنْ زَنَتْ فِيْ الرَّابِعَةِ فَبِيْعُوْهَا، وَلَوْ بِضَفِيْرٍ"

وَرَوَى سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، وشِبْلٍ، قَالُوْا: كُنَّا عِنْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، هٰكَذَا رَوَى ابنُ عُيَيْنَةَ الْحَدِيْثَيْنِ جَمِيْعًا عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، وَشِبْلٍ.

وحديثُ ابنُ عُيَيْنَةَ وَهْمٌ، وَهِمَ فِيْهِ سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، أَدْخَلَ حِدِيْثًا فِيْ حَدِيثٍ، وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَى الزُّبَيْدِيُّ، وَيُوْنُسُ بنُ يَزِيْدَ، وابنُ أَخِيْ الزُّهْرِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ" وَالزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ شِبْلِ بنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَالِكٍ الْأَوْسِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ"

وَهٰذَا الصَّحِيْحُ عِنْدَ أَهْلِ الحِدِيْثِ، وَشِبْلُ بْنُ خَالِدٍ: لَمْ يُدْرِكِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، إِنَّمَا رَوَى شِبْلٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَالِكٍ الْأَوْسِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَهٰذَا الصَّحِيْحُ، وَحَدِيْثُ ابنِ عُيَيْنَةَ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: شِبْلُ بْنُ حَامِدٍ، وَهُوَ خَطَأٌ، إِنَّمَا هُوَ شِبْلُ بنُ خَالِدٍ، وَيُقَالُ أَيْضًا: شِبْلُ بنُ خُلَيْدٍ.

وضاحت: اس حدیث کوسفیان بن عیینہ نے اس طرح روایت کیا ہے: ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله عن أبي هريرة وزيد بن خالد وشبل تینوں کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک مقدمہ آیا الخ، یہ سفیان بن عیینہ کا وہم ہے، اور صحیح یہ ہے کہ عبید اللہ صرف حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد سے روایت کرتے ہیں، شبل سے روایت نہیں کرتے (کیونکہ شبل صحابی نہیں ہیں) چنانچہ امام مالکؒ اور معمر وغیرہ نے اسی طرح حدیث روایت کی ہے اور ان حضرات نے اسی سند سے ایک دوسری حدیث بھی روایت کی ہے، وہ یہ ہے کہ

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر باندی زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو (پھر زنا کرے تو کوڑے مارو، پھر زنا کرے تو کوڑے مارو) پھر اگر چوتھی مرتبہ زنا کرے تو اس کو بیچ دو، چاہے بالوں کی رسی کے بدل ہو یعنی نہایت سستی بکے تو بھی بیچ دو، اور زَبیدی اور یونس بن یزید وغیرہ نے بھی ابن شہاب زہری سے اسی طرح حدیث روایت کی ہے اور اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے: زہری روایت کرتے ہیں عبید اللہ سے، وہ شبل سے، وہ عبد اللہ بن مالک اوسی سے اور وہ نبی ﷺ سے، سفیان بن عیینہ نے ان دونوں سندوں کو خلط ملط کر دیا ہے اور شبل کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد کے ساتھ ملا دیا ہے حالانکہ شبل صحابی نہیں ہیں، اور دوسری غلطی انھوں نے یہ کی ہے کہ شبل کے باپ کا نام حامد بتایا ہے حالانکہ ان کے باپ کا نام خالد ہے اور ایک قول خلید کا ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ نے زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ کبھی باندی کی کسی سے دوستی ہو جاتی ہے اس لئے وہ بار بار زنا کا ارتکاب کرتی ہے، پس اس کو فروخت کر دینا بہتر ہے تاکہ وہ اپنے یار سے جدا ہو جائے اور وہ اس گناہ سے بچ جائے، پھر آقاؤں کی تربیت اور کنٹرول کا طریقہ بھی جدا ہوتا ہے، بعض آقا نرم طبیعت ہوتے ہیں وہ کنٹرول نہیں کر سکتے، پس ہو سکتا ہے کہ دوسرا آقا باندی کی اصلاح کر دے اور اس پر کنٹرول کر لے اس لئے نبی ﷺ نے اس کو فروخت کرنے کا حکم دیا، پس یہ بیچنا اپنی مصیبت دوسرے کے سر تھونپنا نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے مسئلہ لے لو، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ نکال دی ہے، اگر شادی شدہ: شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو، پھر سنگسار کر دو۔ اور جب غیر شادی شدہ: غیر شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے وطن سے دور بھیج دو''

تشریح:

۱- سورۂ نساء (آیت ۱۵) میں ارشاد پاک ہے: ''اگر کوئی عورت زنا کرے تو اس کو گھر میں نظر بند کر دو تا آنکہ وہ مرجائے یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راہ نکال دیں'' پھر جب سورۂ نور کی آیت ۲: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے راہ نکال دی، اب اگر کوئی عورت زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو اس کو سو کوڑے مار کر سنگسار کر دو اور کنواری ہو تو سو کوڑے مارے جائیں پھر وہ آزاد ہے، اب گھر میں بند رکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲- چاروں ائمہ متفق ہیں کہ شادی شدہ کی سزا صرف سنگساری ہے، سو کوڑے سزا میں داخل نہیں، وہ تعزیر ہیں، اور امام کی صوابدید پر موقوف ہیں (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۰۳ میں ہے) حنفیہ دوسری صورت میں بھی یہی کہتے ہیں کہ اصل سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلا وطنی تعزیر ہے، حد نہیں۔

[١٤١٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُوْرِ بنِ زَاذَانَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حِطَّانَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "خُذُوْا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا: الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ الرَّجْمُ، وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ، وَنَفْيُ سَنَةٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ عَلِيُّ بنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وَأُبَيُّ بنُ كَعْبٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ مَسْعُوْدٍ، وَغَيْرُهُمْ قَالُوْا: الثَّيِّبُ يُجْلَدُ وَيُرْجَمُ، وَإِلٰى هٰذَا ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ إِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَغَيْرُهُمَا: الثَّيِّبُ إِنَّمَا عَلَيْهِ الرَّجْمُ وَلَا يُجْلَدُ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلُ هٰذَا فِيْ غَيْرِ حَدِيْثٍ فِيْ قِصَّةِ مَاعِزٍ وَغَيْرِهِ: أَنَّهُ أَمَرَ بِالرَّجْمِ، وَلَمْ يَأْمُرْ أَنْ يُجْلَدَ قَبْلَ أَنْ يُرْجَمَ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض صحابہ کا عمل ہے، ان میں سے حضرات علی، ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں (حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں زنا کے ایک واقعہ میں زانیہ کو پہلے سو کوڑے مارے پھر اگلے دن اس کو رجم کیا) وہ کہتے ہیں: شادی شدہ کو کوڑے مارے جائیں اور رجم کیا جائے، اور اسی کی طرف بعض اہل علم گئے ہیں اور یہ اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض صحابہ مثلاً حضرات شیخین وغیرہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے اور درے نہ مارے جائیں، اور نبی ﷺ سے ماعز اسلمیؓ وغیرہ کے واقعہ میں یہی مروی ہے کہ آپؐ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا اور رجم کرنے سے پہلے درے مارنے کا حکم نہیں دیا، اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہی سفیان ثوری وغیرہ کا مذہب ہے۔

بابٌ منهُ

زنا سے حاملہ کو وضع حمل کے بعد سزا دی جائے

مصری نسخہ میں یہاں یہ باب ہے: باب تربُّصِ الرجم بالحُبلی حتی تضع اس باب میں جو حدیث ہے وہ روایت بالمعنی ہے اور مختصر ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے (جو یمن کی رہنے والی تھی) زنا کا ارتکاب کیا پھر اس کو ندامت ہوئی، وہ مدینہ منورہ آئی اور زنا کا اعتراف کیا۔ نبی ﷺ نے اس کو ٹلایا، وہ بار بار آئی اور چوتھی مرتبہ یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ مجھے ماعز کی طرح بار بار ٹلا رہے ہیں، میں تو زنا سے حاملہ ہوں، یعنی میرے زنا کا تو ثبوت بھی ہے، آپؐ نے فرمایا: پس ہم اس حال میں تجھ پر اللہ کا حکم جاری نہیں کر سکتے (اس طرح آپؐ

نے اس کو ایک بار اور ٹلا دیا) مگر جب بچہ پیدا ہوا تو پھر آئی آپؐ نے پھر اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابھی بچہ کو تیرے دودھ کی ضرورت ہے، وہ ایک سال کے بعد پھر اس حال میں آئی کہ بچہ اس کی گود میں تھا اور روٹی کھا رہا تھا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب اس کو ماں کے دودھ کی ضرورت نہیں رہی، آپؐ دیکھیں یہ روٹی کھا رہا ہے، تب آپؐ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، جب وہ سنگسار کی گئی تو آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ کے حکم سے یہ رجم کی گئی اور آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی! آپؐ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ کسی شہر کے ستر شخصوں پر پھیلادی جائے تو سب کی مغفرت ہو جائے، بتاؤ: اللہ کے لئے جان قربان کرنے سے بڑی بھی کوئی توبہ ہو سکتی ہے؟

[۹-] بابٌ منه

[۱۴۱۹-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ اعْتَرَفَتْ عِنْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِالزِّنَا، وَقَالَتْ: أَنَا حُبْلَى، فَدَعَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم وَلِيَّهَا فَقَالَ: "أَحْسِنْ إِلَيْهَا، فَإِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَأَخْبِرْنِيْ، فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِهَا فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِرَجْمِهَا، فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ: يَارسولَ اللهِ! رَجَمْتَهَا ثُمَّ تُصَلِّيْ عَلَيْهَا؟ فَقَالَ: "لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِّمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ؟" وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: شُدَّتْ عليها ثيابها: اس پر اس کے کپڑے باندھے گئے تاکہ رجم کرتے وقت بدن نہ کھل جائے ...... جَادَ به: سخاوت کرنا یعنی قربان کرنا۔

بابُ ماجاءَ فی رَجْمِ أَهْلِ الْكِتَابِ

اہل کتاب کو رجم کرنے کا بیان

رجم کے لئے احصان شرط ہے، اور احصان دو ہیں[1]: احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم میں

(۱) احصان کی دوقسمیں ہیں: احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم: یہ ہے کہ مرد اور عورت: دونوں عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں تو وہ مُحصِن (بکسر الصاد) اور مُحصَنہ (بفتح الصاد) ہیں۔ اور زنا میں ان کی سزا رجم ہے، اور احصان القذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عفیف (پاک دامن) ←

مسلمان ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کوئی غیر مسلم مرد وعورت زنا کریں اور ان کا مقدمہ اسلامی عدالت میں آئے تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو جنھوں نے زنا کیا تھا رجم کیا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک: احصان الرجم کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، پس غیر مسلموں کو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔

اور ائمہ ثلاثہ کا مذکورہ واقعہ سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ میں نبی ﷺ نے یہودی اور یہودیہ کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا پھر ان میں سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، کیونکہ وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور وضیع کو کچھ، یہ زانی اور زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا تو وہ یہ خیال کر کے کہ نبی ﷺ کی شریعت میں سہولت ہے: مقدمہ لے کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: ہماری شریعت میں زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا: تورات لاؤ، چنانچہ تورات لائی گئی اور عبداللہ بن صوریا نے پڑھنا شروع کیا وہ آیت رجم کو چھوڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ آیتِ رجم کیوں چھوڑی؟ اس نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کر دی ہے پس آپؐ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے مار دیا تھا'' اس واقعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اسلامی شریعت کے مطابق رجم نہیں کیا تھا پس اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال درست نہیں، بلکہ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے پرسنل لا کے مطابق سزا دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

[۱۰-] باب ماجاء في رجم أهل الكتاب

[۱٤۲۰-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُوْدِيًّا وَيَهُوْدِيَّةً، وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱٤۲۱-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا شَرِيْكٌ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُوْدِيًّا وَيَهُوْدِيَّةً.

وفي الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَالْبَرَاءِ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ بنِ جَزْءٍ،

← ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہو، ایسا مرد اور ایسی عورت جن پر الزام زنا لگایا گیا ہے باب قذف میں محصن اور محصنہ ہیں ایسے لوگوں پر اگر کوئی زنا کا الزام لگائے تو شرعی ثبوت پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی، اور اگر کوئی شخص پاگل، بچے، غلام، غیر مسلم یا غیر عفیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۳۱۲)

وابنِ عَبَّاسٍ، حديثُ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ.
وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا: إِذَا اخْتَصَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ، وَتَرَافَعُوْا إِلٰى حُكَّامِ الْمُسْلِمِيْنَ: حَكَمُوْا بَيْنَهُمْ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَبِأَحْكَامِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَايُقَامُ عَلَيْهِمُ الْحَدُّ فِي الزِّنَا، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ: اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب اہل کتاب باہم جھگڑا کریں اور مسلمان حکام کے پاس مقدمہ لائیں تو ان کے درمیان قرآن وسنت اور مسلمانوں کی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے (یہی ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: ان پر زنا کی سزا جاری نہیں کی جائے گی، اور پہلا قول اصح ہے (کیونکہ قلم حضرت کے ہاتھ میں ہے، جو چاہیں لکھیں!)

بابُ ماجاء في النَّفْيِ

جلاوطن کرنے کا بیان

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوڑے مارے اور جلاوطن کیا، اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں کوڑے مارے اور جلاوطن کیا۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سال بھر کے لئے جلاوطن کرنا کنوارے کی سزا کا جزء ہے، پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو بھی جلاوطن کیا جائے گا اور چونکہ مجلود کو مسافت سفر سے دور بھیجا جاتا ہے اور عورت کے لئے اتنا سفر تنہا کرنا جائز نہیں، پھر اس کی نگرانی کی بھی ضرورت ہے، اس لئے ولی بھی ساتھ جائے گا، اور احناف کے نزدیک جلاوطن کرنا تعزیر ہے، کنوارے کی سزا کا جز نہیں اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں جہاں ہر شخص سزا سے خائف ہوتا ہے، اگر کوئی زنا کرتا ہے تو وہ معاشقہ کے نتیجہ میں کرتا ہے، جب عشق ہوجاتا ہے تو آدمی اندھا ہوجاتا ہے، اس لئے اگر زانی اور زانیہ کو کوڑے مار کر وہیں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر زنا ہوگا، اس لئے مرد کو جلاوطن کرنا ضروری ہے، جب سال بھر تک عاشق ومعشوق جدا رہیں گے تو عشق کا بھوت اتر جائے گا، یہ جلاوطن کرنے کی حکمت ہے۔ اور یہ احناف کے نزدیک سیاست (حسن انتظام) ہے اگر قاضی مصلحت سمجھے تو جلاوطن کرے، ورنہ نہیں۔ غرض یہ کنوارے کی سزا کا جز نہیں اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص کو جلاوطن کیا، وہ عیسائی بن گیا اور روم چلا گیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''آئندہ میں کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا'' اگر یہ کنوارے کی سزا کا جز ہوتی تو حضرت عمرؓ یہ بات کیسے فرماتے؟ معلوم ہوا کہ یہ حد میں شامل نہیں، بلکہ سیاست وتعزیر ہے۔ واللہ اعلم

[۱۱-] باب ماجاء فی النَّفی

[۱۴۲۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، وَيَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ، قَالَا: ثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيْسَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وأَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ.

وفی الباب: عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، وَزَیْدِ بنِ خَالِدٍ، وَعُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، حدیثُ ابنِ عُمَرَ حدیثٌ غریبٌ، رَوَاهُ غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ إِدْرِیْسَ، فَرَفَعُوْهُ.

وَرَوَی بَعْضُهُمْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ إِدْرِیْسَ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ: حدثنا بِذٰلِكَ أَبُوْ سَعِیْدٍ الْأَشَجُّ، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ إِدْرِیْسَ، وَهٰكَذَا رُوِیَ هٰذَا الْحَدِیْثُ مِنْ غَیْرِ رِوَایَةِ ابنِ إِدْرِیْسَ، عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ نَحْوَ هٰذَا.

وَهٰكَذَا رَوَاهُ مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وَلَمْ یَذْكُرُوْا فِیْهِ عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

وَقَدْ صَحَّ عَنْ رسولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم النَّفْیُ: رَوَاهُ أَبُوْ هُرَیْرَةَ، وَزَیْدُ بنُ خَالِدٍ، وُعُبَادَةُ بنُ الصَّامِتِ، وَغَیْرُهُمْ عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، مِنْهُمْ أَبُوْ بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعَلِیٌّ، وَأُبَیُّ بنُ كَعْبٍ، وَعَبْدُ اللهِ بنُ مَسْعُوْدٍ، وأَبُوْ ذَرٍّ، وَغَیْرُهُمْ، وَكَذٰلِكَ رُوِیَ عَنْ غَیْرِ وَاحِدٍ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِیْنَ، وَهُوَ قَوْلُ سفْیَانَ الثَّوْرِیِّ، وَمَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وعَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِیِّ، وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے صرف غریب کہا ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن ادریس کے تلامذہ میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کے کوڑے مارنے کا اور جلاوطن کرنے کا تذکرہ ہے یا نہیں؟ ابوکریب اور یحیی اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور دوسرے تلامذہ مثلاً ابوسعید اشج اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اوران کی روایات کے لئے شاہد ہے اور وہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے پہلی سند پر صحت کا حکم نہیں لگایا، خیال رہے کہ نبی ﷺ کا جلاوطن کرنا ثابت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ اس کو روایت کرتے ہیں، مگر بحث یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں اس کا تذکرہ ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں۔

بابُ ماجاء أنَّ الْحُدُوْدَ كَفَّارَةٌ لِأَهْلِهَا

حدود گناہ گاروں کے لئے کفارہ ہیں

حدیث: حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا: آؤ! مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور چوری نہیں کرو گے اور زنا نہیں کرو گے، پھر آپؐ نے سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۰ تلاوت فرمائی، اس آیت میں جس بیعت کا تذکرہ ہے اس کا نام بیعت سلوک ہے اور وہ آیت اگرچہ عورتوں کے تعلق سے ہے مگر وہی حکم مردوں کے لئے بھی ہے، یہ حدیث اس کی دلیل ہے، البتہ اگر کوئی بات مردوں یا عورتوں کے ساتھ خاص ہو تو اس کا تذکرہ صرف ان کی بیعت میں کیا جائے گا، مثلاً: جس علاقہ میں بیعت لی جارہی ہے وہاں اغلام کی وباعام ہو تو مردوں کی بیعت میں اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

اسی طرح جہاں عورتیں میت پر نوحہ کرتی ہیں، وہاں ان کی بیعت میں یہ بات بھی بڑھائی جائے گی۔ اور بیعتِ سلوک نوافل اعمال کرنے کے لئے، گناہوں سے بچنے کے لئے اور جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے ہے، نجات اخروی کے لئے بیعت ضروری نہیں، تفصیل کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۴) میں گذر چکی ہے۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''پس جس نے بیعت کی شرطیں پوری کیں اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے یعنی قیامت کے دن اس کو اس کا اجر ملے گا، اور جس نے کسی شرط کی خلاف ورزی کی مثلاً چوری یا زنا وغیرہ کا ارتکاب کیا، پھر اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی گناہ کیا پس اللہ نے اس کے گناہ کو چھپا دیا اور اس کو دنیا میں ان گناہوں کی سزا نہیں ملی تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اگر اللہ چاہیں گے تو اس کو سزا دیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس کی بخشش فرمائیں گے۔

تشریح: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حدود کفارۂ سیئات ہیں یعنی حد جاری ہونے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا: اس مسئلہ میں کہ حدود گناہوں کے لئے کفارہ ہیں یہ حدیث سب سے عمدہ ہے۔ اور احناف کے نزدیک حدود درحقیقت زواجر ہیں یعنی جھڑکنے والی ہیں وہ گناہوں سے باز رکھتی ہیں، ان سے گناہ معاف نہیں ہوتے بلکہ دیگر کبائر کی طرح قولی یا فعلی توبہ ضروری ہے، قولی توبہ تو ظاہر ہے اور فعلی توبہ یہ ہے کہ آدمی زندگی کا ورق پلٹ دے یعنی برائی چھوڑ کر شریعت کی پابندی کرنے لگے۔

اور جب کسی پر حد جاری ہوتی ہے تو عادی مجرم کی بات تو الگ ہے مگر جس سے اتفاقاً گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے یعنی حدود کے ساتھ فعلی توبہ مل جاتی ہے اس اعتبار سے حدود کو گناہوں کے لئے کفارہ کہا گیا ہے ورنہ تمام کبائر کے لئے جو ضابطہ ہے وہی ضابطہ یہاں بھی ہے۔

[۱۲-] باب ماجاء أن الحدودَ كفارة لأهلها

[۱٤۲۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "تُبَايِعُوْنِّيْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ، وَلَا تُسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا: قَرَأَ عَلَيْهِمُ الآيَةَ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ عَلَيْهِ، فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ: إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَرِيْرِ بن عَبْدِ اللهِ، وَخُزَيْمَةَ بن ثَابِتٍ؛ حديثُ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَمْ أَسْمَعْ فِيْ هٰذَا الْبَابِ: أَنَّ الْحَدَّ يَكُوْنُ كَفَّارَةً لِأَهْلِهِ: شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأُحِبُّ لِمَنْ أَصَابَ ذَنْبًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ: أَنْ يَسْتُرَ عَلَى نَفْسِهِ، وَيَتُوْبَ فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ، وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ أَنَّهُمَا أَمَرَا رَجُلًا أَنْ يَسْتُرَ عَلَى نَفْسِهِ.

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں کہ حد گناہ کے لئے کفارہ ہے: میں نے اس سے عمدہ حدیث نہیں سنی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں اس شخص کے لئے جس سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے، پس اللہ اس کے گناہ کی پردہ پوشی فرماویں: یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے گناہ کو چھپائے یعنی قاضی کے پاس جاکر اعتراف نہ کرے اور اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان توبہ کرے، اسی طرح حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو گناہ چھپانے کا مشورہ دیا (یہ واقعہ امام محمد رحمہ اللہ نے موطا (ص:۳۱۰ باب الإقرار بالزناء) میں روایت کیا ہے)

بابُ ماجاء في إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى الإِمَاءِ

غلام باندیوں پر حد جاری کرنے کا بیان

مذاہبِ فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام باندی اگر زنا کریں تو وہ خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہے اور یہ مسئلہ سورۃ النساء آیت ۲۵ میں ہے۔ البتہ حد جاری کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے یا آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے اور حنفیہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں، صرف حاکم حد جاری کرسکتا ہے۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر میں فرمایا: لوگو! اپنے غلام باندیوں پر حد جاری کرو جو شادی شدہ

ہوں ان پر بھی اور جو کنوارے ہوں ان پر بھی، بیشک نبی ﷺ کی ایک باندی نے زنا کیا (یہ باندی سُرِّیہ نہیں تھی، یعنی آپؐ اس کو بیوی کے طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے) پس آپؐ نے مجھے کوڑے مارنے کا حکم دیا، میں کوڑے مارنے کی غرض سے اس کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ اس کو نفاس آرہا ہے یعنی اس نے ابھی بچہ جنا ہے، پس مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے اس کو کوڑے مارے تو وہ کہیں مر نہ جائے، اس لئے میں نے اس کو کوڑے نہیں مارے اور آنحضرت ﷺ سے یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کیا''

تشریح:

۱-اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ اپنے غلاموں پر حد جاری کرو، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حقیقت پر محمول ہے، پس مولیٰ خود اپنے غلام باندیوں کو حد مار سکتا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے غلام باندیوں پر حدیں جاری کراؤ، ان کے گناہ مت چھپاؤ، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے غلام یا باندی کو زنا کرتے دیکھتا ہے تو معاملہ دبا دیتا ہے کیونکہ اس میں مولیٰ کی بھی بدنامی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ایسا مت کرو بلکہ قاضی کو اس کی اطلاع دو اور شرعی شہادت سے ثابت کرو، اور ان پر حد جاری کراؤ، تاکہ وہ آئندہ اس گناہ سے باز رہیں۔

۲-اگر مجرم بیمار ہو یا اتنا کمزور ہو کہ کوڑے مارنے سے مر جائے گا تو اس کی سزا مؤخر کردی جائے گی تا آنکہ وہ تندرست ہو جائے اور کوڑوں کا تحمل کر سکے، کیونکہ کوڑے مارنے کا مقصد مار ڈالنا نہیں ہے، صرف تنبیہ مقصود ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو اس کو اللہ کی کتاب کے مطابق تین بار کوڑے مارو، پھر اگر چوتھی بار زنا کرے تو اس کو فروخت کر دو اگرچہ بالوں کی رسّی کے عوض ہو یعنی نہایت معمولی قیمت پر بکے تو بھی بیچ دو۔

تشریح: فروخت کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ یہ آقا اس پر کنٹرول نہیں کر سکتا، اس کو برائی سے روک نہیں سکتا، جب وہ دوسرے آقا کے پاس جائے گی تو وہ اس کو بالکل سیدھا کر دے گا۔

[۱۳-] باب ماجاء في إقامة الحدِّ على الإماءِ

[۱۴۲۴-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، ثَنَا زَائِدَةُ، عَنِ السُّدِّيِّ، عَنْ سَعْدِ بنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: خَطَبَ عَلِيٌّ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَقِيمُوا الْحُدُوْدَ عَلٰى أَرِقَّائِكُمْ، مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ، وَإِنَّ أَمَةً لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم زَنَتْ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا، فَأَتَيْتُهَا، فَإِذَا هِيَ حَدِيْثَةُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ، فَخَشِيْتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا، أَوْقَالَ: تَمُوْتَ، فَأَتَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: "أَحْسَنْتَ" هٰذَا

حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٤٢٥-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا أَبُوْ خَالِدِ الأَحْمَرُ، ثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُجْلِدْهَا ثَلَاثًا بِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ عَادَتْ فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعْرٍ"

وفي الباب: عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ، وَشِبْلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَالِكٍ الأَوْسِيِّ؛ حديثُ أَبِيْ هُرَيرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: رَأَوْا أَنْ يُقِيْمَ الرَّجُلُ الْحَدَّ عَلَى مَمْلُوْكِهِ دُوْنَ السُّلْطَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ؛ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَدْفَعُ إِلَى السُّلْطَانِ، وَلَايُقِيْمُ الْحَدَّ هُوَ بِنَفْسِهِ، وَالْقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: آدمی اپنے غلاموں کو حد مار سکتا ہے سلطان کے ورے یعنی خود حد جاری کرسکتا ہے اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: غلام باندیوں کو سلطان کے پاس لے جائے اور حد جاری کرائے، خود حد جاری نہیں کرسکتا، اور پہلا قول اصح ہے (کیونکہ قلم حضرت کے دستِ مبارک میں ہے!)

بابُ ماجاء فی حَدِّ السَّکْرَانِ

مست (مخمور) کی سزا کا بیان

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں شرابی کو سزا دینے کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص دونوں ہاتھوں میں دو چھڑیاں یا دو چپل لے کر ایک ساتھ چالیس مرتبہ مارتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا، پھر جب خرابی بڑھ گئی یعنی نئے ایمان لانے والوں میں شراب نوشی کا رجحان بڑھتا نظر آیا تو دورِ فاروقی میں اس سلسلہ میں مشورہ ہوا، اور دو باتیں سامنے آئیں: ایک: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن کریم میں جو سب سے ہلکی سزا ہے وہ دی جائے یعنی اسّی کوڑے مارے جائیں، کیونکہ شراب نوشی کی سزا قرآن کریم میں منصوص نہیں، پس اس کو منصوص سے بڑھانا نہیں چاہئے۔ دوسری بات: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ شرابی جب مخمور ہوتا ہے تو اول فول بکتا ہے اور کبھی تہمت لگانے کی بھی نوبت آتی ہے اس لئے اس کو اسّی کوڑے مارے جائیں، یہ دونوں مشورے ایک بات پر متفق تھے اس لئے شرابی کو اسّی کوڑے مارنے کی تجویز عمل میں آئی۔ اور دورِ فاروقی سے یہی سزا باجماع امت جاری ہے، اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا ذرا سا اختلاف ہے وہ

فرماتے ہیں: شراب نوشی کی اصل سزا تو چالیس کوڑے ہیں، باقی چالیس کوڑے تعزیر ہیں اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک اسّی کے اسّی حد ہیں ان میں کمی کرنا جائز نہیں۔

[١٤-] باب ماجاء في حَدِّ السَّكْرَان

[١٤٢٦-] حدثنا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، ثَنَا أَبِيْ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ زَيْدٍ الْعَمِّيِّ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيْقِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم ضَرَبَ الْحَدَّ بِنَعْلَيْنِ أَرْبَعِيْنَ، قَالَ مِسْعَرٌ: أَظُنُّهُ فِي الْخَمْرِ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَزْهَرَ، وَأَبِيْ هُرِيرةَ، وَالسَّائِبِ بنِ عَبَّاسٍ، وَعُتْبَةَ بنِ الْحَارِثِ؛ حديثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ حديثٌ حسنٌ، وَأَبُوْ الصِّدِّيْقِ النَّاجِيُّ: اسْمُهُ بَكْرُ بنُ عَمْرٍو.

[١٤٢٧-] حدثنا محمدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ بِجَرِيْدَتَيْنِ نَحْوَ الْأَرْبَعِيْنَ، وَفَعَلَهُ أَبُوْ بَكْرٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ عَوْفٍ: كَأَخَفِّ الْحُدُوْدِ: ثَمَانِيْنَ، فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ.

حديثُ أنسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ حَدَّ السَّكْرَانِ ثَمَانُوْنَ.

ترجمہ: نبی ﷺ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی، آپؐ نے اس کو دو چھڑیوں سے تقریباً چالیس مرتبہ مارا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اسی طرح کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے اس سلسلہ میں لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے ہلکی سزا جاری کی جائے یعنی اسّی کوڑے مارے جائیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی کے مطابق حکم دیا۔

بابُ ماجاء مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ

مخمور کو کوڑے مارے جائیں پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو قتل کر دیا جائے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شراب پیئے اسے کوڑے مارو، پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو اس کو قتل کر دو''

تشریح: کتاب العلل کے شروع میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جامع ترمذی کی تمام روایتیں معمول بہا ہیں، یعنی ان پر کسی نہ کسی مجتہد نے عمل کیا ہے، مگر دو حدیثیں ایسی ہیں جن پر کسی نے عمل نہیں کیا، ان میں سے ایک

یہ حدیث ہے، مگر ہم نے شرح میں بتلایا ہے کہ اگر اس کو تعزیر وسیاست پر محمول کریں تو یہ حدیث بھی معمول بہا بن جاتی ہے، تعزیر: حدود کے علاوہ دوسری سزاؤں کو کہتے ہیں جن کا قاضی کو اختیار ہوتا ہے اور حدود وتعزیر میں فرق یہ ہے کہ حدود پر تو ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے اس میں کسی مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، نہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، نہ وہ معاف ہوسکتی ہے، اور تعزیر میں مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے، پس اگر حاکم کسی شرابی کے قتل میں مصلحت دیکھے تو اس کو چوتھی مرتبہ میں قتل کرسکتا ہے۔

[۱۵-] باب ماجاء من شَرِب الخمرَ فاجلدوه، فإن عادَ في الرَّابعة فاقتلوه

[۱۴۲۸-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَالشَّرِيْدِ، وَشُرَحْبِيْلَ بنِ أَوْسٍ، وَجَرِيْرٍ، وَأَبِي الرَّمَدِ الْبَلَوِيِّ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

حديثُ مُعَاوِيَةَ هٰكَذَا رَوَى الثَّوْرِيُّ أَيْضًا، عَن عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَى ابنُ جُرَيْجٍ، وَمَعْمَرٌ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

سَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: حَدِيْثُ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا فِيْ أَوَّلِ الأَمْرِ، ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ، هٰكَذَا رَوَى مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ" قَالَ: ثُمَّ أُتِيَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَجُلٍ، قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ، فَضَرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ، وَكَذٰلِكَ رَوَى الزُّهْرِيُّ، عَنْ قَبِيْصَةَ بنِ ذُؤَيْبٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا، قَالَ: فَرُفِعَ الْقَتْلُ وَكَانَتْ رُخْصَةً.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ، لاَنَعْلَمُ بَيْنَهُمُ اخْتِلاَفًا فِيْ ذٰلِكَ فِي الْقَدِيْمِ وَالْحَدِيْثِ، وَمِمَّا يُقَوِّيْ هٰذَا مَا رُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَوْجُهٍ كَثِيْرَةٍ، أَنَّهُ قَالَ: "لاَيَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رسولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلاَثٍ: النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ"

وضاحت:

۱- یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی؟ ابو بکر بن عیاش اور ثوری نے سند حضرت معاویہؓ تک پہنچائی ہے، اور ابن جریج اور معمر نے حضرت ابو ہریرہؓ تک۔ امام بخاریؒ نے اول کو اصح قرار دیا ہے (البتہ ابوسلمہ کی سند سے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں مروی ہے)

۲- امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حکم ابتداء میں تھا پھر منسوخ ہو گیا اور دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے کہ ایک شخص چوتھی مرتبہ شراب پیا ہوا نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپؐ نے اس کی پٹائی کی، قتل نہیں کیا۔ اور حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی بات مروی ہے (ابوداؤد حدیث ۴۴۸۵) اور حضرت قبیصہ نے فرمایا: پس قتل کا حکم اٹھا دیا گیا، اور یہ نسخ سہولت بنا (ابوداؤد) پھر ایک عام حدیث اس کی تائید میں لائے ہیں کہ کسی بھی مسلمان کا قتل تین صورتوں کے علاوہ جائز نہیں: قصاصاً قتل کرنا، شادی شدہ زانی کو رجم کرنا اور مرتد کو قتل کرنا، یہی تین صورتیں جائز ہیں، اور شرابی ان میں سے نہیں، پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

فائدہ: یہ حکم ابتداء میں تھا: اس کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس حکم پر کبھی عمل نہیں ہوا، پس ممکن ہے یہ حکم تہدیدی ہو، اور سیاست وتعزیر پر محمول ہو۔ واللہ اعلم

بابُ ماجاء فِي كَمْ يُقْطَعُ السَّارِقُ؟

کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟

مذاہبِ فقہاء: نصاب سرقہ کیا ہے؟ یعنی کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: نصاب سرقہ: چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں (امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تین درہم۔ اور یہ دونوں قول درحقیقت ایک ہیں کیونکہ چوتھائی دینار کے ڈھائی درہم ہوتے ہیں اور عرب کسر چھوڑ دیتے ہیں، یا پوری گنتے ہیں، یہاں احتیاطاً پوری گنی گئی ہے) اور حنفیہ کے نزدیک: نصابِ سرقہ ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کہ کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟ کوئی تقدیر (اندازہ) مروی نہیں، صرف یہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چرائی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹا، پھر اس ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ میں اختلاف ہوا، چوتھائی دینار بھی اس کا اندازہ کیا گیا، تین درہم بھی اور اس کے علاوہ بھی۔ اور ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے دس درہم اندازہ کیا، علاوہ ازیں ایک ضعیف روایات میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے: لاقَطْعَ اِلَّا فِيْ عَشْرَةِ دراهم یعنی دس درہم ہی میں ہاتھ کاٹا جائے، حنفیہ نے اس روایت کو اور ابن عباس وغیرہ

نے جوڑھال کی قیمت کا اندازہ کیا ہے: اس کو لیا ہے، یہ روایت اگرچہ کمزور ہے اور چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات اصح مافی الباب ہیں مگر احناف نے یہ روایت دووجہ سے لی ہے: ایک: چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات دس درہم والی روایت کے ضمن میں خود بخود آجاتی ہیں اس لئے ان پر بھی عمل ہوجاتا ہے۔ دوم: حدود میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جو صورت حد کو ہٹانے والی ہو اس کو اختیار کیا جائے، مثلاً ایک شخص نے پانچ درہم چرائے، پس اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اب فرض کرو: نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم نہیں تھی اس وجہ سے کہ نصاب سرقہ دس درہم ہے تو یہ حد جاری کرنے میں غلطی ہوئی اور اگر نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم تھی پھر بھی ہاتھ نہ کاٹا گیا تو یہ حد جاری نہ کرنے میں غلطی ہوئی، اور یہی بہتر ہے۔ پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ، اگر مجرم کے لئے کوئی بچنے کی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے'' اس لئے احناف نے دس درہم نصاب سرقہ تجویز کیا ہے۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال چرانے کی وجہ سے ہاتھ کاٹا، حضرت عائشہؓ نے اس ڈھال کی قیمت کا چوتھائی دینار یا ڈھائی درہم اندازہ لگایا اور یہ بات فرمائی، علاوہ ازیں مذکورہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے یا حضرت عائشہ کا فتوی ہے اس میں بھی اختلاف ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

تشریح: اصل یہی حدیث ہے اور ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ میں اختلاف ہوا ہے تفصیل گذر چکی۔

[-۱٦] باب ماجاء في كم يُقْطَعُ السَّارِقُ؟

[-۱٤۲۹] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَتْهُ عَمْرَةُ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْطَعُ فِيْ رُبْعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا.

حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا، وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ مَوْقُوْفًا.

[-۱٤۳۰] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَطَعَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ مِجَنٍّ قِيْمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأُمِّ أَيْمَنَ؛ حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ: قَطَعَ فِيْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ، وَرُوِيَ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ أَنَّهُمَا قَطَعَا فِيْ رُبُعِ دِيْنَارٍ، وَرُوِيَ عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ، وَأَبِيْ سَعِيدٍ أَنَّهُمَا قَالَا: تُقْطَعُ الْيَدُ فِيْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ: رَأَوُا الْقَطْعَ فِيْ رُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا.

وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ قَالَ: لَاقَطْعَ إِلَّا فِيْ دِيْنَارٍ أَوْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ، وَهُوَ حديثٌ مُرْسَلٌ، رَوَاهُ الْقَاسِمُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَالْقَاسِمُ لَمْ يَسْمَعْ مِنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ سفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ، قَالُوْا: لَا قَطْعَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض صحابہ کا عمل ہے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، انھوں نے پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا، اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا، اور ابو ہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اس پر بعض فقہاء تابعین کا عمل ہے، اور یہ امام مالک وغیرہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں: چوتھائی دینار یا زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا ــــــــ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور یہ حدیث منقطع ہے اس کو قاسم بن عبدالرحمٰن نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے (رواہ الطحاوی) اور قاسم کا ابن مسعود سے سماع نہیں، اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

بابُ ماجاء في تَعْلِيْقِ يَدِ السَّارِقِ

کٹے ہوئے ہاتھ کا ہار پہنانا

حدیث: عبدالرحمٰن بن مُحَیریز کہتے ہیں: میں نے فضالۃ بن عبید سے چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کی گردن میں لٹکانے کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ سنت ہے؟ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا، پس اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا جائے، چنانچہ وہ ہار بنا کر اس کی گردن میں پہنایا گیا۔

تشریح: یہ عمل دو مقصد سے کیا گیا تھا، ایک: اس کی حرکت کی تشہیر کرنے کے لئے کہ لوگ جان لیں کہ وہ چور ہے۔ دوم: ظلماً ہاتھ کاٹنے اور سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے (مگر یہ بالا جماع حد کا جز نہیں، تعزیر ہے اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے)

[١٧-] باب ماجاء في تعليق يد السارق

[١٤٣١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عُمَرُ بنُ عَلِيِّ المُقَدَّمِيُّ، ثَنَا الْحَجَّاجُ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ: سَأَلْتُ فَضَالَةَ بنَ عُبَيْدٍ عَنْ تَعْلِيْقِ الْيَدِ فِيْ عُنُقِ السَّارِقِ: أَمِنَ السُّنَّةِ هُوَ؟ قَالَ: أُتِيَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِسَارِقٍ، فَقُطِعَتْ يَدُهُ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِيْ عُنُقِهِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ الْمُقَدَّمِيِّ، عَنْ الْحَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ؛ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مُحَيْرِيْزٍ: هُوَ أَخُوْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحَيْرِيْزٍ: شَامِيٌّ.

وضاحت: حجاج بن ارطاۃ معمولی ضعیف راوی ہے اس لئے حدیث صرف حسن ہے۔

بابُ ماجاء في الْخَائِنِ وَالْمُخْتَلِسِ وَالْمُنْتَهِبِ

خیانت کرنے والے، جھپٹا مارنے والے اور لوٹنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خیانت کرنے والے، مال لوٹنے والے اور جھپٹا مار کر لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا''

تشریح: خیانت یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی چیز حفاظت کے لئے رکھی، وہ اس سے مکر گیا، اور جھپٹا مارنا اور لوٹنا: یہ ہے کہ مالک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لے گیا، ان تینوں صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ سورۃ المائدہ آیت ۳۸ میں سارق (چور) کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور سرقہ کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز خفیہ طریقے پر محفوظ جگہ سے لی جائے اور یہ بات خیانت اور انتہاب واختلاس میں نہیں پائی جاتی اس لئے ان صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مگر حاکم اپنی صوابدید سے سزا ضرور دے گا، جو تعزیر ہوگی۔

[١٨-] باب ماجاء في الخائن و الْمُخْتَلِسِ وَالْمُنْتَهِبِ

[١٤٣٢-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ رَوَى مُغِيْرَةُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيْثِ ابنِ جُرَيْجٍ، وَمُغِيْرَةُ بنُ مُسْلِمٍ: هُوَ بَصْرِيٌّ، أَخُوْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الْقَسْمَلِيِّ، كَذَا قَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ.

لغت: نَهَبَ الشيئَ وَانْتَهَبَ: لوٹنا، زبردستی لینا...... خَلَسَ الشيئَ واخْتَلَسَ: دھوکے سے چھین لینا، جھپٹا مارکر چھین لینا۔

بابُ ماجاء لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ

پھل اور گابھے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ثمر اور کثر میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا'' ——— ثمر کے معنی ہیں: تازہ پھل، جو کھجور کے درخت پر ہوں، اور کثر کے معنی ہیں: کھجور کا شگوفہ، کھجور کے درخت پر جو پھول آتا ہے وہ میٹھا ہوتا ہے، اس کو کھاتے ہیں، پس اگر کوئی شگوفہ یا درخت پر لگا ہوا پھل چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ یہ محفوظ مال نہیں، البتہ قاضی اس کو کوئی دوسری مناسب سزا دے گا۔

[۱۹-] باب ماجاء لاقَطْعَ فی ثمرٍ ولا كَثَرٍ

[۱۴۳۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مَحَمَّدِ بنِ يَحْيىَ بنِ حِبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بنِ حِبَّانَ، أَنَّ رَافِعَ بنَ خَدِيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " لَا قَطْعَ فِيْ ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ "

هٰكَذَا رَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ يَحْيىَ بنِ حِبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بنِ حِبَّانَ، عَنْ رَافِعٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ رِوَايَةِ اللَّيْثِ بنِ سَعْدٍ، وَرَوَى مَالِكُ بنُ أَنَسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ محمدِ بنِ يَحْيىَ بنِ حِبَّانَ، عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ وَاسِعِ بنِ حِبَّانَ.

وضاحت: محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضرت رافعؓ کے درمیان محمد کے چچا واسع بن حبان کا واسطہ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض روات مثلاً لیث بن سعد واسطہ بڑھاتے ہیں، اور دوسرے بعض روات مثلاً امام مالکؒ واسطہ ذکر نہیں کرتے (اور محمد کا حضرت رافع سے لقاء وسماع ہے، پس واسطہ والی روایت مزید فی متصل الاسناد ہو سکتی ہے)

بابُ ماجاء أَنْ لَا تُقْطَعَ الأَيْدِیْ فِی الْغَزْوِ

جہاد میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

اگر فوج کسی جگہ لڑنے کے لئے گئی ہو اور وہاں کوئی فوجی چوری کرے تو اس کی سزا مؤخر کر دی جائے گی،

دارالحرب میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ جس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اسے صحت یاب ہونے میں کئی دن درکار ہوتے ہیں اور تیمارداری کی بھی ضرورت ہوتی ہے، وہاں کون اس کی تیمارداری کرے گا، پھر یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ ناراض ہوکر دشمن کی صفوں میں جا ملے اس لئے دارالحرب میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ جب فوج واپس آئے گی اس وقت ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[۲۰-] باب ماجاء أن لاتُقْطَعَ الأَيْدِىْ في الغَزْوِ

[۱۴۳۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ عَيَّاشِ بنِ عَبَّاسٍ، عَنْ شُيَيْمِ بنِ بَيْتَانَ، عَنْ جُنَادَةَ بنِ أَبِىْ أُمَيَّةَ، عَنْ بُسْرِ بنِ أَرْطَاةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَا تُقْطَعُ الأَيْدِىْ فِي الْغَزْوِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ ابنِ لَهِيْعَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ هٰذَا، وَقَالَ: بُسْرُ بنُ أَبِىْ أَرْطَاةَ أَيْضًا.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمُ الْأَوْزَاعِيُّ: لَايَرَوْنَ أَنْ يُقَامَ الْحَدُّ فِي الْغَزْوِ بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ، مَخَافَةَ أَنْ يَلْحَقَ مَنْ يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ بِالْعَدُوِّ، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ مِنْ أَرْضِ الْحَرْبِ وَرَجَعَ إِلٰى دَارِ الإِسْلَامِ أَقَامَ الْحَدَّ عَلٰى مَنْ أَصَابَهُ كَذٰلِكَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ.

ترجمہ: اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، ان میں اوزاعی رحمہ اللہ بھی ہیں، وہ دارالحرب میں دشمن کی موجودگی میں حد جاری کئے جانے کے قائل نہیں، اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ شخص جس پر حد جاری کی گئی ہے دشمن کے ساتھ مل جائے۔ پھر جب امام دارالحرب سے نکل آئے اور دارالاسلام میں لوٹ جائے تو اس شخص پر جس نے جرم کیا ہے حد جاری کرے، امام اوزاعیؒ نے ایسا ہی کہا ہے۔

فائدہ: امام اوزاعی رحمہ اللہ شام کے مجتہد ہیں، ان کا دعوی تھا کہ اسلام کا حربی نظام سب سے زیادہ ہم جانتے ہیں چنانچہ جب امام محمد رحمہ اللہ نے طلبہ کی ضرورت کے لئے السِّیر الصغیر لکھی اور وہ امام اوزاعی کو پہنچی تو انھوں نے تبصرہ کیا: اہل عراق: اسلام کا حربی نظام کیا جانیں، دیکھو ان کے بڑے آدمی کی یہ کتاب ہے! اس میں کچھ بھی نہیں، صرف سرسری باتیں ہیں! جیسے کوئی شخص تعلیم الاسلام دیکھ کر کہے: مفتی کفایت اللہ صاحب بس اتنی ہی فقہ جانتے تھے تو یہ بے دانشی کی بات ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی ہے، وہ بچوں کا معیار سامنے رکھیں گے امام محمد رحمہ اللہ نے بھی حدیث کے طلبہ کی ضرورت کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا، مگر امام اوزاعی نے اس پر مذکورہ تبصرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ میں اہل عراق کو بتاؤں گا: اسلام کا حربی نظام کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ انھوں نے "السِّیَرُ الأوزاعی" لکھی اور اس میں جگہ جگہ امام محمدؒ پر رد کیا۔ جب یہ کتاب عراق پہنچی تو امام ابو یوسفؒ نے اس کا رد لکھا جو الرَّدُّ علی سِیَر الأوزاعی کے نام سے مطبوعہ ہے اور امام محمدؒ نے کوئی رد نہیں لکھا، بلکہ ایک دوسری کتاب: السیر الکبیر لکھی جس کی علامہ سرخسیؒ نے شرح کی

ہے جو چار جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ جب امام اوزاعی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اہل عراق کا لوہا مان لیا، اور فرمایا: مصنف نے اس کتاب میں اسلام کے حربی نظام کے تعلق سے جو باتیں لکھی ہیں وہ ہم نے آج تک نہیں سنیں اس نے ہر مسئلہ کو حدیثوں سے ثابت کیا ہے، اگر اس میں حدیثیں نہ ہوتیں تو میں کہتا: یہ شخص فن کا واضع ہے۔

غرض امام اوزاعیؒ کا یہ دعوی تھا کہ وہ اسلام کے حربی نظام کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اس لئے آگے جگہ جگہ ان کے اقوال آئیں گے، خاص طور پر ابواب السیر اور ابواب الجہاد میں۔ اور یہ مسئلہ کہ دارالحرب میں ہاتھ کاٹا جائے یا نہ کاٹا جائے؟ اسی قسم کا مسئلہ ہے، اس لئے امام ترمذیؒ ان کا قول لائے ہیں۔ اُس زمانہ میں ہر محدث کے پاس سیر الاوزاعی تھی، امام ترمذیؒ کے پاس بھی تھی اس سے جگہ جگہ اقوال نقل کریں گے، مگر یہ اقوال امام ترمذیؒ کو سند کے ساتھ بھی پہنچے ہیں۔

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ

بیوی کی باندی سے صحبت کرنے کا حکم

حدیث: حبیب بن سالم کہتے ہیں: حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے سامنے اس شخص کا مقدمہ آیا جس نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کی تھی (آپؓ کوفہ کے حاکم تھے) پس آپؓ نے فرمایا: میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی ﷺ نے کیا ہے۔ اگر عورت نے اپنی باندی اس کے لئے حلال کی تھی یعنی شوہر کو صحبت کی اجازت دی تھی تو میں اس کو سو کوڑے ماروں گا، اور اگر اجازت نہیں دی تھی تو سنگسار کروں گا۔

تشریح:

۱- اس حدیث کو صرف امام احمد رحمہ اللہ نے لیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے بیوی کی اجازت سے صحبت کرے تو اس کو سو درّے مارے جائیں گے، اور اگر بلا اجازت صحبت کرے تو سنگسار کیا جائے گا۔ اور شافعیہ اور مالکیہ نے اس حدیث کو نہیں لیا، وہ فرماتے ہیں: یہ زنا ہے، پس شوہر سنگسار کیا جائے گا، خواہ بیوی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، اور انھوں نے حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال کیا ہے، دونوں بزرگوں کا فتوی یہ ہے کہ شوہر کو سنگسار کیا جائے۔

اور حنفیہ نے بھی اس حدیث کو نہیں لیا، ابواب الحدود کے شروع میں (باب ۲ میں) بتایا گیا ہے کہ تین شبہوں کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے، ان میں سے ایک شبہ فی المحل ہے اور یہ اس کی مثال ہے۔

میاں بیوی میں ایک دوسرے کی چیز استعمال کرنے میں بے تکلفی ہوتی ہے، پس بیوی کی باندی سے صحبت کرنے میں شبہ ہے، اس لئے حد ساقط ہو جائے گی، البتہ قاضی مناسب سزا دے گا۔ اور حنفیہ کا استدلال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے، انھوں نے فرمایا: جس نے بیوی کی باندی سے صحبت کی اس پر حد جاری نہیں کی جائے

گی بلکہ اس کو دوسری کوئی مناسب سزا دی جائے گی۔

۲-مسئلہ باب میں ایک حدیث تو یہی ہے اور یہ مرفوع ہے، کیونکہ آپؓ نے اپنے فیصلہ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، دوسری مرفوع حدیث حضرت سلمہ کی ہے، جس کا امام ترمذیؒ نے حوالہ دیا ہے، اور وہ ابوداؤد (حدیث ۴۴۶۰) میں ہے، اور وہ اس سے مختلف ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں جس نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کی تھی: فیصلہ کیا کہ اس نے اگر باندی سے زبردستی کی ہے تو باندی آزاد ہے اور شوہر اس کی مالکہ کو اس کے مانند باندی دے، اور اگر باندی کی رضامندی تھی تو وہ باندی شوہر کی ہوگئی، اور شوہر اس کی مالکہ کو ویسی ہی باندی دے۔ یہ دونوں مرفوع روایتیں متعارض ہیں اور یہ دوسری روایت بھی متکلم فیہ ہے۔

۳-باب کی حدیث کی سند میں اضطراب ہے، امام ترمذیؒ نے اس کی دو سندیں بیان کی ہیں: ایک: قتادہ: یہ حدیث حبیب بن سالم سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت نعمان سے۔ دوسری: ابو بشر: حبیب سے اور وہ حضرت نعمان سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری نے فرمایا ہے کہ نہ قتادہ نے یہ حدیث حبیب سے سنی ہے نہ ابوبشر نے، دونوں نے خالد بن عرفطہ سے یہ حدیث سنی ہے (یہ دونوں حدیثیں ابوداؤد میں ہیں نمبر ۴۴۵۸ و ۴۴۵۹) اس لئے یہ حدیث صرف امام احمدؒ نے لی ہے، دوسرے فقہاء نے یہ روایت نہیں لی۔

[۲۱-] باب ماجاء في الرجل يَقَعُ على جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ

[۱۴۳۵-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، وَأَيُّوْبَ بنِ مِسْكِيْنٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ سَالِمٍ، قَالَ: رُفِعَ إِلَى النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ رَجُلٌ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ، فَقَالَ: لَأَقْضِيَنَّ فِيْهَا بِقَضَاءِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: لَئِنْ كَانَتْ أَحَلَّتْهَا لَهُ لَأَجْلِدَنَّهُ مِائَةً، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ أَحَلَّتْهَا لَهُ رَجَمْتُهُ.

حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ نَحْوَهُ.

وفي الباب: عَنْ سَلَمَةَ بنِ الْمُحَبَّقِ نَحْوَهُ، حديثُ النُّعْمَانِ فِيْ إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ، سَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ حَبِيْبِ بنِ سَالِمٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ، إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ خَالِدِ بنِ عُرْفُطَةَ وَأَبُوْ بِشْرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ حَبِيْبِ بنِ سَالِمٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ أَيْضًا، إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ خَالِدِ بنِ عُرْفُطَةَ.

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ عَلِيٌّ، وابنُ عُمَرَ: أَنَّ عَلَيْهِ الرَّجْمَ، وَقَالَ ابنُ مَسْعُوْدٍ: لَيْسَ عَلَيْهِ حَدٌّ، وَلٰكِنْ يُعَزَّرُ، وَذَهَبَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ إِلَى مَا رَوَى النُّعْمَانُ بنُ بَشِيْرٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

بابُ ماجاء فی الْمَرْأَۃِ إِذَا اسْتُکْرِھَتْ عَلَی الزِّنَا

کسی عورت سے زبردستی زنا کیا تو اس پر حد نہیں

حدیث (۱): حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت سے زبردستی زنا کیا گیا، پس نبی ﷺ نے اس عورت سے حد اٹھادی یعنی اس پر حد جاری نہیں کی، اور جس نے زنا کیا تھا اس کو سزا دی، اور اس عورت کو مہر دلوایا یا نہیں؟ اس کا اس حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں۔

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا جائے تو اس پر حد نہیں، اور یہ حدیث مختصر ہے، اس کا پورا واقعہ اگلی حدیث میں آرہا ہے اور یہ حدیث منقطع بھی ہے اس لئے کہ عبدالجبار کا ان کے والد حضرت وائلؓ سے سماع نہیں، حضرت وائلؓ کے دو صاحبزادے ہیں: علقمہ اور عبدالجبار، علقمہ بڑے ہیں اور ان کا حضرت وائلؓ سے سماع ہے، اور عبدالجبار حضرت وائل کی وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے ہیں۔

حدیث (۲): حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی، راستہ میں ایک آدمی اس کو ملا جو اس پر جھول بن گیا یعنی اس کو گرا کر اس پر چھا گیا، اور اس سے اپنی حاجت پوری کی، جب وہ فارغ ہوا اور چل دیا تو عورت چیخی مگر وہ بھاگ لیا اور اس کے پاس سے ایک دوسرا آدمی گذرا، عورت نے خیال کیا: یہ وہی آدمی ہے، چنانچہ اس نے شور مچایا کہ اس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا، پھر وہ عورت مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس سے گذری اور ان سے بھی یہی کہا کہ اُس آدمی نے میرے ساتھ ایسا کیا، پس لوگ دوڑے اور اس آدمی کو پکڑ لیا جس کے بارے میں عورت کا گمان تھا کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس عورت نے تصدیق کی کہ زنا کرنے والا یہی ہے، لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے، پس جب آپؐ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا تو وہ شخص جس نے زنا کیا تھا کھڑا ہوا، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زنا کرنے والا میں ہوں، پس نبی ﷺ نے عورت سے فرمایا: ''جا، اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف کردیا'' اور آپؐ نے اچھے کلمات فرمائے، اس شخص کے حق میں جو خواہ مخواہ پکڑا گیا تھا اور اس کے لئے جس نے زنا کیا تھا رجم کا حکم دیا اور فرمایا: ''اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کسی شہر کے لوگ ایسی توبہ کریں تو سب کی مغفرت ہوجائے'' ظاہر ہے بے گناہ کو بچالینا اور اپنے آپ کو پیش کردینا اور سنگسار ہوجانا معمولی بات نہیں، بہت بڑی توبہ وانابت ہی سے یہ بات صادر ہوسکتی ہے۔

سوال: یہاں ایک سوال ہے کہ مجرم نے چار مرتبہ الگ الگ مجلسوں میں اقرار نہیں کیا بلکہ وہ انکار کرتا ہوگا، پس زنا کا ثبوت نہیں ہوا، پھر اس کو سنگسار کیوں کیا گیا؟

جواب: اگر اقرار یا انکار کے ساتھ قرینہ حالیہ مل جائے تو پھر نہ چار مرتبہ اقرار کی ضرورت ہے نہ انکار معتبر

ہے پہلے حضرت عمرؓ کا ارشاد گذرا ہے کہ اگر حمل ہو (اور زبردستی زنا کا ثبوت نہ ہو، نہ نکاح کا کوئی ثبوت ہو) تو حمل ہی ثبوت زنا کے لئے کافی ہے، یہاں بھی قرینہ حالیہ موجود ہے، وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے، اس لئے اقرار ضروری نہیں، اور مجرم تو انکار کیا ہی کرتا ہے، اگر اس کے انکار کا اعتبار کیا جائے گا تو پھر گواہوں سے بھی زنا کا ثبوت نہیں ہو سکے گا۔

[۲۲-] باب ماجاء فی المَرْأَةِ إذَا اسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا

[۱٤٣٦-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا مَعْمَرُ بنُ سُلَيْمَانَ الرَّقِّيُّ، عَنِ الْحَجَّاجِ بنِ اَرْطَاةَ، عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بنِ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: اسْتُكْرِهَتِ امْرَأَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَدَرَأَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْهَا الْحَدَّ، وَأَقَامَهُ عَلَى الَّذِىْ أَصَابَهَا، وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ، سَمِعْتُ مَحَمَّداً يَقُوْلُ: عَبْدُ الْجَبَّارِ بنُ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ، وَلاَ أَدْرَكَهُ، يُقَالُ: إِنَّهُ وُلِدَ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيْهِ بِأَشْهُرٍ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنْ لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَكْرَهَةِ حَدٌّ.

[۱٤٣٧-] حدثنا محمدُ بنُ يَحْيىَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ يُوْسُفَ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، ثَنَا سِمَاكُ بنُ حَرْبٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ وَائِلٍ الْكِنْدِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم، تُرِيْدُ الصَّلاَةَ، فَتَلَقَّاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا، فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا، فَصَاحَتْ، فَانْطَلَقَ، وَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ، فَقَالَتْ: إِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِىْ كَذَا وَكَذَا، وَمَرَّتْ بِعِصَابَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ، فَقَالَتْ: إِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلُ فَعَلَ بِىْ كَذَا وَكَذَا، فَانْطَلَقُوْا فَأَخَذُوْا الرَّجُلَ الَّذِىْ ظَنَّتْ أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهَا، فَأَتَوهَا، فَقَالَتْ: نَعَمْ هُوَ هٰذَا، فَأَتَوْا بِهِ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا أَمَرَ بِهِ لِيُرْجَمَ، قَامَ صَاحِبُهَا الَّذِىْ وَقَعَ عَلَيْهَا، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَنَا صَاحِبُهَا، فَقَالَ لَهَا: " اذْهَبِىْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ" وَقَالَ لِلرَّجُلِ قَوْلاً حَسَنًا، وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِىْ وَقَعَ عَلَيْهَا: " ارْجُمُوْهُ" وَقَالَ: " لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ، وَعَلْقَمَةُ بنُ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ، سَمِعَ مِنْ أَبِيْهِ، وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بنِ وَائِلٍ، وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بنُ وَائِلٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ.

بابُ ماجاء فی مَنْ یَقَعُ عَلَی البَهِیْمَةِ

جانور سے بدفعلی کرنے کا حکم

حدود کا بیان پورا ہوا، اب جو ابواب ہیں ان میں چند اور جرائم کی سزاؤں کا بیان ہے، یہ سزائیں از قبیل تعزیرات ہیں، حدود نہیں ہیں۔ سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس کو بھی اور جانور کو بھی قتل کردیا جائے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی کو جانور کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ تو اس کو بھی قتل کرو اور جانور کو بھی قتل کرو'' جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی تو طلبہ نے پوچھا: جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو قتل کرنا تو سمجھ میں آیا، مگر جانور تو غیر مکلف ہے اس کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: میں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے کچھ نہیں سنا، البتہ میرا خیال یہ ہے کہ آپؐ نے یہ حکم اس لئے دیا کہ کوئی اس کا گوشت نہ کھائے، اور نہ اس سے فائدہ اٹھائے، اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کا فتوی نقل کیا ہے کہ جو جانور سے بدفعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے کا حکم تعزیر ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو جو قتل کرنے کا حکم دیا ہے وہ تعزیر ہے، لہٰذا قاضی کو اختیار ہے چاہے تو قتل کرے چاہے کوئی اور سزا دے، اور جانور کو مار ڈالنے کی جو توجیہ حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے وہ منصوص نہیں، پس اس کے علاوہ بھی توجیہ کی جاسکتی ہے، مثلاً یہ توجیہ کہ اگر وہ جانور زندہ رہے گا تو لوگ اس فعل بد کا تذکرہ کریں گے کہ فلاں نے اس جانور کے ساتھ بدفعلی کی ہے، پس بے حیائی اور بدکاری کا چرچا ہوگا، اس لئے آپؐ نے جانور کو مار ڈالنے کا حکم دیا، یا یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اس بدکاری کے نتیجہ میں اگر جانور کو حمل رہ گیا اور کوئی عجیب الخلقت مخلوق پیدا ہوئی جو نہ انسان ہو اور نہ جانور تو کیا ہوگا، اس سے بہتر یہ ہے کہ جانور ہی کو ختم کردیا جائے تاکہ ایسی صورت پیش نہ آئے، یا یہ توجیہ کہ یہ جانور عام طور پر بدفعلی کرنے والے کی ملک ہوگا، پس قتل کرنے سے اس کا مالی نقصان ہوگا، اس قسم کی اور بھی توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔

[۲۳-] باب ماجاء فیمن یقع علی البهیمةِ

[۱۴۳۸-] حدثنا محمدُ بنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِیْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: ''مَنْ وَجَدْ تُمُوْهُ وَقَعَ عَلٰی بَهِيْمَةٍ فَاقْتُلُوْهُ، وَاقْتُلُوا الْبَهِيْمَةَ'' فَقِيْلَ لِابنِ عَبَّاسٍ: مَا شَأْنُ الْبَهِيْمَةِ؟ فَقَالَ: مَاسَمِعْتُ مِنْ رسولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم فِیْ ذٰلِكَ شَيْئًا، وَلٰكِنْ أَرَی رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم كَرِهَ أَنْ يُؤْكَلَ

مِنْ لَحْمِهَا، أَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا، وَقَدْ عُمِلَ بِهَا ذَاكَ الْعَمَلُ.

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۴۳۹-] وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي رَزِيْنٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ أَتَى بَهِيْمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ" حدثنا بِذٰلِكَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفيانُ الثَّوْرِيُّ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الأَوَّلِ، وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وضاحت: وقد عمل بها: جملہ حالیہ ہے اور ترجمہ یہ ہے: لیکن میرا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت کھائے جانے کو اور اس سے فائدہ اٹھائے جانے کو ناپسند کیا درانحالیکہ اس کے ساتھ یہ فعل کیا گیا ہے۔

بابُ ماجاء في حَدِّ اللُّوْطِيِّ

اغلام کی سزا

لواطت: فطرت کے خلاف عمل ہے، اس لئے زنا سے بھاری گناہ ہے، اور حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کو لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل ومفعول کو قتل کردو، اور دوسری حدیث میں ہے کہ اپنی امت پر جس چیز میں مبتلا ہونے سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل ہے۔

پھر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اغلام بحکم زنا ہے، اس کے ثبوت کے لئے بھی زنا کی طرح چار عادل مرد گواہ ضروری ہیں، جنھوں نے سرمہ دانی میں سلائی کے داخل ہونے کی طرح یہ فعل دیکھا ہو، اور حنفیہ کے نزدیک یہ بہ حکم زنا نہیں، کیونکہ اس سے نہ تو نسب گڈمڈ ہوتا ہے اور نہ اس میں ہتک عزت ہے، اس لئے عام معاملات کی طرح یہ معاملہ بھی دو عادل گواہوں سے ثابت ہوسکتا ہے۔

پھر ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: جب لواطت کا ثبوت ہوجائے تو حد واجب ہے، مگر حد کس طرح جاری کی جائے: اس میں اختلاف ہے۔ مالکیہ، حنابلہ اور ایک روایت شوافع کی یہ ہے کہ لوطی کو سنگسار کردیا جائے، خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ یا دونوں کو تلوار سے قتل کردیا جائے ——— اور حنفیہ کے نزدیک لواطت میں حد نہیں، بلکہ تعزیر ہے، جس طرح حاکم سزا دینا چاہے دے سکتا ہے، البتہ ایسی سخت سزا دے کہ لوطی کو اور اس قماش کے لوگوں کو سخت تنبیہ ہو، مثلاً آگ میں جلادے یا ان پر دیوار گرادے یا کسی بلند جگہ سے اوندھے منہ ڈال دے اور اوپر سے پتھر برسائے، اور اگر کوئی عادی مجرم نہ ہو تو ہلکی سزا بھی دے سکتا ہے ——— اور حضرت حسن بصری، حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت عطاء بن ابی رباح کے نزدیک: لواطت بحکم زنا ہے، شادی شدہ سنگسار کیا جائے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارے جائیں۔

اوراس مسئلہ میں احادیث دوطرح کی ہیں: ایک: وہ ہیں جن میں اس فعل کی شناعت بیان کی گئی ہے، یہ احادیث صحیح ہیں، اور یہ مضمون قرآن کریم میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے، دوسری روایات: سزا سے متعلق ہیں، یہ سب روایات مضطرب ہیں، باب میں امام ترمذیؒ نے ان کا اضطراب واختلاف واضح کیا ہے۔

[۲۴-] باب ماجاء فی حد اللُّوْطِیِّ

[۱۴۴۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِیْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَباسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لَوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ"

وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وأَبِیْ هُرَيْرَةَ، وَإِنَّمَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَرَوَى مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ هٰذَا الْحَديثَ عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِیْ عَمْرٍو، فَقَالَ: "مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ" وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ الْقَتْلَ، وَذَكَرَ فِيْهِ: "مَلْعُوْنٌ مَنْ أَتَى بَهِيْمَةً"

[۱۴۴۱-] وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ عَاصِمِ بنِ عُمَرَ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "اقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ"

هٰذَا حديثٌ فِیْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، غَيْرَ عَاصِمِ بنِ عُمَرَ الْعُمَرِیِّ، وَعَاصِمُ بنُ عُمَرَ يُضَعَّفُ فِی الْحَدِيْثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِیْ حَدِّ اللُّوْطِیِّ، فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِ الرَّجْمَ، أَحْصَنَ أَوْ لَمْ يُحْصِنْ، وَهٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِیِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ، مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ، وَإِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِیُّ، وَعَطَاءُ بْنُ أَبِیْ رَبَاحٍ، وَغَيْرُهُمْ، قَالُوْا: حَدُّ اللُّوْطِیِّ حَدُّ الزَّانِیْ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

[۱۴۴۲-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمَكِّیِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحمدِ بنِ عَقِيْلٍ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِیْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحَمَّدِ بنِ عَقِيْلِ بنِ أَبِیْ طَالِبٍ، عَنْ جَابِرٍ.

وضاحت: اس باب میں امام ترمذیؒ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی دو حدیثیں سزا سے متعلق ہیں اور تیسری میں

اس عمل کی سنگینی بیان کی گئی ہے۔ پہلی حدیث: صرف عبدالعزیز نے مرفوع کی ہے، اور محمد بن اسحاق نے اس کی سند عمرو پر روک دی ہے، پھر ان کی سند سے متن بھی اور آیا ہے —— دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جو ضعیف ہے، اس کی سند میں عاصم ضعیف راوی ہے —— تیسری حدیث حسن ہے مگر اس میں سزا کا بیان نہیں —— اور امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ کا جو مذہب بیان کیا ہے، اس میں تسامح ہے، احناف کا یہ مذہب نہیں۔

بابُ ماجاء فی الْمُرْتَدِّ

مرتد کی سزا کا بیان

اگر مرتد کو اسلام میں شبہات ہوں تو ایسے عالم مہیا کئے جائیں جو اس کے شبہات دور کریں اور اس حد تک اس کو جواب دیں کہ وہ لاجواب ہو جائے، پھر اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو فبہا، ورنہ حاکم اس کو قتل کر دے۔

اور یہ قتل فتنے کے سد باب کے لئے ہے، اسلام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں ہے، اگر مرتد کا قتل اسلام پر مجبور کرنے کے لئے ہوتا تو مرتدہ کو بھی قتل کیا جاتا، حالانکہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو اس کے گھر میں نظر بند کر دیا جاتا ہے اور عورتوں کو اس سے ملنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اور مرتد کو نظر بند نہیں کیا جا سکتا، یہ اس کے موضوع کے خلاف ہے، پس وہ آزاد پھرے گا اور لوگوں کے ذہن خراب کرے گا اور فتنہ پھیلائے گا، اور فتنہ قتل سے بھاری گناہ ہے ﴿اَلْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کچھ لوگ اسلام سے پھر گئے اور انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت علیؓ خدا ہیں، حضرت علیؓ نے ان کو سمجھایا مگر وہ نہیں مانے پس حضرت علیؓ نے ان کو آگ میں جلا دیا، جب اس کی خبر بصرہ کے قاضی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا: اگر میں سزا دیتا تو ان کو قتل کرتا، آگ میں نہ جلاتا، اور قتل اس لئے کرتا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر دو'' اور آگ میں اس لئے نہ جلاتا کہ آپؐ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص عذاب کی طرح عذاب مت دو'' یعنی جلانے کا عذاب صرف رب النار کے شایانِ شان ہے، دوسروں کو یہ عذاب دینا مناسب نہیں، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ تبصرہ پہنچا تو آپؓ نے فرمایا: ''ابن عباسؓ نے سچ کہا!'' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ پہلے سے یہ مسئلہ جانتے تھے، پھر بھی آپ نے ان کو یہ سزا دی، کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل تھے پس ان کے رب نے ان کو جلا دیا، (یہ صرف لطیفہ یعنی پُر لطف بات ہے) اور دوسرا (حقیقی) جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت خلاف اولیٰ کے باب سے ہے، اگر آگ میں جلانا حرام ہوتا تو حضرت علی ان کو ہرگز نہ جلاتے، یہاں سے یہ قاعدہ سمجھ لینا چاہئے کہ

جس طرح احادیث میں تعارض سے ممانعت ہلکی ہوجاتی ہے حدیث اور قول وفعل صحابی میں تعارض سے بھی ممانعت ہلکی ہوجاتی ہے، بشرطیکہ صحابی کو اس حدیث کا علم ہو۔

فائدہ: کھٹمل، جوئیں، بھڑن اور تتیّے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کو جلانا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ ان کا دوسرا کوئی علاج نہیں۔

[۲۵-] باب ماجاء فی الْمُرْتَدِّ

[۱۴۴۳-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا حَرَّقَ قَوْمًا ارْتَدُّوْا عَنِ الإِسْلَامِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: لَوْ كُنْتُ أَنَا لَقَتَلْتُهُمْ بِقَوْلِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ" وَلَمْ أَكُنْ لِأُحَرِّقَهُمْ، لِأَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ" فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ: صَدَقَ ابنُ عَبَّاسٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْمُرْتَدِّ، وَاخْتَلَفُوْا فِي الْمَرْأَةِ إِذَا ارْتَدَّتْ عَنِ الإِسْلَامِ، فَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: تُقْتَلُ، وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ: تُحْبَسُ وَلَا تُقْتَلُ، وَهُوَ قَوْلُ سَفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: علماء کا عورت کے بارے میں اختلاف ہے جب وہ اسلام سے پھر جائے، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے: اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور یہ اوزاعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور دوسری جماعت کہتی ہے: مرتدہ نظر بند کی جائے گی اور قتل نہیں کی جائے گی اور یہ اہل کوفہ میں سے سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔

بابُ ماجاء فی مَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ

حکومت سے بغاوت کرنے والے کا حکم

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے یعنی حکومت سے بغاوت کرے: وہ ہم میں سے نہیں! یعنی وہ مسلمانوں میں شامل ہونے کے لائق نہیں! ——— پس باغیوں کے فتنے کی سرکوبی کے لئے ان سے قتال جائز ہے اور دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، انھوں نے خوارج سے قتل کیا ہے۔

[۲۶-] باب ماجاء فیمن شَهَرَ السِّلَاحَ

[۱۴۴۴-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، وَأَبُو السَّائِبِ، قَالَا: ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ بُرْدَةَ،

عَنْ جَدِّهِ أَبِیْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِیْ مُوْسَی، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم، قَالَ: " مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وابنِ الزُّبَيْرِ، وأَبِیْ هُرَيْرَةَ، وَسَلَمَةَ بنِ الْأَكْوَعِ؛ حديثُ أَبِیْ مُوْسَی حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی حَدِّ السَّاحِرِ

جادوگر کی سزا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: '' جادوگر کی سزا تلوار کا ایک وار ہے'' یعنی ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردینا چاہئے۔

تشریح: جادو کے مختلف درجات ہیں، ایک جادو کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے ایسا شخص جادو کے ذریعہ قتل بھی کرسکتا ہے، ایسے جادوگر کی سزا قتل ہے کیونکہ وہ مرتد ہے، البتہ اس کو دھوکے میں رکھ کر قتل کریں گے اس لئے کہ اگر اس کو بھنک پڑگئی تو وہ قاضی اور جلاد کو الا ردے گا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: '' جادوگر کی سزا تلوار کا ایک وار ہے'' یعنی ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردینا چاہئے، مگر حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی اسماعیل ضعیف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس لئے یہ سزا بھی تعزیر ہے، حد نہیں۔

[٢٧-] باب ماجاء فی حدِّ السَّاحِرِ

[١٤٤٥-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم: " حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَإِسْمَاعِيْلُ بنُ مُسْلِمٍ الْمَكِّيُّ يُضَعَّفُ فِیْ الْحَدِيْثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ؛ وَإِسْمَاعِيْلُ بنُ مُسْلِمٍ الْعَبْدِیُّ الْبَصْرِیُّ، قَالَ وَكِيْعٌ: هُوَ ثِقَةٌ، وَيَرْوِیْ عَنِ الْحَسَنِ أَيْضًا.

والصحيحُ عَنْ جُنْدُبٍ مَوْقُوْفٌ، وَالْعَمَلُ عَلیٰ هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَقَالَ الشَّافِعِیُّ: إِنَّمَا يُقْتَلُ السَّاحِرُ إِذَا كَانَ يَعْمَلُ مِنْ سِحْرِهِ مَا يَبْلُغُ الْكُفْرَ، فَإِذَا عَمِلَ عَمَلًا دُوْنَ الْكُفْرِ فَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَتْلًا.

وضاحت: اسماعیل مکی ضعیف راوی ہے یہ طبقہ خامسہ کا راوی ہے اور ایک دوسرا اسماعیل طبقۂ سادسہ کا ہے، وہ

عبدی بصری ہے، وکیع رحمہ اللہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، یہ اسماعیل بھی حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتا ہے۔

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جادوگر صرف اس صورت میں قتل کیا جائے گا کہ وہ اپنے جادو کے ذریعہ کوئی ایسا کام کرے جس کی وجہ سے وہ کفر کی حد تک پہنچ جائے، پس اگر وہ کفر سے نیچے کا کوئی عمل کرے تو وہ اس کے قتل کے قائل نہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الْغَالِّ مَا یُصْنَعُ بِهِ؟

مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم جہاد میں کسی کو مالِ غنیمت میں خیانت کا مرتکب پاؤ تو اس کے سامان کو جلادو'' صالح کہتے ہیں: میں مسلمہ (امیر لشکر) کے پاس گیا، اس وقت ان کے پاس سالم بن عبداللہ جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں موجود تھے، مسلمہ نے ایک شخص کو مالِ غنیمت میں خیانت کا مرتکب پایا تو حضرت سالم نے یہ حدیث بیان کی، پس مسلمہ نے اس کا سامان جلانے کا حکم دیا لوگوں نے اس کا سامان جلادیا۔ اس کے سامان میں قرآن تھا، اس کے بارے میں حضرت سالم سے پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا: اس کو فروخت کردو اور اس کی قیمت صدقہ کردو، معلوم ہوا کہ قرآن کریم جلایا نہیں جائے گا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف جلائے تھے، وہ ایک خاص واقعہ تھا، اس سے احراقِ مصحف پر استدلال درست نہیں۔

تشریح: یہ حدیث صالح بن محمد بن زائدہ کی وجہ سے ضعیف ہے، وہ منکر الحدیث (نہایت درجہ ضعیف) راوی ہے، اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا ہاتھ اس لئے نہیں کاٹا جائے گا کہ مالِ غنیمت میں اس کا بھی حق ہے، اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور سامان جلانا علاج بالضد ہے اس نے مال کی حرص میں خیانت کی اس لئے اس کو یہ سزادی گئی۔

[۲۸-] باب ماجاء فی الغَالِّ مَا یُصْنَعُ بِهِ؟

[۱٤٤٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَمْرٍو، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ صَالِحِ بنِ محمدِ بنِ زَائِدَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ عَبدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ غَلَّ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَأَحرِقُوْا مَتَاعَهُ" قَالَ صَالِحٌ: فَدَخَلْتُ عَلَى مَسْلَمَةَ، وَمَعَهُ سَالِمُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، فَوَجَدَ رَجُلًا قَدْ غَلَّ، فَحَدَّثَ سَالِمٌ بِهٰذَا الحديثِ، فَأَمَرَ بِهِ، فَأُحْرِقَ مَتَاعُهُ، فَوُجِدَ فِيْ مَتَاعِهِ مُصْحَفٌ، فَقَالَ سَالِمٌ: بِعْ هٰذَا وَتَصَدَّقْ بِثَمَنِهِ.

ا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ ، الْأَوْزَاعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.
ِسَأَلْتُ مُحمداً عَنْ هٰذَا الْحديثِ، فَقَالَ: إِنَّمَا رَوَى هٰذَا صَالِحُ بْنُ مُحمدِ بنِ زَائِدَةَ، وَهُوَ أَبُوْ دِ اللَّيْثِيُّ، وَهُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ، قَالَ مُحمدٌ: وَقَدْ رُوِيَ فِيْ غَيْرِ حَدِيْثٍ عَنِ النبيِّ صلى الله ہ وسلم فِي الغَالِّ، وَلَمْ يَأْمُرْ فِيْهِ بِحَرْقِ مَتَاعِهِ، وَقَالَ: هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ سے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے بارے میں عدد حدیثیں مروی ہیں، مگر کسی میں خیانت کرنے والے کے مال کے جلانے کا ذکر نہیں ـــــ مثلاً بخاری (حدیث ۳۰۷۴) باب القلیل من الغُلول میں حدیث ہے کہ کرکرہ نامی ایک شخص نبی ﷺ کے سامان کا (مالِ غنیمت کا) نگراں تھا، اس نے عبا چرائی جب وہ مرا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ جہنم میں ہے'' اس حدیث میں اس خیانت کرنے والے کے سامان کے جلانے کا ذکر نہیں اور امام بخاری: بخاری شریف میں فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ خیانت کرنے والے کا سامان نہیں جلایا جائے گا، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں جو بخاری میں ہے اور جس میں کرکرۃ کا واقعہ ہے: سامان جلانے کا ذکر نہیں، اور ترمذی کی حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء فی مَنْ یَقُوْلُ لِآخرَ: یَا مُخَنَّثُ

اوہجڑے کہنے کی سزا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی کسی کو او یہودی یا اوہجڑے! کہہ کر پکارے تو اس کو بیس کوڑے مارو، یعنی گالی کی سزا بیس کوڑے ہے، اور جو شخص کسی محرم کے ساتھ زنا کرے اس کو قتل کردو، یعنی محرم سے زنا کرنا سنگین جرم ہے، اس کو ہر صورت میں قتل کردیا جائے خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ (یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے)

[۲۹-] باب ماجاء فیمن یَقُوْلُ لِلْآخرِ: یَا مُخَنَّثُ

[۱٤٤٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبَةَ، عَنْ دَاوُدَ بنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:'' إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَايَهُوْدِيُّ! فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِيْنَ، وَإِذَا قَالَ: يَامُخَنَّثُ! فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِيْنَ، وَمَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ''
هٰذَا حديثٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَإِبْرَاهِيْمُ بنُ إِسْمَاعِيلَ يُضَعَّفُ فِيْ الْحَدِيْثِ، وَقَدْ رُوِيَ

عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ: رَوَاهُ الْبَرَاءُ بنُ عَازِبٍ، وَقُرَّةُ بنُ إِيَاسٍ الْمُزَنِيُّ: أَنَّ رَجُلًا تزوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيْهِ فَأَمَرَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بِقَتْلِهِ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا، قَالُوْا: مَنْ أَتَى ذَاتَ مَحْرَمٍ، وَهُوَ يَعْلَمُ، فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ، وَقَالَ أَحْمَدُ: مَنْ تَزَوَّجَ أُمَّهُ قُتِلَ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: مَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْرَمٍ قُتِلَ.

وضاحت: دوسرے مسئلہ میں یعنی قریبی رشتہ دار سے زنا کرنے والے کو قتل کیا جائے گا: اس مسئلہ میں متعدد صحیح روایات ہیں، اور فقہاء اس کے قائل بھی ہیں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے، مگر گالی دینے والے کی جو سزا اس روایت میں مذکور ہے: اس میں یہی ایک روایت ہے اور وہ ضعیف ہے، پس یہ بھی باب تعزیر سے ہے، حد نہیں۔

بابُ ماجاء في التَّعْزِيْرِ

تعزیر (گوشمالی) کا بیان

تعزیر: حدود کے علاوہ دوسری سزاؤں کو کہتے ہیں جس کا حاکم کو اختیار ہوتا ہے، اور حدود اور تعزیر میں فرق پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حدود پر ہر حال میں عمل ضروری ہے اس میں کسی مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، نہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، نہ وہ معاف ہوسکتی ہے۔ اور تعزیر (گوشمالی) میں مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور تعزیر کی کوئی حد بھی مقرر نہیں، اس کو امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ حالات کا جائزہ لے کر جو سزا مناسب سمجھے دے، مگر اس کو حدود کی حد تک نہیں پہنچائے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حدود کے علاوہ کسی بھی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں''

تشریح: بعض ظاہر یہ اس حدیث کی وجہ سے اس کے قائل ہیں کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں، مگر یہ قول صحیح نہیں، ابھی اوپر حدیث گذری ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو او ہجڑا کہے تو اس کو بیس کوڑے مارے جائیں، علاوہ ازیں خلفائے راشدین نے تعزیر میں دس، بیس سے زیادہ کوڑے بھی مارے ہیں، اس لئے تعزیر میں دس سے زیادہ کوڑے مارنا جائز ہے۔ البتہ جمہور فرماتے ہیں کہ اخف حدود سے کم کوڑے مارے جائیں اور حد کے کم سے کم اسّی کوڑے ہیں جو حد قذف میں مارے جاتے ہیں اور غلام کو چالیس کوڑے مارے جاتے ہیں کیونکہ اس کی سزا آزاد سے آدھی ہے، اس لئے اخف حدود چالیس کوڑے ہوئے، پس تعزیر میں زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے مارے جائیں، اس سے زیادہ نہ مارے جائیں، یہ احناف کا مشہور قول ہے، اور امام ابو یوسف اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک حاکم تعزیر میں جتنے کوڑے چاہے مار سکتا ہے، اور اس حدیث کی علماء نے دو توجیہیں کی ہیں: ایک: یہ کہ یہ

حدیث صحابہ کے ساتھ خاص ہے اور خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی صحبت کی برکت سے معمولی تنبیہ بھی ان کے لئے کافی تھی، بلکہ ان کو ادنیٰ تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں تھی، وہ خود ہی اپنی غلطیوں اور خطاؤں پر پشیمان ہوتے تھے، اور جرم سے باز آجاتے تھے، پھر بھی اگر تنبیہ کی ضرورت پڑے تو معمولی تنبیہ کافی ہے۔

دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ سزا اس جرم کے ساتھ خاص ہے جو فی نفسہ گناہ نہیں، صرف حکم حاکم کی خلاف ورزی کی بناء پر گناہ ہے، مثلاً: فساد میں کرفیو لگایا گیا اور گھر سے نکلنے پر پابندی لگائی گئی، پس اگر کوئی شخص گھر سے نکلے تو یہ فی نفسہ گناہ نہیں، یہ صرف حکم حاکم کی خلاف ورزی کی بنا پر گناہ ہے، اس قسم کے جرائم میں دس کوڑے ہی مارے جائیں زیادہ نہ مارے جائیں۔ واللہ اعلم

[٣٠-] باب ماجاء فی التَّعْزِيْرِ

[١٤٤٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِي حَبِيْبٍ، عَنْ بُكَيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الأَشَجِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بنِ نِيَارٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ"

وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيْثَ ابنُ لِهِيْعَةَ عَنْ بُكَيْرٍ فَأَخْطَأَ فِيْهِ، وَقَالَ: عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ خَطَأٌ، وَالصحيحُ حديثُ اللَّيْثِ بنِ سَعْدٍ، إِنَّمَا هُوَ عبدُ الرحمنِ بنُ جابرِ بنِ عبدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بنِ نِيَارٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ بُكَيْرِ بنِ الأَشَجِّ، وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي التَّعْزِيْرِ، وَأَحْسَنُ شَيْئٍ يُرْوَى فِي التَّعْزِيْرِ هٰذَا الْحَدِيْثُ.

وضاحت: اس حدیث کی بکیر بن عبداللہ سے اوپر یہی ایک سند ہے اور ابن لہیعہ نے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک سند پہنچائی ہے وہ ان کی غلطی ہے، صحیح لیث بن سعد کی حدیث ہے یعنی یہ ابو بردۃ بن نیار کی حدیث ہے، حضرت جابرؓ کی حدیث نہیں ہے۔

﴿الحمد للہ! ابواب الحدود کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الصَّيْدِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شکار کرنے کا بیان

بابُ ماجاءَ ما يُؤكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَالاَ يُؤْكَلُ؟

کونسا شکار حلال ہے اور کونسا حرام؟

شکار کے احکام سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہیں اور وہ احکام دو بنیادوں پر مبنی ہیں:

پہلی بنیاد: شکار میں بھی ذبح اس کی تمام شرائط کے ساتھ ضروری ہے مگر دو باتوں میں تخفیف کی گئی ہے: ایک: تسمیہ جانور کے بجائے آلہ پر مقرر کیا گیا ہے کیونکہ شکار میں جانور قابو میں نہیں ہوتا، آلہ ہی اختیار میں ہوتا ہے۔ دوم: ذبح کے لئے گلہ اور لبّہ میں ذبح کرنا شرط نہیں۔ شکار کا سارا ہی جسم محل ذبح ہے، اور ان دو شرطوں میں تخفیف اس لئے کی گئی ہے کہ شکار کا کچھ حاصل نکلے، ورنہ شکار کا عمل لا حاصل ہو جائے گا، جانور قابو میں نہ ہونے کی وجہ سے ذبح سے پہلے ہی مر جائے گا۔

دوسری بنیاد: شکار کی حلت کے لئے دو شرطیں بڑھائی گئی ہیں: ایک: شکاری جانور کو بالقصد شکار پر چھوڑنا تاکہ اصطیاد (مشکل سے شکار کرنا) متحقق ہو۔ دوم: شکاری جانور شکار کو روکے رکھے خود نہ کھائے، تاکہ اس کا معلّم (سکھلایا ہوا) ہونا متحقق ہو۔

پہلی بنیاد کی وضاحت: ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری، اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبّہ ہے، اور اس میں تسمیہ ذبیحہ پر ضروری ہے، پس اگر ذبح کرنے کے لئے بکری لٹائی اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ بکری چھوڑ کر دوسری بکری ذبح کی اور از سر نو بسم اللہ نہ پڑھی تو یہ دوسری بکری حرام ہے اور اگر بکری تو وہی رہی لیکن چھری بدل دی، دوسری چھری سے ذبح کیا تو وہ حلال ہے۔

اور اگر جانور بے قابو ہو جیسے شکار تو ذبح اضطراری کافی ہے اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے، حدیث میں ہے: ایک صحابی نے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا ذبح: حلق اور لبہ ہی میں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: لو طَعَنْتَ فی فَخِذِهَا لَأَجْزَأَ عنك: اگر تم جانور کی ران میں نیزہ مارو تو بھی تمہارے لئے کافی ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۰۸۲ یہ حدیث کتاب میں بھی آرہی ہے) اور شکار میں چونکہ جانور اختیار میں نہیں ہوتا اس لئے تسمیہ ذبیحہ پر ضروری نہیں بلکہ آلہ پر ضروری ہے، پس اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ تیر دوسرے شکار کو لگ گیا تو وہ شکار حلال ہے، اور اگر شکار پر چلانے کے لئے ایک تیر نکالا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ تیر چھوڑ کر دوسرا تیر چلایا اور از سر نو بسم اللہ نہ پڑھی تو شکار حلال نہیں۔

ان دو شرطوں کے علاوہ ذبح کی باقی شرطیں بحالہ ہیں، مثلاً ذابح کا صاحب ملت (مسلمان یا کتابی) ہونا: یہ بات جانور وغیرہ سے شکار کرنے میں بھی ضروری ہے۔

دوسری بنیاد کی وضاحت: اصطیاد کے معنی ہیں کوشش سے شکار کرنا، پس اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کی تعیین ضروری ہے، قرآن کریم نے ﴿مُكَلِّبِينَ﴾ کے لفظ سے تعیین کی ہے، اس لفظ کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ (اولین اردو مترجم قرآن) نے شکار پر دوڑانا کیا ہے، اور حدیث میں أَرْسَلتَ آیا ہے، پس اصطیاد کا تحقق اس وقت ہوگا جب ارسال پایا جائے، یعنی شکاری جانور کو بالقصد شکار پر چھوڑا جائے: کتے کو دوڑایا جائے، باز کو اڑایا جائے، اور تیر کو چلایا جائے، اگر اتفاقاً کتے وغیرہ کو شکار مل گیا تو وہ اصطیاد نہیں بلکہ ظفر مندی ہے —— اور دوسری شرط قرآن کریم نے ﴿أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ لگائی ہے یعنی شکاری جانور کو یہ سکھایا گیا ہو کہ وہ شکار میں سے نہ کھائے (اور باز کو یہ تعلیم دی گئی ہو کہ جب اس کو بلایا جائے: واپس آجائے، گو وہ شکار کے پیچھے جارہا ہو) ایسا ہی جانور اصطلاح میں معلّم کہلاتا ہے، یہ شرط اس لئے لگائی ہے کہ کتے کا معلّم ہونا متحقق ہو یعنی یہ واضح ہو جائے کہ کتے نے شکار مالک کے لئے کیا ہے اپنے لئے نہیں کیا۔

حدیث (۱): حضرت عدی رضی اللہ عنہ (یہ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے ہیں، پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہوئے ہیں) نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ہم شکار کا طریقہ سکھلائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتے ہیں، پس کیا وہ جو شکار کرے ہمارے لئے حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر اس نے شکار کو تمہارے لئے روک رکھا ہے اور اس میں سے نہیں کھایا تو اس کو کھاؤ'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ اس کو مار ڈالے؟ یعنی ذبح کا موقع نہ ملے شکاری کے پہنچنے سے پہلے شکار مر جائے تو بھی حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگرچہ اس نے شکار کو مار ڈالا ہو بشرطیکہ دوسرا کتا اس کے ساتھ شامل نہ ہوا ہو'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! ہم شکار کو معراض مارتے ہیں آپؐ نے فرمایا: ''جو معراض شکار کے جسم میں گھس جائے اس کو کھاؤ، اور جو اپنی چوڑائی سے لگے اور مار ڈالے تو وہ چوٹ سے مرا ہوا ہے اس کو مت کھاؤ''

تشریح:

۱-اگر شکار پر چھوڑے ہوئے کتے کے ساتھ غیر معلّم کتا مل جائے اور دونوں مل کر شکار کریں یا دوسرا کتا بھی معلم ہو مگر وہ چھوڑا نہ گیا ہو یا بغیر تسمیہ کے چھوڑا گیا ہو یا غیر مسلم کا کتا ہو تو ان سب صورتوں میں شکار حلال نہیں۔اور اگر دونوں کتے معلّم ہوں اور مسلمانوں کے یا کتابی کے ہوں، اور دونوں تسمیہ کے ساتھ چھوڑے گئے ہوں تو شکار حلال ہے۔

اس کی نظیر: دو آدمیوں نے مل کر جانور ذبح کیا اور دونوں نے بسم اللہ پڑھی تو مذبوح حلال ہے اور اگر کسی ایک نے بھی بسم اللہ نہیں پڑھی تو مذبوح حرام ہے، فقہ میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ ذابح کے معین پر بھی تسمیہ ضروری ہے، بعض لوگ ان لوگوں کو جو جانور کے پاؤں وغیرہ پکڑتے ہیں ذابح کا معین سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ جب کوئی شخص پہلی بار ذبح کرتا ہے تو قصائی بھی چھری پر ہاتھ رکھتا ہے اور دونوں مل کر ذبح کرتے ہیں یہ ذابح کا معین ہے، اس پر بھی تسمیہ ضروری ہے، یہی مسئلہ یہاں ہے کہ اگر دو معلّم کتوں نے مل کر شکار کیا اور دونوں بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے گئے ہیں تو شکار حلال ہے اور اگر کوئی ایک بھی بغیر تسمیہ کے چھوڑا گیا ہے تو شکار حلال نہیں۔

۲-ارشادِ نبوی: ''جو معراض شکار کے جسم میں گھس جائے اس کو کھاؤ اور جو اپنی چوڑائی سے لگے اس کو مت کھاؤ'' یہاں سے یہ اصول اخذ کیا گیا ہے کہ اگر آلہ مُثقّل (بھاری) ہو اور اس سے جانور کی موت واقع ہو تو وہ حلال نہیں، مثلاً غلیل کا غلہ یا پتھر کسی جانور کو دے مارا، پس وہ مر گیا تو وہ جانور حلال نہیں، مگر یہ کہ اس کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے، بندوق کے شکار کا بھی یہی حکم ہے، گولی کی چوٹ چھوٹا شکار مثلاً کبوتر برداشت نہیں کر سکتا، پس اگر چھرّا بدن میں گھس بھی گیا ہو اور شکار ذبح سے پہلے مر جائے تو حرام ہے، کیونکہ معلوم نہیں وہ چوٹ سے مرا ہے یا خون نکل جانے کی وجہ سے مرا ہے، اور جب موت کے دو سبب جمع ہو جاتے ہیں تو شکار حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ باب ۵ میں آ رہا ہے، رہا بڑا شکار جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ تو اس میں ذبح کرنے کا موقع باقی رہتا ہے، اس لئے سوال ہی بے کار ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابو ثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم شکاری لوگ ہیں، ہمیں شکار کے احکام بتائیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم نے بسم اللہ پڑھ کر کتا شکار پر چھوڑا اور اس نے شکار روک لیا تو اس کو کھاؤ'' انھوں نے عرض کیا: اگر اس نے شکار کو مار ڈالا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر چہ اس نے شکار کو مار ڈالا ہو'' (تو بھی حلال ہے) انھوں نے عرض کیا: ہم تیر سے بھی شکار کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہارا جو تیر شکار کو تم پر لوٹائے اس کو کھاؤ'' یعنی جو جانور تمہارے ہی تیر سے مرے اس کو کھا سکتے ہو، انھوں نے عرض کیا: ہم سفر زیادہ کرتے ہیں اور یہود و نصاریٰ اور مجوس کی بستیوں سے گذرتے ہیں، اور بعض اوقات ہمارے پاس برتن نہیں ہوتے تو کیا ہم ان کے (لکڑی اور مٹی کے) برتن استعمال کر سکتے ہیں؟ (وہ لوگ ان برتنوں میں شراب پیتے ہیں اور خنزیر پکاتے کھاتے ہیں اور مٹی اور لکڑی کے برتن مظروف کو چوستے ہیں، پس کیا ہم ان کے برتن استعمال کر سکتے ہیں؟) آپؐ نے فرمایا: ''اگر ان کے علاوہ

برتن ہوں تو ان کے برتنوں میں مت کھاؤ اور اگر دوسرے برتن نہ ہوں تو ان کو دھولو اور ان میں کھاؤ پیو!''

تشریح: اگر دوسرے برتن میسر ہوں تو اہل کتاب اور مجوس وہنود کے برتن استعمال نہ کرنے کا حکم استحبابی اور قطع وساوس کے لئے ہے اور دھات کے برتنوں کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، ان کو دھوکر استعمال کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الصَّيْدِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء ما يُؤْكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَالاَ يُؤْكَلُ؟

[١٤٤٩-] حدثنا مَحْمُودُ بنُ غَيْلاَنَ، ثَنَا قَبِيْصَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ هَمَّامِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ قَالَ: قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا نُرْسِلُ كِلاَبًا لَنَا مُعَلَّمَةً؟ قَالَ: "كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ" قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! وَإِنْ قَتَلْنَ؟ قَالَ: "وَإِنْ قَتَلْنَ، مَالَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ مِنْ غَيْرِهَا" قَالَ: قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا نَرْمِيْ بِالْمِعْرَاضِ؟ قَالَ: "مَاخَزَقَ فَكُلْ، وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلاَ تَأْكُلْ"

حدثنا مُحمدُ بْنُ يَحْيىَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: وَسُئِلَ عَنِ الْمِعْرَاضِ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٤٥٠-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا الْحَجَّاجُ، عَنْ مَكْحُوْلٍ، عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ، وَالْحَجَّاجُ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ أَبِيْ مَالِكٍ، عَنْ عَائِذِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ، قَالَ: قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا أَهْلُ صَيْدٍ؟ فَقَالَ: "إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فَأَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ" قُلْتُ: وَإِنْ قَتَلَ؟ قَالَ: "وَإِنْ قَتَلَ" قَالَ قُلْتُ: إِنَّا أَهْلُ رَمْيٍ؟ قَالَ: "مَا رَدَّتْ عَلَيْكَ قَوْسُكَ فَكُلْ" قَالَ: قُلْتُ: إِنَّا أَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوْسِ فَلاَ نَجِدُ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ؟ قَالَ: "فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوْهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ كُلُوْا فِيْهَا وَاشْرَبُوْا"

وفي الباب: عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَعَائِذُ اللّٰهِ: هُوَ أَبُوْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلاَنِيُّ.

وضاحت: والحجاجُ عن الوليد: یہاں سے سند میں تحویل ہے، اور الحجاجُ کا پہلے الحجاجُ پر عطف ہے، اور آخر میں جو ہے وفي الباب: عن عدی بن حاتم: اس سے مذکورہ حدیث کے علاوہ حدیث مراد ہے، حضرت

عدی سے اس مسئلہ میں متعدد حدیثیں مروی ہیں۔ اور معراض کی وضاحت باب ۶ میں آئے گی۔

بابُ ماجاءَ فی صَیْدِ کَلْبِ الْمَجُوْسِیِّ

آتش پرست کے کتے کا شکار حرام ہے

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آتش پرست کے کتے کے شکار سے منع فرمایا اور یہی حکم ہندو وغیرہ مشرکوں کے کتے کے شکار کا ہے۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ جس طرح ذابح کا صاحب ملت (مسلمان یا کتابی) ہونا ضروری ہے، اسی طرح جانور وغیرہ سے شکار کرنے کی صورت میں بھی یہ بات ضروری ہے، پس آتش پرست اور ہندو وغیرہ کے کتے کا شکار حرام ہے، کیونکہ وہ صاحب ملتِ توحید نہیں۔

[۲-] باب ماجاء فی صید کَلْبِ المجوسِیِّ

[۱۴۵۱-] حدثنا یُوْسُفُ بنُ عِیْسَی، ثَنَا وَکِیْعٌ، ثنا شَرِیْكٌ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ أَبِیْ بَزَّةَ، عَنْ سُلَیْمَانَ الْیَشْکُرِیِّ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: نُهِیْنَا عَنْ صَیْدِ کَلْبِ الْمَجُوْسِیِّ.

هٰذَا حدیثٌ غریبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا یُرَخِّصُوْنَ فِیْ صَیْدِ کَلْبِ الْمَجُوْسِ، وَالْقَاسِمُ بنُ أَبِیْ بَزَّةَ: هُوَ الْقَاسِمُ بنُ نَافِعٍ الْمَکِّیُّ.

بابٌ فی صَیْدِ الْبُزَاةِ

باز سے شکار کرنا جائز ہے

حدیث: حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے باز کے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ تمہارے لئے شکار روکے یعنی شکار میں سے کچھ نہ کھائے تو تم کھا سکتے ہو''

تشریح: البُزاۃ: البازی کی جمع ہے اردو میں اس کو باز (ی کے بغیر) کہتے ہیں، یہ کبوتر وغیرہ چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے، سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ﴿مُکَلِّبِیْنَ﴾ آیا ہے، شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ نے اس کا ترجمہ ''شکار پر دوڑانا'' کیا ہے یعنی کتا، کیونکہ وہی دوڑایا جاتا ہے، پرندہ تو اڑایا جاتا ہے، پس نبی ﷺ نے باز اور شکرے کو کتے کے ساتھ لاحق کیا ہے، اس لئے باز وغیرہ کا شکار بھی اگر وہ معلَّم ہو اور بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا گیا ہو تو حلال ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے شکاری پرندوں کو جوارح میں شامل کیا ہے پس ان کے شکار کا

جوازقرآن سے ثابت ہوا۔

پھر احناف کے نزدیک کتے کی تعلیم اور باز کی تعلیم میں فرق ہے، کتے کی تعلیم یہ ہے کہ وہ شکار میں سے نہ کھائے، پورا شکار مالک کے لئے روک رکھے، اور باز کی تعلیم یہ ہے کہ جب اس کو بلایا جائے: واپس آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جارہا ہو، اور دونوں کی تعلیم میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ کتے کو یہ تعلیم دینا کہ وہ شکار میں سے کچھ نہ کھائے ممکن ہے اور باز کو یہ تعلیم نہیں دی جاسکتی کیونکہ جب شکاری جانور کو یہ ٹریننگ دی جائے گی اور وہ خلاف ورزی کرے گا تو استاذ اس کو مارے گا، اور باز کا جسم ناتواں ہے اس کو مار نہیں سکتے اس لئے اس کو یہ تعلیم بھی نہیں دی جاسکتی، اس لئے اس کی تعلیم دوسری ہے کہ اڑانے کے بعد بلانے پر آجائے، پس اگر باز شکار میں سے کچھ کھالے تو بھی شکار حلال ہے اور مذکورہ حدیث ضعیف ہے، اس میں مجالد مشہور ضعیف راوی ہے۔

[۳-] بابٌ في صَيْدِ الْبُزَاةِ

[۱۴۵۲-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، وَهَنَّادٌ، وَأَبُو عَمَّارٍ، قَالُوْا: ثَنَا عِيْسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَيْدِ الْبَازِيْ؟ فَقَالَ: "مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَايَرَوْنَ بِصَيْدِ الْبُزَاةِ وَالصُّقُوْرِ بَأْسًا، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْبُزَاةُ: وَهُوَ الطَّيْرُ الَّذِيْ يُصَادُ بِهِ: مِنَ الْجَوَارِحِ الَّتِيْ قَالَ الله تعالىٰ: ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ﴾ فَسَّرَ الْكِلَابَ وَالطَّيْرَ الَّذِيْ يُصَادُ بِهِ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ صَيْدِ الْبَازِيْ وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ، وَقَالُوْا: إِنَّمَا تَعْلِيْمُهُ إِجَابَتُهُ: وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وَالْفُقَهَاءُ أَكْثَرُهُمْ: قَالُوْا: يَأْكُلُ، وإِنْ أَكَلَ مِنْهُ.

ترجمہ: اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے، وہ باز اور شکرے کے شکار میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، یعنی ان کے ذریعہ شکار کرنا جائز ہے، اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باز وہ پرندہ ہے جس کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے اور وہ جوارح میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ﴾ مجاہد نے جوارح کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد وہ کتا اور پرندہ ہے جس کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے، اور بعض اہل علم نے باز کے شکار کو کھانے کی اجازت دی، اگرچہ اس نے اس میں سے کھایا ہو، وہ فرماتے ہیں: باز کی تعلیم: بلائے جانے پر اس کا واپس آجانا ہے، اور بعض علماء اس کو (جبکہ باز نے شکار میں سے کھایا ہو) حرام کہتے ہیں، اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس کو کھاسکتے ہیں اگرچہ باز نے شکار میں سے کھایا ہو۔

بابٌ فی الرَّجُلِ یَرْمِی الصَّیْدَ فَیَغِیْبُ عَنْهُ

شکار تیر کھا کر غائب ہوگیا، پھر مرا ہوا ملا تو کیا حکم ہے؟

شکار کو تیر مارا، شکار تیر کھا کر غائب ہوگیا اور تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملا، پھر دوسرے دن مرا ہوا ملا، اور اس میں ہمارا تیر پیوست ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ وہ ہمارے تیر سے مرا ہے، کیونکہ موت کا کوئی دوسرا سبب موجود نہیں، ایسے شکار کا کیا حکم ہے؟ حضور اقدس ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ شکار تمہارے ہی تیر سے مرا ہے، اور اس پر کسی درندے کے نوچنے کا نشان نہ ہو تو تم کھا سکتے ہو'' (البتہ اگر کسی درندے نے اس کو نوچا ہو تو وہ حلال نہیں، کیونکہ موت کے دو سبب جمع ہو گئے، اور معلوم نہیں: کس سبب سے مرا ہے؟ اس لئے حلال نہیں)

[٤-] بابٌ فی الرَّجُلِ یَرْمِی الصَّیْدَ فَیَغِیْبُ عَنْهُ

[١٤٥٣-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَیْلاَنَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِیْ بِشْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِیْدَ بنَ جُبَیْرٍ، یُحَدِّثُ عَنْ عَدِیِّ بنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قُلْتُ: یارسولَ اللهِ! أَرْمِی الصَّیْدَ فَأَجِدُ فِیْهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِیْ؟ قَالَ: '' إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِیْهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ''

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَرَوَی شُعْبَةُ هٰذَا الْحدیثَ عَنْ أَبِی بِشْرٍ، وَعَبْدِ الْمَلِكِ بنِ مَیْسَرَةَ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ جُبَیْرٍ، عَنْ عَدِیِّ بنِ حَاتِمٍ، وَكَلَا الْحَدِیْثَیْنِ صَحِیْحٌ، وَفِی الْبَابِ عَنْ أَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ.

وضاحت: امام شعبہ رحمہ اللہ یہ حدیث دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں: (۱) ابو بشر جعفر بن ایاس سے (۲) اور عبد الملک بن میسرہ سے۔ پہلی سند باب کے شروع میں ہے اور دوسری سند نسائی (حدیث ۴۳۰۲) میں ہے، پھر دونوں اساتذہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں اور دونوں سندیں صحیح ہیں۔ اور باب کے آخر میں جو عبارت ہے وروی شعبة هذا الحديث عن أبی بشر، وعبد الملك بن ميسرة: اس میں ابو بشر کا تذکرہ صحیح نہیں، کیونکہ ان سے روایت باب کے شروع میں آچکی ہے اور کلا الحدیثین سے مراد دونوں سندیں ہیں۔

بابٌ فی مَنْ یَرْمِی الصَّیْدَ فَیَجِدُهُ مَیِّتًا فِی الْمَاءِ

شکار کو تیر مارا پس وہ پانی میں گر گیا اور مر گیا تو کیا حکم ہے؟

حدیث (۱): حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے شکار کا مسئلہ دریافت کیا: آپؐ نے

فرمایا: ''جب تم اللہ کا نام لے کر شکار کو تیر مارو پھر اس کو مرا ہوا پاؤ تو تم اس کو کھاؤ مگر یہ کہ تم اس کو پانی میں پڑا ہوا پاؤ، پس اس کو نہ کھاؤ اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ پانی نے اس کو مارا ہے یا تمہارے تیر نے''

تشریح: اس حدیث سے علماء نے یہ اصول بنایا ہے کہ اگر کسی جانور کی موت کے دوسبب جمع ہو جائیں، جن میں سے ایک مشروع اور ایک غیر مشروع ہو تو وہ جانور حرام ہے، مثلاً کنویں کی مینڈ پر کبوتر بیٹھا تھا، شکاری نے تیر مارا، وہ تیر کھا کر کنویں میں گر گیا اور مر گیا تو یہاں موت کے دوسبب جمع ہوئے، ایک تیر لگنا، دوسرا پانی میں گرنے کی وجہ سے مرنا، اول مشروع ہے اور ثانی غیر مشروع، پس وہ شکار حلال نہیں۔

حدیث (۲): حضرت عدیؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے معلّم کتے کے شکار کے بارے میں دریافت کیا: آپؐ نے فرمایا: ''جب تم نے اپنے کتے کو شکار پر چھوڑا اور تم نے اللہ کا نام لیا پس اگر اس نے شکار کو تمہارے لئے روک رکھا یعنی کتے نے اس میں سے کچھ نہ کھایا تو تم اس کو کھا سکتے ہو اور اگر اس نے کھایا تو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ہمارے کتوں کے ساتھ دوسرے کتے مل جائیں تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم نے اپنے کتے ہی پر بسم اللہ پڑھی ہے دوسرے کتوں پر نہیں پڑھی، لہٰذا اس کو مت کھاؤ'' کیونکہ تمہیں معلوم نہیں ان کتوں میں سے کس نے مارا ہے، مگر یہ کہ تم شکار کو زندہ پاؤ، پس ذبح اختیاری کر کے کھا سکتے ہو۔

[٥-] بابٌ في مَنْ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَجِدُهُ مَيِّتًا فِي الْمَاءِ

[١٤٥٤-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَاصِمُ الْأَحْوَلُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الصَّيْدِ، فَقَالَ: " إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ، فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ فَكُلْ، إِلَّا أَنْ تَجِدَهُ قَدْ وَقَعَ فِيْ مَاءٍ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ آلْمَاءُ قَتَلَهُ أَوْ سَهْمُكَ؟" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٤٥٥-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَيْدِ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ؟ قَالَ: " إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ، فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ، فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ" قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ خَالَطَتْ كِلَابَنَا كِلَابٌ أُخْرَى؟ قَالَ: " إِنَّمَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَى كَلْبِكَ، وَلَمْ تَذْكُرْ عَلَى غَيْرِهِ" قَالَ سُفْيَانُ: كُرِهَ لَهُ أَكْلُهُ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله لعيه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِي الصَّيْدِ وَالذَّبِيْحَةِ إِذَا وَقَعَا فِي الْمَاءِ: أَنْ لَايَأْكُلَ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ فِيْ الذَّبِيْحَةِ: إِذَا قَطَعَ الْحُلْقُوْمَ فَوَقَعَ فِي الْمَاءِ فَمَاتَ فِيْهِ فَإِنَّهُ يُؤْكَلُ، وَهُوَ قَوْلُ ابنُ الْمُبَارَكِ.

وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ الْكَلْبِ إِذَا أَكَلَ مِنَ الصَّيْدِ، فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ فَلَا يَأْكُلُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ الْأَكْلِ مِنْهُ، وَإِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ.

ترجمہ: سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر دوسرے کتے مل گئے ہوں تو اس کا کھانا حرام ہے (حدیث روایت کرنے کے بعد سفیانؒ نے یہ بات فرمائی ہے) اور اس (حدیث) پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے وہ شکار اور ذبیحہ کے بارے میں کہتے ہیں: جب وہ پانی میں گر کر مر جائے تو اس کو کھایا نہ جائے، اور بعض علماء ذبیحہ کے بارے میں فرماتے ہیں: جب ذابح نے گلا کاٹ دیا پھر وہ پانی میں گرا اور مر گیا تو اس کو کھایا جائے، اور یہ ابن المبارکؒ کا قول ہے (اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے) اور اہل علم کا کتے کے شکار کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ کتا شکار میں سے کھائے، اکثر اہل علم کہتے ہیں: جب کتے نے شکار میں سے کھایا تو اس کو کھانا جائز نہیں، اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔ اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم اس شکار کو کھانے کی اجازت دیتے ہیں جس میں سے کتے نے کھایا ہے (معلوم نہیں یہ کس کی رائے ہے، قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحتاً مذکور ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ لہٰذا یہ رائے قرآن کے خلاف ہے)

تشریح: حنفیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر ذبیحہ میں حیات بقدر مذبوح رہ جائے پھر وہ پانی میں گر کر مر جائے تو وہ حلال ہے، مثلاً جانور ذبح کیا، اب اس میں حیات بقدر مذبوح ہے یعنی اب وہ مرنے والا ہے، اس حالت میں اگر وہ پانی میں گر جائے اور مر جائے تو حلال ہے کیونکہ اس کی موت گلا کٹ جانے کی وجہ سے ہوئی ہے اور تیر کھا کر جو کبوتر پانی میں گر کر مرتا ہے: اس میں حیات بقدر مذبوح ہے یا زیادہ؟ یہ بات معلوم نہیں، اس لئے وہ حرام ہے۔

بابُ ماجاء فِيْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ

معراض کے شکار کا حکم

مِعراض: تیر کے پھل کی طرح کا ایک ہتھیار ہوتا تھا، تیر میں لکڑی لگتی ہے اور وہ کمان سے چلایا جاتا ہے، اور معراض میں لکڑی نہیں لگتی، اور وہ تیر کے پھل سے بڑا ہوتا ہے، اور اس کا پکڑنے کا دستہ ہوتا ہے، اس کو ہاتھ سے پکڑ

کر سیدھ باندھ کر مارتے ہیں، وحشیؓ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسی ہتھیار سے قتل کیا تھا، حضرت حمزہؓ بے خبر چلے جارہے تھے، وحشی نے ایک پتھر کی آڑ سے یہ ہتھیار پھینکا جوان کے پیٹ میں پیوست ہوگیا۔ اردو میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں۔

معراض: جب پھینکا جاتا ہے تو اکثر نوک سے لگتا ہے، یہ شکار حلال ہے جبکہ بسم اللہ، اللہ أکبر پڑھ کر معراض پھینکا گیا ہو، مگر کبھی وہ گھوم جاتا ہے اور عرض (جانب، سائڈ) سے لگتا ہے، اور چھوٹا شکار جیسے کبوتر مرجاتا ہے، یہ وقیذ (کوٹا ہوا) ہے اور یہ بہ نص قرآنی حرام ہے، کیونکہ معراض کی سائڈ میں دھار نہیں ہوتی، شکار اس کی چوٹ سے مرتا ہے، اس لئے وہ کوٹا ہوا ہے۔

حدیث: حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے معراض کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ شکار جس کو آپ معراض کی دھار (نوک) سے پہنچیں: پس کھائیں، اور جس کو آپ معراض کی چوڑائی (جانب) سے پہنچیں تو وہ کوٹا ہوا ہے'' (یہی حکم غلیل کے غلہ، پتھر اور بندوق کی گولی کا ہے، ان میں نوک یا دھار نہیں ہوتی، اس لئے وہ شکار موقوذہ ہے اور حرام ہے، تفصیل پہلے آچکی ہے)

[٦-] باب ماجاء في صيد المِعراضِ

[١٤٥٦-] حدثنا يُوسُفُ بنُ عِيْسٰى، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ، فَقَالَ: "مَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَمَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيْذٌ"

حدثنا ابنَ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

بابُ ماجاء في الذَّبحِ بِالْمَرْوَةِ

دھاردار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے

مَروۃ: خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے جو سفید اور دھاردار ہوتا ہے، اس سے اگر جانور ذبح کیا جائے تو حلال ہے، مشکوٰۃ (حدیث ۴۰۷۱) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو چیز خون بہادے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے (یہ حدیث آگے بھی آرہی ہے) لہٰذا اگر دھاردار پتھر سے یا بانس وغیرہ کے چھلکے سے جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی قوم کے ایک شخص نے ایک یا دو خرگوش شکار کئے اور

ان کو مَروہ سے ذبح کیا اور کجاوے پر لٹکا لیا، جب حضور اقدس ﷺ سے ملاقات ہوئی تو حکم دریافت کیا، آپؐ نے ان کو کھانے کا حکم دیا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے، ترمذی جلد دوم کے شروع میں یہ مسئلہ آئے گا۔ جمہور ائمہ اسی کے قائل ہیں مگر شیعوں کے نزدیک خرگوش حرام ہے، ابن بطوطہ نے سفر نامہ میں قصہ لکھا ہے کہ وہ سفر میں ایک بستی میں پہنچے، انھوں نے بستی والوں سے دعوت مانگی، انھوں نے ان کو شیعہ خیال کیا اور ان کے پاس زندہ خرگوش بھیجا اور ایک آدمی نگرانی پر لگا دیا، ابن بطوطہ کہتا ہے: ہم نے وہ خرگوش ذبح کیا اور پکا کر کھایا، تب گاؤں والوں کو یقین آیا کہ ہم شیعہ نہیں ہیں، سنّی ہیں، پھر انھوں نے ہماری خوب آؤ بھگت کی۔

[۷-] باب ماجاء في الذَّبحِ بِالْمَرْوَةِ

[۱٤٥٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلى، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَجُلاً مِنْ قَوْمِهِ صَادَ أَرْنَبًا أَوِاثْنَيْنِ، فَذَبَحَهُمَا بِمَرْوَةٍ، فَتَعَلَّقَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلَهُ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهِمَا.

وفي الباب: عَنْ مُحمدِ بنِ صَفْوَانَ، وَرَافِعٍ، وَعَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ أَنْ يُذَكَّى بِمَرْوَةٍ، وَلَمْ يَرَوْا بِأَكْلِ الأَرْنَبِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُهُمْ أَكْلَ الأَرْنَبِ.

وَاخْتَلَفَ أَصْحَابُ الشَّعْبِيِّ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيْثِ: فَرَوَى دَاوُدُ بنُ أَبِيْ هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مُحمدِ بنِ صَفْوَانَ، وَرَوَى عَاصِمٌ الأَحْوَلُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ صَفْوَانَ بنِ مُحمدٍ، أَوْ مُحمدِ بنِ صَفْوَانَ، وَمحمدُ بنُ صَفْوَانَ أَصَحُّ، وَرَوَى جَابِرٌ الجُعْفِيُّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عن جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ نَحْوَ حديثِ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الشَّعْبِيُّ رَوَى عَنْهُمَا جَمِيْعًا، قَالَ مُحمدٌ: حديثُ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ.

لغت: عَلَّقَ وَتَعَلَّقَ الشيئَ: لٹکانا، اٹکانا، دونوں بابوں کے معنی ایک ہیں۔

وضاحت: یہ حدیث حضرت جابرؓ کی ہے یا حضرت محمد بن صفوان رضی اللہ عنہ کی؟ اس سلسلہ میں شعبیؒ کے تلامذہ میں اختلاف ہے، قتادہ اور جابر جعفی اس کو حضرت جابر کی حدیث قرار دیتے ہیں اور داؤد اور عاصم اس کو حضرت محمد بن صفوان کی حدیث قرار دیتے ہیں (پھر داؤد کی حدیث میں صحابی کا نام محمد بن صفوان ہے اور عاصم کی روایت میں شک ہے کہ نام صفوان بن محمد ہے یا محمد بن صفوان، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: صحیح نام محمد بن صفوان ہے) پھر شعبی کے تلامذہ میں جو خلاف ہے اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے شعبی نے یہ حدیث محمد بن صفوان سے بھی سنی ہو اور

حضرت جابر سے بھی۔ اور امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث محمد بن صفوان کی ہے، شعبی عن جابر کی سند محفوظ نہیں۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَةِ أَکْلِ الْمَصْبُوْرَةِ

روک کر تیر مارے ہوئے جانور کا کھانا حرام ہے

مَصْبورة: اسم مفعول ہے اس کا مادہ ہے: ص، ب، ر اور اس مادہ کے معنی ہیں: روکنا، مردے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے، لیکن اگر آدمی اپنے نفس کو روکے تو اس کو صبر کہتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں لوگ جانور کو باندھ کر چاند ماری (نشانہ بازی) کیا کرتے تھے پھر جب وہ تیر کھا کر مرجاتا تھا تو اس کو کھاتے تھے، نبی ﷺ نے باب کی پہلی حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے، کیونکہ وہ جانور نہ تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ذبح کیا گیا ہے اور نہ اس کے ذریعہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا گیا ہے یعنی وہ شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہوا جانور نہیں ہے اس لئے حرام ہے۔ اور تیسری حدیث میں جانور کو نشانہ بنانے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ بے ضرورت جانور کو تکلیف پہنچانا ہے، نشانہ بازی کی مشق کے لئے بہت سے طریقے ہیں ان کو اپنایا جائے، خواہ مخواہ جانور کو تکلیف پہنچانا قساوتِ قلبی کی علامت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں نکوکاری (عمدہ کرنے) کو فرض کیا ہے، یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مُجَثَّمَة کو کھانے سے منع فرمایا، مجثمہ (گھٹنوں کے بل پڑا ہوا) وہ جانور ہے جو تیروں کے لئے روکا گیا ہو یعنی جس پر چاند ماری کی گئی ہو، یہاں تک کہ وہ مر گیا ہو۔

حدیث (۲): حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہر کچلی دار درندے سے، اور ہر پنجے دار پرندے سے اور پالتو گدھے کے گوشت سے اور مجثمہ سے اور خلیسہ سے منع فرمایا اور حاملہ باندیوں سے وطی کرنے سے منع فرمایا جب تک وہ بچہ نہ جن دیں۔

تشریح: ناب: مفرد ہے، جمع أَنْیَابٌ ہے، انیاب: اوپر نیچے دونوں جانب جو آخری دانت ہیں جو گولائی لئے ہوئے ہوتے ہیں ان کو انیاب کہتے ہیں، اردو میں اس کو کچلی کہتے ہیں۔ تمام وہ جانور جو گوشت کھاتے ہیں ان کی کچلیاں ہوتی ہیں، انسان بھی گوشت خور ہے اس لئے اس کی بھی کچلیاں ہیں، البتہ انسان کی کچلیاں غیر واضح ہیں، اور جانوروں کی کچلیاں دوسرے دانتوں سے واضح ہوتی ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جن جانوروں کی کچلیاں ہیں اور ان کی فطرت میں درندگی (پھاڑ کھانا) ہے وہ سب حرام ہیں، اسی طرح وہ پرندے جو پنجے والے ہیں یعنی پنجوں سے شکار پکڑ کر پھاڑتے ہیں یعنی ان کی فطرت میں درندگی (پھاڑ کھانا) ہے وہ سب حرام ہیں۔ پہلے جملہ میں: مِن السِّباع کی

جو قید ہے وہ دوسرے جملہ میں بھی ملحوظ ہے، اور پالتو گدھا بھی حرام ہے اس قید سے وحشی گدھا یعنی گورخر نکل گیا، گورخر اور اس کی مادہ نیل گائے حلال ہیں۔

خَلِيْسَة: بروزن فَعِيْلَة: درندے کے منہ سے چھڑایا ہوا جانور جو ذبح کرنے سے پہلے مرجائے، لغوی معنی ہیں: چھڑائی ہوئی چیز، اگر درندے سے چھڑائی ہوئی مرغی زندہ ہو اور اس کو ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے ـــــ جَثَم الحیوانُ کے معنی ہیں: جانور کا زمین سے چمٹنا یا زمین سے سینہ کو لگانا، پس مجثّمہ وہ جانور ہے جس کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا ہو اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا ہو، امام ترمذیؒ کے استاذ الاستاذ ابو عاصم نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

حدیث (۳): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کسی بھی جاندار کو تیروں کا نشانہ بنانے سے منع فرمایا۔

[۸-] باب ماجاء في كراهية أَكْلِ الْمَصْبُوْرَةِ

[١٤٥٨-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحِيْمِ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَفْرِيْقِيِّ، عَنْ صَفْوَانَ بنِ سُلَيْمٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ الدَّرْدَاءِ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ، وَهِيَ الَّتِيْ تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ.

وفي الباب: عَنْ عِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، وَأَنَسٍ، وابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ؛ وَحَدِيْثُ أَبِيْ الدَّرْدَاءِ حديثٌ غريبٌ.

[١٤٥٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ وَهْبِ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِيْ أُمُّ حَبِيْبَةَ بِنْتُ الْعِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، عَنْ أَبِيْهَا أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ، وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ، وَعَنِ الْخَلِيْسَةِ، وَأَنْ تُوْطَأَ الْحَبَالَى حَتّٰى يَضَعْنَ مَا فِيْ بُطُوْنِهِنَّ.

قَالَ مُحمدُ بنُ يَحْيىَ: هُوَ الْقُطَعِيُّ : سُئِلَ أَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ؟ فَقَالَ: أَنْ يُنْصَبَ الطَّيْرُ أَوِ الشَّيْءُ فَيُرْمَى، وَسُئِلَ عَنِ الْخَلِيْسَةِ؟ فَقَالَ: الذِّئْبُ أَوِ السَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ، فَيَأْخُذُ مِنْهُ، فَيَمُوْتُ فِيْ يَدِهِ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهَا.

[١٤٦٠-] حدثنا محمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُتَّخَذَ شَيْئٌ فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ فی ذَکَاةِ الْجَنِیْنِ

پیٹ کے بچے کے ذبح کا حکم

مذبوحہ جانور کے پیٹ میں سے اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، ذبح کئے بغیر مرجائے تو وہ بالا جماع حرام ہے، اور اگر اس حال میں نکلے کہ ابھی اس کی بناوٹ ہی مکمل نہیں ہوئی تو بھی بالا جماع حرام ہے، کیونکہ ابھی وہ مُضغہ ہے اور اگر بناوٹ مکمل ہوچکی ہے اور بال بھی نکل آئے ہیں اور مرا ہوا نکلا تو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک حرام ہے ——— دونوں فریقوں کی دلیل باب کی حدیث ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے یا اس کی ماں کے ذبح کی طرح ضروری ہے''

تشریح: ذکوۃُ أمه: بالرفع اور بالنصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے، رفع والی قراءت میں خبر ہے اور اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ماں کا ذبح بعینہ بچے کا ذبح ہے، الگ سے اس کو ذبح کرنا ضروری نہیں۔ اس صورت میں یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔ اور نصب والی قراءت میں یہ منصوب بنزع الخافض ہے اور تقدیر عبارت کذکاة أمه ہے یعنی جنین کو اس کی ماں کی طرح ذبح کرنا ضروری ہے، اس صورت میں یہ حدیث امام اعظمؒ کی دلیل ہے ——— اور اگر حدیث میں تشبیہ بلیغ مراد لیں تو پھر رفع والی قراءت بھی امام اعظم کی دلیل ہے۔ تشبیہ بلیغ میں مشبہ بہ کا مشبہ پر حمل کیا جاتا ہے اور حرف تشبیہ کو حذف کردیا جاتا ہے جیسے: زیدٌ أسدٌ یہ تشبیہ بلیغ ہے اور تقدیر عبارت ہے: زید کالأسد اس میں حرف تشبیہ کو حذف کرکے أسد (مشبہ بہ) کا زید (مشبہ) پر حمل کیا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ذکاةُ أمه (مشبہ بہ) کا ذکاةُ الجنین (مشبہ) پر حمل ہے اور حرف تشبیہ کاف محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے: ذکاة الجنین کذکاةِ أمه۔

فائدہ: یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ پیٹ کے بچے کی حیات ماں کی حیات کے تابع نہیں، چنانچہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد بھی پیٹ میں سے بچہ زندہ نکلتا ہے اور عورت کے مرجانے کے بعد بھی بچہ پیٹ میں زندہ رہتا ہے، پس جب دونوں کی حیات مستقل ہے تو ذبح میں ایک دوسرے کے تابع کیسے ہوجائیں گے؟ یہ موٹی سی بات ہے اگر کوئی سمجھنا چاہے۔

[۹-] بابُ فی ذَکَاةِ الْجَنِیْنِ

[۱٤٦۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا یَحْیَی بنُ سَعِیْدٍ، عَنْ مُجَالِدٍ، ح: وَثَنَا سُفْیَانُ بنُ وَکِیْعٍ، ثَنَا حَفْصُ بنُ غِیَاثٍ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ أَبِی الْوَدَّاكِ عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم:

"ذَكَاةُ الْجَنِيْنِ ذَكَاةُ أُمِّهِ"

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وأَبِي أُمَامَةَ، وأَبِي الدَّرْدَاءِ، وأَبِي هُرَيْرَةَ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ؛ وَأَبُوْ الْوَدَّاكِ: اسْمُهُ جَبْرُ بنُ نَوْفٍ.

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ كُلِّ ذِيْ نَابٍ وَذِيْ مِخْلَبٍ

ہر کچلی دار درندہ اور ہر پنجے دار پرندہ حرام ہے

حدیث (۱): حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہر کچلی دار درندے سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں اور خچروں کے گوشت کو حرام قرار دیا، اور ہر کچلی دار درندے اور ہر پنجے دار پرندے سے منع فرمایا (تفصیل گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکی)

[-۱۰] بابٌ في كراهية كُلِّ ذي نابٍ وَذِيْ مِخْلَبٍ

[-۱٤٦٢] حدثنا أَحْمَدُ بنُ الْحَسَنِ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ: نَهٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ.

حدثنا سَعِيدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيُّ: اسْمُهُ عَائِذُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ.

[-۱٤٦٣] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ النَّضْرِ، ثَنَا عِكْرِمَةُ بنُ عَمَّارٍ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِي كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: حَرَّمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم- يَعْنِيْ يَوْمَ خَيْبَرَ- الْحُمُرَ الإِنْسِيَّةَ، وَلُحُوْمَ الْبِغَالِ، وَكُلَّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ.

وفي الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وحديثُ جَابِرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[-۱٤٦٤] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ

أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم حَرَّمَ كُلَّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ.
هٰذَا حدیثٌ حسنٌ، وَالْعَمَلُ عَلیٰ هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم وَغَیْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ اللهِ بنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِیِّ، وأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

بابُ ماجاء ما قُطِعَ مِنَ الْحَیِّ فَهُوَ مَیِّتٌ

زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت حرام ہے

حدیث: حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ لوگ زندہ اونٹوں کی کوہانیں اور دنبوں کی چکتیاں کاٹتے ہیں، پس آپؐ نے فرمایا: ''جو عضو چوپائے میں سے کاٹا گیا درانحالیکہ وہ زندہ ہے تو وہ عضو مردار ہے''

تشریح: زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹنا جانور کے لئے تکلیف کا باعث ہے اس لئے ممنوع ہے، نیز یہ علحدہ کیا ہوا عضو ذبیحہ نہیں اس لئے حرام ہے، اور اگر شکار کو تیر مارا اور اس کی ٹانگ کٹ کر علحدہ ہوگئی اور شکار بھاگ گیا تو یہ ٹانگ حلال ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل ہدایہ میں یہ ہے کہ مُبان (جدا کیا ہوا عضو) فرع ہے اور مُبان منہ (جس جانور سے عضو علحدہ کیا گیا) اصل ہے، پس جہاں اصل میں اصل ہونے کی صلاحیت ہو تو مبان حرام ہے ورنہ نہیں، پس اگر شکار کے دو برابر حصے ہوگئے تو دونوں حلال ہیں، کیونکہ اب کسی حصہ میں مبان منہ ہونے کی صلاحیت نہیں، اسی طرح جانور کو ذبح کیا اور ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا کوئی عضو کاٹ کر علحدہ کردیا تو وہ حلال ہے کیونکہ یہ ایسے زندہ جانور میں سے علحدہ کیا گیا ہے جو صرف صورۃً زندہ ہے حکماً زندہ نہیں، اس لئے یہ جدا کیا ہوا عضو حلال ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء ما قُطِعَ من الحَیِّ فهو میتٌ

[١٤٦٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلیٰ الصَّنْعَانِیُّ، نَا سَلَمَةُ بنُ رَجَاءٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ عَبْدِ اللهِ بنِ دِیْنَارٍ، عَنْ زَیْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ، عَنْ أَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ، قَالَ: قَدِمَ النبیُّ صلی الله علیه وسلم الْمَدِیْنَةَ، وَهُمْ یَجُبُّوْنَ أَسْنِمَةَ الإِبِلِ، وَیَقْطَعُوْنَ أَلْیَاتِ الْغَنَمِ، فَقَالَ: " مَا یُقْطَعُ مِنَ الْبَهِیْمَةِ، وَهِیَ حَیَّةٌ، فَهُوَ مَیْتَةٌ"

حدثنا إِبْرَاهِیْمُ بنُ یَعْقُوبَ، ثَنَا أَبُو النَّضْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ دِیْنَارٍ نَحْوَهُ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیْثِ زَیْدِ بنِ أَسْلَمَ، وَالْعَمَلُ عَلیٰ هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَأَبُوْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیُّ: اسْمُهُ الْحَارِثُ بنُ عَوْفٍ.

بابٌ فی الذَّکَاةِ فِی الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ

ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری کا بیان

حدیث: ابوالعشراء کے والد فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ذبح سینہ اور گلے کے گڑھے کے درمیان ہی ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم جانور کی ران میں نیزہ مارو تو تمہارے لئے کافی ہے''

تشریح: ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبہ ہے، اور اگر جانور قابو سے باہر ہو جیسے شکار تو ذبح اضطراری بھی کافی ہے اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے، سائل ذبح کی دوسری قسم کو نہیں جانتا تھا، آپؐ نے اس کو دوسری قسم سے بھی آگاہ کیا۔

[۱۲-] بابٌ فی الذَّکَاةِ فی الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ

[۱٤٦٦-] حدثنا هَنَّادٌ، ومُحمدُ بنُ الْعَلَاءِ، قَالَا: ثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، ح: وَحدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، ثَنَا يزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الْعُشَرَاءِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قُلْتُ يَارسولَ اللّٰهِ! أَمَا تَكُوْنُ الذَّكَاةُ إِلَّا فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ؟ قَالَ: " لَوْ طَعَنْتَ فِيْ فَخِذِهَا لَأَجزَأَ عَنْكَ" قَالَ أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ: قَالَ يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ: هٰذَا في الضَّرُوْرَةِ.

وفي الْباب: عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وَهٰذَا حديثٌ غريبٌ لانَعرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، وَلَا نَعرِفُ لِأَبِيْ الْعُشَرَاءِ عَنْ أَبِيْهِ غَيْرَ هٰذَا الْحديثِ، وَاخْتَلَفُوْا فِي اسْمِ أَبِيْ الْعُشَرَاءِ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اسْمُهُ أُسَامَةُ بنُ قِهْطِمٍ، وَيُقَالُ: يَسَارُ بنُ بَرْزٍ، وَيُقَالُ: ابْنُ بَلْزٍ، وَيُقَالُ: اسْمُهُ عُطَارِدُ.

وضاحت: هذا في الضرورة کا مطلب یہ ہے کہ ران میں زخم کرنا جو ذبح ہے: وہ صرف ذبح اضطراری میں ہے۔

بابٌ فی قَتْلِ الْوَزَغِ

چھپکلی کو مارنے کا حکم

وَزَغ: اسم جنس ہے، اس کی دو نوعیں ہیں: گرگٹ اور چھپکلی، حضور اقدس ﷺ نے چھپکلی اور گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا ہے اور ان کا فاسق (شرارتی) نام رکھا ہے اور فرمایا: ''وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک مارتا تھا'' اور فرمایا: ''جس نے پہلے وار میں مار ڈالا اس کے لئے سونیکیاں ہیں، اور دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم'' (مشکوٰۃ احادیث ۴۱۱۹، ۴۱۲۱)

سوال: جس چھپکلی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک ماری تھی اس کا چاہے کچھومر نکال دو مگر پوری نوع کو اس کی سزا دینا خلاف اصول ہے۔

جواب: چھپکلی کو مارنے کا حکم اس جرم کی سزا میں نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس جانور کی ایذا رسانی کی وجہ سے ہے اور پھونک مارنے کو ایذاء رسانی کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، یعنی جہاں اس کا کچھ نہیں اٹھتا تھا وہاں بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئی، اسی طرح وہ انسان کو ہر ممکن ضرر پہنچانے کی کوشش کرتی ہے، برتن میں تھوکتی ہے، نمک میں رال ٹپکاتی ہے جس کے نتیجہ میں برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور کچھ بس نہیں چلتا تو چھت میں چڑھ کر کھانے وغیرہ پر بیٹ کرتی ہے (حاشیہ الکوکب الدری ۲:۳۹۱) پس یہ حکم اس کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لئے ہے۔

اور پہلے وار میں مارڈالنے کی ترغیب دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: یہ چاند ماری میں مہارت کی علامت ہے اور نشانہ بازی ایک جہادی عمل ہے جو مرغوب فیہ ہے۔

دوسری وجہ: چھپکلی بھولی اور چالاک ہوتی ہے، اگر پہلا وار چل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ہاتھ نہیں آئے گی اس لئے پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام کر دینا چاہئے۔

[۱۳-] بابٌ فی قَتْلِ الْوَزَغِ

[۱۴۶۷-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً بِالضَّرْبَةِ الْأُوْلَى كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، فَإِنْ قَتَلَهَا فِيْ الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَسَعْدٍ، وعَائِشَةَ، وأُمِّ شَرِيْكٍ، وَحديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: نار ابراہیمؑ میں پھونک مارنے کی روایت بخاری ومسلم میں ہے...... اور کذا و کذا: عدد مبہم کے لئے ہیں یعنی بلا تعیین پہلی بار میں نیکیاں زیادہ ہیں، دوسری بار میں اس سے کم، اور تیسری بار میں اور بھی کم۔

بابٌ فِيْ قَتْلِ الْحَيَّاتِ

سانپوں کو مارنے کا حکم

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سانپوں کو مار ڈالو اور ذو الطُّفیتین (دو دھاری والے) اور ابتر (دم

کٹے) کوتو ضرور مارڈالو، وہ دونوں نگاہوں کوڈھونڈھتے ہیں یعنی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے ہیں اور حمل کوگرادیتے ہیں۔

تشریح: الطُفْيَة: سانپ کی پشت پر سفید یا سیاہ یا زرد دھاری۔ ذو الطُّفيتين: (دودھاری والا) ایک خاص قسم کا سانپ جس کی پیٹھ پر دولکیریں ہوتی ہیں۔ اور ابتر: دم کٹا سانپ جو دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے اس کی دم کاٹ رکھی ہے، مگر حقیقت میں وہ دم کٹا نہیں ہوتا، یہ دونوں سانپ بہت زہریلے ہوتے ہیں اور بغیر کاٹے بھی نقصان پہنچاتے ہیں، وہ انسان کی آنکھ سے آنکھ ملاتے ہیں جس کے نتیجہ میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کا حمل گر جاتا ہے اس لئے نبی ﷺ نے ان کو بالضرور مارڈالنے کا حکم دیا، ہمارے دریار میں کالا ناگ اور چتکبرا سانپ خطرناک ہوتے ہیں۔

حدیث (۲): حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اس کے بعد گھروں کے سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا اور ان کو عوامر (آباد کرنے والا) کہا جاتا ہے، یعنی پہلے آنحضرت ﷺ نے ہر طرح کے سانپ کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا پھر بعد میں عوامر کا استثناء فرمایا۔

تشریح: عوامر: عامِر کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: آباد کرنے والا۔ یہ ایک خاص قسم کا سانپ ہوتا تھا جو مدینہ منورہ کے گھروں میں پایا جاتا تھا، اب وہاں بھی یہ سانپ نہیں رہا، میں نے اہل مدینہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، حضور اقدس ﷺ نے ان کو مارنے سے اس لئے منع کیا تھا کہ بعض اوقات ان کی شکل میں جنات ہوتے تھے، اور ان کی نشانی عبداللہ بن المبارکؒ نے یہ بتائی ہے کہ وہ باریک ہوتے ہیں اور رنگ چاندی جیسا ہوتا ہے اور وہ چلتے وقت بل نہیں کھاتے، سیدھے چلتے ہیں۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے گھروں میں کچھ آباد کرنے والے سانپ ہوتے ہیں تم ان کو تین مرتبہ نکل جانے کا الٹی میٹم دو، یعنی یہ کہو کہ اگر تم جنات ہو تو یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ ہم تمہیں مارڈالیں گے، پھر اگر وہ اس کے بعد بھی نظر پڑیں تو ان کو مارڈالو۔

حدیث (۴): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب گھر میں سانپ دکھائی دے تو اس سے کہو: ہم تم سے اس عہد و پیمان کے واسطہ سے درخواست کرتے ہیں جو تم نے حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے باندھا تھا کہ ہمیں تکلیف نہ پہنچاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ، اگر وہ نہ جائے اور پھر نظر پڑے تو اس کو قتل کردو''

تشریح: جب حضرت نوح علیہ السلام نے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں لینے کا ارادہ فرمایا تا کہ ان کی نسل باقی رہے تو ان جانوروں سے یہ عہد لیا تھا کہ تم (کشتی میں) انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاؤ گے، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت انسان، جنات اور تمام جانوروں پر تھی اور آپ کے دربار میں انسان اور جنات ایک ساتھ حاضر ہوتے تھے، اس وقت آپ نے جنات سے بھی یہ عہد لیا تھا کہ تم انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاؤ گے،

اس حدیث میں اسی عہد کی طرف اشارہ ہے۔

[١٤-] بابٌ فی قَتْلِ الْحَيَاتِ

[١٤٦٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اقْتُلُوا الْحَيَاتِ، وَاقْتُلُوْا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ، فَإِنَّهُمَا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ، وَيُسْقِطَانِ الْحَبْلَ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعائشةَ، وأبِیْ هُريرةَ، وَسَهْلِ بنِ سَعْدٍ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٤٦٩-] وَقَدْ رُوِیَ عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِیْ لُبَابَةَ: أَنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰی بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ قَتْلِ جِنَانِ الْبُيُوْتِ، وَهِیَ الْعَوَامِرُ، وَيُرْوٰی عَن ابنِ عُمرَ عَنْ زَيْدِ بنِ الْخَطَّابِ أَيْضًا.

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ: إِنَّمَا يُكْرَهُ مِنْ قَتْلِ الْحَيَّاتِ: الْحَيَّةُ الَّتِیْ تَكُوْنُ دَقِيْقَةً، كَأَنَّهَا فِضَّةٌ، وَلَا تَلْتَوِیْ فِیْ مِشْيَتِهَا.

[١٤٧٠-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ صَيْفِیٍّ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ لِبُيُوْتِكُمْ عُمَّارًا، فَحَرِّجُوْا عَلَيْهِنَّ ثَلَاثًا، فَإِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُنَّ شَيْئٌ فَاقْتُلُوْهُ"

هٰكَذَا رَوٰی عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عُمرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ صَيْفِیٍّ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، وَرَوٰی مَالِكُ بنُ أَنَسٍ هٰذَا الْحديثَ عَنْ صَيْفِیٍّ، عَنْ أَبِی السَّائِبِ مَوْلٰی هِشَامِ بنِ زُهْرَةَ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، وَفِی الْحديثِ قِصَّةٌ، حدثنا بِذٰلِكَ الْأَنْصَارِیُّ، حدثنا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، وَرَوٰی مُحمدُ بنُ عَجْلَانَ، عَنْ صَيْفِیٍّ نَحْوَ رِوَايَةِ مَالِكٍ.

[١٤٧١-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا ابنُ أَبِیْ زَائِدَةَ، ثَنَا ابنُ أَبِیْ لَيْلٰی، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِیِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِیْ لَيْلٰی، قَالَ: قَالَ أَبُوْ لَيْلٰی: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِی الْمَسْكَنِ، فَقُوْلُوْا لَهَا: إِنَّا نَسْأَلُكَ بِعَهْدِ نُوْحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بنِ دَاوٗدَ أَنْ لَا تُؤْذِيَنَا، فَإِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ مِنْ حديثِ ثَابِتٍ الْبُنَانِیِّ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِیْ لَيْلٰی.

وضاحت: پہلی حدیث میں گھروں کے سانپوں کا استثناء حضرت ابن عمرؓ حضرت ابولبابہ سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنے چچا حضرت زید بن خطاب سے بھی روایت کرتے ہیں —— تیسری حدیث صیفی سے عبید اللہ عمری اور

امام مالک دونوں روایت کرتے ہیں: اول کی سند میں صیفی اور حضرت ابوسعید خدری کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور ثانی کی سند میں ابوالسائب کا واسطہ ہے ——— اور امام مالکؒ کی روایت میں جو قصہ ہے وہ مسلم شریف (حدیث ۲۲۳۶ کتاب السلام) میں ہے ——— امام ترمذی نے امام مالک کی روایت کو اصح قرار دیا ہے، کیونکہ محمد بن عجلان ان کے متابع ہیں ——— اور آخری روایت ابن ابی لیلیٰ صغیر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء فی قَتْلِ الْكِلاَبِ

کتوں کو مارڈالنے کا حکم

حدیث: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں: تو میں سب کتوں کو مارڈالنے کا حکم دیتا (مگر چونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں اس لئے میں یہ حکم نہیں دے رہا) پس کالے بھجنگے کتے کو مارڈالو، وہ شیطان ہے''

تشریح: کتاب الطہارۃ باب ۶۸ (۱: ۳۵۴) میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ عربوں کے مزاج میں کتا اتنا دخیل ہوگیا تھا جتنا اب یوروپ کے مزاج میں دخیل ہے، انھوں نے God (خدا) کو چھوڑ کر Dog (کتے) کو پکڑ لیا تھا، اسلام آیا تو اس نے اس محبت کو لوگوں کے دلوں سے نکالنا چاہا، اور اس کے لئے بتدریج چند احکام دیئے، سب سے پہلے لوگوں کو بتایا کہ اگر کوئی شوقیہ کتا پالے گا تو روزانہ اس کے ثواب میں سے ایک قیراط (درہم کا چھٹا حصہ) کم ہوجائیگا، اور ایک روایت میں ہے کہ دو قیراط کم ہوجائیں گے، پس محتاط لوگوں نے تو اسی وقت کتے کو رخصت کردیا کیونکہ ثواب ندارد گناہ لازم! پھر دوسرا حکم برتن کو سات مرتبہ دھونے کا اور ایک مرتبہ مٹی سے مانجھنے کا دیا، کتا گھر میں ہر طرف گھومتا ہے اور صبح سے شام تک کتنے ہی برتنوں میں منہ ڈالتا ہے، پس لوگ برتن دھوتے دھوتے تنگ آگئے، اس لئے اس کو رخصت کردیا، پھر آخری حکم کتوں کو مارڈالنے کا دیا، پھر جب کتوں کی محبت دلوں سے نکل گئی بلکہ مدینہ میں کوئی کتا رہا ہی نہیں، قبائل کی کوئی عورت کتے کے ساتھ مدینہ میں آتی تو لوگ دوڑ پڑتے اور اس کو مارڈالتے، جب نفرت اس درجہ تک پہنچ گئی تو آخری حکم کالے کتے کو مستثنیٰ کرکے اٹھالیا۔ اب علماء کا اتفاق ہے کہ پہلا حکم (ثواب کم ہونے کا) بدستور باقی ہے اور دوسرے حکم میں اختلاف ہے کہ سات مرتبہ برتن دھونا واجب ہے یا نہیں؟ تفصیل گذر چکی ہے اور آخری حکم بالاتفاق منسوخ ہے، اب صرف کالا کتا یعنی جو کتا پریشان کرتا ہو: اس کو مارنا جائز ہے۔

[۱۵-] باب ماجاء فی قتل الكِلاَبِ

[۱۴۷۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا مَنْصُوْرُ بنُ زَاذَانَ، وَيُوْنُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ

عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا، فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيْمٍ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وأَبِيْ رَافِعٍ، وَأَبِيْ أَيُّوْبَ؛ وحديثُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَيُرْوَى فِيْ بَعْضِ الحديثِ أَنَّ الْكَلْبَ الْأَسْوَدَ الْبَهِيْمَ شَيْطَانٌ، وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ الْبَهِيْمُ: الَّذِيْ لَايَكُوْنُ فِيْهِ شَيْئٌ مِنَ الْبَيَاضِ، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ صَيْدَ الْكَلْبِ الْأَسْوَدِ الْبَهِيْمِ.

وضاحت: بهیم: أسود میں مبالغہ ہے یعنی صرف کالے بھجنگے کتے کو مارو، جس میں ذرا سفیدی نہ ہو، بلکہ بعض لوگ تو ایسے کتے کا شکار بھی جائز نہیں کہتے۔

بابُ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا: مَا يُنْقَصُ مِنْ أَجْرِهِ؟

شوقیہ کتا پالنے سے روزانہ ثواب کم ہوتا ہے؟

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کتا پالے یا فرمایا: کتے کو رکھے جو نہ شکار کے لئے ہو اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لئے تو اس کے ثواب میں سے روزانہ دو قیراط کم ہوجاتے ہیں'' ضَارٍ: (اصل ضَارِیٌ) ضَرِیَ یَضْرِیٰ ضَرَاوَۃً سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں: کتے کا شکار کا خوگر ہونا۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شوقیہ کتا پالنا جائز نہیں، البتہ وہ کتا جس کو شکار کی تعلیم دی گئی ہو یا وہ کتا جو مویشی، کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لئے ہو وہ مستثنیٰ ہے اس کو پالنا بلا کراہت جائز ہے۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری اور مویشی کی حفاظت کے کتے کو مستثنیٰ کر کے سب کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا، ابن عمرؓ سے کسی نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھیتی کے کتے کا بھی استثناء کرتے ہیں، آپؓ نے فرمایا: ابو ہریرہؓ کے پاس کھیتی ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی معاملہ میں مبتلا ہوتا ہے وہ اس سے متعلق امور کو یاد رکھنے کا اہتمام کرتا ہے اور جو مبتلا نہیں ہوتا وہ اتنا اہتمام نہیں کرتا، چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے یہاں کھیتی ہے اس لئے انھوں نے اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھا ہے، ابن عمرؓ کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ (العیاذ باللہ) حضرت ابو ہریرہؓ کے یہاں کھیتی ہے اس لئے انھوں نے حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے جیسا کہ بعض ملحدین نے ایسا سمجھا ہے یہ قطعاً غلط ہے، تمام صحابہ نقل دین میں قابل اعتماد ہیں الصحابۃ کلھم عدول بالاتفاق مسلّمہ اصول ہے، علاوہ ازیں اس کا استثناء تنہا ابو ہریرہ نے روایت میں نہیں کیا، عبداللہ بن مغفل اور سفیان بن ابی زہیر بھی یہ استثناء کرتے ہیں۔

حدیث (۳): عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک سے درخت کی ٹہنیاں اٹھا رکھی تھیں، جب آپ تقریر فرما رہے تھے یعنی میں نے قریب سے یہ بات سنی ہے، آپؐ نے تقریر میں فرمایا: ''اگر کتے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان کو مار ڈالنے کا حکم دیتا، البتہ کالے بھجنگے کتے کو مار ڈالو، اور جو بھی فیملی کتا پالتی ہے اس کے ثواب میں سے روزانہ ایک قیراط کم ہو جاتا ہے، البتہ جو کتا شکار کے لئے یا کھیتی یا بکریوں کی حفاظت کے لئے ہے وہ مستثنیٰ ہے یعنی اس کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا۔

[۱۶-] بابٌ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا: ما يُنْقَصُ مِنْ أَجْرِهِ؟

[۱۴۷۳-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا أو: اتَّخَذَ كَلْبًا، لَيْسَ بِضَارٍ وَلَا كَلْبَ مَاشِيَةٍ: نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ، وأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَسُفْيَانَ بنِ أَبِيْ زُهَيْرٍ؛ وحديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ"

[۱۴۷۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ، قَالَ: قِيْلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ، فَقَالَ: إِنَّ أَبَا هريرةَ لَهُ زَرْعٌ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۴۷۵-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتُقِصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَيُرْوَى عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِيْ رَبَاحٍ: أَنَّهُ رَخَّصَ فِيْ إِمْسَاكِ الْكَلْبِ وإِنْ كَانَ لِلرَّجُلِ شَاةٌ وَاحِدَةٌ: حدثنا بِذٰلِكَ إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا حَجَّاجُ بنُ مُحمدٍ، عَنْ ابنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ بِهٰذَا.

[۱۴۷۶-] حدثنا عُبَيْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنِ محمدٍ الْقُرَشِيُّ، ثَنَا أَبِيْ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: إِنِّيْ لَمِمَّنْ يَرْفَعُ أَغْصَانَ الشَّجَرَةِ عَنْ وَجْهِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: " لَوْ لَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا، فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيْمٍ، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُوْنَ كَلْبًا إِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ، إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

بابٌ في الذَّكَاةِ بِالْقَصَبِ وَغَيْرِهِ

بانس کے چھلکے وغیرہ سے ذبح کرنا

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کل دشمن کے مقابلہ میں ہونگے (اس لئے تلواروں پر سان چڑھانی ضروری ہے، وہ حضرات تلوار سے جانور ذبح کیا کرتے تھے) اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں ہیں (تو کیا ہم کسی اور چیز سے ذبح کر سکتے ہیں؟) نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی چیز خون بہادے، اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو اس کو کھاؤ، البتہ وہ دانت اور ناخن نہ ہو اور اس کی وجہ میں ابھی بتاتا ہوں: دانت تو ہڈی ہے! اور ناخن اہل حبشہ کی چھری ہے''

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر چیز سے ذبح کیا جاسکتا ہے، اگر اس سے کھال کٹ جائے اور خون بہ جائے خواہ وہ پتھر ہو یا بانس کا چھلکا ہو یا کوئی اور چیز ہو، حتی کہ ویلڈنگ کرنے کی آگ سے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے، البتہ جسم میں لگے ہوئے ناخن اور دانت سے ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں دھار نہیں ہوتی اور ناخن میں ممانعت کی ایک دوسری وجہ کفار کی مشابہت بھی ہے۔

فائدہ: اگر دانت منفصل ہو اور اس میں دھار نکال لی گئی ہو یا ناخن جدا ہو اور دھار دار ہو تو اس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ناخن اور دانت سے ذبح کرنا درست نہیں، اور احناف کے نزدیک جائز ہے، ان کے نزدیک حدیث میں متصل ناخن اور دانت مراد ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کی مختلف روایات ہیں، مشہور یہ ہے کہ منفصل ہڈی سے ذبح جائز ہے، اور دانت سے مطلقاً جائز نہیں۔

[۱۷-] بابٌ في الذَّكَاةِ بالقَصَبِ وَغيرِهِ

[۱٤۷۷-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بنِ رِفَاعَةَ بنِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ، إِنَّا نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا، وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فَكُلُوْا، مَالَمْ يَكُنْ سِنٌّ أَوْ ظُفُرٌ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ: أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ"

حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، قَالَ حدثني أَبِيْ، عَنْ عَبَايَةَ

بنِ رِفَاعَةَ، عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَبَايَةَ: عَنْ أَبِيْهِ، وهٰذَا أَصَحُّ، وَعَبَايَةُ قَدْ سَمِعَ مِنْ رَافِعٍ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ أَنْ يُذَكَّى بِسِنٍّ وَلَا بِعَظْمٍ.

وضاحت: پہلی سند میں سعید بن مسروق: حضرت سفیان ثوری کے والد ہیں اور ثقہ راوی ہیں، وہ عبایہ سے، وہ رفاعہ سے اور وہ حضرت رافع سے روایت کرتے ہیں، اور دوسری سند میں ثوری رحمہ اللہ اپنے والد سے، وہ عبایہ سے اور وہ اپنے دادا حضرت رافع سے روایت کرتے ہیں، عبایہ نے اس سند میں عن أبیہ نہیں بڑھایا، یہی سند اصح ہے، کیونکہ عبایہ کا اپنے دادا حضرت رافع سے سماع ہے، پھر وہ اپنے ابا رفاعہ سے کیوں روایت کریں گے۔

نوٹ: ہندی نسخہ میں عبارت اس طرح ہے: لم یذکر فیه عن عبایة، عن أبیه یعنی سفیان ثوری کے والد نے عن عبایةَ، عن أبیه ذکر نہیں کیا، مگر یہ صحیح نہیں، انھوں نے صرف عن أبیه نہیں کہا عن عبایة تو کہا ہے، مصری نسخہ میں عن نہیں ہے۔ چنانچہ اس کو حذف کیا گیا ہے، اب عبارت بے غبار ہوگئی اور قرینہ اگلے باب کی عبارت ہے، اس میں اسی طرح کی عبارت ہے، وہاں عن نہیں ہے۔

بابٌ

پالتو جانور بدک جائے تو اس کا حکم وحشی جانور کا ہوجاتا ہے

مصری نسخہ میں یہاں باب ہے: بابُ ماجاء في البعير والبقر والغنم إذا نَدَّ فصار وَحْشِيًّا: يُرْمَى بِسَهْمٍ أم لا؟

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پس لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا اور ان کے پاس گھوڑا نہیں تھا کہ اس پر چڑھ کر اس کو پکڑتے، پس اس کو ایک آدمی نے تیر مارا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو روک لیا یعنی وہ ڈھیر ہوگیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹ کبھی جنگلی جانور کی طرح وحشی ہوجاتے ہیں، پس جب ان میں سے کوئی تم پر غالب آجائے تو تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو۔

تشریح: اگر پالتو جانور بدک جائے اور اس کو پکڑنے کی اور ذبح کرنے کی کوئی صورت نہ ہو یا کنویں میں یا کھائی میں گر جائے اور اتر کر ذبح کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ وحشی جانور کے حکم میں ہوجاتا ہے، پس ذبح اضطراری درست ہوگا، پس کوئی دھار دار چیز بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اس پر ڈالی جائے اور اس کو زخمی کیا جائے پھر جب وہ مرجائے تو اتر کر کاٹ کر نکال لیا جائے، وہ حلال ہے۔ اسی طرح اگر وحشی جانور قابو میں آجائے تو وہ پالتو

جانور کے حکم میں ہوجاتا ہے، پس ذبح اختیاری ضروری ہے، جیسے ہرن زندہ پکڑ لیا یا کبوتر زندہ پکڑ لیا تو اب ذبح اختیاری ضروری ہے۔

[١٨-] بابٌ

[١٤٧٨-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بنِ رِفَاعَةَ بنِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيْرٌ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ، فَحَبَسَهُ اللّٰهُ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هٰذَا فَافْعَلُوْا بِهِ هٰكَذَا"

حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبَايَةَ بنِ رِفَاعَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَبَايَةُ: عَنْ أَبِيْهِ، وَهٰذَا أَصَحُّ. وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهٰكَذَا رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ سَعِيْدِ بنِ مَسْرُوْقٍ نَحْوَ رِوَايَةِ سُفْيَانَ.

﴿آخِرُ أَبْوَابِ الصَّيْدِ﴾

نوٹ: امام شعبہ رحمہ اللہ نے بھی سفیان ثوری کے والد سعید بن مسروق سے اس حدیث کو روایت کیا ہے، جس طرح سفیان ثوری نے روایت کیا ہے یعنی اس میں بھی عبایہ نے عن أبيه نہیں بڑھایا اور نحو رواية سفيان: ہندی نسخہ میں من رواية سفيان ہے یہ بھی صحیح نہیں، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے۔

﴿الحمدللہ! ابواب الصید کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم الله الرحمن الرحيم

أبوابُ الأَضَاحِيْ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

قربانی کا بیان

بابُ ماجاءَ في فَضْلِ الْأُضْحِيَّةِ

قربانی کی فضیلت

قربانی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، مگر نفس قربانی کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے اور فضائل اعمال میں ضعیف حدیثیں معتبر ہیں۔

پہلی حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور اس میں قربانی کی تین فضیلتیں ہیں: پہلی فضیلت: نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی بندہ: قربانی کے دن کوئی بھی عمل ایسا نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے یعنی قربانی کرنے سے زیادہ محبوب ہو، یعنی قربانی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل قربانی ہے۔ دوسری فضیلت: قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی، یعنی جیسا جانور قربان کیا ہے ویسا ہی قیامت کے دن ملے گا، اس کا کوئی بے کار عضو بھی ضائع نہیں ہوگا، سینگ بال اور کھر جو پھینک دیئے جاتے ہیں وہ بھی ضائع نہیں ہونگے۔ تیسری فضیلت: قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوجاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس پر ثواب عنایت فرماتے ہیں، قبول ہونے کا یہی مطلب ہے۔

نبی ﷺ نے یہ فضیلتیں بیان کرکے فرمایا: ''پس خوش دلی سے قربانی کرو'' یعنی اس کو بوجھ مت سمجھو، کیونکہ تمہاری قربانی ضائع نہیں ہوگی، بلکہ قیامت کے دن تمہارے کام آئے گی (اس حدیث کی سند میں ابوالمثنی سلیمان بن یزید خُزاعی ضعیف راوی ہے)

دوسری حدیث: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو یُروٰی صیغۂ تمریض کے ساتھ بغیر سند کے ذکر کیا ہے، یہ روایت امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے سند کے ساتھ ذکر کی ہے، حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارے ابا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت (طریقہ) ہے، صحابہ نے پوچھا: اور ہمارے لئے اس میں کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی، صحابہ نے پوچھا: اور اُون؟ آپؐ نے فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی (اس کی سند میں عائذ اللہ مجاشعی ہے جس کی حدیثیں امام بخاری صحیح نہیں مانتے)

تیسری حدیث: حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی ہے جس کا باب میں حوالہ ہے، وہ روایت مستدرک حاکم میں ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو جاؤ، خون کا پہلا قطرہ نکلتے ہی تمہارا ہر گناہ معاف ہو جائے گا'' (اس کی سند میں ابو حمزہ ثمالی ہے جو ضعیف راوی ہے)

أبواب الأضاحی

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء في فضل الْأُضْحِيَّةِ

[١٤٧٩-] حدثنا أَبُوْ عَمْرٍو مُسْلِمُ بنُ عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِيْنِيُّ، ثَنِي عَبْدُ اللهِ بنُ نَافِعٍ الصَّائِغُ، عَنْ أَبِيْ الْمُثَنَّى، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَاعَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهُ لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ، فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا"

وفي الباب: عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَزَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَأَبُوْ الْمُثَنَّى: اسْمُهُ سُلَيْمَانُ بنُ يَزِيْدَ، رَوَى عَنْهُ ابنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ.

[١٤٨٠-] وَيُرْوَى عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ فِيْ الْأُضْحِيَّةِ: "لِصَاحِبِهَا بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ" وَيُرْوَى: "بِقُرُوْنِهَا"

ترجمہ: نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے قربانی (کی فضیلت) میں فرمایا: ''قربانی کرنے والے کے لئے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے'' اور یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ قربانی کے سینگوں کے بدل نیکی ہے یعنی بیکار اعضاء جو

پھینک دیئے جاتے ہیں ان کے عوض بھی ثواب ملتا ہے (یہ حضرت زید بن ارقم کی حدیث ہے)

بابُ ماجاء فی الْأُضْحِیَّةِ بِکَبْشَیْنِ

دو مینڈھوں کی قربانی کرنا

قربانی صاحب نصاب پر ایک ہی واجب ہے، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تو ایک قربانی پورے گھر کی طرف سے کافی ہے مگر جو صاحب حیثیت ہے اس کو چاہئے کہ واجب کے علاوہ ایک نفل قربانی بھی کرے، اور اس کا جس کو چاہے ایصالِ ثواب کرے۔ باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث میں نبی ﷺ کی دو قربانیوں کا تذکرہ ہے، ان میں سے ایک قربانی آپؐ کی اپنی ہوتی تھی، اور دوسری قربانی کا آپؐ امت کو ثواب پہنچاتے تھے۔ اور دوسری حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو قربانیوں کا تذکرہ ہے، ان میں سے ایک آپ کی اپنی ہوتی تھی اور دوسری کا آپ نبی ﷺ کو ثواب پہنچاتے تھے، پس جس شخص کو گنجائش حاصل ہو اس کو ایک زائد قربانی بھی کرنی چاہئے اور اس کا ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، ان شاء اللہ وہ بھی اس کے اجر سے محروم نہیں رہے گا۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے ایسے دو مینڈھوں کی قربانی کی جو دونوں سینگ دار اور چتکبرے تھے یعنی ان کا رنگ سیاہ وسفید تھا، آپؐ نے ان کو اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہا، اور اپنا پیر مبارک ان کے پہلوؤں پر رکھا، یعنی ان کو لٹا کر پاؤں سے دبا کر ایک ہاتھ سے سر پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے ذبح کیا (ان میں سے ایک قربانی آپؐ کی اپنی تھی، اور دوسری: امت کے ان افراد کی طرف سے تھی جو قربانی نہیں کر سکے یعنی ایصالِ ثواب کی قربانی تھی)

تشریح: قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص ذبح نہ کر سکتا ہو تو کم از کم ذبح کے وقت حاضر رہے، عورت کو بھی اپنی قربانی کے پاس موجود رہنا چاہئے، آپؐ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قربانی کے پاس موجود رہنے کا حکم دیا تھا۔

حدیث (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سال دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے ایک: حضور اقدس ﷺ کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے، کسی نے پوچھا: آپ ہر سال دو قربانیاں کیوں کرتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: مجھے نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، پس میں یہ عمل کبھی نہیں چھوڑوں گا یعنی نبی ﷺ نے ان کو وصیت کی تھی کہ وہ آپؐ کے ایصالِ ثواب کے لئے ہر سال قربانی کیا کریں، چنانچہ حضرت علیؓ اپنی قربانی کے علاوہ ایک زائد قربانی کر کے نبی ﷺ کو ایصالِ ثواب کیا کرتے تھے، اور ہمیں اگرچہ آپؐ نے یہ حکم نہیں دیا مگر آپؐ کا منشا معلوم ہو گیا، پس ہمیں بھی قربانی کر کے آپ ﷺ کو ایصالِ ثواب کرنا چاہئے۔ میں بحمد اللہ ہر سال ایک قربانی آپ ﷺ کی طرف

سے کرتا ہوں، بلکہ قربانی کے دن پہلی قربانی آپؐ ہی کی کرتا ہوں، اپنی بعد میں کرتا ہوں، اور جو سب سے اچھا بکرا ہوتا ہے وہ آپؐ کے لئے کرتا ہوں، فالحمدللہ علی ذلك!

فائدہ: ائمہ اربعہ کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں، اور ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے قربانی کرنے کی بہ نسبت میت کی طرف سے صدقہ کرنا زیادہ پسند ہے اور اگر کوئی قربانی کرے تو اس کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے۔ مگر ائمہ اربعہ کے نزدیک تصدّق ضروری نہیں، عام قربانی کی طرح اس کا گوشت بھی کھاسکتے ہیں، کیونکہ وہ قربانی علی ملک الحی ہوتی ہے یعنی خود قربانی کرنے والے کی ملک ہوتی ہے، البتہ اس کا ثواب مرنے والے کو پہنچایا جاتا ہے، ہاں اگر میت نے وصیت کی ہو اور اس کے ترکہ سے قربانی کی جائے تو پھر گوشت صدقہ کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ بحکم نذر ہے۔

[۲-] بابٌ فی الْأُضْحِيَّةِ بِكَبْشَيْنِ

[۱۴۸۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: ضَحَّى رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ، ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ، وَسَمَّى وَكَبَّرَ، وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلٰى صِفَاحِهِمَا.

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وعائشةَ، وأَبِیْ هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وأَبِیْ أَيُّوْبَ، وأَبِی الدَّرْدَاءِ، وَأَبِیْ رَافِعٍ، وابنِ عُمَرَ، وَأَبِیْ بَكْرَةَ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۴۸۲-] حدثنا محمدُ بنُ عُبَيْدِ الْمُحَارِبِیُّ الْكُوْفِیُّ، ثَنَا شَرِيْكٌ، عَنْ أَبِی الْحَسْنَاءِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ حَنَشٍ، عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّی بِكَبْشَيْنِ، أَحَدُهُمَا عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم، وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ، فَقِيْلَ لَهُ، فَقَالَ: أَمَرَنِیْ بِهِ - يَعْنِی النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم - فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا؛ هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ شَرِيْكٍ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُضَحَّى عَنِ الْمَيِّتِ، وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُضَحَّى عَنْهُ، وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُتَصَدَّقَ عَنْهُ وَلَا يُضَحَّى، وَإِنْ ضَحَّى فَلَا يَأْكُلُ مِنْهَا شَيْئًا، وَيَتَصَدَّقُ بِهَا كُلِّهَا.

وضاحت: باب کی دوسری حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ابوالحسناء مجہول راوی ہے اور حنش متکلم فیہ راوی ہے، اس لئے غیر مقلدین اس حدیث کو قبول نہیں کرتے، ان کے نزدیک ضعیف: موضوع کے ہم تول ہوتی ہے، مگر ائمہ اربعہ کے نزدیک ضعیف حدیث قابل استدلال ہوتی ہے اس لئے وہ اس حدیث کی بنیاد پر ایصالِ ثواب کے

لئے قربانی کو جائز کہتے ہیں۔

ترجمہ: بعض اہل علم نے میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دی ہے اور بعض علماء میت کی طرف سے قربانی کرنے کے قائل نہیں، اور عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا: مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور قربانی نہ کی جائے، اور اگر کوئی قربانی کرے تو اس میں سے کچھ نہ کھائے بلکہ سارا گوشت صدقہ کردے۔

بابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَضَاحِيْ

کیسے جانور کی قربانی مستحب ہے

قربانی اس جانور کی مستحب ہے جس کا گوشت عمدہ ہو، فقہاء کرام نے گوشت کی عمدگی کا سب سے پہلے لحاظ کیا ہے، باقی چیزوں کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک سینگوں والے نر مینڈھے کی قربانی کی جس کا منہ کالا تھا، جس کے پیر کالے تھے اور جس کی آنکھوں کے اردگرد سیاہی تھی، باقی بدن سفید تھا، یعنی بڑا خوبصورت مینڈھا تھا۔

تشریح: ایسا مینڈھا جس کا منہ، پیر اور آنکھوں کے اردگرد کا حلقہ سیاہ ہو اور باقی بدن سفید ہو: اتفاق ہی سے ملتا ہے، اگر کسی کو مل جائے تو زہے نصیب! آنحضور ﷺ کے پاس بھی ایسا مینڈھا اتفاق سے آیا تھا، آپؐ نے بالقصد نہیں خریدا تھا، اس لئے کس طرح کے جانور کی قربانی مستحب ہے؟ اس سلسلہ میں ایسے مینڈھے کی قید تو نہیں لگائی جاسکتی البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خوبصورت فربہ بکرے کی قربانی مستحب ہے، فقہاء نے بھی یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ جس جانور کا گوشت عمدہ ہو اور جانور فربہ ہو اس کی قربانی مستحب ہے۔

[۳-] بابٌ ما يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَضاحي

[۱۴۸۳-] حدثنا أَبُو سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا حَفْصُ بنُ غِيَاثٍ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: ضَحَّى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيْلٍ، يَأْكُلُ فِيْ سَوَادٍ، وَيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ، وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ لانعرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حَفْصِ بنِ غِيَاثٍ.

لغات: كَبْش: کسی بھی عمر کا مینڈھا (اس کی مادہ ضَأْن ہے) اس کے مڑے ہوئے سینگ ہوتے ہیں، اگر اس کی دُم گول چکی کی طرح بھاری ہو تو دنبہ کہلاتا ہے، عربی میں اس کو خَرُوْف کہتے ہیں...... أَقْرَن: سینگ دار...... فَحِيْل:

سانڈ، خصی نہ کیا ہوا (خصی بکرے کی قربانی جائز ہے، بلکہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اس لئے وہ بہتر ہے)

بابُ مالایَجُوْزُ مِنَ الأَضَاحِیْ

کس جانور کی قربانی جائز نہیں؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے لنگڑے جانور کی قربانی نہ کی جائے جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، اور نہ ایسے کانے کی قربانی کی جائے جس کا کانا پن واضح ہو اور نہ ایسے بیمار کی قربانی کی جائے جس کی بیماری واضح ہو، اور نہ ایسے مریل جانور کی قربانی کی جائے جس کی نلیوں میں گھی نہ رہا ہو''

تشریح: عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں اور وہ عیب جن کی وجہ سے قربانی صحیح نہیں ہوتی: یہ ہیں:

۱- وہ جانور جو اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہو، چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو، یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں، وہ واضح لنگڑا ہے، اور جو چلتے وقت لنگڑا پاؤں ٹیک کر چلتا ہو اور چلنے میں اس سے سہارا لیتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے، یہ واضح لنگڑا نہیں۔

۲- وہ جانور جو اندھا یا کانا ہو، یعنی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی چلی گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں، یہ واضح کانا ہے۔

۳- ایسا بیمار جانور جو گھاس نہ کھاتا ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

۴- اتنا دُبلا مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ پیروں پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

فائدہ: جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست نہیں، البتہ پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ کا خول اتر گیا ہو یا گری (اصل سینگ) کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے۔

[٤-] باب مالایجوز من الأَضَاحِیْ

[١٤٨٤-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا جَرِیْرٌ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ یَزِیْدَ بنِ أَبِیْ حَبِیْبٍ، عَنْ سُلَیْمَانَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُبَیْدِ بنِ فَیْرُوْزَ، عَنِ الْبَراءِ بنِ عَازِبٍ، رَفَعَهُ، قَالَ: " لاَ یُضَحّٰی بِالْعَرْجَاءِ بَیِّنٌ ظَلَعُهَا، وَلاَ بِالْعَوْرَاءِ بَیِّنٌ عَوَرُهَا، وَلاَ بِالْمَرِیْضَةِ بَیِّنٌ مَرَضُهَا، وَلاَ بِالْعَجْفَاءِ الَّتِیْ لاَ تُنْقِیْ"

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا ابنُ أَبِیْ زَائِدَةَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَیْمَانَ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ عُبَیْدِ بنِ فَیْرُوْزَ، عَنِ الْبَرَاءِ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ عُبَيْدِ بنِ فَيْرُوْزَ، عَنِ الْبَرَاءِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحديثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وضاحت: رَفَعَه، قال: یعنی حضرت براءؓ نے حدیث کو مرفوع کیا، فرمایا یعنی یہ ان کا اپنا قول نہیں نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

بابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الأَضَاحِيْ

کس جانور کی قربانی مکروہ ہے؟

قربانی کے تعلق سے لایجوز اور یُکرہ ایک ہیں، پس اس باب میں بھی وہی مسئلہ ہے جو گذشتہ باب میں تھا یعنی عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان خوب غور سے دیکھ لیں، اور اگلی طرف سے کان کٹے ہوئے کی، اور پچھلی طرف سے کان کٹے ہوئے کی اور اس کی جس کے کان لمبائی میں چیرے گئے ہوں، اور جس کے کانوں میں سوراخ کئے گئے ہوں: ایسے جانوروں کی قربانی نہ کریں۔

تشریح: بکریوں کے کان آگے سے یا پیچھے سے کاٹ کر یا لمبائی میں چیر کر یا کانوں میں سوراخ کر کے نشان بناتے تھے، جس سے وہ اپنے جانوروں کو پہچانتے تھے، ایسا کرنے سے جانور عیب دار ہو جاتا ہے، پس اس کی قربانی جائز نہیں ــــــ مگر علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ مطلقاً کان کا ٹنا مراد نہیں، بلکہ تہائی سے زیادہ کان ضائع ہو جائے تو اس کی قربانی درست نہیں اس سے کم ضائع ہوا ہو تو قربانی درست ہے، اور یہی حکم دم کاٹنے کا ہے۔

فائدہ: جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں جس کو عربی میں سَکّاء کہتے ہیں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر پیدائشی کان چھوٹے ہوں تو قربانی درست ہے۔

[٥-] باب ما يُكْرهُ من الأضاحِيْ

[١٤٨٥-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا شَرِيْكُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ شُرَيْحِ بنِ النُّعْمَانِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: أَمَرَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالأُذُنَ، وَأَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ، وَلَا مُدَابَرَةٍ، وَلَا شَرْقَاءَ، وَلَا خَرْقَاءَ.

حدثنا الحسنُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا عُبَيدُ اللّٰهِ بنُ مُوْسَى، ثَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ شُرَيْحِ بنِ النُّعْمَانِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ، وَزَادَ: قَالَ: الْمُقَابَلَةُ: مَا قُطِعَ طَرَفُ أُذُنِهَا،

وَالْمُدَابَرَةُ: مَا قُطِعَ مِنْ جَانِبِ الْأُذُنِ، والشَّرْقَاءُ: الْمَشْقُوْقَةُ، وَالْخَرْقَاءُ: الْمَثْقُوْبَةُ.
هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَشُرَيْحُ بنُ النُّعْمَانِ الصَّائِدِيُّ: كُوْفِيٌّ، وَشُرَيْحُ بنُ الْحَارِثِ الْكِنْدِيُّ الْكُوْفِيُّ الْقَاضِي: يُكْنٰى أَبَا أُمَيَّةَ، وَشُرَيْحُ بنُ هَانِيءٍ: كُوْفِيٌّ، وَهَانِيءٌ لَهُ صُحْبَةٌ، وَكُلُّهُمْ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ.

وضاحت: شریح نام کے تین حضرات ہیں، تینوں ہم عصر، کوفہ کے باشندے اور حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں۔

بابٌ في الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ فِي الْأَضَاحِيْ

چھ ماہہ بھیڑ کی قربانی جائز ہے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ قربانی کا جانور جوان ہونا ضروری ہے، بچے کی قربانی درست نہیں، اور جانور اس وقت جوان ہوتا ہے جب اس کے دودھ کے دانت ٹوٹتے ہیں، عربی میں اس کو ثَنِی (وہ جانور جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں) اور مُسِنّ! (بڑی عمر کا، مراد جوان جانور) کہتے ہیں، اور اونٹ پانچ سال میں، گائے بھینس دو سال میں اور بھیڑ بکری ایک سال میں جوان ہوتے ہیں، پس اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی درست نہیں، البتہ بھیڑ دنبہ: خواہ چکتی دار ہو یا بے چکتی اگر چھ ماہ یا زیادہ عمر کا ہو اور فربہ ہو کہ اگر سال بھر کی بھیڑوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے چھوٹا معلوم نہ ہو: ایسے بھیڑ کی قربانی درست ہے۔

حدیث (۱): ابو کباش (مجہول راوی ہے) کہتا ہے: میں چھ ماہ کے مینڈھے (برائے فروخت) مدینہ منورہ لے کر آیا، لوگوں نے خریداری میں رغبت نہیں دکھائی میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے مسئلہ پوچھا: کیا ایک سال سے کم عمر کے مینڈھوں کی قربانی درست ہے؟ آپؓ نے حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: ''چھ ماہہ بھیڑ بہترین قربانی ہے'' جب لوگوں نے یہ حدیث سنی تو میرے جانور لوٹ لئے، یعنی سارے مینڈھے فوراً بک گئے، کیونکہ جب ان کی عمریں کم تھیں تو کم داموں میں فروخت ہونگے اس لئے لوگوں نے فٹافٹ خرید لئے۔

حدیث (۲): عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ میں تقسیم کرنے کے لئے کچھ بکریاں ان کو دیں تاکہ صحابہ ان کی قربانی کریں، چنانچہ سب تقسیم ہو گئیں، صرف ایک عَتود یا جَدِی باقی رہی (شک راوی ہے) عتود: ایک سالہ بچہ کو اور جدی: ایک سال سے کم کے بچہ کو کہتے ہیں، میں نے یہ بات نبی ﷺ کو بتلائی کہ سب تقسیم ہو گئیں صرف ایک عتود یا جدی باقی ہے، آپؐ نے فرمایا: ''اس کی قربانی تم کرلو'' اور اسی روایت کے بعض طرق میں یہ آیا ہے کہ جو بکری باقی رہ گئی تھی وہ جذعہ یعنی چھ مہینے کی تھی جیسے آخری حدیث میں شک کے بغیر

جَذَعَة آیا ہے جس کے معنی ہیں: چھ ماہہ۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک بکری کا جذعہ یعنی چھ ماہ کے بچہ کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے پہلی حدیث میں من الضأن کی قید لگائی ہے اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے جو جذعہ کی قربانی کرنے کی اجازت دی ہے وہ ان کی خصوصیت ہے، حضرت براءؓ کے ماموں کو بھی آپؐ نے اس کی اجازت دی تھی اور ساتھ ہی صراحت کردی تھی کہ دوسرے کے لئے اتنے چھوٹے جانور کی قربانی درست نہیں۔ تفصیل آگے باب ۱۰ میں آرہی ہے۔

[٦-] بابٌ فی الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ فی الْأَضَاحِيْ

[١٤٨٦-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عِيْسَى، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا عُثْمَانُ بنُ وَاقِدٍ، عَنْ كِدَامِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْ كِبَاشٍ قَالَ: جَلَبْتُ غَنَمًا جَذَعًا إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَكَسَدَتْ عَلَيَّ، فَلَقِيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" نِعْمَ أَوْ: نِعْمَتِ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ" قَالَ: فَانْتَهَبَهُ النَّاسُ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عباسٍ، وَأُمِّ بلالٍ بِنْتِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِيْهَا، وَجَابِرٍ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وحديثُ أَبِيْ هريرةَ حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا عَنْ أَبِيْ هُريرةَ مَوْقُوْفًا، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْجَذَعَ مِنَ الضَّأْنِ يُجْزِئُ فِي الْأُضْحِيَّةِ.

[١٤٨٧-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا فِيْ أَصْحَابِهِ ضَحَايَا، فَبَقِيَ عَتُوْدٌ أَوْ: جَدْيٌ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ:" ضَحِّ بِهِ أَنْتَ" قَالَ: وَكِيْعٌ: الْجَذَعُ: يَكُوْنُ ابنَ سَبْعَةٍ أَوْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيح.

[١٤٨٨-] وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، أَنَّهُ قَالَ: قَسَمَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم الضَّحَايَا فَبَقِيَتْ جَذَعَةٌ فَسَأَلْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" ضَحِّ بِهَا أَنْتَ"، حدثنا بِذٰلِكَ محمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، وَأَبُوْ دَاوُدَ، قَالَا: ثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ بَعْجَةَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بَدْرٍ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

بابٌ فی الِاشْتِرَاكِ فِی الْأُضْحِيَّةِ

بڑے جانور میں کتنے آدمی شریک ہوسکتے ہیں؟

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، پس عیدالاضحیٰ کا دن آیا تو ہم گائے میں سات آدمی شریک ہوئے اوراونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے (یہ حدیث صحیح ہے مگرصریح نہیں، کیونکہ مسافر پرقربانی واجب نہیں، تفصیل ابواب الحج میں گذرچکی ہے)

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے حدیبیہ کے سال گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے اوراونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی۔

تشریح: ائمہ اربعہ کے نزدیک اونٹ، گائے، بھینس میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اور حضرت اسحاق کے نزدیک اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہوسکتے ہیں، تفصیل کتاب الحج (باب ۶۶) میں گذرچکی ہے۔

حدیث (۳): حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گائے، بھینس میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، حُجَيَّة نے پوچھا: اگروہ بچہ جنے؟ یعنی جو گائے بھینس قربانی کے لئے متعین کی ہے اس نے بچہ جنا تو کیا حکم ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ماں کے ساتھ اس کو بھی ذبح کردو، انھوں نے پوچھا: لنگڑے جانور کا کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا: اگروہ (جس پیر میں لنگ ہے اس کو زمین پر ٹیک کر) قربان گاہ تک چلا جائے تو اس کی قربانی جائز ہے، انھوں نے پوچھا: سینگ ٹوٹے جانور کا کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں، یعنی اس کی قربانی درست ہے، اس لئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے یا فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھوں اور کانوں کو خوب غور سے دیکھ لیں، یعنی سینگوں کو دیکھنے کا حکم نہیں دیا (اگلی حدیث اس کے خلاف ہے، پس اس کا محمل سینگ کا خول ہے)

تشریح: سینگ کے اوپر جو خول ہوتا ہے وہ اگر پورا نکل جائے یا کچھ حصہ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی جائز ہے اور خول کے اندر جو گری ہوتی ہے، جو اصل سینگ ہے اگروہ نصف سے زائد ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں، اور نصف سے کم ٹوٹا ہو تو قربانی جائز ہے، اور ٹھیک نصف میں احناف کے یہاں جواز وعدم جواز کے دونوں قول ہیں۔

حدیث (۴): حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے ٹوٹے ہوئے سینگ والے اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمایا۔ قتادہ کہتے ہیں: میں نے اس کا تذکرہ سعید بن المسیبؒ سے کیا انھوں نے فرمایا: ''اگرسینگ آدھا یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہو تو ممانعت ہے'' ——— جاننا چاہئے کہ اَعْضَب کے لغوی معنی ہیں: گری کا جڑ سے ٹوٹ جانا، پس حضرت سعید بن المسیبؒ نے لغوی معنی بیان نہیں کئے بلکہ مسئلہ بتلایا ہے۔

[٧-] بابٌ فى الِاشْتِرَاكِ فى الْأُضحيةِ

[١٤٨٩-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنِ الْحُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ، عَنْ عِلْبَاءَ بنِ أَحْمَرَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عباسٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ فَحضرَ الْأَضْحَى، فَاشْتَرَكْنَا فِيْ الْبَقَرةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيْرِ عَشَرَةً.

وفى الباب: عَنْ أَبِى الْأَشَدِّ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، وأَبِىْ أَيُّوْبَ؛ وحديثُ ابنَ عَباسٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ الْفَضْلِ بنِ مُوْسَى.

[١٤٩٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مالكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِىْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْحُدَيْبِيَّةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سَفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، والشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: يُجْزِئُ أَيْضًا الْبَعِيْرُ عَنْ عَشْرَةٍ، وَاحْتَجَّ بحديثِ ابنِ عَبَّاسٍ.

[١٤٩١-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا شَرِيْكٌ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، عَنْ حُجَيَّةَ بنِ عَدِيٍّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، قُلْتُ: فَإِنْ وَلَدَتْ؟ قَالَ: اذْبَحْ وَلَدَهَا مَعَهَا، قُلْتُ: فَالْعَرْجَاءُ؟ قَالَ: إِذَا بَلَغَتِ الْمَنْسِكَ، قُلْتُ: فَمَكْسُوْرَةُ الْقَرْنِ؟ فَقَالَ: لَابَأْسَ، أُمِرْنَا أَوْ: أَمَرَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ.

[١٤٩٢-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ جُرَيِّ بنِ كُلَيْبٍ النَّهْدِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُضَحَّى بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ، قَالَ قَتَادَةُ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، فَقَالَ: الْعَضْبُ: مَابَلَغَ النِّصْفَ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تُجْزِئُ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ

ایک بکری پوری فیملی کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے؟

مذاہبِ فقہاء: امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: اگر کوئی شخص پوری فیملی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے تو جائز ہے، سب کی طرف سے قربانی ہوجائے گی، بشرطیکہ وہی تنہا اس بکری کا مالک ہو اور سب گھر والے ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ اور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں، ہر صاحبِ

نصاب پر مستقل قربانی واجب ہے، اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، کیونکہ قربانی ایک عبادت ہے اور عبادت ہر شخص پر لازم ہے اس میں ایک دوسرے کی طرف سے قائم مقامی نہیں کرسکتا ــــــ امام مالک وغیرہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

حدیث: عطاء بن یسار کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آنحضور ﷺ کے زمانہ میں قربانیاں کیسے ہوتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ایک آدمی اپنی طرف سے اور گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتا تھا پس وہ اس کو کھاتے تھے اور دوسروں کو کھلاتے تھے، یہاں تک کہ لوگوں میں مفاخرت شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ صورتِ حال ہوگئی ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر کسی فیملی میں کئی افراد صاحبِ نصاب ہوں اور سب کی طرف سے ایک بکری ذبح کردی جائے تو سب کی قربانی ہوجائے گی، سب پر الگ الگ قربانی کرنا واجب نہیں۔ اور احناف فرماتے ہیں: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ عام طور پر غریب ہوتے تھے اور گھر کے ایک شخص پر ہی قربانی واجب ہوتی تھی، وہی قربانی کرتا تھا، اور ایک ہی قربانی کرتا تھا جس کو سب کھاتے تھے، پھر مفاخرت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور لوگ کئی کئی قربانیاں کرنے لگے (مفاخرت: کبھی بیش قیمت جانور میں ہوتی ہے اور کبھی قربانیوں کی تعداد میں) پس اس حدیث سے امام مالک وغیرہ کا استدلال درست نہیں۔

ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور اس میں امت کے ان لوگوں کو شریک کیا جو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کرسکے تھے، معلوم ہوا اپنی قربانی میں دوسروں کو شریک کرسکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے، پوری روایت یہ ہے کہ آپؐ نے دو مینڈھے قربان کئے تھے، ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی تھی، اور دوسری نفل قربانی کی تھی جس میں امت کو شریک کیا تھا یعنی ان کو ایصالِ ثواب کیا تھا، اور ایسا کرنا جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، مسئلہ واجب قربانی میں دوسروں کو شریک کرنے کا ہے، اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔

[۸-] باب ماجاء أن الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تُجْزِئُ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ

[۱۴۹۳-] حدثنا يَحْيَى بنُ مُوْسَى، ثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ، ثَنَا الضَّحَّاكُ بنُ عُثْمَانَ، قَالَ: ثَنِي عُمَارَةُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءَ بنَ يَسَارٍ، يَقُوْلُ: سَأَلْتُ أَبَا أَيُّوْبَ: كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَقَالَ: كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، فَيَأْكُلُوْنَ وَيُطْعِمُوْنَ، حَتَّى تباهَى النَّاسُ، فَصَارَتْ كَمَا تَرَى!

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَعُمَارَةُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ: هُوَ مَدِيْنِيٌّ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ.
وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَاحْتَجَّا بِحديثِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ ضَحَّى بِكَبْشٍ، فَقَالَ: "هٰذَا عَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ"
وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا تُجْزِئُ الشَّاةُ إِلَّا عَنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وضاحت: عمارۃ کے دادا کا نام صیاد ہے، اور یہ وہی عبداللہ بن صیاد ہیں جن کے بارے میں خیال تھا کہ شاید وہ دجال ہوں، پھر بعد کے واقعات سے یہ بات غلط ثابت ہوئی وہ ایمان لائے (پہلے یہودی تھے) اور حج کیا ان کے لڑکے یہ عمارہ ہیں، یہ اعلیٰ درجہ کے راوی ہیں، تقریب میں ان کو ثقہ فاضل لکھا ہے، یہ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، اور مدینہ کی طرف نسبت مدنی (حذف یاء کے ساتھ) آتی ہے، چنانچہ تقریب اور تہذیب الکمال میں ان کو مدنی لکھا ہے، مگر ترمذی کے تمام نسخوں میں مدینی ہے (اور یہ دیگر مختلف شہروں کی طرف نسبت ہوتی ہے) مگر کبھی مدینہ منورہ کی طرف نسبت میں بھی مدینی آتا ہے، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ مشہور محدث علی بن المدینی: اصل میں مدینہ منورہ کے باشندے تھے، پھر بصرہ چلے گئے تھے، اس لئے مدینی کہلاتے تھے۔

بابٌ

قربانی سنت ہے یا واجب؟

مصری نسخہ میں یہاں باب ہے: باب الدليل على أن الأضحية سنة۔

حدیث (۱): ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا قربانی واجب ہے؟ آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے، اس نے پھر یہی سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: سمجھتا نہیں! رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ غرض آپؓ نے قربانی پر لفظ واجب کے اطلاق سے احتراز کیا کیونکہ دورِ اول میں واجب بمعنی فرض استعمال کیا جاتا تھا اور قربانی کی فرضیت کا کوئی قائل نہیں، البتہ ابن عمرؓ نے اس کے تاکیدی حکم ہونے کی طرف اشارہ کیا کہ نبی ﷺ نے مواظبت تامہ کے ساتھ قربانی کی ہے اور صحابہ کا بھی یہی معمول تھا، اس لئے قربانی کا ترک جائز نہیں، دوسری حدیث میں بھی مواظبتِ تامہ کا تذکرہ ہے۔

مذاہبِ فقہاء: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قربانی سنت ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب، کیونکہ نبی ﷺ نے مواظبت تامہ کے ساتھ قربانی کی ہے، اور جو استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے: ارشاد ہے: ''جس شخص کے اندر قربانی کی استطاعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے''

(ابن ماجہ) اور وعید واجب کے ترک پر ہوتی ہے نیز قرآن مجید میں ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ اِنْحَرْ صیغہ امر ہے اور امر جب قرائن سے خالی ہوتا ہے تو وجوب کے لئے ہوتا ہے، اس لئے عندالاحناف قربانی واجب ہے۔

فائدہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قربانی اگرچہ سنت ہے مگر یہ ایسی سنت ہے جس کا ترک جائز نہیں، اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ واجب ایک فقہی اصطلاح ہے اس کا درجہ فرض اور سنت مؤکدہ کے درمیان ہے اور یہ اصطلاح احناف نے تجویز کی ہے دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ اصطلاح علی وجہ البصیرت نہیں ہے، کہیں کہیں استعمال کرتے ہیں اس لئے یہ مرتبہ ان کے ذہنوں میں واضح نہیں، پس وہ تمام احکام جو دلائل کی رو سے واجب ہیں، ائمہ ثلاثہ ان کو اِدھر اُدھر کر دیتے ہیں، بعض کو فرض کے خانے میں رکھ دیتے ہیں، اور بعض کو سنت کے، ان کے یہاں واجب کا کوئی خانہ نہیں، مثلاً صدقۃ الفطر کو ائمہ ثلاثہ فرض کہتے ہیں اس لئے کہ حدیث میں لفظ فَرَضَ آیا ہے اور وتر، عیدین اور قربانی کو سنت کہتے ہیں کیونکہ ان کی حدیثوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں آیا۔ اور احناف چاروں کو یعنی صدقۃ الفطر، وتر، عیدین اور قربانی کو واجب کہتے ہیں، پس قربانی کو واجب کہا جائے یا سنت: قربانی کرنا بالاتفاق ضروری ہے اس لئے یہ اختلاف محض لفظی اختلاف ہے، حقیقتِ وجوب کے سب قائل ہیں۔ واللہ اعلم

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال مسلسل قربانی کی، کسی سال ترک نہیں کی (پس اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو بیانِ جواز کے لئے ایک بار ہی سہی آپؐ قربانی ترک فرماتے تاکہ امت حقیقتِ حال سے واقف ہوتی)

[۹-] بابٌ

[۱٤۹٤-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا حَجَّاجٌ، عَنْ جَبَلَةَ بنِ سُحَيْمٍ: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ ابنَ عُمَرَ عَنِ الأُضْحِيَّةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ: ضَحَّى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالْمُسْلِمُوْنَ، فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَ تَعْقِلُ! ضَحَّى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالْمُسْلِمُوْنَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْأُضْحِيَّةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ، وَلٰكِنَّهَا سُنَّةٌ مِنْ سُنَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْمَلَ بِهَا، وَهِيَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ.

[۱٤۹٥-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، وَهَنَّادٌ، قَالاَ: ثَنَا ابنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ حَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: أَقَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّي، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

ترجمہ: اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ نبی ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، پسند کیا گیا ہے کہ قربانی کی جائے (یہ تعبیر ٹھیک نہیں، جو حضرات قربانی کی سنیت کے قائل ہیں وہ بھی اس کے ترک کے روادار نہیں)

بابٌ فِيْ الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلاَةِ

قربانی نمازعید کے بعد ہی ذبح کی جاسکتی ہے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ شہراور قصبہ میں جہاں عید واجب ہے، نمازعید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں جب کسی بھی جگہ عید کی نماز ہوجائے تو قربانی صحیح ہے، خواہ قربانی کرنے والے نے عید کی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، اور چھوٹے گاؤں میں جہاں عید کی نماز واجب نہیں: صبح صادق کے بعد قربانی درست ہے۔

حدیث: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ نے عید قربان کے دن تقریر فرمائی اور (پہلی مرتبہ) یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص قربانی نہ کرے جب تک عید کی نماز نہ ہوجائے۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں: میرے ماموں کھڑے ہوئے انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت ناپسند ہوجاتا ہے یعنی شروع میں تو لوگ رغبت سے گوشت کھاتے ہیں، پھر جب گوشت کی ریل پیل ہوجاتی ہے تو طبیعت گوشت سے ہٹ جاتی ہے، اس لئے میں نے جلدی قربانی کرلی تاکہ گھر والے اور پڑوسی رغبت سے گوشت کھائیں (أهلُ داری اور جیرانی میں راوی کو شک ہے، بظاہر جیرانی صحیح ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ اپنی قربانی دوبارہ کریں'' یعنی پہلی بے کار گئی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو گھر کی بکری کے دودھ سے پلا ہے وہ گوشت کی دو بکریوں سے اچھا ہے تو کیا میں اس کی قربانی کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: کرسکتے ہو اور یہ آپ کی دونوں قربانیوں میں سے بہتر قربانی ہے اور آپ کے بعد کسی کے لئے جذع (ایک سال سے کم عمر کی بکری) کی قربانی جائز نہیں۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ فربہ اور عمدہ جانور کی قربانی مستحب ہے، نبی ﷺ نے اس بکری کو جو قصائی کی دو بکریوں سے بہتر تھی: بہترین قربانی قرار دیا ہے، دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ جب نیا قانون بنتا ہے، اس وقت جو الجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے، یہی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت براءؓ کے ماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کرنے کی اجازت دی کیونکہ یہ مسئلہ کہ نمازعید سے پہلے قربانی جائز نہیں آج پہلی مرتبہ بیان کیا گیا ہے، اس وقت حضرت براء کے ماموں سے جو غلطی ہوگئی اس میں سہولت دی گئی۔

[١٠-] بابٌ فِي الذَّبْحِ بعد الصلاة

[١٤٩٦-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ دَاوُدَ بنِ أَبِيْ هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، قَالَ: خَطَبَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ يَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ: " لاَ يَذْبَحَنَّ أَحَدُكُمْ

حَتّٰى يُصَلِّيَ" قَالَ: فَقَامَ خَالِيْ فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! هٰذَا يَوْمُ اللَّحْمُ فِيْهِ مَكْرُوْهٌ، وَإِنِّي عَجَّلْتُ نَسِيْكَتِيْ لِأُطْعِمَ أَهْلِيْ وَأَهْلَ دَارِيْ أَوْ: جِيْرَانِيْ، قَالَ:" فَأَعِدْ ذَبْحَكَ بِآخَرَ" فَقَالَ: يارسولَ اللّٰهِ! عِنْدِيْ عَنَاقُ لَبَنٍ، هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، أَفَأَذْبَحُهَا؟ قَالَ:" نَعَمْ، وَهُوَ خَيْرُ نَسِيْكَتِكَ، وَلَا تُجْزِئُ جَذْعَةٌ بَعْدَكَ"

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَجُنْدُبٍ، وأَنَسٍ، وَعُوَيْمِرِ بنِ أَشْقَرَ، وابنِ عُمَرَ، وَأَبِيْ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنْ لَّا يُضَحّٰى بِالْمِصْرِ حَتّٰى يُصَلِّيَ الإِمَامُ.

وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِأَهْلِ الْقُرٰى فِي الذَّبْحِ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ، وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ لَّا يُجْزِئَ، اَلْجَذَعُ مِنَ الْمَعْزِ، وَقَالُوْا: إِنَّمَا يُجْزِئُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ.

ترجمہ: اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ شہر میں قربانی کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ امام نماز عید ادا کرلے (پہلے عید کی نماز ایک ہی جگہ ہوتی تھی اس لئے یہ فرمایا ہے) اور بعض علماء نے گاؤں والوں کو صبح صادق کے بعد قربانی کرنے کی اجازت دی ہے، اور یہ ابن المبارک کا قول ہے، اور علماء کا اجماع ہے کہ بکرے کا جذع یعنی ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی جائز نہیں اور انھوں نے کہا کہ صرف بھیڑ کے جذع کی قربانی جائز ہے۔

بابٌ فی کراهیة أَكْلِ الْأُضْحِيَّةِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت

یہ دو باب ہیں، پہلے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قربانی کا گوشت صرف ایام قربانی (۱۰-۱۲) میں کھا سکتے ہیں اس کے بعد نہیں کھا سکتے، آنحضور ﷺ نے ایک سال یہ اعلان کرایا تھا کہ تین دن کے بعد کوئی قربانی کا گوشت نہ کھائے، کیونکہ مدینہ منورہ میں باہر سے بہت مسلمان آگئے تھے، پس آپؐ نے چاہا کہ سب کو گوشت پہنچے، مگر آئندہ سال بھی صحابہ نے اس پر عمل کیا تو آپؐ نے پھر اعلان کرایا کہ ایام قربانی کے بعد بھی قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں اور پہلے اعلان کی وجہ سمجھائی کہ وہ مصلحت تھی، مسئلہ نہیں تھا۔

[۱۱-] باب فی کراهیة أَكْلِ الْأُضْحِيَّةِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

[۱۴۹۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ مِنْ لَحْمِ أُضْحِيَّتِهِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وأَنَسٍ، وَحديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَإِنَّمَا كَانَ النَّهْيُ مِنَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُتَقَدِّمًا، ثُمَّ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں بابوں کی حدیثوں کو ناسخ ومنسوخ قرار دیا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اس اعلان کو بر بنائے مصلحت قرار دیا جائے، پس منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں۔

بابٌ في الرُّخْصَةِ فِيْ أَكْلِهَا بَعْدَ ثَلاثٍ

تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے روکا تھا تا کہ باحیثیت لوگ ان لوگوں پر وسعت کریں جن کے پاس قربانی کی وسعت نہیں ہے یعنی قربانی کرنے والے تین دن تک کھانے کے بقدر گوشت روک کر زائد گوشت غرباء میں تقسیم کریں مگر اب چونکہ یہ مصلحت باقی نہیں رہی اس لئے وہ حکم ختم، اب جب تک چاہیں کھائیں، کھلائیں اور ذخیرہ کریں۔

حدیث (۲): عابس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ ﷺ قربانی کے گوشت سے (ایام قربانی کے بعد) منع کیا کرتے تھے؟ صدیقہؓ نے فرمایا: نہیں، البتہ ایک سال ایسا ہوا کہ قربانی کرنے والے کم تھے اس لئے آپؐ نے چاہا کہ قربانی کرنے والے قربانی نہ کرنے والوں کو کھلائیں۔ بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم بکری کے کھر اٹھا کر رکھ دیتے تھے اور ایام قربانی کے دس دن کے بعد (جب سارا گوشت نمٹ جاتا تھا) کھاتے تھے۔

[۱۲-] بابٌ في الرُّخْصَةِ فِيْ أَكْلِهَا بَعْدَ ثَلاثٍ

[۱۴۹۸-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، وَمحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، وَالْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، قَالُوْا: ثَنَا أَبُوْعَاصِمٍ النَّبِيْلُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنَ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيْ فَوْقَ ثَلاَثٍ، لِيَتَّسِعَ ذَوُوْ الطَّوْلِ عَلَى مَنْ لَاطَوْلَ لَهُ، فَكُلُوْا مَا بَدَا لَكُمْ، وَأَطْعِمُوْا، وَادَّخِرُوْا"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وعائشةَ، وَنُبَيْشَةَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَقَتَادَةَ بنِ النُّعْمَانِ، وَأَنَسٍ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وحديثُ بُرَيْدَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ.

[۱۴۹۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ ، ثَنَا أَبُوْ الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَابِسِ بنِ رَبِيْعَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ: أَكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيْ؟ قَالَتْ: لاَ، وَلٰكِنْ قَلَّ مَنْ كَانَ يُضَحِّيْ مِنَ النَّاسِ، فَأَحَبَّ أَنْ يُطْعِمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي، فَلَقَدْ كُنَّا نَرْفَعُ

الْكُرَاعَ فَنَأْكُلُهُ بَعْدَ عَشَرَةِ أَيَّامٍ.
هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيح، وَأُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ: هِيَ عَائشةُ زَوْجُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَقَدْ رُوِيَ عَنْهَا هٰذَا الْحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

بابٌ فی الْفَرَعِ وَالْعَتِيْرَةِ

فرع اور عتیرہ کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرع اور عتیرہ کوئی چیز نہیں!'' فرع: اونٹنی کا پہلا بچہ ہے جو جنا جاتا تھا، پس لوگ اس کو ذبح کیا کرتے تھے۔

تشریح: فرع اور عتیرہ زمانۂ جاہلیت کی دو قربانیاں تھیں جب اونٹنی پہلا بچہ جنتی تو زمانۂ جاہلیت کے لوگ اس بچہ کو بتوں کے نام پر قربان کردیا کرتے تھے، پھر جب زمانۂ اسلام آیا تو مسلمانوں نے اس کو اللہ کے نام پر قربان کرنا شروع کیا، اس کو اونٹنی کی فرع کہتے تھے، نبی ﷺ نے اس کی مشروعیت ختم کردی۔ اور عتیرہ کا دوسرا نام رَجَبِيَّة تھا، زمانۂ جاہلیت کے لوگ یہ قربانی ماہ رجب میں کیا کرتے تھے، کیونکہ رجب اشہر حرم میں پہلا مہینہ ہے اس لئے اس کے احترام میں بتوں کے نام پر یہ قربانی کی جاتی تھی، پھر جب زمانہ اسلام آیا تو اللہ کے نام پر یہ قربانی کی جانے لگی مگر جب ذی الحجہ میں قربانی مشروع ہوئی تو نبی ﷺ نے رَجَبِيَّة کو ختم کردیا۔

[۱۳-] بابٌ فی الفَرَعِ وَالْعَتِيْرَةِ

[۱۵۰۰-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' لَافَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ'' وَالْفَرَعُ: أَوَّلُ النِّتَاجِ، كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ، فَيَذْبَحُوْنَهُ.

وفي الباب: عَنْ نُبَيْشَةَ، وَمِخْنَفِ بنِ سُلَيْمٍ، وَالْعَتِيْرَةُ: ذَبِيْحَةٌ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهَا فِيْ رَجَبَ، يُعَظِّمُوْنَ شَهْرَ رَجَبَ، لِأَنَّهُ أَوَّلُ شَهْرٍ مِنْ أَشْهُرِ الْحُرُمِ، وَأَشْهُرُ الْحُرُمِ: رَجَبُ، وَذُوْ الْقَعْدَةِ، وَذُوْ الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وأَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُوْ الْقَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِنْ ذِيْ الْحِجَّةِ، كَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ.

وضاحت: اشہر حرم بیان کئے تو اس کی مناسبت سے اشہر حج بھی بیان کردیئے اور یہ مضمون کتاب الحج باب ۸۷ میں بھی آچکا ہے (تحفہ ۳: ۳۳۵)

بابُ ماجاء فی الْعَقِیْقَةِ

عقیقہ کا بیان

مذاہبِ فقہاء: عقیقہ: احناف کے نزدیک مستحب ہے اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے اور حنابلہ کے نزدیک: سنت یا واجب ہے۔ پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ یکساں ہے یعنی دونوں کا ایک بکری سے عقیقہ کرنا مسنون ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ مستحب ہے۔ باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے۔

حدیث: یوسف کہتے ہیں: طلبہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ کے پاس گئے اور ان سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا، انھوں نے طلبہ کو بتلایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتلایا ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے یکساں عمر کی دو بکریاں ذبح کریں (تاکہ دونوں کا گوشت ایک ساتھ پک جائے، بعض مرتبہ عمروں کے تفاوت کی وجہ سے ایک کا گوشت پک جاتا ہے اور دوسرے کا کچا رہ جاتا ہے) اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کریں۔

تشریح: عقیقہ میں فدیہ کے معنی ہیں، اس سے بچے کی بلائیں دور ہوتی ہیں، آگے حدیث آرہی ہے کہ لڑکا گروی رکھا ہوا ہے یعنی لڑکا معرضِ آفات میں رہتا ہے، عقیقہ کے ذریعہ اس کو چھڑایا جاتا ہے یعنی عقیقہ سے اس کی آفتیں ٹلتی ہیں اور لڑکے پر چونکہ لڑکی کی بہ نسبت آفتیں زیادہ آتی ہیں اس لئے شریعت نے لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ مسنون کیا، اور لڑکی کی طرف سے ایک کا، علاوہ ازیں: لڑکے کی خوشی دوچند ہوتی ہے، اس لئے عقیقہ کی مانگ کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں، پس دو بکریاں ذبح کریں تاکہ سب کو گوشت پہنچے۔

حدیث (۲): ام کُرزؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا: آپؐ نے فرمایا: ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے، خواہ وہ بکرا ہو یا بکری، اس میں کوئی حرج نہیں (بعض لوگ کہتے ہیں: لڑکے کے عقیقہ میں بکرے اور لڑکی کے عقیقہ میں بکری ذبح کرنی چاہئے یہ بے اصل بات ہے)

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے'' یعنی لڑکے کا عقیقہ تو ہونا ہی چاہئے، لڑکی کی بہ نسبت لڑکے کا عقیقہ مؤکد ہے، کیونکہ اس پر بلائیں زیادہ آتی ہیں، پس تم اس کی طرف سے خون بہاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ عقیقہ میں اصل مقصود جانور ذبح کرنا ہے پھر دعوت کرنا یا گوشت تقسیم کرنا: یکساں ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عقیقہ میں فدیہ کے معنی ہیں، اور اس سے تکلیف دہ چیز دور کرو یعنی سر کے بال اور ہاتھ پاؤں کے ناخن کاٹو، اور بچہ تندرست ہو تو ختنہ بھی کرادو۔

[١٤-] باب ماجاء في العَقِيْقَةِ

[١٥٠١-] حدثنا يَحْيَى بنُ خَلَفٍ، ثَنَا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ عُثْمَانَ بنِ خُثَيْمٍ، عَنْ يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ: أَنَّهُمْ دَخَلُوْا عَلَى حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَسَأَلُوْهَا عَنِ الْعَقِيْقَةِ، فَأَخْبَرَتْهُمْ أَنَّ عائشةَ أَخْبَرَتْهَا: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأُمِّ كُرْزٍ، وَبُرَيْدَةَ، وَسَمُرَةَ، وأَبِيْ هُريرةَ، وعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وأنسٍ، وَسَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ، وابنِ عَبّاسٍ؛ وحديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَحَفْصَةُ: هِيَ ابْنَةُ عبدِ الرحمنِ بنِ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ.

[١٥٠٢-] حدثنا الحسنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا ابنُ جُرَيْجٍ، قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ بنُ أَبِيْ يَزِيْدَ، عَنْ سِبَاعِ بنِ ثَابِتٍ، أَنَّ مُحمدَ بنَ ثَابِتِ بنِ سِبَاعٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أُمَّ كُرْزٍ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَأَلَتْ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْعَقِيْقَةِ؟ فَقَالَ:" عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ وَاحِدَةٌ، لَايُضَرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ أَمْ أُنَاثًا" هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٥٠٣-] حدثنا الحسنُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا عبدُ الرزاقِ، ثَنَا هِشَامُ بنُ حَسَّانٍ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ، عَنِ الرَّبَابِ، عَنْ سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:"مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ، فَأَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا، وَأَمِيْطُوْا عَنْهُ الْأَذَى"

حدثنا الحسنُ، ثَنَا عبدُ الرزاقِ، ثَنَا ابنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَاصِمِ بنِ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ، عَنِ الرَّبَابِ، عَنْ سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: عقیقة کے اصل معنی ہیں: نوزائیدہ بچے کے بال جو شکم مادر میں اگے ہوں، یہ بال ساتویں دن کاٹے جاتے ہیں، اور اسی دن بچے کے فدیہ کے طور پر قربانی کی جاتی ہے چنانچہ اس کو عقیقہ کہا جانے لگا، مگر اس کے مادہ میں نافرمانی کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے نبی ﷺ اس لفظ کو پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ نَسِیْکَة استعمال فرماتے تھے، مگر اس نئے لفظ کو رواج عام حاصل نہیں ہوا...... مُکَافَأَة (مصدر) برابر ہونا، نظیر ہونا۔ مُکَافِأَة (اسم فاعل) ایک دوسرے کے برابر یعنی ہم عمر۔

بابُ الْأَذَانِ فِيْ أُذُنِ الْمَوْلُوْدِ

بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا: آپؐ نے حضرت حسنؓ کے

کان میں نماز والی اذان کہی، جب ان کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنا، یعنی ولادت کے فوراً بعد اذان کہی۔

تشریح: نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے، یہ اذان واقامت بچہ کے پیدا ہونے کے بعد فوراً کہنی چاہئے دیر نہیں کرنی چاہئے، اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو کوئی عورت اذان دیدے، یا زچہ ہی اذان پڑھ دے، اذان کے لئے طہارت شرط نہیں۔ البتہ اگر کوئی نیک آدمی موجود ہو تو اس سے اذان کہلوانی چاہئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں حضور اقدس ﷺ نے اذان کہی تھی مگر نیک آدمی کے انتظار میں تاخیر کرنا مناسب نہیں۔

اور یہ حکم اس لئے ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد پہلا کلمہ جو بچے کے کان میں پڑے وہ اللہ کا نام ہونا چاہئے، اور اذان واقامت کی تخصیص اس لئے ہے کہ بچے کے دل ودماغ میں نماز کی اہمیت جاگزیں ہو، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ بچہ کو ولادت کے وقت شیطان ستاتا ہے جس سے بچہ چلاتا ہے (بخاری حدیث ۳۴۳۱) پس ولادت کے بعد فوراً اذان دینا شیطان کو بھگانے کے لئے بھی ہے تاکہ وہ بچہ کو پریشان نہ کرے۔

لطیفہ: شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ اذان واقامت نماز جنازہ کے لئے ہیں، یعنی ہر مسلمان کی پس مرگ جو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے: یہ اذان واقامت اس کے لئے ہیں۔

فائدہ: باب میں دوسری حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا، امام ترمذیؒ یہاں اس حدیث کو سند کے بغیر لائے ہیں، پھر آگے باب ۱۸ میں سند کے ساتھ لائیں گے، اس حدیث کی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ ایک بکری سے کرنا مسنون ہے، مگر یہ حدیث منقطع ہے اور نسائی میں صحیح سند سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضراتِ حسنین کی طرف سے دو مینڈھوں کا عقیقہ کیا (مشکوٰۃ حدیث ۴۱۵۵) اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ یہ بکری آپؐ نے بطور عقیقہ ذبح نہیں کی تھی بلکہ نواسے کے پیدا ہونے کی خوشی میں ذبح کی تھی اور ولادت کے دن ذبح کی تھی، پھر حضرت علیؓ نے باقاعدہ ساتویں دن ان کا عقیقہ دو بکریوں سے کیا تھا۔

[۱۵-] بابُ الأذان فی أُذُنِ المَوْلُوْدِ

[۱۵۰۴-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، قَالاَ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَذَّنَ فِيْ أُذُنِ الْحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ، حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلاَةِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ، وَرُوِىَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْعَقِيْقَةِ

مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ:عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ، وَرُوِىَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَيْضًا: أَنَّهُ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ بِشَاةٍ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الحديثِ.

وضاحت: بالصلاة: أذَّن سے متعلق ہے یعنی نماز والی اذان دی...... عن الغلام: یہ روایت پہلے گذر چکی ہے اور دوسری آگے آرہی ہے۔

بابٌ

بہترین قربانی مینڈھے کی ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین قربانی مینڈھا ہے (عرب مینڈھے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور ہمارے دیار میں بکرا زیادہ پسند کیا جاتا ہے) اور بہترین کفن دو کپڑے ہیں (مرد کے کفن میں تین کپڑے اور عورت کے کفن میں پانچ کپڑے مستحب ہیں، اور یہ حدیث عُفیر کی وجہ سے ضعیف ہے)

[۱۶-] بابٌ

[۱۵۰۵-] حدثنا سَلَمَةُ بنُ شَبِيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ الْمُغِيْرَةِ، عَنْ عُفَيْرِ بنِ مَعْدَانَ، عَن سُلَيْمِ بنِ عَامِرٍ، عَنْ أَبِى أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "خَيْرُ الْأُضْحِيَّةِ الْكَبْشُ، وَخَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَعُفَيْرُ بنُ مَعْدَانَ يُضَعَّفُ فِيْ الحديثِ.

بابٌ

قربانی واجب ہے

قربانی: حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی ایک کتاب رسالۃ أبی زید میں سنۃٌ واجبۃٌ لکھا ہے یعنی دونوں کو جمع کیا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کا وجوب کا قول بھی ہے اور سنت کا بھی۔

اور حنفیہ جو وجوب کے قائل ہیں ان کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مواظبتِ تامہ کے ساتھ قربانی کی ہے، کسی سال ترک نہیں کی، پس اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو بیانِ جواز کے لئے ایک بار ہی سہی، آپؐ قربانی ترک فرماتے تا کہ مسئلہ واضح ہو جاتا۔ اور دوسری دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت ہوتے ہوئے بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے" یہ سخت وعید ہے اور وعید ترک واجب

پر ہی ہوتی ہے، اور تیسری دلیل باب کی حدیث ہے: حضرت مخنف بن سلیم کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ عرفہ میں وقوف کئے ہوئے تھے، وہاں میں نے آپؐ کو فرماتے سنا کہ لوگو! ہر گھرانے پر ہر سال میں قربانی اور عتیرہ (واجب) ہے (علی الزام کے لئے ہے) کیا جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہی ہے جس کو آپ لوگ رَجَبِيَّة کہتے ہو (رجبیہ پہلے مشروع تھا پھر منسوخ ہوگیا، ناسخ حدیث: لافَرَعَ وَلا عتيرة ہے جو پہلے گذر چکی ہے)

[-۱۷] بابٌ

[-۱۵۰۶] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، ثَنَا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، ثنا ابنُ عَوْنٍ، ثنا أَبُوْ رَمْلَةَ، عَنْ مِخْنَفِ بنِ سُلَيْمٍ قَالَ: كُنَّا وَقُوْفًا مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَفَاتٍ، فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةٌ وَعَتِيْرَةٌ، هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِيْرَةُ؟ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِيَّةَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لاَنَعْرِفُهُ هٰذَا الْحديثَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حديثِ ابنِ عَوْنٍ.

وضاحت: ابو رملہ مجہول راوی ہے، اس کا نام عامر ہے، مگر یہ کوئی بڑی خرابی نہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو حسن کہا ہے، امام ترمذیؒ ہلکی ضعیف کو بھی حسن کہتے ہیں۔

بابٌ

ایک بکری کا عقیقہ

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور فرمایا: "فاطمہ! اس کا سر منڈادو اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرو" حضرت فاطمہؓ نے بالوں کا وزن کیا تو ان کا وزن ایک درہم یا درہم سے کچھ کم تھا۔

تشریح: نومولود کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے اور اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ تحریر فرمائی ہے کہ بچہ کا پیٹ سے باہر آنا ایسی نعمت ہے جس کا شکر بجالانا ضروری ہے کیونکہ بچہ جب تک پیٹ میں تھا اس کی دید سے محرومی تھی اور جب پیدا (ظاہر) ہوگیا تو اس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور شکریہ ادا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ نعمت سے موازنہ کر کے شکر بجالایا جائے، جیسے قابلِ زکوۃ مال کو گن کر اور حساب لگا کر زکوۃ ادا کرنا: ویسے ہی اندازے سے زکات نکالنے سے بہتر ہے، اور نومولود کے بال پیٹ کی زندگی کا بقیہ ہیں اور ان کا دور کرنا نئی مستقل زندگی کی علامت ہے اس لئے جب وہ بال کاٹے جائیں اور نئی زندگی کا آغاز ہو تو بہترین طریقہ پر شکر بجالانے کے لئے ان کو چاندی سے تولنے کا حکم دیا —— اور چاندی کی

تخصیص اس لئے کی کہ سونا زیادہ گراں ہے اور وہ مالداروں ہی کو میسر ہے، اور کسی اور سامان سے مثلاً غلہ سے بالوں کو تولا جائے تو وہ بے قدر مال ہوگا، عام طور پر بال چار گرام ہوتے ہیں اتنا گیہوں خیرات کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اتنی چاندی کی اہمیت ہے۔

ملحوظہ: اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علی زین العابدین کے صاحبزادے محمد باقر روایت کرتے ہیں، ان کا حضرت علیؓ سے لقاء وسماع نہیں، وہ حضرت علیؓ کی شہادت کے طویل عرصہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں، پس یہ حدیث منقطع ہے۔ اور پہلے الکوکب الدری کے حوالہ سے بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بکری نواسے کے پیدا ہونے کی خوشی میں ذبح کی تھی یہ ان کا عقیقہ نہیں تھا، ان کا عقیقہ حضرت علیؓ نے ساتویں روز دو مینڈھوں سے کیا تھا۔

[۱۸-] بابٌ

[۱۵۰۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ الْقُطَعِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَلِيِّ بنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: عَقَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ، وَقَالَ: "يَا فَاطِمَةُ! احْلِقِيْ رَأْسَهُ، وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً" فَوَزَنَتْهُ، فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ، أَبُوْجَعْفَرٍ مُحمدُ بنُ عَلِيٍّ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بنَ أَبِيْ طَالِبٍ.

بابٌ

امام کا عیدگاہ میں قربانی کرنا

حدیث (۱): حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے (عید الاضحیٰ کی نماز ادا فرما کر) خطبہ دیا پھر (منبر سے) نیچے اترے، اور دونوں مینڈھوں کو منگوایا، اور عیدگاہ ہی میں ان کو ذبح فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے ساتھ عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں حاضر تھا، جب آپؐ خطبہ دے چکے تو منبر سے نیچے اترے، پس آپؐ کے پاس ایک مینڈھا لایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمایا اور بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا (واؤ ضروری نہیں) اور فرمایا: "یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کرسکا یعنی آپؐ نے غریبوں کو اپنی قربانی کا ثواب بخشا۔

تشریح:

۱-حضور اقدس ﷺ نے عیدگاہ میں قربانی دو وجہ سے کی تھی: ایک: اس لئے کہ لوگ ذبح کرنے کا طریقہ اور مسائل سیکھیں۔ دوم: لوگوں کو ترغیب ہو اور وہ بھی قربانی کریں، اس لئے کہ انسانی فطرت ہے: الناس علی دین ملوکھم: لوگ بڑوں کی پیروی کرتے ہیں۔

۲-نفلی قربانی کے ثواب میں جتنے لوگوں کو چاہیں شامل کر سکتے ہیں، رہی یہ بات کہ وہ ثواب سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہو کر؟ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردمحتار میں فرمایا ہے کہ عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ تقسیم ہو کر ملے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ملے۔ واللہ اعلم

[۱۹-] بابٌ

[۱۵۰۸-] حدثنا الحسنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا أَزْهَرُ بنُ سَعْدٍ السَّمَّانُ، عَنْ ابنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم خَطَبَ، ثُمَّ نَزَلَ، فَدَعَا بِكَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۵۰۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنْ الْمُطَّلِبِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عبدِ اللّٰهِ، قَالَ: شَهِدْتُ مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم الأَضْحَى بِالْمُصَلّٰى، فَلَمَّا قَضَى خُطْبَتَهُ نَزَلَ عَنْ مِنْبَرِهِ، فَأُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ، وَقَالَ: "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنْ يَقُوْلَ الرَّجُلُ إِذَا ذَبَحَ: بسم اللهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ، وَالْمُطَّلِبُ بنُ عبدِ اللّٰهِ بنِ حَنْطَبٍ: يُقَالُ: إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ جَابِرٍ.

بابٌ

عقیقہ کی حکمت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لڑکا گروی رکھا ہوا ہے عقیقہ کے بدلے میں" یعنی آفات میں محبوس ہے (جار مجرور محذوف سے متعلق ہیں، تقدیر عبارت ہے: الغلام مُرْتَهَنٌ يُفَكُّ بعقيقته: لڑکا گروی رکھا ہوا ہے وہ عقیقہ کے ذریعہ چھڑایا جائے، یعنی عقیقہ اس کا فدیہ بن جاتا ہے اور وہ آفات سے بچ جاتا ہے) پس اس کی طرف سے

ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈایا جائے''

تشریح:

۱- امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح یہ کی ہے کہ اگر اولاد کا عقیقہ کیا گیا تو وہ قیامت کے دن ماں باپ کے لئے سفارش کرے گی، اور اگر عقیقہ نہیں کیا گیا تو سفارش نہیں کرے گی۔ اور میں نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب تک بچہ کا عقیقہ نہ کیا جائے وہ معرض آفات میں رہتا ہے، اور عقیقہ فدیہ بن جاتا ہے، اس سے بچے کی بلائیں دور ہوتی ہیں، اور لڑکے پر چونکہ بلائیں زیادہ آتی ہیں اس لئے اس کا دو بکروں کا عقیقہ مسنون ہے اور لڑکی پر بلائیں نسبتاً کم آتی ہیں اس لئے اس کی طرف سے ایک بکری کافی ہے۔

والد محترم دامت برکاتہم نے یہاں اپنا یہ تجربہ بیان کیا کہ راقم الحروف جب پیدا ہوا تو بیمار تھا، پیٹ کی شکایت تھی اور بیماری کا پتہ نہیں چلتا تھا اور دوا سے مطلق فائدہ نہیں ہوتا تھا، اتفاق سے ان دنوں والد صاحب کا ہاتھ بھی تنگ تھا آپ نے اپنے ایک دوست سے (جواب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) قرض لے کر میرا دو بکروں کا عقیقہ کیا، اس کے بعد معلوم نہیں کب میں ٹھیک ہو گیا، ابا کو پتہ ہی نہیں چلا، فالحمد للہ! اس کے بعد کبھی بیمار نہیں ہوا، غرض یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب تک عقیقہ نہ کیا جائے بچہ معرض آفات میں رہتا ہے اور عقیقہ اس کا فدیہ بن جاتا ہے اور وہ آفات سے بچ جاتا ہے۔

۲- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے ساتویں دن کی تخصیص کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی حکمت: ولادت اور عقیقہ کے درمیان فصل ضروری ہے کیونکہ ولادت کی ابتداء میں اہل خانہ زچہ بچہ کو سنوارنے میں مشغول ہوتے ہیں پس اس وقت میں عقیقہ کرنے کا حکم دینا مناسب نہیں، اس سے گھر والوں کی مشغولیت دوچند ہو جائے گی۔

دوسری حکمت: کبھی جانور فوراً مہیا نہیں ہوتا، تلاش کرنا پڑتا ہے، پس پہلے ہی دن عقیقہ کرنے کا حکم دینے میں تنگی ہے اور سات دن سے معتد بہ فصل ہو جاتا ہے، نہ کم نہ زیادہ، اس لئے ساتویں دن عقیقہ کرنے کا حکم دیا۔

اور جانور ذبح کرنے کے بعد سر منڈانے میں حاجیوں کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے اور ساتویں دن نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے نام رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

۳- ایک حقیقی ساتواں ہے اور ایک حکمی ساتواں۔ مثلاً ایک بچہ منگل کے دن پیدا ہوا تو جو پہلا پیر آئے گا وہ حقیقی ساتواں ہے، پھر اس کے بعد اس بچہ کی زندگی میں جو بھی پیر آئے گا وہ حکمی ساتواں ہے۔ اور حقیقی ساتویں دن عقیقہ کرنا ضروری نہیں اس سے پہلے بھی کیا جا سکتا ہے اور بعد میں بھی، اور بعد میں بھی حکمی ساتویں دن کا لحاظ مستحب ہے، ضروری نہیں، کسی بھی دن عقیقہ کیا جا سکتا ہے، یہی حکم نام رکھنے کا ہے، پیدائش سے پہلے بھی نام رکھا جا سکتا ہے، خواجہ

بختیار کاکی رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا نام حمل قرار پانے سے پہلے رکھ دیا تھا۔

[۲۰-] بابٌ

[۱۵۱۰-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ مُسْهِرٍ، عَنْ إسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنِ الْحسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهِ، يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُسَمَّى، وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ"

حدثنا الحسنُ بنُ عليٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا سَعِيْدُ بنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَسْتَحِبُّوْنَ أَنْ يُذْبَحَ عَنِ الغُلَامِ العَقِيْقَةُ يَوْمَ السَّابِعِ، فَإِنْ لَمْ يَتَهَيَّأْ يَوْمَ السَّابِعِ فَيَوْمَ الرَّابِعِ عَشَر، فَإِنْ لَمْ يَتَهَيَّأْ عَقَّ عَنْهُ يَوْمَ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ، وَقَالُوْا: لَا يُجْزِئُ فِيْ الْعَقِيْقَةِ مِنَ الشَّاءِ إِلَّا مَا يُجْزِئُ فِي الْأُضْحِيَّةِ.

ترجمہ: اس پر اہل علم کا عمل ہے وہ پسند کرتے ہیں کہ لڑکے کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ ذبح کیا جائے، پس اگر ساتویں دن جانور میسر نہ ہوتو پھر چودہویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے، اور اس دن بھی جانور میسر نہ ہوتو اکیس ویں دن عقیقہ کرے، اور علماء نے فرمایا ہے کہ عقیقہ میں وہی بکری جائز ہے جو قربانی میں جائز ہے یعنی قربانی کے جانور کے جو احکام ہیں وہی احکام عقیقہ کے جانور کے بھی ہیں۔

بابٌ

قربانی کرنے والا بال ناخن نہ کاٹے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہے تو وہ اپنے بالوں میں سے اور اپنے ناخنوں میں سے کچھ نہ لے'' یعنی بال ناخن نہ کاٹے۔

تشریح: جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہے اس کو ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد ناخن اور بال نہیں کاٹنے چاہئیں تا کہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو، حجاج ان ایام میں نہ ناخن کاٹتے ہیں نہ بال اور یہ حکم استحبابی ہے، اس لئے اگر زیر ناف، بغل اور ناخن کاٹے ہوئے چالیس دن ہو گئے ہیں تو ان کو کاٹنا ضروری ہے کیونکہ چالیس دن سے زیادہ بال اور ناخن وغیرہ نہ کاٹنا مکروہ تحریمی ہے، پس استحباب کے لئے مکروہ کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔

[۲۱-] بابٌ

[۱۵۱۱-] حدثنا أحمدُ بنُ الْحكَمِ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ عَمْرٍو أَوْ:عُمَرَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ رَأى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلاَ يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، والصَّحِيْحُ هُوَ عَمْرُو بنُ مُسْلِمٍ، قَدْ رَوَى عَنْهُ مُحمدُ بنُ عَمْرِو بنِ عَلْقَمَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ نَحْوُ هٰذَا، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ كَانَ يَقُوْلُ سَعِيْدُ بنُ الْمُسَيَّبِ، وَإِلٰى هٰذَا الْحديثِ ذَهَبَ أحمدُ، وإسحاقُ، وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ ذٰلِكَ، فَقَالُوْا: لَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَاحْتَجَّ بِحديثِ عائشةَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَبْعَثُ بِالْهَدْيِ مِنَ الْمَدِيْنَةِ، فَلَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ مِنْهُ الْمُحْرِمُ.

ترجمہ اور وضاحت: *بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال اور ناخن کاٹنے میں کوئی حرج نہیں*، اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے (سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سو بکریاں برائے قربانی) مدینہ سے مکہ بھیجی تھیں اور جن چیزوں کو محرم ترک کرتا ہے آپؐ نے ان میں سے کسی چیز کو ترک نہیں کیا تھا یعنی مکہ قربانی بھیجنے کی وجہ سے آپؐ نے سلا ہوا کپڑا اور خوشبو وغیرہ ترک نہیں کی تھی، معلوم ہوا کہ قربانی کا ارادہ کرنے سے آدمی محرم نہیں ہوجاتا، اس کے لئے بال اور ناخن کاٹنے جائز ہیں۔ غرض امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نہیں لیا، اور احناف فرماتے ہیں: یہ حکم اس لئے نہیں ہے کہ قربانی کا ارادہ کرنے سے آدمی محرم ہوجاتا ہے بلکہ اس میں حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہے، پس کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجیوں کو جن برکات سے نوازتے ہیں اس مشابہت کی وجہ سے ان برکات کا کچھ حصہ اس کو بھی عطا فرمادیں، اس لئے ذی الحجہ شروع ہونے کے بعد قربانی کرنے تک بال اور ناخن وغیرہ نہ کاٹنا مستحب ہے۔

﴿الحمد للہ! ابواب الاضاحی کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم الله الرحمن الرحيم

أبوابُ النُّذُوْرِ وَالأَيْمَانِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

منتوں اور قسموں کا بیان

بابُ ماجاءَ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن لَّا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ

گناہ کے کام کی منت ماننا جائز نہیں

نذر کے معنی ہیں: منت، اور یمین کے معنی ہیں: قسم، پھر منت کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ منت ہے جس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور دوسری: وہ منت ہے جس کو پورا کرنا جائز نہیں، مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر اس کا کام ہوگیا تو وہ دس روزے رکھے گا، اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے، اور اگر منت مانی کہ اس کا کام ہوگیا تو وہ اپنے لڑکے کی قربانی کرے گا یا شراب پیئے گا، اس منت کا وفا (پورا کرنا) جائز نہیں۔

شرعاً جس منت کا وفا واجب ہے اس کی تعریف ہے: إيجابُ الإنسان على نَفْسِه والْتِزَامُه من طاعةٍ يكون الواجبُ من جِنْسِها: یعنی کسی ایسی عبادت کو اپنے ذمے لازم کرنا اور اس کو سر لینا جس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت ہو، جیسے روزہ، نماز اور صدقہ وغیرہ کی منت مانی اور شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے، اور طاعة کی قید سے مباح چیزیں نکل گئیں مثلاً منت مانی کہ اگر اس کا کام ہوگیا تو وہ دو کلو ٹماٹر کھائے گا، ظاہر ہے یہ کام مباح ہے، اس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت نہیں، اس لئے اس منت کا وفا ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر کسی گناہ کے کام کی منت مانی تو بھی اس کا وفا جائز نہیں۔

یمین کی تعریف: عَقْدٌ قَوِيَ به عَزْمُ الْحالِفِ على الفعل أو الترك یعنی کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے قسم کھانے والے کا کسی کام کو کرنے کا یا نہ کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے ——— پھر یمین کی چار قسمیں ہیں:

۱- یمین منعقدہ: آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے میں کل روزہ رکھوں گا، یا نہیں رکھوں گا،

اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے: ''لیکن اللہ تعالیٰ اس قسم پر پکڑتے ہیں جس کو تم نے مضبوط کیا ہے (المائدہ آیت ۸۹) یعنی اس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہے۔

۲- یمین لغو: (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں: ایک: لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادہ کے بغیر: ہاں بخدا اورنہیں بخدا کہتے ہیں: یہ یمین لغو ہے۔ دوسری: کسی گذشتہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا جبکہ واقعہ میں ایسا نہ ہو جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ زید آیا ہے، اس پر اعتماد کر کے قسم کھائی کہ وہ آ گیا، پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آیا تو یہ یمین لغو ہے، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ، اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے: ''اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر نہیں پکڑتے'' (مائدہ آیت ۸۹) یعنی اس میں کفارہ واجب نہیں۔

۳- یمین غموس: قاضی کے سامنے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کرا کے کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے، یہ سخت کبیرہ گناہ ہے (مشکوۃ حدیث ۵۰ باب الکبائر) اسی طرح اگر کسی گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی تو وہ بھی یمین غموس ہے اور گناہ کبیرہ ہے، احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، یہ سخت گناہ ہے، توبہ لازم ہے۔

۴- یمین محال: کسی محال عقلی یا عادی کی قسم کھانا، محال عقلی: جیسے رات دن کو یکجا کر دینے کی قسم کھانا، اور محال عادی: جیسے آسمان پر چڑھنے کی قسم کھانا ——— آخری دونوں قسموں میں قرآن وحدیث میں کوئی نص نہیں ہے، اس لئے ان میں اختلاف ہوا ہے کہ کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک واجب نہیں، وہ اتنا بھاری گناہ ہے کہ کفارہ سے نہیں دُھل سکتا، توبہ ہی سے معاف ہوسکتا ہے، سورۃ البقرہ آیت ۲۲۵ میں ارشاد پاک ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ (آخرت میں) تمہاری دارو گیر نہ فرمائیں گے تمہاری بیہودہ قسموں پر، البتہ اس پر دارو گیر فرمائیں گے جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے (مراد یمین غموس ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں ——— اور محال کی قسم میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ انعقادِ یمین کے لئے امکانِ بر شرط ہے: اس لئے ان کے نزدیک ایسی قسم منعقد نہیں ہوتی پس کفارہ واجب نہیں۔

نذر وایمان کے درمیان ربط: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ نذر پسندیدہ ہے نہ قسم، چنانچہ بکثرت قسم کھانا ممنوع ہے، اگر قسم کھانا نیکی کا کام ہوتا تو اس کی کثرت مطلوب ہوتی، جیسے نماز اور روزے وغیرہ کی کثرت مطلوب ہے، لیکن چونکہ یہ ایک معاشرتی ضرورت ہے، لوگ بات چیت، قول وقرار اور معاملات میں قسمیں کھاتے ہیں اس لئے فی الجملہ اس کو مشروع کیا گیا ——— اسی طرح نذر معلق بھی ناپسندیدہ ہے، حدیث میں ہے کہ منت نہ مانا کرو کیونکہ منت تقدیر کو نہیں ٹلا سکتی، اس کے ذریعہ بس بخیل کی جیب سے مال نکال لیا جاتا ہے (اور تقدیر منجز: یعنی کسی چیز پر معلق

کئے بغیر کوئی عبادت مقصودہ اپنے ذمے لازم کرنا پسندیدہ ہے) مگر چونکہ وہ بھی ایک معاشرتی ضرورت ہے، جب لوگ پریشانیوں میں خاص طور پر بیماریوں میں پھنستے ہیں اور علاج معالجہ میں لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں پھر جب اس طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور آخری علاج کے طور پر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا عہدہ کرتے ہیں اس لئے اس کو بھی فی الجملہ مشروع کیا گیا ــــــ اور یہ بات یعنی دونوں کا دراصل ناپسندیدہ ہونا اور معاشرتی ضرورت سے فی الجملہ مشروع ہونا دونوں کے درمیان مشترک امر ہے اس لئے کتبِ حدیث اور کتبِ فقہ میں دونوں کے احکام ساتھ ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

پھر جب دونوں کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے تو جہاں ابہام کی وجہ سے نذر کی تعیین ممکن نہ ہو وہاں اس کے قرین (ساتھی) سے مدد لی جائے گی اور قسم کا کفارہ دے کر منت سے عہدہ برآ ہوا جائے گا، اسی طرح نذر معصیت چونکہ منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا وفا جائز نہیں اس لئے قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے۔

مذاہبِ فقہاء: امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی گناہ کے کام کی نذر مانے تو وہ نذر بے کار ہے، پس کفارہ بھی واجب نہیں۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اگرچہ اس کا وفا جائز نہیں، پس قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بھی گناہ کی نذر نہیں، اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے''

تشریح:

۱- اس حدیث کو ابن شہاب زہری: ابوسلمہ سے براہ راست روایت کرتے ہیں یا بیچ میں کوئی واسطہ ہے؟ یونس بن یزید کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے، اور موسیٰ بن عقبہ اور عبداللہ بن ابی عتیق: سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن ابی کثیر کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، اور سلیمان بن ارقم ضعیف ہے، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی واسطہ والی حدیث کو اصح کہا ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے، مگر اس حدیث کی اور بھی سندیں ہیں، حافظ رحمہ اللہ نے تلخیص حبیر میں ان کو ذکر کیا ہے اور ان میں جو کلام ہے وہ بھی کیا ہے، اور امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے، مگر حافظ صاحب نے اس کا رد کیا ہے کہ امام طحاوی اور ابن السکن نے اس کی تصحیح کی ہے، پس اتفاق کہاں رہا؟

۲- **لا نذرَ في معصية**: میں نفی کس چیز کی ہے انعقاد کی یا وفا کی؟ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک انعقاد کی نفی ہے، یعنی نذر معصیت منعقد ہی نہیں ہوتی۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک وفا کی نفی ہے یعنی نذر معصیت منعقد تو ہو جاتی ہے مگر اس کا پورا کرنا جائز نہیں، اور دلیل اگلا جملہ ہے کہ اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، معلوم ہوا کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے، اس وجہ سے کفارہ واجب ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ معصیت کی نذر ماننا حرام کو حلال کرنا ہے جو بحکم یمین ہے جیسا کہ اس کی برعکس صورت یعنی

حلال کوحرام کرنا یمین ہے، رسول اللہ ﷺ نے شہد کوحرام کیا تھا چنانچہ سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات میں آپؐ کوحکم دیا گیا کہ آپ شہد استعمال کریں اور قسم کا کفارہ دیں، پس آپؐ نے شہد استعمال فرمایا اور کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔

أبواب النذور والأيمان

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنْ لَّا نَذْرَ فى مَعْصِيَةٍ

[۱۵۱۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ صَفْوَانَ، عَنْ يُوْنُسَ بن يَزِيْدَ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا نَذْرَ فِىْ مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ"

وفى الباب: عَن ابنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَهٰذَا حديثٌ لَايَصِحُّ، لِأَنَّ الزُّهْرِىَّ لَمْ يَسْمَعْ هٰذَا الحديثَ مِنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، وَسَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: رُوِىَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، مِنْهُمْ مُوْسَى بنُ عُقْبَةَ، وابنُ أَبِىْ عَتِيْقٍ، عَنِ الزُّهْرِىِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ أَرْقَمَ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِىْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ محمدٌ: وَالْحديثُ هُوَ هٰذَا.

[۱۵۱۳-] حدثنا أَبُوْ إِسْمَاعِيْلَ مُحمدُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ بنِ يُوْسُفَ التِّرْمِذِىُّ، ثَنَا أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، ثَنِى أَبُوْ بَكْرِ بنُ أَبِىْ أُوَيْسٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بِلَالٍ، عَنْ مُوْسَى بنِ عُقْبَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِىْ عَتِيْقٍ، عَنِ الزُّهْرِىِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ أَرْقَمَ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِىْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَانَذْرَ فِىْ مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حديثِ أَبِىْ صَفْوَانَ، عَنْ يُوْنُسَ.

وَقَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَا نَذْرَ فِىْ مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَاحْتَجَّا بِحديثِ الزُّهْرِىِّ عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَا نَذْرَ فِىْ مَعْصِيَةٍ، وَلَا كَفَّارَةَ فِىْ ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِىِّ.

ترجمہ: بعض صحابہ وغیرہ اہل علم کہتے ہیں کہ کسی بھی گناہ کی نذر نہیں یعنی اس کا وفا جائز نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔ اور انھوں نے ابن شہاب زہری کی اس حدیث سے جس کو وہ ابو سلمہ سے

اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں: استدلال کیا ہے۔ اور دوسرے بعض صحابہ وغیرہ اہل علم کہتے ہیں: کسی بھی گناہ کی نذر نہیں اور اس میں کفارہ بھی نہیں، اور یہ شافعی اور مالک کا قول ہے۔

فائدہ: باب میں حضرت عمران کی صحیح حدیث موجود ہے، جو نسائی (حدیث ۳۸۴۵) میں ہے، اس کے الفاظ بہت واضح ہیں، قال: النذرُ نَذْرَانِ: فما كان من نذر في طاعة الله، فذلك لله، وفيه الوفاء، وما كان من نذر في معصية الله، فذلك للشيطان، ولا وفاء فيه، ويُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ اليمين یعنی نذریں دو ہیں: ایک طاعت کی نذر، یہ اللہ کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے، دوسری گناہ کی نذر، یہ شیطان کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا جائز نہیں، اور اس کا گناہ وہ چیز مٹاتی ہے جو قسم (توڑنے) کا گناہ مٹاتی ہے یعنی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے اس کا گناہ مٹ جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے یعنی نذر پوری کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے یعنی اس نذر کو پورا نہ کرے''

ملحوظہ: مصری نسخہ میں اس حدیث سے پہلے یہ باب ہے: باب من نَذَرَ أن يُطِيع الله فَلْيُطِعْه: جو اللہ کی اطاعت کی منت مانے وہ اللہ کی اطاعت کرے یعنی وہ اس منت کو پورا کرے۔

[۱۵۱٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الأَيْلِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: " مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ"

حدثنا الحسنُ بنُ عليٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ نُمَيْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الأَيْلِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ عائشةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بنُ أَبِي كَثِيْرٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُحمدٍ، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَبِهِ يَقُوْلُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، قَالُوْا: لَا يَعْصِي اللّٰهَ، وَلَيْسَ فِيْهِ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ، إِذَا كَانَ النَّذْرُ فِي مَعْصِيَةٍ.

ترجمہ: یہ بعض صحابہ وغیرہ کا قول ہے اور اسی کے قائل ہیں: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ (یہ دلیل ہے کہ یہاں باب ہے اس لئے کہ ایک باب میں دو مرتبہ اس طرح کی عبارت لکھنے کی امام ترمذیؒ کی عادت نہیں، نیز یہ معرکۃ

الاراء مسئلہ ہے، اوراس قسم کے مسائل میں امام ترمذی دو باب قائم کرتے ہیں) وہ حضرات فرماتے ہیں (اگر اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو) اللہ کی نافرمانی نہ کرے، اوراس صورت میں قسم کا کفارہ نہیں جبکہ نذر کسی گناہ کی ہو۔

بابٌ لَا نَذْرَ فِی مَالَا یَمْلِكُ ابنُ آدَمَ

آدمی جس چیز کا مالک نہیں اس کی منت نہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چیز آدمی کی ملکیت میں نہیں اس کی منت نہیں (یہ حدیث تحفۃ الالمعی کی اسی جلد (کتاب الطلاق باب ۶) میں گذر چکی ہے)

[۲-] بابٌ لانَذْرَ فیما لایملكُ ابنُ آدم

[۱۵۱۵-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیْعٍ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ یُوْسُفَ الْأَزْرَقُ، عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِیِّ، عَنْ یَحْیَیَ بنِ أَبِیْ کَثِیْرٍ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم: "لَیْسَ عَلَی الْعَبْدِ نَذْرٌ فِیْمَا لَا یَمْلِكُ"

وفی الباب: عَنْ عَبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وعِمْرَانَ بنِ حُصَیْنٍ، هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابٌ فی کَفَّارَةِ النَّذْرِ إِذَا لَمْ یُسَمِّ

مبہم منت کا کفارہ

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نذر کا کفارہ جبکہ ناذر نے کسی چیز کی تعیین نہ کی ہو تو قسم کا کفارہ ہے"

تشریح: اگر نذر مبہم ہو یعنی ناذر نے کسی چیز کی تعیین نہ کی ہو مثلاً اس نے کہا: اگر اس کے بچہ کو شفا ہو جائے تو وہ منت مانتا ہے مگر کس چیز کی منت مانتا ہے؟ یہ بات واضح نہیں کی پھر بچہ کو شفا ہو گئی تو قسم کا کفارہ ادا کرے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اور کفارۂ یمین کا بیان سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں ہے، یعنی دس محتاجوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے، یا ایک بردہ آزاد کرے اوران میں سے کسی پر قدرت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

[۳-] بابٌ فی کفَّارة النَّذْرِ إذا لمْ یُسَمِّ

[۱۵۱۶-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِیْعٍ، ثَنَا أَبُوْ بَکْرِ بنُ عَیَّاشٍ، قَالَ ثَنِیْ مُحمدٌ مَوْلَی الْمُغِیْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، قَالَ ثَنِی کَعْبُ بنُ عَلْقَمَةَ، عَنْ أَبِی الْخَیْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "کَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ یُسَمِّ کَفَّارَةُ یَمِیْنٍ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ.

بابٌ فی مَنْ حَلَفَ عَلَی یَمِیْنٍ، فَرَأَی غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا

قسم کھائی پھراس کے علاوہ میں بھلائی دیکھی تو کیا کرے؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی بات کی قسم کھالیتا ہے مثلاً: ماں باپ سے یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، پھر جب غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے تو پچھتاتا ہے۔ اور قسم اَیمان میں سے ہے، جب کھالی: کھالی۔ اب وہ ختم نہیں ہوسکتی، اس لئے شریعت نے حکم دیا کہ اس قسم پر برقرار مت رہو، قسم توڑ دو اور کفارہ دیدو۔

مذاہبِ فقہاء: اگر قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے تو بالاجماع درست ہے اور اگر کفارہ دے کر قسم توڑے تو اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا کرنا بھی درست ہے (مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے روزوں کا استثناء کیا ہے، ان کی تقدیم جائز نہیں) اور حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد نص نہیں ہے، اس لئے کہ بعض روایات میں حنث (قسم توڑنے) کو مقدم کیا گیا ہے اور کفارہ کو مؤخر، اور بعض روایات میں برعکس ہے، راوی کسی ایک بات پر ٹھہرتا ہی نہیں، پھر کسی روایت میں واؤ ہے جو مطلق جمع کے لئے ہے اور کسی میں فاء اور ثم ہیں جو ترتیب کے لئے ہیں، پس جب حدیثوں کی صورتِ حال یہ ہے تو وہ اختلاف کی بنیاد نہیں بن سکتیں، بلکہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کفارہ کی علت کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علت: یمین ہے اس لئے کہ کفارۃ الیمین محاورہ ہے، پس یمین علت ہوئی، جیسے: صلوۃُ الظهر میں ظہر (دوپہر) علت ہے صدقۃُ الفطر میں (روزہ کھولنا) علت ہے، اسی طرح یہاں بھی یمین علت ہے، پس قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دیا جائے تو درست ہے کیونکہ سبب (یمین) پایا گیا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک: حنث (قسم توڑنا) علت ہے، وہ فرماتے ہیں: کفارۃُ الیمین میں مضاف پوشیدہ ہے، تقدیرِ عبارت ہے: کفارۃُ نقضِ الیمین یعنی قسم توڑنے کا کفارہ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ کفارہ میں اشارہ ہے کہ کوئی نامناسب کام ہوا ہے، جس کی یہ سزا ہے اور ظاہر ہے کہ نامناسب کام قسم نہیں، کیونکہ قسم بذاتِ خود بری چیز نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ قسمیں کھائی ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے بھی قسمیں کھائی ہیں، بلکہ نامناسب بات قسم توڑنا ہے کیونکہ قسم کھانے والے نے اللہ کا نام لے کر ایک عہد کیا ہے، پس اس کی خلاف ورزی میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہے اور کفارہ اس کی ایک طرح کی سزا ہے، اس لئے کفارۃُ الیمین کی تقدیرِ عبارت: کفارۃُ نقضِ الیمین ہے یعنی یہ قسم توڑنے کی سزا ہے پس قسم توڑ کر کفارہ دینا ضروری ہے، اگر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کیا تو اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ سبب ابھی نہیں پایا گیا، اور سبب سے پہلے مسبب کا تحقق نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبدالرحمٰن!

تم خودامارت (سرداری) طلب مت کرو، اگر تمہارے پاس امارت طلب کرنے سے آئے گی تو تمہیں اس کے حوالہ کردیا جائے گا یعنی امارت کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں کی جائے گی، اور اگر درخواست کے بغیر امارت آئے گی تو اس کے کاموں میں تمہاری مدد کی جائے گی (یہاں تک مضمون ابواب الاحکام کے شروع میں گذر چکا ہے) اور جب تم کوئی قسم کھاؤ پھر اس کے علاوہ میں خیر دیکھو تو وہ کام کرو جو بہتر ہے، اور قسم کا کفارہ دیدو۔

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور اس میں کوئی گناہ نہ ہو، مگر مصلحت کے خلاف ہو تو اس قسم کو توڑ دینا جائز ہے، اور اگر قسم از قبیل گناہ ہو تو اس کو توڑ دینا واجب ہے، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[٤-] بابٌ فیمَن حَلَفَ علی یَمِیْنٍ، فرأی غیرَها خیْراً مِنْهَا

[١٥١٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰی، ثَنَا المُعْتَمِرُ بنُ سُلَیْمَانَ، عَنْ یُوْنُسَ، ثَنَا الحَسَنُ، عَنْ عَبدِ الرحمنِ بنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "یا عَبْدَ الرحمنِ! لَا تَسْأَلِ الإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أَتَتْكَ عَنْ مَسْأَلَةٍ وُکِلْتَ إِلَیْهَا، وَإِنَّكَ إِنْ أَتَتْكَ مِنْ غَیْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَیْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَأَیْتَ غَیْرَهَا خَیْراً مِنْهَا فَأْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ، وَلْتُکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِكَ"

وفی الباب: عَنْ عَدِیِّ بنِ حَاتِمٍ، وَأَبِی الدَّرْدَاءِ، وَأَنَسٍ، وَعَائشةَ، وعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وأَبِی هُرَیْرَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وأَبِی مُوْسَی، حدیثُ عبدِ الرحمنِ بنِ سَمُرَةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

نوٹ: اس حدیث میں قسم توڑنے کا تذکرہ پہلے ہے اور کفارہ کا بعد میں۔

بابٌ فی الکَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے کا بیان

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی کام کی قسم کھائی پھر وہ اس کے علاوہ میں بہتری دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور وہ کام کرے''

تشریح: اس حدیث میں کفارہ کو مقدم کیا گیا ہے، اور حنث کو مؤخر، یعنی پہلے کفارہ دے پھر قسم توڑے، اس لئے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پہلے کفارہ ادا کرنا بھی درست ہے، تفصیل گذر چکی۔

[٥-] بابٌ فی الکفارة قبل الحِنْثِ

[١٥١٨-] حدثنا قُتَیْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ سُهَیْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ أَبِیْ

هُرَيرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ، فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْراً مِنْهَا، فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلْيَفْعَلْ"

وفي الباب: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، حديثُ أَبِيْ هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْكَفَّارَةَ قَبْلَ الْحِنْثِ تُجْزِئُ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ؛ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُكَفِّرُ إِلَّا بَعْدَ الْحِنْثِ، قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ: إِنْ كَفَّرَ بَعْدَ الْحِنْثِ أَحَبُّ إِلَيَّ، وإِنْ كَفَّرَ قَبْلَ الْحِنْثِ أَجْزَأَهُ.

ترجمہ: اس پر اکثر صحابہ وغیرہ کا عمل ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز ہے، اور یہ ائمہ ثلاثہ وغیرہ کا مذہب ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک قسم توڑنے کے بعد ہی کفارہ دینا ضروری ہے، اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر قسم توڑنے کے بعد کفارہ ادا کرے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

بابٌ فی الاِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِيْنِ

قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملا کر کہنے کا حکم

باب میں استثناء کے معنی ہیں: قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملانا، اگر قسم کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہہ لیا تو قسم منعقد نہیں ہوگی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اور یہی حکم طلاق، عتاق، نکاح اور رجعت وغیرہ تمام ایمان کا ہے، جن میں اقالہ نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص بیوی سے کہے: أنتِ طالق إن شاء الله (اگر اللہ چاہے تو تجھے طلاق) تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ نے چاہا یا نہیں: اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

حدیث (۱): آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قسم کھائی پس اس نے کہا: إن شاء الله تو وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ قسم منعقد نہیں ہوئی۔

سند کی بحث: اس حدیث کو نافع سے ایوب سختیانی اور عبید اللہ عمری نے روایت کیا ہے، عبید اللہ موقوف بیان کرتے ہیں اور سالم سے بھی اسی طرح مروی ہے یعنی یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی ہے، اور ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے مرفوع کیا ہے، مگر وہ بھی کبھی مرفوع کرتے تھے، ہمیشہ مرفوع نہیں کرتے تھے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قسم کھائی پس کہا ان شاء اللہ تو وہ حانث نہیں ہوگا''

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ایک طویل حدیث کا اختصار ہے اور اس کو عبد الرزاق نے (جن کی مصنف عبد الرزاق ہے، جو گیارہ جلدوں میں مطبوعہ ہے) مختصر کیا ہے، اور اختصار کی وجہ سے مضمون بدل گیا ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں کو جہاد کی ترغیب دی، کوئی دشمن برسر پیکار ہوگا، مگر درباریوں نے سرد مہری دکھائی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا اور انھوں نے غصہ میں فرمایا: تم لوگ گھروں میں چوڑیاں پہنے بیٹھے رہو، آج رات میں اپنی سب بیویوں سے صحبت کروں گا، اور اللہ تعالیٰ مجھے ہر بیوی سے لڑکا عنایت فرمائیں گے، پھر میں اور میرے لڑکے مل کر جہاد کریں گے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات کہی تو وزیر نے عرض کیا: حضرت! ان شاء اللہ کہہ لیں، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام غصہ میں تھے، وزیر کے یاد دلانے کے باوجود ان شاء اللہ نہیں کہا، سلیمان علیہ السلام اپنے فرمانے کے مطابق اس رات سب بیویوں سے ملے (حضرت سلیمان علیہ السلام کی ستر بیویاں تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ سو بیویاں تھیں اور یہ معجزہ کی روایت ہے، پس ذہنوں میں یہ اعتراض نہیں آنا چاہئے کہ ایک رات میں سو بیویوں سے صحبت کرنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ معجزہ خرق عادت کا نام ہے) مگر کسی بیوی صاحبہ کے حمل قرار نہیں پایا، ایک بیوی صاحبہ کا حمل ٹھہرا اور وہ بھی ناتمام بچہ گر گیا۔ یہ واقعہ ذکر کر کے نبی ﷺ نے فرمایا: اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مراد پوری کرتے، ہر بیوی سے اللہ تعالیٰ لڑکا عنایت فرماتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے ساتھ مل کر جہاد کرتے، اور فائز المرام ہوتے، مگر حضرت سلیمان علیہ لاسلام نے ان شاء اللہ نہیں کہا اس لئے مقصد پورا نہیں ہوا۔

یہ اصل واقعہ ہے، اس میں اول تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی قسم نہیں کھائی، بلکہ اپنا ارادہ ظاہر فرمایا ہے، پھر اگر اس کو بالفرض قسم مان لیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس رات تمام بیویوں سے صحبت کر کے قسم پوری کر لی تھی، رہا لڑکوں کا ملنا نہ ملنا تو وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس لئے قسم ٹوٹنے کا بھی کوئی سوال نہیں۔ غرض یہ حدیث مختصر ہو کر بگڑ گئی ہے، اور حدیث میں جو ہے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو فائز المرام ہوتے، یہ بات روایت بالمعنی ہو کر لَمْ یَحْنَثْ ہوگئی حالانکہ اس میں قسم ٹوٹنے کی کوئی بات نہیں تھی، پس اس حدیث کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ بات کہ اگر قسم کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہہ لیا جائے تو قسم نہیں ٹوٹتی، یہ مضمون اس حدیث میں ہے ہی نہیں، اور حضرت عبد الرزاق نے جو حدیث کو مختصر کیا ہے تو اس میں ان سے غلطی ہوگئی ہے۔

[۶-] بابٌ فی الِاسْتِثْنَاءِ فی الْیَمِیْنِ

[۱۵۱۹-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَیْلَانَ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَ ثَنی أَبِی، وَحَمَّادُ

بنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ، فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُريرةَ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ مَوْقُوْفًا، وَهٰكَذَا رَوٰى سَالِمٌ، عَنْ ابنِ عُمَرَ مَوْقُوْفًا، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ أَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ، وَقَالَ إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ: كَانَ أَيُّوْبُ أَحْيَانًا يَرْفَعُهُ وَأَحْيَانًا لَايَرْفَعُهُ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ إِذَا كَانَ مَوْصُوْلًا بِالْيَمِيْنِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَمَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

[١٥٢٠-] حدثنا يَحيىَ بنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَلَفَ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمْ يَحْنَثْ"

سَأَلْتُ محمدَ بنِ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحديثِ؟ فَقَالَ: هٰذَا حديثٌ خَطَأٌ، أَخْطَأَ فِيْهِ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، اخْتَصَرَهُ مِنْ حديثِ مَعْمَرٍ، عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ سُلَيْمَانَ بنَ دَاوُدَ عليه السلامُ قَالَ: لَأَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَبْعِيْنَ امْرَأَةٍ، تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلَامًا، فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَلِدْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ نِصْفَ غُلَامٍ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لَوْ قَالَ: إِنْ شاءَ اللّٰهُ لَكَانَ كَمَا قَالَ": هٰكَذَا رَوٰى عبدُ الرزاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ هٰذَا الحديثَ بِطُوْلِهِ، وَقَالَ: سَبْعِيْنَ امْرَأَةً، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هريرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: قَالَ سُلَيْمَانُ بنُ دَاوُدَ:" لَأَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى مِائَةِ امْرَأَةٍ"

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام امیر المؤمنین (بادشاہ) تھے، اور ایسے حضرات کو بعض سیاسی مصلحتوں سے نکاح کرنے پڑتے ہیں، جیسے ہمارے نبی ﷺ نے بعض سیاسی مصلحتوں سے نکاح کئے ہیں۔ ایسے ہی امت کے بعض افراد کو اپنے ذاتی حالات کی وجہ سے ایک سے زیادہ نکاح کرنے پڑتے ہیں، مگر آدمی کو اتنے ہی نکاح کرنے چاہئیں کہ بوقت ضرورت ایک رات میں سب کے پاس جاسکے، انبیاء علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوت

دی تھی، اس لئے ان کے لئے تو تعداد کی تحدید نہیں تھی مگر امتی عام طور پر چار ہی سے نمٹ سکتے ہیں، اس سے زیادہ بیویاں کریں گے تو بعض کا لمعلّقة رہیں گی، اس لئے ان کے لئے تحدید کردی گئی ہے۔

بابٌ فی کَرَاهِیَةِ الْحَلِفِ بِغَیْرِ اللّٰهِ

غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے

غیر اللہ کی قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں: اول: حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا، یہ شرک ہے۔ دوم: تکیہ کلام کے طور پر غیر اللہ کی قسم کھانا۔ سوم: دلیل کو بصورت قسم ذکر کرنا: یعنی جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ حقیقت میں قسم نہ ہو بلکہ دلیل ہو، قرآن کریم میں کائناتی چیزوں کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اسی قبیل کی ہیں، یعنی وہ سب دلیلیں ہیں جو قسم کی صورت میں لائی گئی ہیں، مثلاً سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، پھر فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ چاروں قسمیں اس مقسم بہ کی دلیل ہیں، یہ جائز ہیں کیونکہ یہ حقیقت میں قسمیں نہیں ہیں، اسی طرح بطور تکیہ کلام غیر اللہ کی قسم کھانا بھی جائز ہے اور وہ بمنزلہ یمین لغو کے ہے، مثلاً: عربی میں تکیہ کلام کے طور پر یہ قسم کھاتے ہیں: لَعَمْرُكَ! تیری زندگی کی قسم، لَعَمْرِيْ: میری زندگی کی قسم، إِيْ وَ ایعنی إِيْ واللّٰهِ: ہاں بخدا! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک واقعہ میں قسم کھائی ہے: وَقُرَّةِ عَيْنِيْ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ قسمیں بمنزلہ یمین لغو ہیں، ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔

البتہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا گناہ کبیرہ اور شرک ہے، اور غیر اللہ کی حقیقتاً قسم کھانا یہ ہے کہ دو باتوں کا اعتقاد کرکے قسم کھائے، ایک: جس کی قسم کھاتا ہے اس کی عظمت کا اللہ کی عظمت کی طرح اعتقاد ہو، دوسرے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی طرح غیر اللہ کی بے حرمتی پر گناہ اور وبال کا اعتقاد ہو، مثلاً کوئی پیرانِ پیر (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ) کی قسم کھاتا ہے تو ان دونوں باتوں کا اعتقاد ہوتا ہے اس لئے وہ شرک ہے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دورانِ گفتگو بار بار یہ قسم کھاتے سنا: میرے باپ کی قسم! میرے باپ کی قسم!! پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے آباؤ واجداد کی قسمیں کھانے سے منع کیا ہے'' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: قسم بخدا! اس کے بعد میں نے کبھی ایسی قسم نہیں کھائی نہ یاد ہوتے ہوئے (نہ بھول کر) اور (نہ اپنی طرف سے ابتداءً) نہ دوسرے کی طرف سے نقل کرتے ہوئے (دونوں کے مقابل محذوف ہیں، ذاکراً کا مقابل ناسیا ہے اور آثِراً کا مقابل تأسِيْسًا ہے)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی تنبیہ کا اتنا خیال کیا کہ بھول کر بھی کبھی غیر اللہ کی قسم نہیں

کھائی، اگرچہ بھول پر آدمی کا بس نہیں، بھول سے غلطی ہو ہی جاتی ہے، مگر پورا خیال رکھا جائے تو غلطی نہیں ہوتی، حضرت عمرؓ نے اس تنبیہ کا اس درجہ خیال رکھا کہ پھر بھول کر بھی غیر اللہ کی قسم منہ سے نہیں نکلی (ایک مرتبہ تنبیہ کے بعد پھر کبھی غلطی سرزد نہ ہو: یہ خوبی ہزار آدمیوں میں سے ایک میں ہوتی ہے، عام طور پر تنبیہ کا اثر چند روز رہتا ہے پھر کتے کی دم ٹیڑھی ہو جاتی ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکایت کے طور پر بھی کبھی غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی (یہاں سے یہ ادب نکلا کہ اگر بطور حکایت کوئی غلط بات بیان کرنی پڑے تو بھی اس کو اپنی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے، طلبہ انجمن میں جب مناظرہ کی مشق کرتے ہیں تو ایک فریق اہل حق کی ترجمانی کرتا ہے، اور دوسرا اہل باطل کی، باطل کی ترجمانی کرنے والا طالب عالم اس گمراہ جماعت کی طرف سے بطور حکایت کہتا ہے: میں یہ کہتا ہوں میرا یہ عقیدہ ہے، یہ غلط انداز ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ قادیانی یہ کہتے ہیں، مودودی یہ کہتے ہیں، غیر مقلدین یہ کہتے ہیں، ان کی بات بطور حکایت بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرنی چاہئے، یہ ادب کے خلاف ہے)

فائدہ: جب متقابلات میں سے ایک کو لیا جاتا ہے اور دوسرے کو حذف کیا جاتا ہے تو جو اہم ہوتا ہے اس کو لیا جاتا ہے اور غیر اہم کو حذف کیا جاتا ہے، چونکہ جان بوجھ کر غیر اللہ کی قسم کھانا بھول کر قسم کھانے کی بہ نسبت زیادہ برا ہے اس لئے ذاکراً کو لیا اور اس کے مقابل ناسیاً کو حذف کیا۔ اور آثِراً اور تأسِیسًا میں اگرچہ زیادہ اہم تأسیسا ہے کیونکہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا: بطور حکایت قسم کھانے سے زیادہ برا ہے مگر آثِراً اس اعتبار سے اہم ہے کہ مسلمان غیر اللہ کی قسم حقیقتاً تو کھا ہی نہیں سکتا، ہاں بطور حکایت اس کی نوبت آسکتی ہے، اس لئے اس کو لیا اور کہا: بطور حکایت بھی آپؓ نے غیر اللہ کی قسم نہ کھائی، اور اس کے مقابل تأسِیسًا کو حذف کر دیا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی جبکہ وہ ایک قافلہ میں تھے اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے روکا ہے، قسم کھانے والا یا تو اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے“

[۷-] بابٌ في كراهية الحَلِفِ بغيرِ الله

[۱۵۲۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ: سَمِعَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عُمَرَ، وَهُوَ يَقُوْلُ: وأَبِيْ! وَأَبِيْ!! فَقَالَ: ”أَلاَ! إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ“ فَقَالَ عُمَرُ: فَوَاللّٰهِ! مَا حَلَفْتُ بِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ ذَاكِرًا وَلاَ آثِرًا.

وفي الباب: عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ، وابنِ عباسٍ، وأَبِيْ هُريرةَ، وَقُتَيْلَةَ، وعبدِ الرحمنِ بنِ سَمُرَةَ، وهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

قَالَ أَبُوْ عُبَيْدٍ: مَعْنَى قَوْلِهِ: وَلاَ آثِراً، يَقُوْلُ: لاَ آثُرُهُ عَنْ غَيْرِيْ، يقولُ: لَمْ أَذْكُرْهُ عَنْ غَيْرِيْ.
[۱۵۲۲-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَدْرَكَ عُمَرَ وَهُوَ فِيْ رَكْبٍ، وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيْهِ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَآئِكُمْ، لِيَحْلِفْ حَالِفٌ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَسْكُتْ" هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: ابوعبید قاسم بن سلام امام لغت ہیں ان کی کتاب غریب الحدیث مطبوعہ ہے انھوں نے ولا آثرا کا ترجمہ کیا ہے: لم أذکرہ عن غیری یعنی دوسرے کی طرف سے نقل کرتے ہوئے بھی میں نے غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی۔

بابٌ

غیر اللہ کی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو اس طرح قسم کھاتے سنا: نہیں! کعبہ کی قسم! پس ابن عمرؓ نے اس سے فرمایا: غیر اللہ کی قسم مت کھا، میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا، یا فرمایا شرک کیا۔

تشریح: اس حدیث میں غیر اللہ کی قسم کو جو شرک یا کفر کہا گیا ہے وہ تغلیظاً ہے یعنی ناقص کو کامل فرض کرکے کلام کیا گیا ہے، کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانے والا حقیقتاً کافر نہیں ہوجاتا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا تھا، جب انھوں نے باپ کی قسم کھائی تھی، اگر غیر اللہ کی قسم کھانا حقیقتاً کفر یا شرک ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم دیتے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث باب تغلیظ وتشدید سے ہے اور اس کی پہلے کئی نظیریں گذر چکی ہیں۔

سوال: آگے نبی ﷺ کا یہ ارشاد آرہا ہے کہ جو شخص لات وعزّیٰ کی قسم کھائے: وہ لا الہ الا اللہ کہے، اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے والا حقیقتاً کافر ہوجاتا ہے، اس لئے اس کو تجدید ایمان کا حکم دیا۔

جواب: اس حدیث میں بھی تجدید ایمان کا حکم نہیں ہے، بلکہ وہ الرِّیَاءُ شِرْكٌ کے قبیل سے ہے، سورۃ الکہف کی آخری آیت: ﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ کی تفسیر میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: الریاء شركٌ یعنی عبادت میں دکھاوا کرنا شرک ہے، ظاہر ہے یہ حقیقی شرک نہیں بلکہ بڑا گناہ ہے جس کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے کہ جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھائے وہ لا إله إلا الله کہے (یہ امام ترمذیؒ کا جواب ہے)

مگر بہتر جواب یہ ہے کہ یہ حدیث علاج بالضد کے قبیل سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ لات وعزی کی قسمیں کھایا کرتے تھے، اوراس کے عادی تھے، اور عادت یک دم نہیں چھوٹتی، رفتہ رفتہ چھوٹتی ہے، پس اگر کسی کے منہ سے بے اختیار واللات والعُزّی! نکل جائے تو نبی ﷺ نے اس کا علاج بتایا کہ بار بار لا إله إلا الله کہے، یہ کلمہ اس غلط بات کا کفارہ ہوجائے گا اور وہ غلط عادت بھی چھوٹ جائے گی، پس یہ علاج بالضد ہے، نہ وعید ہے نہ اس میں تجدید ایمان کا حکم ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ: غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی، جیسے رسول اللہ کی قسم! کعبہ کی قسم! باپ کی قسم! بچے کی قسم وغیرہ۔ اس طرح کی قسم کھا کر اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو کفارہ واجب نہیں، البتہ غیر اللہ کی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

مسئلہ: قرآن کریم کی قسم: کلام اللہ کی قسم ہے، جو اللہ کی صفت ہے، پس جائز ہے، البتہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی، مگر قسم نہیں کھائی تو قسم نہیں ہوئی۔

[٨-] بابٌ

[١٥٢٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عَنِ الْحَسَنِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ سَعْدِ بنِ عُبَيْدَةَ: أَنَّ ابنَ عُمَرَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: لَا وَالْكَعْبَةِ! فَقَالَ ابنُ عُمَرَ: لَا تَحْلِفْ بِغَيْرِ اللّٰهِ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ: أَشْرَكَ"، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

وَتَفْسِيْرُ هٰذَا الحديثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ قَوْلَهُ: " فَقَدْ كَفَرَ أَوْ: أَشْرَكَ" عَلَى التَّغْلِيْظِ، وَالْحُجَّةُ فِيْ ذٰلِكَ: حديثُ ابنِ عُمَرَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سَمِعَ عُمَرَ يَقُوْلُ: وَأَبِيْ! وَأَبِيْ! فَقَالَ: " أَلَا إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ"

وَحديثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَالَ فِيْ حَلِفِهِ: وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى! فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إلا اللّٰهُ" وَهٰذَا مِثْلُ مَارُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " الرِّيَاءُ شِرْكٌ"، وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ الآيَةَ، قَالَ: لَايُرَائِيْ.

ترجمہ: اس حدیث کی تفسیر بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد: فقد كفر أو: أشرك تغلیظ وتشدید پر محمول ہے اور اس کی دلیل ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرح قسم کھاتے ہوئے سنا: وأبی! وأبی! پس آپؐ نے فرمایا: خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسمیں کھانے سے منع کرتے ہیں یعنی نبی ﷺ نے باپ کی قسم کھانے سے منع فرمایا، مگر تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی

قسم کھانے سے حقیقتاً آدمی کافر نہیں ہوجاتا، پس مذکور حدیث تغلیظ و وعید کی ہے۔

(اس کے بعد سوال مقدر کا جواب ہے) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''جس نے اپنی قسم میں واللات والعزی کہا، تو چاہئے کہ وہ لا إله إلا الله کہے'' یہ حدیث اس حدیث کے مانند ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''عبادت میں دکھاوا کرنا شرک ہے'' بعض علماء نے آیت: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا﴾ کی تفسیر یہ کی ہے کہ عبادت میں دکھاوا کرے یہ شرک ہے۔

بابٌ فی مَنْ یَحْلِفُ بالمَشْیِ وَلَا یَسْتَطِیْعُ

پیدل حج کرنے کی قسم کھائی یا منت مانی اور چلنے کی طاقت نہ ہوتو کیا کرے؟

اگر کوئی پیدل حج کرنے کی قسم کھائے یا منت مانے اور وہ جزیرۃ العرب میں کہیں قریب رہتا ہے تو اس پر پیدل حج کرنا واجب ہے، کیونکہ اس کے لئے پیدل حج کرنا ممکن ہے اور اس کی جنس سے طاعت واجبہ ہے، طوافِ زیارت پیدل کرنا واجب ہے، اور اگر قسم یا منت پر عمل کرنا دشوار ہو، جیسے بہت بوڑھے شخص کا، یا عورت کا، یا دور دراز ممالک کے باشندے کا پیدل حج کرنا مشکل ہے تو وہ سوار ہوکر حج کرے اور ایک ہدی (بکرا) ذبح کرے اور استطاعت نہ ہوتو تین روزے رکھے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے بیت اللہ کا پیدل حج کرنے کی منت مانی، نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہیں، اس عورت سے کہو کہ وہ سوار ہوکر جائے'' یعنی پیدل جانا اس کے لئے ضروری نہیں، اور ابوداؤد میں ہے کہ وہ ایک ہدی ذبح کرے (مشکوۃ حدیث ۳۴۴۱) اور ایک روایت میں تین روزوں کا ذکر ہے، وہ روایت آگے آرہی ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ ایک ایسے بڑی عمر کے بوڑھے کے پاس سے گذرے جو اپنے دو بیٹوں کے کندھوں کے سہارے چل رہا تھا، آپؐ نے پوچھا: یہ کیا ناٹک ہے؟ یہ اس طرح کیوں چل رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے پیدل حج کرنے کی منت مانی ہے (اور بڑھاپے کی وجہ سے چل نہیں سکتا، اس لئے اس طرح چل رہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہیں کہ یہ شخص اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرے'' غرض آپؐ نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص بیت اللہ تک چلنے کی نذر مانے تو اس پر بالاجماع حج یا عمرہ واجب ہے، پھر پیدل چلنا ممکن ہوتو پیدل حج یا عمرہ کرنا بھی واجب ہے اور اگر پیدل چلنا دشوار ہوتو سوار ہوکر جائے اس صورت میں ایک ہدی اور استطاعت نہ ہونے کی صورت میں تین روزے واجب ہونگے۔

[۹-] بابٌ فيمن يَحْلِفُ بالْمَشْيِ، وَلَايستطيعُ

[۱۵۲۴-] حدثنا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بنُ محمدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، عَنْ عِمْرَانَ الْقَطَّانِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: نَذَرَتِ امْرَأَةٌ أَنْ تَمْشِيَ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ، فَسُئِلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِهَا، مُرُوْهَا فَلْتَرْكَبْ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

[۱۵۲۵-] حدثنا أَبُوْ مُوْسَى مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، ثَنَاحُمَيْدٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَرَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِشَيْخٍ كَبِيْرٍ يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ، فَقَالَ: " مَا بَالُ هٰذَا؟" قَالُوْا: نَذَرَ يَارسولَ اللّٰهِ! أَنْ يَمْشِيَ، فَقَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ" قَالَ: فَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ.

حدثنا محمدُ بنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلًا فَذَكَرَ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالُوْا: إِذَا نَذَرَتِ الْمَرْأَةُ أَنْ تَمْشِيَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ شَاةً.

بابٌ فى كَرَاهِيَةِ النُّذُوْرِ

نذرِمعلّق ناپسندیدہ ہے

معلق منت ماننا اگرچہ صحیح ہے مگر پسندیدہ نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''منت نہ مانا کرو، منت تقدیر کے سامنے کچھ کام نہیں آتی، اس کے ذریعہ بس بخیل سے مال نکال لیا جاتا ہے'' یہ حدیث نذر معلق کے بارے میں ہے اور نذر منجز یعنی کسی چیز پر معلق کئے بغیر کوئی مالی یا بدنی منت ماننا بلا کراہیت جائز ہے۔

[۱۰-] باب فى كراهية النُّذُوْرِ

[۱۵۲۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا تَنْذُرُوْا، فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيْلِ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ؛ حديثُ أَبِیْ هُرَيرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوْا النَّذْرَ، وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ: مَعْنَى الْكَرَاهَةِ فِی النَّذْرِ فِی الطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ، فَإِنْ نَذَرَ الرَّجُلُ بِالطَّاعَةِ فَوَفٰى بِهِ، فَلَهُ فِيْهِ أَجْرٌ، وَيُكْرَهُ لَهُ النَّذْرُ.

ترجمہ: اس پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے وہ نذر (معلق) کو مکروہ کہتے ہیں، اور ابن المبارکؒ نے فرمایا: طاعت ومعصیت دونوں کی نذر ماننا مکروہ ہے، پھر اگر کوئی طاعت کی نذر مانے اور اس کو پورا کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا مگر نذر ماننا پسندیدہ نہیں (اور معصیت کی نذر پورا کرنا جائز نہیں)

بابٌ فیْ وَفَاءِ النَّذْرِ

نذر پوری کرنے کا بیان

بعض چیزیں شرعاً پسندیدہ نہیں ہوتیں مگر ان کو کیا جائے تو نافذ ہوجاتی ہیں، جیسے حالت حیض میں طلاق دینا جائز نہیں، مگر کوئی دے تو نافذ ہوجائے گی، اسی طرح منت ماننا اگرچہ ناپسندیدہ ہے، مگر کوئی مانے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ سے معلوم کیا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا، پھر وہ کام ہوگیا تھا مگر ابھی تک میں نے نذر پوری نہیں کی تو کیا اب میں اس نذر کو پورا کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کرلو''

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر کوئی شخص حالتِ کفر میں کوئی منت مانے اور اس کو پورا کرنے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو کیا مسلمان ہونے کے بعد اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ معصیت کی منت نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانۂ جاہلیت کی منت پورا کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ زمانہ کفر کی منت کا وفا مسلمان ہونے کے بعد ضروری ہے، اور حنفیہ کے نزدیک حالت کفر کی منت کا وفا واجب نہیں۔ البتہ اگر وہ معصیت کی نذر نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا مستحب ہے، اور اس حدیث میں امر استحباب کے لئے ہے اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کفار: فروع کے مکلّف ہیں یا نہیں؟ احناف کے نزدیک مکلّف نہیں ہیں، چنانچہ نومسلم پر ماضی کی نمازوں کی قضا واجب نہیں، پس اس کی منت کا وفا بھی واجب نہیں۔

فائدہ: بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان پر عمل نہ کرلیا جائے طبیعت مطمئن نہیں ہوتی، منت بھی ایسا ہی

ایک کام ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو منت مانی تھی پھر اس کا وفا نہیں کیا تھا تو اس کا ان کی طبیعت پر بوجھ تھا، چنانچہ موقع میسر آتے ہی اس کے بارے میں دریافت کیا اور چونکہ وہ منت طاعت کی تھی اور اس کو پورا کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی اس لئے آپؐ نے ان کو منت پوری کرنے کی اجازت دی، تا کہ ان کی طبیعت پر سے بوجھ ہٹ جائے۔

دوسرا مسئلہ: اعتکافِ منذور میں روزہ شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، دو بڑے اماموں کے نزدیک روزہ شرط ہے اگرچہ روزے کی منت نہ مانی ہو، پس اگر کوئی اعتکاف کی نذر مانے تو روزے کی نذر خود بخود ہو جاتی ہے، ان کی دلیل: لااعتکافَ إلا بصومٍ ہے یعنی روزے کے بغیر اعتکاف نہیں (رواہ البیہقی والحاکم) اس حدیث کا مصداق اعتکاف منذور ہے۔

اور چھوٹے دو اماموں کے نزدیک اعتکاف منذور میں روزہ شرط نہیں، ان کا استدلال حدیث باب سے ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات کے اعتکاف کی منت مانی تھی اور رات میں روزہ مشروع نہیں، پس معلوم ہوا: اعتکاف منذور میں روزہ شرط نہیں۔

ان کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ عربی میں لیل بول کر رات دن کا مجموعہ مراد لیتے ہیں، پس حدیث میں ۲۴ گھنٹے کا اعتکاف مراد ہے علاوہ ازیں بخاری (حدیث ۳۱۴۴) میں اعتکاف یوم بھی آیا ہے اس لئے لیلۃٌ سے یہ سمجھنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف رات کے اعتکاف کی منت مانی تھی: صحیح نہیں، پورے چوبیس گھنٹے کے اعتکاف کی منت مانی تھی، پس دن میں روزہ رکھا ہوگا۔

[۱۱-] بابٌ في وَفَاءِ النَّذْرِ

[۱۵۲۷-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ قَالَ: يارسولَ اللهِ! إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: " أَوْفِ بِنَذْرِكَ "

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وابنِ عبّاسٍ؛ وحديثُ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ، قَالُوْا: إِذَا أَسْلَمَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ نَذْرُ طَاعَةٍ، فَلْيَفِ بِهِ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ، وَقَالَ آخَرُوْنَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صَوْمٌ إِلَّا أَنْ يُوْجِبَ عَلَى نَفْسِهِ صَوْمًا، وَاحْتَجُّوْا بِحديثِ عُمَرَ: أَنَّهُ نَذَرَ أَنْ يَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَمَرَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْوَفَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: (پہلا مسئلہ) بعض اہل علم نے اس حدیث کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص اسلام قبول کرے اور اس کے ذمے از قبیل طاعت کوئی منت ہو تو وہ اس کو پورا کرے۔

(دوسرا مسئلہ) اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں: روزے کے بغیر اعتکاف نہیں اور علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے: معتکف کے ذمے روزے نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے اوپر روزوں کو واجب کرے، یعنی اعتکاف کے ساتھ روزے کی بھی منت مانے، اور ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، انھوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات اعتکاف کرنے کی منت مانی تھی، پس ان کو نبی ﷺ نے منت پوری کرنے کا حکم دیا (اور رات میں روزہ مشروع نہیں) اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔

بابُ كَيْفَ كَانَ يَمِيْنُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ کس طرح قسم کھاتے تھے؟

قسم: اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی کھانا بھی جائز ہے اور اللہ کی صفات کی بھی، نبی ﷺ نے اللہ کے نام کی بھی قسم کھائی ہے اور اللہ کی صفات کی بھی، ابن عمرؓ فرماتے ہیں: آپ زیادہ تر اس طرح قسم کھاتے تھے: وَمُقَلِّبِ القلوبِ: دلوں کو پلٹنے والے کی قسم!

[۱۲-] بابُ كَيْفَ كانَ يمينُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم؟

[۱۵۲۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجرٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ مُوْسَى بنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ عبدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كَثِيْرًا مَاكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَحْلِفُ بِهٰذِهِ الْيَمِيْنِ: "لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ فِيْ ثَوَابِ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً

غلام آزاد کرنے کا ثواب (پہلا باب)

یہ باب ابواب الایمان والنذور میں اس لئے لائے ہیں کہ قسم کے کفارہ میں غلام بھی آزاد کیا جاتا ہے، اور غلام آزاد کرنے کی منت بھی مانی جاتی ہے اس مناسبت سے امام ترمذیؒ نے یہاں غلام آزاد کرنے کا ثواب بیان کیا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے (مؤمن کی قید احترازی ہے یعنی یہ ثواب مسلمان غلام کو آزاد کرنے کا ہے، کافر غلام کو آزاد کرنے کا نہیں ہے) تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہر عضو کو اس غلام

کے ہر عضو کے بدلے دوزخ سے آزاد کریں گے، یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلے آزاد کریں گے —— چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں: عورت کے لئے باندی کو اور مرد کے لئے غلام کو آزاد کرنا بہتر ہے۔

[١٣-] بابٌ في ثوابِ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً

[١٥٢٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ الهادِ، عَنْ عُمَرَ بنِ عَلِيِّ بنِ الحُسَيْنِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ مَرْجَانَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ مِنْهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ، حَتّٰى يُعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ"

وفي الباب: عَنْ عائشةَ، وَعَمْرِو بن عَبَسَةَ، وابنِ عباسٍ، وَوَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، وَكَعْبِ بنِ مُرَّةَ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، حديثُ أَبِيْ هُريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وابنُ الْهَادِ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أُسَامَةَ بنِ الْهَادِ، وَهُوَ مَدِيْنِيٌّ ثِقَةٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ملحوظہ: یزید بھی مدینہ منورہ کے تھے، اور مدینی: مدینہ منورہ کی طرف نسبت ہے، تقریب میں مدنی ہے۔

بابٌ في الرَّجُلِ يَلْطِمُ خَادِمَهُ

غلام کو تھپڑ مارنے کی سزا

حدیث: سوید بن مقرن مزنی کہتے ہیں: دیکھا میں نے ہم کو سات بھائی یعنی ہم سات بھائی تھے، ہمارے پاس ایک ہی خادم تھا، یعنی ہم ساتوں کے درمیان ایک ہی باندی تھی، ہم میں سے ایک نے کسی بات پر اس کو تھپڑ مار دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چہرے پر تھپڑ مار دیا تو نبی ﷺ نے ہمیں اس باندی کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

تشریح: اگر غلام باندی پر بلاوجہ زیادتی ہو جائے تو کفارہ کے طور پر اس کو آزاد کر دینا چاہئے اور یہ حکم بالاتفاق استحبابی ہے، آزاد کرنا فرض یا واجب نہیں۔ واللہ اعلم

[١٤-] بابٌ في الرجل يَلْطِمُ خَادِمَهُ

[١٥٣٠-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ هِلَالِ بنِ يَسَافٍ، عَنْ سُوَيْدِ بنِ مُقَرِّنِ الْمُزَنِيِّ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا سَبْعَ إِخْوَةٍ، مَالَنَا خَادِمٌ إِلَّا وَاحِدَةٌ، فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا، فَأَمَرَنَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ نُعْتِقَهَا.

وفی الباب: عن ابنِ عُمرَ، وهٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَى غَيْرُ واحدٍ هٰذا الحديثَ عَنْ حُصَيْنِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، وَذَكَرَ بَعْضُهُمْ فِيْ هٰذَا الحديثِ، فَقَالَ: لَطَمَهَا عَلٰى وَجْهِهَا.

بابٌ

اسلام کے علاوہ مذہب کی جھوٹی قسم کھانا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا''

تشریح: اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ اگر اس نے فلاں کام کیا ہو تو وہ یہودی یا ہندو ہے اور وہ جھوٹا ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا'' یعنی وہ یہودی یا ہندو ہو گیا ——— یہ حدیث بھی از قبیل وعید ہے یعنی ایسی قسم کھانا سخت کبیرہ گناہ ہے، مگر وہ شخص مرتد نہیں ہو گا اور اگر کوئی آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ایسی قسم کھائے پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو جن حضرات کے نزدیک معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، ان کے نزدیک کوئی کفارہ نہیں، اہل مدینہ (مالک وشافعی رحمہما اللہ) کا یہی قول ہے۔ اور احناف وحنابلہ کے نزدیک ایسی قسم کھاتے ہی کفارہ واجب ہو گا، کیونکہ یہ حرام کو حلال کرنا ہے۔

[۱۵-] بابٌ

[۱۵۳۱-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ يُوْسُفَ الْأَزْرَقُ، عَنْ هِشَامِ الدَّسْتَوَائِيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ قِلاَبَةَ، عَنْ ثَابِتِ بنِ الضَّحَّاكِ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ''مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الإِسْلاَمِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ''؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَد اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ هٰذَا إِذَا حَلَفَ الرَّجُلُ بِمِلَّةٍ سِوَى الإِسْلاَمِ: قَالَ: هُوَ يَهُوْدِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ إِنْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ الشَّيْءَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: قَدْ أَتَى عَظِيْمًا، وَلاَ كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ، وَبِهِ يَقُوْلُ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، وَإِلٰى هٰذَا الْقَوْلِ ذَهَبَ أَبُوْ عُبَيْدٍ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَالتَّابِعِيْنَ وَغَيْرِهِمْ: عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَّارَةُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَأَحْمَدَ، وإِسْحَاقَ.

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی قسم کھائے اور یہ کہے کہ وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے اگر فلاں کام کرے، پھر وہ اس کام کو کرے: بعض علماء فرماتے ہیں: اس نے گناہ

کبیرہ کیا اور اس پر کفارہ واجب نہیں (ان حضرات کے نزدیک نذر معصیت اور یمین معصیت منعقد نہیں ہوتی، پس کفارہ بھی نہیں) اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے، اور اسی کے قائل ہیں امام مالک (اور امام شافعی) اور ابو عبید قاسم بن سلام نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور صحابہ، تابعین اور ان کے علاوہ بعض علماء فرماتے ہیں: اس پر اس صورت میں کفارہ واجب ہے (کیونکہ یہ حرام کو حلال کرنا ہے، اور حلال کو حرام کرنے میں بالاتفاق کفارہ ہے پس اس کی برعکس صورت میں بھی کفارہ واجب ہے، تفصیل گذر چکی) اور یہ سفیان ثوری، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

بابٌ

ننگے پاؤں ننگے سر حج کرنے کی منت ماننا

حدیث: حضرت عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بہن نے منت مانی ہے کہ وہ بیت اللہ تک ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل چل کر جائے گی، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کی تکلیف سے کچھ نہیں لینا، اس کو چاہئے کہ سوار ہو کر جائے اور سر ڈھانپے اور تین روزے رکھے''

تشریح: ننگے پاؤں چلنے کی منت ماننا درست نہیں کیونکہ اس کی جنس سے کوئی طاعت نہیں، پس اگر کوئی بیت اللہ تک ننگے پاؤں جانے کی منت مانے اور وہ چپل پہن کر جائے تو اس پر کفارہ واجب نہیں، کیونکہ ننگے پاؤں چلنا نہ خود کوئی عبادت ہے نہ اس کی جنس سے کوئی واجب عبادت ہے اور جس کی جنس سے کوئی واجب عبادت نہ ہو اس کی منت درست نہیں، البتہ پیدل چلنے کی منت ماننا درست ہے کیونکہ اس کی جنس سے واجب عبادت ہے، طواف زیارت پیدل کرنا واجب ہے، پس جو شخص پیدل چلنے کی منت مانے اور اس کی استطاعت نہ ہو تو ہدی (قربانی) پیش کرے، اور غریب ہو تو تین روزے رکھے۔

[۱۶-] بابٌ

[۱۵۳۲-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ زَحْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الرُّعَيْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَالِكٍ اليَحْصَبِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ قَالَ: قُلْتُ يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ أُخْتِيْ نَذَرَتْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ؟ فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا، فَلْتَرْكَبْ، وَلْتَخْتَمِرْ، وَلْتَصُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ"

وفى الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عَنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

بابٌ

لات وعزی کی قسم منہ سے نکل جائے تو اس کا علاج

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص تم میں سے قسم کھائے پس کہے: لات کی قسم! یا عزی کی قسم! تو اس کو لا إله إلا الله کہہ کر اس کا تدارک کرنا چاہئے، اور جو شخص کہے: آ، میں تیرے ساتھ جوا کھیلوں تو وہ صدقہ کرے''

تشریح: جو شخص نیا مسلمان ہوا ہے اور وہ زمانہ کفر میں لات وعزی کی اور دیگر معبودانِ باطلہ کی قسمیں کھاتا رہا ہے اور اس کی عادت پڑ گئی ہے: پس مسلمان ہونے کے بعد اس کے منہ سے بے اختیار لات وعزی کی قسم نکل جائے تو اس کا علاج کیا ہے؟ یہ بری عادت کیسے چھڑائی جائے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہو جائے تو لا إله إلا الله کہہ کر اس کا تدراک کرے، ایک بار ''رام'' کا نام زبان پر آئے تو سو بار اللہ کا نام لے، عادت چھوٹ جائے گی۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں جوا کھیلتا تھا اور اس کی لت پڑی ہوئی ہے اور اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، مگر ایک شخص کو ہوکا (شدید خواہش) اٹھا، اس نے جوا کھیلنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کی دوسرے کو دعوت دی تو نبی ﷺ نے فرمایا: کچھ صدقہ کرے، اور جب بھی جوا کھیلنے کو جی چاہے صدقہ کرتا رہے، یہ علاج بالضد ہے، آدمی مال کی لالچ میں جوا کھیلتا ہے، پس جب دو چار مرتبہ صدقہ کرے گا تو بھول کر بھی جوا کا نام نہیں لے گا۔

لطیفہ: اور بری عادت کا بھوت کس طرح چڑھتا ہے ایک لطیفہ سنیں: ایک لالہ جی ستر سال کی عمر میں مسلمان ہوئے، سچے پکے مسلمان ہوئے، مگر جب صبح آنکھ کھلتی تو بڑبڑاتے: رام، رام، رام، رام لوگوں نے مسجد کے امام صاحب سے شکایت کی کہ عبدالکریم اب بھی رام رام کرتا ہے، مولانا صاحب نے اس کو بلا کر سمجھایا تو کہنے لگا: حضرت جی! ستر برس کا رام دل میں بیٹھا ہوا: نکلتے نکلتے تو نکلے گا! ایک دم تھوڑے نکل جائے گا!

[-١٧] بابٌ

[-١٥٣٣] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثنَا أَبُوْ الْمُغِيْرَةِ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرِيرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ، فَقَالَ فِيْ حَلِفِهِ: وَاللَّاتِ وَالْعُزَّى! فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَمَنْ قَالَ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ''

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ الْمُغِيْرَةِ: هُوَ الْخَوْلَانِيُّ الْحِمْصِيُّ، واسْمُهُ عَبْدُ الْقُدُّوسِ بنُ الْحَجَّاجِ.

بابُ قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ

میت کی طرف سے منت پوری کرنا

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس منت کے بارے میں پوچھا جو ان کی والدہ نے مانی تھی اور اس کو پورا کرنے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان کی طرف سے آپ نذر ادا کریں''

تشریح: اگر میت نے صدقہ وغیرہ مالی عبادت کی منت مانی ہو اور اس کو ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو تہائی ترکہ سے وہ منت پوری کی جائے گی، اور اگر وصیت نہیں کی یا تہائی ترکہ سے ادا نہیں ہوسکتی تو ورثاء پر اس کی ادائیگی ضروری نہیں، البتہ اگر ورثاء منت پوری کریں اور وہ سب عاقل بالغ ہوں تو جائز ہے۔

اور بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی اگر میت نے نماز یا روزوں کی منت مانی ہو تو وارث اس کی طرف سے نماز روزہ نہیں رکھ سکتا، ہاں فدیہ دے سکتا ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وارث میت کی طرف سے نیابۃً نذر کے روزے رکھ سکتا ہے (تفصیل کتاب الصوم باب ۲۲ اور کتاب الزکوۃ باب ۳۱ میں گذر چکی ہے)

[۱۸-] بابُ قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ

[۱۵۳٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُتْبَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ سَعْدَ بنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ نَذْرٍ كَانَ عَلٰى أُمِّهِ، تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: '' اقْضِهِ عَنْهَا'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ

غلام آزاد کرنے کا ثواب (دوسرا باب)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی مسلمان کسی مسلمان (یہ قید احترازی ہے) غلام کو آزاد کرے تو وہ غلام اس شخص کے لئے دوزخ سے آزادی کا سبب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس شخص کا ہر عضو آزاد کریں گے، اور جونسا مسلمان دو مسلمان باندیوں کو (یہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے قاعدہ سے ہے) آزاد کرے تو وہ باندیاں اس کے لئے دوزخ سے آزادی کا سبب ہونگی، اللہ تعالیٰ ان کے ہر عضو کے بدلے اس شخص کے

ہرعضوکوآزادکریں گے،اور جوبھی عورت کسی مسلمان باندی کوآزادکرے تو وہ باندی اس کے لئے دوزخ سے آزادی کا سبب ہوگی،اللہ تعالیٰ اس کے ہرعضو کے بدلے اس عورت کے ہرعضوکوآزادکریں گے۔

[۱۹-] باب ماجاء في فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ

[۱۵۳۵-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰی، ثَنَا عِمْرَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، وَهُوَ أَخُوْ سُفْيَانَ بنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِیْ الجَعْدِ، عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ، وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: "أَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا كَانَ فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُمَا عُضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاكَهَا مِنَ النَّارِ، يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

﴿الحمدللہ! ابواب النذوروالایمان کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ السِّیَرِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کا حربی نظام

بابُ ماجاءَ فی الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت

سِیَر: سِیْرَۃٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: سوانح، حالات زندگی، اور یہ مفرد کے معنی ہیں۔ جمع کے معنی دوسرے ہیں: سِیَرُ النبیؐ کے معنی ہیں: اسلام کا حربی نظام، نبی ﷺ کے حالاتِ زندگی سے یہی مراد ہے

جن لوگوں کے ساتھ جنگ درپیش ہے اگر وہ مذہبِ اسلام اور اس کی بنیادی تعلیمات سے بالکل نابلد ہوں تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا فرض ہے، اور اگر وہ اسلام کے بارے میں بخوبی جانتے ہیں تو دعوت دینا مستحب ہے۔

حدیث: ابوالبختریؒ سے مروی ہے کہ مسلمانوں کے لشکروں میں سے ایک لشکر نے، جس کے امیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے، فارس کے قلعوں میں سے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، فوج نے حضرت سلمانؓ سے جنگ شروع کرنے کی اجازت چاہی کہ ہم ان پر دھاوا بول دیں؟ یعنی یکبارگی حملہ کردیں؟ حضرت سلمانؓ نے فرمایا: رکو، میں پہلے ان کو اسلام کی دعوت دوں، جس طرح حضور اقدس ﷺ جنگ شروع کرنے سے پہلے دعوت دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت سلمانؓ قلعے کے نیچے گئے اور فارسی جاننے کے باوجود ترجمان کے ذریعہ ان سے عربی میں گفتگو کی، اور ان کو اسلام کی دعوت دی، فرمایا: میں تمہاری ہی طرح ایک فارسی ہوں اور تم عربوں کو دیکھ رہے ہو کہ وہ میری اطاعت کرتے ہیں (اسلام سے پہلے عرب وعجم میں بہت دوری تھی کوئی عرب کسی عجمی کی تابعداری کرے یہ بات ناممکن تھی، عرب ان کو عجمی (گونگے، بے زبان جانور) کہتے تھے اور وہ ان کو اُمی (انگوٹھا چھاپ، جاہل) کہتے تھے، اسلام نے اس دوری کو ختم کردیا اور عرب وعجم کو ملا دیا، یہ اسلام ہی کی برکت تھی کہ حضرت سلمانؓ: فارسی ہونے کے

باوجود عربوں کے امیر تھے) اور یہ سب عرب میرے ماتحت ہیں اگر تم بھی اسلام قبول کرلو تو تمہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ہم مسلمانوں کو حاصل ہیں، اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں ہونگی جو ہماری ہیں، اور اگر تم اپنے دین ہی پر رہنا چاہو تو ہم تمہیں تمہارے دین پر برقرار رکھ سکتے ہیں مگر تمہیں اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینا ہوگا جو تمہارے لئے اچھی بات نہیں ہوگی، یہ آخری بات کہ جزیہ دینا تمہارے لئے اچھی بات نہیں ہوگی حضرتؓ نے یہ سوچ کر کہ شاید مترجم صحیح ترجمانی نہ کرے: فارسی میں کہی، راوی چونکہ فارسی نہیں جانتا اس لئے کہتا ہے: اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے فارسی میں کچھ کہا، جس کا مطلب تھا: جزیہ دینا تمہارے لئے اچھی بات نہیں ہوگی، اور اگر تم جزیہ دینے سے بھی انکار کرو تو ہم تمہیں جنگ کی صاف وارننگ دیتے ہیں، ان کفار نے جواب دیا: (اسلام قبول کرنے کا تو سوال ہی نہیں، رہا جزیہ تو) ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو جزیہ دیں، ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے (اس کے بعد حضرت سلمانؓ چلے آئے) دوسرے دن پھر مسلمانوں نے جنگ شروع کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان کو تین دن تک اسی طرح دعوت دوں گا، پھر تین دن کے بعد انھوں نے حملہ کی اجازت دی، راوی کہتا ہے: پس ہم نے ان پر یکبارگی حملہ کردیا اور قلعہ فتح کرلیا۔

تشریح: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے تھے اور فارسی زبان بخوبی جانتے اور بولتے تھے، مگر انھوں نے قلعہ والوں سے فارسی میں بات نہیں کی، ترجمان کے واسطہ سے عربی میں گفتگو کی، جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک چل رہی تھی، ایک مرتبہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ وائسرائے سے ملنے گئے اور اس سے اردو میں بات کی، انگریزی میں بات نہیں کی حالانکہ مولانا انگریزی جانتے تھے، مگر بیچ میں ترجمان تھا جو مولانا کی بات انگریزی میں وائسرائے کے سامنے پیش کرتا تھا اور اس کی بات ترجمہ کرکے مولانا کو سناتا تھا، ایک جگہ ترجمان نے غلطی کی تو مولانا نے اس کو ٹوکا، وائسرائے نے کہا: مولانا! جب آپ انگریزی جانتے ہیں تو آپ خود انگریزی میں مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟ مولانا نے جواب دیا: اگر میں آپ سے انگریزی میں بات کرنے لگوں تو میرا آپ کا جھگڑا کیا رہا؟! اس واقعہ میں بڑا سبق ہے، اپنی زبان کی حفاظت کرنا، اور اس کی شان بلند کرنا ضروری ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فارسی جاننے کے باوجود فارسی میں بات نہیں کی، عربی میں گفتگو کی، کیونکہ عربی اسلام کی مذہبی زبان تو ہے ہی سرکاری زبان بھی ہے، اس سے مسلم قوم کی، ان کے کلچر کی، ان کے مذہب کی اور ان کی حکومت کی شان بلند ہوتی ہے، آج دنیا میں کچھ لوگ ہیں جو بڑے زور شور سے یہ بات کہتے ہیں کہ جمعہ اور عیدین کے خطبے مقامی زبان میں دینے چاہئیں، ان کے نزدیک عربی خطبہ لاحاصل ہے وہ کہتے ہیں: عربی خطبہ کو خود خطیب نہیں سمجھتا، عام آدمی کیا سمجھے گا؟ اگر لوگوں کی زبان میں خطبہ دیا جائے تو خطبہ کا مقصد حاصل ہوگا، مگر ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں، عربی زبان مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اس کو باقی رکھنا اور اس کی شان بلند کرنا

ضروری ہے، اگر عربی نہیں رہے گی تو رفتہ رفتہ مسلمان اپنی مذہبی کتاب سے نابلد ہوجائیں گے۔ نبی ﷺ کے بعد جب اسلام جزیرۃ العرب سے نکلا اور قریبی علاقہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا اور بے شمار عجمی مسلمان ہوئے اس وقت ضرورت تھی کہ مقامی زبانوں میں خطبے دیئے جاتے، مگر صحابہ کا زمانہ سو سال کا ہے کبھی جمعہ اور عیدین کے خطبے غیر عربی میں نہیں دیئے گئے، ہمیشہ عربی میں خطبے دیئے گئے، اور یہی توارث وتعامل چلا آرہا ہے، اس لئے چاروں ائمہ متفق ہیں کہ غیر عربی میں جمعہ اور عیدین کے خطبے دینا مکروہ تحریمی ہے، اور جو حضرات غیر عربی میں خطبہ کے داعی ہیں ان کا یہ کہنا کہ عربی میں خطبہ لاحاصل ہے اس کو کوئی نہیں سمجھتا: ان سے عرض ہے کہ قرآن کریم بھی کتاب ہدایت ہے اور نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے اس کو کوئی نہیں سمجھتا، مکتبوں میں بچے جو قرآن پڑھتے ہیں اس کو وہ نہیں سمجھتے، پس کیا قرآن بھی مقامی زبان میں پڑھا یا جائے گا؟ اگر ایسا ہوگا تو پھر قرآن کا خدا حافظ! جو حال تورات وانجیل کا ہوگیا وہی حال قرآن کریم کا بھی ہوجائے گا۔

غور کریں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے غیر عربی میں گفتگو کرنے کو پسند نہیں کیا، اس واقعہ سے مسلمانوں کے اندر لمحۂ فکریہ پیدا ہونا چاہئے، آخر حضرت سلمان فارسیؓ نے فارسی میں بات کیوں نہیں کی؟ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں، وہ جہاں بھی گئے عربی زبان کو ساتھ لے کر گئے اور اس کی اہمیت کو برقرار رکھا اور اس کی شان بلند کی جس کے نتیجہ میں آج وہ سب ممالک جو صحابہ نے فتح کئے تھے عرب ممالک ہیں، اور ہندوستان میں نو سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی، مگر یہ ملک عربی نہیں بنا، کیونکہ ان فاتحین کی زبان فارسی تھی، انھوں نے یہاں فارسی رائج کی، فارسی سے مسلمانوں کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ عربی سے تو مذہبی لگاؤ ہے وہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو عربی کی شان بلند کرنی چاہئے، ہر اہم موقع پر عربی میں خطبہ دینا چاہئے، کسی اور زبان میں جمعہ اور عیدین کا خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر خطبہ سے پہلے یا نماز کے بعد منبر سے الگ ہوکر اس خطبہ کا مضمون نمازیوں کو بتلا دیا جائے یا کوئی اور نصیحت کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا کرنا چاہئے۔

اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر سرکاری زبان کے لئے اور ہر مذہبی زبان کے لئے نمود کے مواقع ضروری ہیں، تشہیر عام کے جو بھی مواقع میسر آئیں وہاں سرکاری زبان اور مذہبی زبان کا استعمال ضروری ہے تاکہ وہ زندہ رہے اور اس کا آوازہ بلند ہو، آج ہمارے ملک میں عربی زبان اسی بنیاد پر زندہ ہے کہ مکاتب میں بچے ناظرہ قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، خطبوں میں یہی زبان رائج ہے اور مدارس عربیہ میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قرآن حجاز میں اترا، مصر میں پڑھا گیا، اور ہندوستان میں سمجھا گیا، یہ سب اسی عربی زبان کو اہمیت دینے کی برکت ہے۔

أبواب السِّيَر

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء في الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

[١٥٣٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِى الْبَخْتَرِيِّ أَنَّ جَيْشًا مِنْ جُيُوْشِ الْمُسْلِمِيْنَ، كَانَ أَمِيْرَهُمْ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ، حَاصَرُوْا قَصْرًا مِنْ قُصُوْرِ فَارِس، فَقَالُوْا: يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ؟ قَالَ: دَعُوْنِىْ أَدْعُوْهُمْ كَمَا سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدْعُوْهُمْ، فَأَتَاهُمْ سَلْمَانُ فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ فَارِسِيٌّ، تَرَوْنَ الْعَرَبَ يُطِيْعُوْنِّىْ، فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِىْ لَنَا، وَعَلَيْكُمْ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْنَا، وَإِنْ أَبَيْتُمْ إِلَّا دِيْنَكُمْ: تَرَكْنَاكُمْ عَلَيْهِ، وَأَعْطُوْنَا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ، قَالَ: وَرَطَنَ إِلَيْهِمْ بِالْفَارِسِيَّةِ: وَأَنْتُمْ غَيْرُ مَحْمُوْدِيْنَ، وَإِنْ أَبَيْتُمْ نَابَذْنَاكُمْ عَلٰى سَوَاءٍ، قَالُوْا: مَا نَحْنُ بِالَّذِىْ يُعْطِى الْجِزْيَةَ، وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُكُمْ، فَقَالُوْا: أَيَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَدَعَاهُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلٰى مِثْلِ هٰذَا، ثُمَّ قَالَ: انْهَدُوْا إِلَيْهِمْ، قَالَ: فَنَهَدْنَا إِلَيْهِمْ فَفَتَحْنَا ذٰلِكَ الْقَصْرَ.

وفى الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، وَالنُّعْمَانَ بن مُقَرِّنٍ، وابنِ عُمَرَ، وابنِ عباسٍ؛ وحديثُ سَلْمَانَ حديثٌ حسنٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ؛ وَسَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: أَبُوْ الْبَخْتَرِيِّ لَمْ يُدْرِكْ سَلْمَانَ، لِأَنَّهُ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيًّا، وَسَلْمَانُ مَاتَ قَبْلَ عَلِيٍّ.

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ إِلٰى هٰذَا، وَرَأَوْا أَنْ يُدْعَوْا قَبْلَ الْقِتَالِ، وَهُوَ قَوْلُ إِسْحَاقَ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: إِنْ تُقُدِّمَ إِلَيْهِمْ فِى الدَّعْوَةِ فَحَسَنٌ، يَكُوْنُ ذٰلِكَ أَهْيَبَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَادَعْوَةَ الْيَوْمَ، وَقَالَ أَحْمَدُ: لَا أَعْرِفُ الْيَوْمَ أَحَدًا يُدْعَى، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَايُقَاتَلُ الْعَدُوُّ حَتَّى يُدْعَوْا، إِلَّا أَنْ يُعْجِلُوْا عَنْ ذٰلِكَ، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَقَدْ بَلَغَتْهُمُ الدَّعْوَةُ.

وضاحت: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث منقطع ہے، کیونکہ ابوالبختری کا حضرت سلمان فارسیؓ سے لقاء وسماع نہیں، کیونکہ ابوالبختری کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء نہیں، اور حضرت سلمانؓ کا دورِ عثمانی میں انتقال ہوگیا ہے، پس ان سے لقاء ممکن نہیں ـــــــ بعض صحابہ وغیرہ نے اس حدیث کو اختیار کیا ہے کہ وہ جنگ شروع

کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دیئے جانے کوضروری کہتے ہیں اور یہ اسحاق بن ابراہیم (بن راہویہ) کا مذہب ہے، وہ فرماتے ہیں: اگران کے پاس دعوت دینے کے لئے خود جایا جائے تو بہتر ہے، یہ بات ان پر رعب ڈالے گی۔اور بعض اہل علم آج کے زمانہ میں دعوت دینے کوضروری خیال نہیں کرتے، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں فی زمانہ کسی کے دعوت دیئے جانے کوضروری نہیں سمجھتا، کیونکہ اسلام کے پیغام سے ہر کوئی واقف ہو چکا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دشمن سے جنگ شروع نہ کی جائے تا آنکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے، مگر یہ کہ وہ جنگ شروع کرنے میں جلدی کریں، یعنی اگر کفار جنگ شروع کردیں اور دعوت دینے کا موقع نہ دیں تو دعوت دیئے بغیر جنگ شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر مسلمان ایسا نہ کریں یعنی دعوت نہ دیں تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا ہے، لہٰذا فی زمانہ جنگ شروع کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے، فرض اور واجب نہیں (اور صَاغِرُوْن کا جو مطلب حضرت سلمانؓ نے بیان کیا ہے وہ یاد رکھا جائے)

بابٌ

آبادی میں مسلمان بھی ہوں تو حملے سے پہلے ان کو علحدہ ہونے کا موقع دیا جائے

حدیث: حضرت عصام مُزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کوئی بڑا لشکر یا چھوٹا لشکر روانہ فرماتے تو ان کو ہدایت دیتے کہ اگر تم کوئی مسجد دیکھو یا اذان سنو تو کسی کو قتل نہ کرو"

تشریح: عام طور پر علماء ایک فرق بیان کرتے ہیں کہ جس لشکر میں نبی ﷺ بذاتِ خود شریک ہوں وہ غزوہ اور جیش (بڑا لشکر) کہلاتا ہے اور جس میں آپؐ شریک نہ ہوں وہ سریّہ (چھوٹا لشکر) کہلاتا ہے، مگر یہاں جیش کے معنی ہیں: بڑا لشکر، اور سریہ کے معنی ہیں: چھوٹا لشکر، قطع نظر اس سے کہ اس میں نبی پاک ﷺ شریک ہیں یا نہیں۔

حضور اقدس ﷺ ہر لشکر کو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا: ہدایت دیا کرتے تھے کہ جس بستی پر حملہ کرنا ہے: اگر وہاں اسلام کی کوئی فعلی علامت مثلاً مسجد ہو یا کوئی قولی علامت مثلاً اذان سنی جائے تو اندھا دھند حملہ نہ کردیا جائے بلکہ مسلمانوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا موقع دیا جائے پھر جنگ شروع کی جائے۔

فائدہ: پرانے زمانہ میں تو اس پر عمل ممکن تھا مگر اب اس پر عمل دشوار ہے کیونکہ اب صرف زمینی جنگ نہیں ہوتی، ہوائی جنگ بھی ہوتی ہے، پھر شاید ہی کوئی ایسی بستی ہو جہاں کچھ مسلمان نہ رہتے ہوں، اس صورت میں کتب فقہ میں ایک مسئلہ لکھا ہے اس پر عمل ہوگا، اگر دشمن پہلی صف میں مسلمان قیدیوں کو کھڑا کردیں اور ان کو پردہ بنائیں تو کافروں کی نیت سے تیر چلانا جائز ہے، خواہ وہ کسی کو لگے، آج کے حالات میں اسی فقہی جزئیہ پر عمل ہوگا، البتہ اگر اس حدیث پر عمل ممکن ہو تو پھر اسی پر عمل کیا جائے۔

[۲-] بابٌ

[۱۵۳۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ الْعَدَنِيُّ الْمَكِّيُّ، وَيُكْنَى بِأَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ، الرَّجُلُ الصَّالِحُ: هُوَ ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَاسُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ نَوْفَلِ بنِ مُسَاحِقٍ، عَنْ ابنِ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا بَعَثَ جَيْشًا أَوْ سَرِيَّةً يَقُوْلُ لَهُمْ: "إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلاَ تَقْتُلُوْا أَحَدًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَهُوَ حديثُ ابنِ عُيَيْنَةَ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی: مکہ مکرمہ میں بس گئے تھے اس لئے مکی کہلاتے ہیں، آپ کی اصل کنیت ابوعبداللہ ہے مگر امام ترمذیؒ عام طور پر ان کو ابن ابی عمر کی کنیت سے ذکر کرتے ہیں، یہ دادا کی طرف نسبت ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں: ابوعمر ان کے والد کی کنیت تھی، یہ صاحب تصنیف محدث ہیں، آپ نے مسند لکھی ہے اور نیک صالح آدمی تھے، اور ابوحاتم نے کہا ہے: کانت فیه غفلة (تقریب) یہ ابن عیینہ کے خاص شاگرد ہیں، ابن عیینہ بھی مکہ میں رہتے تھے۔

بابٌ فی الْبِیَاتِ وَالْغَارَاتِ

شب خون مارنے کا اور دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنے کا بیان

البَیَاتُ اور الغارات دونوں جمع مؤنث سالم ہیں، ان کا مفرد: البَیَةُ اور الغارۃُ ہے، تامدوّرہ ہٹا کر آخر میں الف اور لمبی ت بڑھائی گئی ہے، اور البَیَةُ کے معنی ہیں: شب خون مارنا، یعنی رات میں اچانک حملہ کرنا، اور الغارۃ کے معنی ہیں: دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنا۔

حضور اقدس ﷺ شب خون نہیں مارا کرتے تھے کیونکہ اندھیرے میں عورتیں اور بچے لپیٹ میں آجاتے ہیں اور اسلام عورتوں اور بچوں کے قتل کا روادار نہیں، اس لئے نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ میں شب خون مارنا نہیں تھا، لیکن چونکہ زمانہ جاہلیت سے شب خون مارنے کا طریقہ چلا آرہا تھا اس لئے آپؐ احتیاطی تدابیر اختیار فرماتے تھے، پہرے دار اور شعار مقرر کرتے تھے یعنی اگر دشمن رات میں اچانک حملہ کردے تو مسلمان ایک دوسرے کو کس طرح پہچانیں؟ اس کے لئے شِعار (کوڈ ورڈ) مقرر فرماتے تھے اور ہر جنگ میں نیا شعار مقرر فرماتے تھے۔ غرض آنحضور ﷺ احتیاطی تدابیر تو اختیار فرماتے تھے مگر شب خون نہیں مارتے تھے۔

البتہ آپؐ کی سیرت میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپؐ دشمن کو غافل رکھ کر اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے تھے، دشمن کو حملہ کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے تھے، فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر جرار لے کر جب آپؐ مکہ

مکرمہ کے آنگن میں پہنچ گئے ہیں تب مکہ والوں کو پتہ چلا ہے کہ آپ آ گئے، حالانکہ اتنے بڑے لشکر کی نقل وحرکت مخفی نہیں رہتی۔

اسی طرح غزوۂ خیبر کے موقع پر آپؐ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ اچانک رات میں خیبر پہنچے ہیں، اس وقت یہودی قلعہ بند ہو کر سو رہے تھے، نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد ریہرسل کا حکم دیا، اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر ریہرسل میں شریک ہوئے، اس جنگ میں تین سو گھوڑے تھے، انھوں نے چاروں طرف بے تحاشا دوڑنا شروع کیا اور خیبر میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا، جب یہود کدال، پھاوڑے اور بورے لے کر قلعہ سے باہر نکلے تو حیران رہ گئے، کہنے لگے: محمد بخدا! بہت بڑا لشکر لے کر آ گئے، حالانکہ کل پندرہ سو صحابہ تھے، آپؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: خیبر کا ناس ہوا! اس سے اور رعب پڑا، یہ جو آپ راتوں رات خیبر پہنچ گئے اور دشمن کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی اسی کا نام الغارۃ ہے، نبی ﷺ کی کامیابیوں کا بڑا مدار اسی طریقہ پر تھا۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خیبر کی طرف نکلے تو رات میں خیبر پہنچ گئے، اور جب آپؐ کسی قوم پر رات میں پہنچتے تھے تو صبح ہونے سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہود کدال اور بورے لیکر نکلے۔ مَسَاحِيْ: مِسْحَاة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: کدال۔ اور مَكَاتِلْ: مِكْتَلْ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: بورہ، جب یہود نے آپؐ کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ محمد ہیں (یہ مستقل جملہ ہے أي هذا محمدٌ) واللہ! محمد بہت بڑا لشکر لے کر آ گئے، پس رسول اللہ ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: خیبر ویران ہوا! یہ بات آپؐ نے تفاؤلاً فرمائی تھی، جب یہود کدال، پھاوڑے، ٹوکرے اور بورے لے کر کاشت کے لئے نکلے تو آپؐ نے اس سے نیک فال لیا اور فرمایا: خیبر ویران ہوا یعنی جلد فتح ہو جائے گا کیونکہ یہ چیزیں دینداری کی علامت ہیں اور دنیا کے پیچھے پڑنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، پھر فرمایا: ''ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ڈرائے ہوؤں کی صبح بری ہوتی ہے!'' (خمیس: بڑے لشکر کو کہتے ہیں جس میں پانچ حصے ہوتے ہیں: مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ یعنی پچھلا حصہ)

حدیث (۲): حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی قوم پر فتح یاب ہوتے تھے تو ان کے علاقہ میں تین دن ٹھہرتے تھے۔

تشریح: آپ ﷺ فتح حاصل کرنے کے بعد کم از کم تین دن وہاں ضرور قیام فرماتے تھے تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی ہو جائے، شہداء کو دفن کیا جائے، کافروں کی لاشیں ٹھکانے لگائی جائیں اور دشمن جو میدان سے بھاگ کھڑا ہوا ہے اگر وہ اپنا حوصلہ نکالنا چاہے تو آ جائے، اگر فوج فوراً میدان سے چل دے گی تو دشمن کو یہ افواہ پھیلانے کا موقع ملے گا کہ مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، اور وہ پیچھے سے حملہ بھی کر سکتے ہیں پس فتح شکست میں بدل جائے گی، اس لئے نبی ﷺ

فوراً وہاں سے نہیں ہٹتے تھے، کم ازکم تین دن وہاں قیام فرماتے تھے، پھر علاقہ کا نظم وانتظام کر کے واپس لوٹتے تھے۔

[۳-] بابٌ فی البَیَاتِ والْغَارَاتِ

[۱۵۳۸-] حدثنا الأَنْصَارِیُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنِی مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ حُمَیْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم حِیْنَ خَرَجَ إِلٰی خَیْبَرَ أَتَاهَا لَیْلاً، وَکَانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بِلَیْلٍ لَمْ یُغِرْ عَلَیْهِمْ حَتّٰی یُصْبِحَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ یَهُوْدُ بِمَسَاحِیْهِمْ وَمَکَاتِلِهِمْ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوْا: مُحمدٌ! وَافَقَ — وَاللّٰهِ — مُحمدُ الْخَمِیْسَ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "اللّٰهُ أَکْبَرُ! خَرِبَتْ خَیْبَرُ! إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ!"

[۱۵۳۹-] حدثنا قُتَیْبَةُ، وَمُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: ثَنَا مُعَاذُ بنُ مُعَاذٍ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ أَبِیْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أَبِیْ طَلْحَةَ: أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم کَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلٰی قَوْمٍ أَقَامَ بِعَرْصَتِهِمْ ثَلاَثًا.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیْحٌ، وحدیثُ حُمَیْدٍ عَنْ أَنَسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِی الْغَارَةِ بِاللَّیْلِ، وَأَنْ یُبَیِّتُوْا، وَکَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: لاَ بَأْسَ أَنْ یُبَیَّتَ الْعَدُوُّ لَیْلاً، وَمَعْنَی قَوْلِهِ: وَافَقَ مُحمدُ الْخَمِیْسَ: یَعْنِی بِهِ الْجَیْشَ.

ترجمہ: بعض علماء رات میں دشمن کے سر پر پہنچ جانے کی اور شب خون مارنے کی اجازت دیتے ہیں، اور بعض علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں اور احمد واسحاق فرماتے ہیں: دشمن پر شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں، الخمیس کے معنی ہیں: بڑا لشکر، وجہ تسمیہ اوپر آگئی۔ اور وافق کے معنی ہیں: ساتھ لے کر آ گئے۔

بابٌ فی التَّحْرِیْقِ وَالتَّخْرِیْبِ

دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور کھیتی وغیرہ اجاڑنے کا بیان

اگر جنگی مصلحت ہو کہ دشمن کے باغات، کھیتیاں، مکانات اور سامان جلا دیا جائے اور برباد کر دیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، اور خواہ مخواہ محض تماشے کے طور پر ایسا کرنا منع ہے، کیونکہ وہ کھیتیاں، باغات، مکانات اور سامان کل ہمارا ہوگا، پس ان کو جلانا اور برباد کرنا اپنا نقصان کرنا ہے۔

حدیث: جب غزوۂ بنونضیر پیش آیا تو بنونضیر قلعہ بند ہوگئے، ان کے پاس کافی رسد تھی، اس لئے وہ باہر نہیں نکلتے تھے، مسلمان ان کے نکلنے کے انتظار میں دن کاٹ رہے تھے، جب تنگ آ گئے تو بعض مسلمانوں نے ان کے بویرہ نامی

باغات کاٹنے اور جلانے شروع کئے تاکہ وہ اپنے باغات بچانے کے لئے باہر نکلیں اور جنگ ہو اور معاملہ ایک طرف ہوجائے، دوسرے صحابہ نے ان کو منع کیا کہ یہ باغات کل ہمارے ہونگے ان کو کاٹنے اور جلانے میں اپنا ہی نقصان ہے، جب صحابہ میں یہ اختلاف ہوا تو سب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت سورۃ الحشر کی آیت ۵ نازل ہوئی، ارشاد پاک ہے: ''جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا: یہ سب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل اور رسوا کریں'' اس آیتِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کے فعل کو صحیح قرار دیا، پس مسئلہ واضح ہوگیا کہ یہ کام جنگی مصلحت کے تابع ہے۔

[٤-] بابٌ فى التَّحْرِيْقِ وَالتَّخْرِيْبِ

[١٥٤٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَرَّقَ نَخلَ بَنِى النَّضِيْرِ وَقَطَعَ، وَهِىَ الْبُوَيْرَةُ، فَأَنزَلَ اللّٰهُ:﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفَاسِقِيْنَ﴾

وفى الباب: عن ابنِ عَباسٍ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا، وَلَمْ يرَوْا بَأْسًا بِقَطْعِ الأَشْجَارِ وَتَخْرِيْبِ الْحُصُوْنِ، وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: وَنَهَى أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ أَنْ يَقْطَعَ شَجَراً مُثْمِراً، أَوْ يُخَرِّبَ عَامِراً، وَعَمِلَ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَهُ.

وَقَالَ الشَّافعيُّ: لَا بَأْسَ بِالتَّحْرِيْقِ فِىْ أَرْضِ الْعَدُوِّ وَقَطْعِ الْأَشْجَارِ وَالثِّمَارِ، وَقَالَ أَحْمَدُ: وَقَدْ تَكُوْنُ فِىْ مَوَاضِعَ لَايَجِدُوْنَ مِنْهُ بُدًّا، فَأَمَّا بِالْعَبَثِ فَلَا تُحَرَّقْ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: التَّحْرِيْقُ سُنَّةٌ، إِذَا كَانَ أَنْكٰى فِيْهِمْ.

ترجمہ: بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ دشمن کے درخت کاٹنے میں اور ان کی کھیتیاں برباد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اور بعض علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ اوزاعی کا قول ہے (ابواب الحدود باب ۲۰ میں جہاں پہلی بار امام اوزاعی کا تذکرہ آیا ہے: ہم نے بتلایا ہے کہ ان کا دعوی تھا کہ اسلام کا حربی نظام سب سے زیادہ اہل شام جانتے ہیں، اہل عراق اس سے نابلد ہیں) وہ کہتے ہیں: دشمن کے باغات کاٹنا اور ویران کرنا مکروہ ہے اور دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک لشکر روانہ کیا، اور یزید نامی ایک شخص کو امیر مقرر کیا اور ان کو نصیحت کی کہ دشمن کے پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں اور ان کی بستیوں کو ویران نہ کیا جائے اور اس نصیحت پر بعد کے مسلمانوں نے عمل کیا (مگر مطلقاً ممانعت کی بات صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عمل کو جنھوں نے

بنونضیر کے باغات کاٹے تھے: صحیح ٹھہرایا ہے، پس اس کو مطلقاً مکروہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟) اور امام شافعی رحمہ اللہ (جن کا مقام امام اوزاعی رحمہ اللہ سے کہیں بلند ہے) فرماتے ہیں: دشمن کے علاقہ میں آگ لگانے میں اور درختوں اور پھلوں کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض جگہ دشمن کے درخت وغیرہ کاٹنا اور برباد کرنا ضروری ہوتا ہے، وہاں اس کی گنجائش ہے، رہا کھیل تماشہ تو اس طرح کاٹے اور جلائے نہ جائیں، اور اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درخت وغیرہ جلانا سنت ہے اگر اس سے دشمن پر زد پڑتی ہو۔

بابُ ماجاء في الْغَنِيْمَةِ

غنیمت حلال ہونے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر برتری بخشی ہے یا فرمایا: میری امت کو تمام امتوں پر برتری بخشی ہے، اور ہمارے لئے غنیمت کو حلال کیا ہے''

تشریح: پہلی امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، صرف اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے، اور اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی بعثت مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے لئے ہوئی تھی اس لئے ان کا جہاد وقتی ہوتا تھا اور نبی ﷺ کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے آپؐ کی امت میں ہمیشہ جہاد جاری رہے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضرورت کے پیش نظر غنیمت کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: غنیمت میں اصل حلال نہ ہونا ہے تاکہ جو جہاد کرے اخلاص کے ساتھ کرے، اگر غنیمت حلال ہوگی تو غنیمت کے لالچ میں لوگ جہاد کریں گے مگر امت محمدیہ کے لئے ایک مجبوری تھی اس وجہ سے ان کے لئے غنیمت حلال کی گئی۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کا جہاد معینہ مدت، معین قوم اور معین علاقہ تک ہوتا تھا کیونکہ ان انبیاء کی بعثت مخصوص قوم اور مخصوص علاقہ کے لئے ہوئی تھی، اس لئے ان کا جہاد چند روزہ تھا اور مجاہدین کے پاس کھانے کمانے کا وقت تھا اس لئے غنیمت کو حلال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس امت کی صورت حال دوسری ہے، اِن کا جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اور قیامت تک جاری رہے گا، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس وجہ سے اس امت کے لئے غنیمت حلال کی گئی، تاکہ سال بھر اور ہمیشہ جہاد جاری رہ سکے اور مجاہدین کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں انبیاء پر چھ باتوں میں برتری بخشا گیا ہوں: (۱) مجھے جوامع الکلم

(جامع ارشادات) دیئے گئے ہیں (یہ ترکیب مقلوبی ہے، اصل: کلماتٌ جامعةٌ ہے، عبارت کو سبک کرنے کے لئے مرکب توصیفی کو مرکب اضافی بنایا گیا ہے اور کَلِمةٌ جامعةٌ: کے معنی ہیں: الفاظ تھوڑے اور معنی بہت، نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی عطا فرمائی ہے کہ آپ مختصر جملے میں بہت کچھ فرما دیتے ہیں) (۲) اور میری رعب (دبدبہ) کے ذریعہ مدد کی گئی ہے (ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ کا رعب ایک مہینہ کی مسافت تک پڑتا تھا) (۳) اور میرے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا ہے (۴) اور میرے لئے پوری زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی کا آلہ بنایا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبوت تمام کر دی گئی ہے یعنی میری بعثت آخری بعثت ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔

[٥-] باب ماجاء في الْغَنِيْمَةِ

[١٥٤١-] حدثنا مُحمدُ بنُ عُبَيْدِ الْمُحَارِبِيُّ، ثَنَا أَسْبَاطُ بنُ محمدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ سَيَّارٍ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَنِيْ عَلَى الأَنْبِيَاءِ، أَوْ قَالَ: أُمَّتِيْ عَلَى الأُمَمِ، وأَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأَبِيْ ذَرٍّ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَأَبِيْ مُوْسَى، وابنِ عَبَّاسٍ؛ حديثُ أَبِيْ أُمَامَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَسَيَّارٌ هٰذَا: يُقَالُ لَهُ سَيَّارٌ مَوْلَى بَنِيْ مُعَاوِيَةَ، وَرَوَى عَنْهُ سُليمانُ التَّيْمِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ بُجَيْرٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ.

[١٥٤٢-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْراً، وأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ"؛ هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ في سَهْمِ الْخَيْلِ

غنیمت میں گھوڑوں کا حصہ

مذاہبِ فقہاء: امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غنیمت میں گھوڑ سوار کے دو حصے ہیں: ایک گھوڑے کا اور ایک سوار کا۔ دیگر تمام فقہاء کے نزدیک بشمول صاحبین: گھوڑ سوار کے تین حصے ہیں، ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے، اس لئے کہ گھوڑا زیادہ کھاتا ہے اس لئے اس کا حصہ بھی دوگنا ہے، اور باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے۔

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غنیمت تقسیم فرمائی: گھوڑے کے لئے دو حصے اور آدمی کے لئے ایک حصہ (پس گھوڑ سوار کے لئے تین حصے ہوئے اور پیادہ کے حصہ کا اس حدیث میں ذکر نہیں)

اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں جو جمہور کی دلیل ہیں، اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ جنگ خیبر میں صرف وہ صحابہ شریک ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے، نیا کوئی شخص جنگ خیبر میں شریک نہیں ہوا تھا اور وہ پندرہ سو صحابہ تھے جن میں تین سو گھوڑ سوار تھے، نبی ﷺ نے خیبر کی کل غنیمت کے پہلے اٹھارہ حصے کئے، پھر ہر حصے کے سو حصے کئے، پس کل اٹھارہ سو حصے ہوئے اور تقسیم اس طرح فرمائی کہ پیادوں کو ایک ایک حصہ دیا اور گھوڑ سواروں کو دو دو حصے دیئے، یہ مجمع بن جاریہ کی روایت ہے اور ابوداؤد میں ہے، امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں وہم ہے، جنگ خیبر میں تین سو نہیں دو سو گھوڑے تھے، مگر یہ ایک دعوی ہے، اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، علاوہ ازیں اگر اس دعوی کو تسلیم کرلیا جائے تو حساب صحیح نہیں بیٹھتا کیونکہ اس صورت میں انیس سو حصے ہونے چاہئیں، پندرہ سو مجاہدین کے اور چار سو: گھوڑوں کے، جبکہ یہ طے ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کی غنیمت کے اٹھارہ سو حصے کئے تھے۔

اور میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ گھوڑ سوار کا دوہرا حصہ تو اس کا حق ہے اور تیسرا حصہ نفل (انعام) ہے جو گھوڑوں کی کارکردگی اور امیر کی صوابدید پر موقوف ہے، رسول اللہ ﷺ جنگوں میں اس طرح انعام دیا کرتے تھے، مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایک جنگ میں نبی ﷺ نے حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کو پیادہ ہونے کے باوجود دوہرا حصہ دیا، یہ جو ایک حصہ زائد دیا گیا وہ بالاتفاق انعام تھا، ان کا استحقاق نہیں تھا اسی طرح گھوڑ سوار کا دوہرا حصہ تو اس کا حق ہے اور تیسرا حصہ انعام ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عامل حضرت منذر بن ابی حمیصہ رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک غنیمت تقسیم کی، پس گھوڑے کو ایک حصہ، اور سوار کو ایک حصہ (کل دو حصے) دیئے، یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس کو برقرار رکھا۔ یہ واقعہ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں امام اعظم رحمہ اللہ کی سند سے بیان کیا ہے، اس روایت سے دو باتیں واضح ہوئیں: ایک: حضرت منذرؓ کی یہ تقسیم خلافِ معمول تھی اسی وجہ سے یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا، دوسری: حضرت عمرؓ کا اس تقسیم کو نافذ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گھوڑے کا حصہ درحقیقت ایک ہی ہے دوسرا انعامی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[٦-] بابٌ فی سَهْمِ الْخَيلِ

[١٥٤٣-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، وَحُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ قَالَا: ثَنَا سُلَيْمُ بنُ أَخْضَرَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَسَمَ فِي النَّفَلِ: لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ، وَلِلرَّجُلِ بِسَهْمٍ.

حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُلَيْمِ بنِ أَخْضَرَ نَحْوَهُ.
وفي الباب: عَنْ مُجَمِّعِ بنِ جَارِيَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وابنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ؛ وَحديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.
وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَمَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافعيِّ، وأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ قَالُوْا: لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ، سَهْمٌ لَهُ، وَسَهْمَانِ لِفَرَسِهِ، وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ.

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث سلیم کی سند سے مسلم شریف میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: قَسَمَ فِي النَّفْلِ: لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، وَلِلرَّجُلِ سَهْمًا (حدیث ۱۷۶۲) یہی الفاظ تقریبا بخاری (حدیث ۲۸۶۳) میں ہیں اورابوداؤد (حدیث ۲۷۳۳) کے الفاظ یہ ہیں: أَسْهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِهِ ثلاثةَ أَسْهُمٍ: سَهْماً لَهُ وَسَهْمَيْنِ لفرسه۔

بابُ ماجاء فی السَّرَایَا

چھوٹے لشکروں کا بیان

سَرَایا: سَرِیَّة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: چھوٹا لشکر، اور بڑے لشکر کو جیش کہتے ہیں ــــــ جس جہاد میں نبی پاک ﷺ نے شرکت فرمائی ہے، علمائے سیر کی اصطلاح میں اس کو غزوہ کہتے ہیں، اور جس میں آپ شریک نہیں ہوئے اس کو سریہ اور بَعث کہتے ہیں (سیرۃ المصطفیٰ ۲:۴۴)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بہترین ساتھی چار ہیں یعنی جب سفر کا ارادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ چار آدمیوں کی جماعت ایک ساتھ سفر کرے، اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے اور بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے، اور بارہ ہزار کا لشکر قلتِ تعداد کی وجہ سے کبھی ہار نہیں سکتا (اگر اتنا بڑا لشکر ہارے تو اس کی کوئی وجہ ہوگی، جیسے حنین میں بارہ ہزار کا لشکر تھا پھر بھی بھگدڑ مچی تو اس کی وجہ تھی)

ملحوظہ: یہ ارشاد: نبی ﷺ کے زمانہ کے اعتبار سے ہے، اس میں زمانوں کے احوال کے اعتبار سے کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

[۷-] باب ماجاء فی السَّرَایَا

[١٥٤٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ الْأَزْدِيُّ الْبَصْرِيُّ، وأَبُو عَمَّارٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا: ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ يُوْنُسَ بنِ يَزِيْدَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابنِ

عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ، وَخَيْرُ السَّرَايَا أَرْبَعُ مِائَةٍ، وَخَيْرُ الْجُيُوْشِ أَرْبَعَةُ آلاَفٍ، وَلاَ يَغْلِبُ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ"

هٰذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لاَ يُسْنِدُهُ كَبِيْرُ أَحدٍ غَيْرُ جَرِيْرِ بن حَازِمٍ، وإنَّمَا رُوِىَ هذا الحديثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً: وَقَدْ رَوَاهُ حِبَّانُ بنُ عَلِيِّ الْعَنَزِيُّ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَاهُ اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النبيِّ صلى الله عيه وسلم مُرْسَلاً.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو جریر بن حازم کے علاوہ کوئی بڑا آدمی مرفوع نہیں کرتا اور یہ حدیث ابن شہاب زہریؒ کی سند سے مروی ہے، اور وہ مرسل ہے یا متصل؟ اس میں اختلاف ہے حبان بن علی مرفوع روایت کرتے ہیں اور لیث بن سعد مرسل؛ پہلے مرسلاً تک جو بات کہی ہے: اسی کی بعد میں تفصیل کی ہے۔

بابٌ مَنْ يُعْطَى الْفَيْءُ؟

مالِ غنیمت میں سے بطور انعام کس کو دیا جائے؟

حدیث: نجدۃ حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر مسئلہ پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ غزوات میں عورتوں کو لے جاتے تھے؟ اور ان کو غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے؟ ابن عباسؓ نے جواب لکھا: آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کیا نبی ﷺ عورتوں کو غزوات میں لے جاتے تھے؟ (جواب) رسول اللہ ﷺ عورتوں کو غزوات میں لے جاتے تھے، وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں اور ان کو غنیمت میں سے دیا جاتا تھا، مگر آپؐ نے ان کے لئے غنیمت میں باقاعدہ حصہ نہیں گردانا (بلکہ ان کی خدمات کے لحاظ سے دیا جاتا تھا)

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طرز عمل سے یہ ادب نکلا کہ اگر فتوی دوسرے کاغذ پر لکھا جائے تو جواب میں سوال لوٹانا چاہئے تاکہ جو بھی پڑھے بات سمجھ جائے، اگر صرف جواب لکھا جائے گا تو سائل تو سمجھ لے گا مگر دوسرے کے لئے دشواری ہوگی، ہاں اگر اسی کاغذ پر جس پر سوال ہے جواب لکھا جائے تو پھر سوال لوٹانا ضروری نہیں۔

[۸-] بابٌ مَنْ يُعْطَى الْفَيْءُ؟

[۱۵۴۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ جَعْفَرَ بنِ مُحمدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ هُرْمُزٍ: أَنَّ نَجْدَةَ الْحَرُوْرِيَّ كَتَبَ إِلَى ابنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ: هَلْ كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ؟ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ؟ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابنُ عَبَّاسٍ: كَتَبْتَ إِلَيَّ تَسْأَلُنِيْ: هَلْ

كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ؟ وَكَانَ يَغْزُوْ بِهِنَّ، فَيُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى، وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ، وأَمَّا السَّهْمُ: فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ.

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وأُمِّ عَطِيَّةَ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، والشافعيِّ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُسْهَمُ لِلْمَرْأَةِ وَالصَّبِيِّ، وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: وَأَسْهَمَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم لِلصِّبْيَانِ بِخَيْبَرَ، وأَسْهَمَتْ أَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ لِكُلِّ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِيْ أَرْضِ الْحَرْبِ، قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: وَأَسْهَمَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم لِلنِّسَاءِ بِخَيْبَرَ، وأَخَذَ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَهُ، حدثنا بِذٰلِكَ عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثنا عِيْسٰى بنُ يُوْنُسَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ بِهٰذَا.

وَمَعْنٰى قَوْلِهِ: يُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ: يَقُوْلُ: يُرْضَخُ لَهُنَّ بِشَيْءٍ مِنَ الْغَنِيْمَةِ: يُعْطَيْنَ شَيْئًا.

وضاحت: فَی: اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے لڑے بغیر مصالحت کے طور پر حاصل ہو مگر کبھی مال غنیمت کو بھی فی کہتے ہیں، اس باب میں فی سے مال غنیمت مراد ہے ——— نجدۃ بن عامر حروری: خارجی تھا، قریہ حروراان کا مرکز تھا اس لئے وہ اور اس کی پارٹی حروری کہلاتی تھی۔ خارجی فرقہ گمراہ فرقہ ہے مگر حضرت ابن عباسؓ نے اس کے سوالوں کا جواب دیا ہے اور اس کی وجہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اگر میں جواب نہیں دوں گا تو وہ معلوم نہیں کیا کیا حماقت کرے گا (حدیث ۲۷۲۷) یُحْذَیْنَ: فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مؤنث غائب ہے، حَذَا فلانًا شَیْئًا: کوئی چیز دینا، اس کے لئے دوسرا لفظ رَضَخَ له من ماله ہے یعنی مال کا کچھ حصہ دینا، بابه فتح وضرب۔

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور وہ ثوری اور شافعی کا قول ہے (یعنی جو عورتیں جہاد میں شریک ہوں ان کو غنیمت میں سے بطور حق الخدمت کچھ دیا جائے، مگر مجاہدین کی طرح باقاعدہ حصہ نہ دیا جائے) اور بعض علماء کہتے ہیں: عورت اور بچہ کو حصہ دیا جائے اور یہ اوزاعی کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں بچوں کو حصہ دیا، اور مسلمانوں کے امراء نے بھی ہر اس نومولود کو حصہ دیا جو جنگ کی سرزمین میں پیدا ہوا (مگر یہ محض ایک دعوی ہے اس کی دلیل کچھ نہیں) اور اوزاعی کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں عورتوں کو حصہ دیا (اس سلسلہ میں ابوداؤد میں حدیث (۲۷۲۹) ہے جس کا ایک راوی حشرج بن زیاد ہے جو ضعیف ہے، وہ اپنی دادی سے روایت کرتا ہے پھر اس واقعہ میں بھی حضور نے عورتوں کو کھجوریں دی تھیں، باقاعدہ حصہ نہیں دیا تھا)

ملحوظہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کے پاس امام اوزاعی کی سیر الاوزاعی تھی مگر اس زمانہ میں کتاب سے نقل کرنا جائز نہیں تھا اس لئے امام ترمذیؒ نے امام اوزاعی کے قول کی سند لکھی ہے۔

بابٌ هَلْ يُسْهَمُ لِلْعَبْدِ؟

کیا غلام کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟

اگر کوئی غلام فوج میں شامل ہو کر باقاعدہ لڑے تو کیا اس کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ غلام کا مال اس کا نہیں ہوتا، اس کے آقا کا ہوتا ہے، اور آقا اگر جنگ میں شریک ہوا ہے تو وہ اپنا حصہ پائے گا اور اگر شریک نہیں ہوا تو غنیمت میں اس کا کوئی حصہ نہیں، البتہ امام اپنی صوابدید سے کچھ انعام دے سکتا ہے۔

حدیث: آبی اللحم کے آزاد کردہ عمیر کہتے ہیں: میں جنگ خیبر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ شریک ہوا (ابھی وہ آزاد نہیں ہوئے تھے) ان کے آقا ان کو خدمت کے لئے ساتھ لائے تھے، رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان کی بہادری کا تذکرہ آیا اور یہ بھی بتلایا گیا کہ وہ غلام ہے، نبی ﷺ نے حکم دیا: اس کو میرے سامنے پیش کرو (جب فوجی کمانڈر کے سامنے پیش ہوتا ہے تو فوجی لباس میں سج دھج کر اور ہتھیار وغیرہ باندھ کر پیش ہوتا ہے، کمانڈر اس کی چال ڈھال، حلیہ، لباس اور قد وقامت وغیرہ دیکھتا ہے، چونکہ حضرت عمیر لڑنے نہیں آئے تھے اس لئے ہتھیار نہیں لائے تھے چنانچہ) کسی سے مانگ کر ان کو پرتلا پہنایا گیا اور اس میں تلوار لٹکائی گئی، حضرت عمیر پستہ قد تھے، وہ نبی ﷺ کے سامنے سے اس حال میں گذرے کہ ان کی تلوار زمین پر گھسٹ رہی تھی، غرض وہ فوج میں شامل کر لئے گئے اور جب خیبر فتح ہوا تو نبی ﷺ نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا البتہ کچھ گھریلو چیزیں مثلاً برتن وغیرہ ان کو دیئے ——— حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ایک جھاڑ جانتے تھے جس سے وہ آسیب زدہ کا علاج کرتے تھے، انھوں نے آپؐ کو وہ جھاڑ سنائی، آپؐ نے اس میں سے کچھ کلمات نکلوا دیئے اور باقی سے جھاڑنے کی اجازت دی۔

[۹-] بابٌ هَلْ يُسْهَمُ لِلْعَبْدِ؟

[۱۵۴۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ مُحمدِ بنِ زَيْدٍ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ، قَالَ: شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِيْ، فَكَلَّمُوْا فِيَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَكَلَّمُوْهُ أَنِّيْ مَمْلُوْكٌ، قَالَ: فَأَمَرَبِيْ فَقُلِّدْتُ السَّيْفَ، فَإِذَا أَنَا أَجُرُّهُ، فَأَمَرَ لِيْ بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ، وَعَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ أَرْقِيْ بِهَا الْمَجَانِيْنَ، فَأَمَرَنِيْ بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا.

وفي الباب: عَنِ ابنِ عباسٍ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَّا يُسْهَمَ لِلْمَمْلُوْكِ، وَلٰكِنْ يُرْضَخُ لَهُ بِشَيْءٍ، وَهُوَ قَوْلُ الثوريِّ، والشافعيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ.

لغات: الخُرْثِيُّ: گھر کا سامان، ردّی اور گھٹیا سامان، خُرْثِيُّ الکلام: بے فائدہ گفتگو......مَجَانِین: مجنون کی جمع مکسر ہے، مجنون: اگر جنون سے ہے تو اس کے معنی ہیں: پاگل، اور اگر جنّ سے ہے تو اس کے معنی ہیں: آسیب زدہ، یہاں یہی معنی ہیں، کیونکہ پاگل پن کا کوئی منتر نہیں، آسیب زدہ کا منتر ہے......اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کے علاوہ منتر بھی جائز ہیں، اگر ان میں شرکیہ کلمات نہ ہوں۔

باب ماجاء فی أَهْلِ الذِّمَّةِ يَغْزُوْنَ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ: هَلْ يُسْهَمُ لَهُمْ؟

اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے تو اس کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟

اگر ذمی یعنی اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنا چاہیں تو ان کو جہاد میں شریک کیا جائے گا یا نہیں؟ اور شریک کیا جائے گا تو مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ بعض علماء کے نزدیک ذمیوں کو جہاد میں شریک کرنا اور ان سے مدد لینا جائز ہے، اور ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دینا بھی جائز ہے، ان کی دلیل امام زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: کسی جنگ میں کچھ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے اور نبی ﷺ نے ان کو غنیمت میں سے حصہ دیا، یہ روایت باب میں بھی ہے اور مراسیل ابی داؤد میں بھی ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک امام زہری کی مرسل روایتیں نہایت ضعیف ہوتی ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک یہ دونوں باتیں جائز نہیں، ذمیوں کو جہاد میں شریک نہیں کیا جائے گا، پس غنیمت میں سے حصہ دینے کا بھی سوال نہیں اور ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل حدیث ہے، یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے مختصر بیان کی ہے، مفصل مسلم شریف (حدیث ۱۸۱۷) میں ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ غزوہ بدر کے لئے نکلے اور حَرَّةُ الوَبَرَة نامی جگہ میں پہنچے تو پیچھے سے ایک شخص آ کر ملا جس کی جرأت وشجاعت کا ڈنکا بجتا تھا، صحابہ نے جب اس کو دیکھا تو خوش ہوئے، جب وہ شخص آپؐ سے ملا تو اس نے کہا: میں آپؐ کے ساتھ چلنے کے لئے آیا ہوں تاکہ مجھے بھی مال غنیمت ملے، آپؐ نے پوچھا: کیا تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس لوٹ جا میں کسی بھی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، صدیقہ فرماتی ہیں: وہ چلا گیا، یہاں تک کہ جب ہم شَجَرَة نامی جگہ میں تھے تو وہ آدمی پھر آیا، اور اس نے وہی پہلی والی بات کہی، نبی ﷺ نے بھی وہی پہلی والی بات فرمائی کہ لوٹ جا میں کسی بھی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، راوی کہتا ہے: وہ لوٹ گیا، پھر بَیْدَاء نامی جگہ میں آ کر آپؐ سے ملا، نبی ﷺ نے وہی پہلی والی بات اس سے پوچھی: کیا تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پس آپؐ نے فرمایا: تو چل، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کو جہاد میں شریک کرنا جائز نہیں۔

مگر اس استدلال میں کمزوری ہے، ممکن ہے آپؐ نے اس مشرک کو جہاد میں اس لئے شریک نہ کیا ہو کہ اس کے ایمان کی امید تھی جیسے ایک قبیلہ کے سردار نے ہدیہ میں اونٹنی پیش کی تو آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا: إنی نُهیتُ عن زُبْدِ المشرکین: میں مشرکوں کے مکھن سے روکا گیا ہوں، چنانچہ یہ بات ان کے ایمان کا سبب بن گئی، اس سے یہ استدلال کرنا کہ مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں: غالباً صحیح نہیں، کیونکہ آپؐ نے بہت سے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے ہیں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ چونکہ غزوۂ بدر اسلام کا پہلا غزوہ تھا اس لئے اس میں کسی کافر سے مدد لینے کو خلاف مصلحت سمجھا ہو کیونکہ اگر پہلے غزوہ میں مشرکوں کو جنگ میں شریک کیا جاتا تو وہ قیامت تک احسان جتاتے کہ ہمارے بل بوتے پر تمہارے مذہب کو پہلی فتح نصیب ہوئی ہے اور مسائل میں اس قسم کی مصلحتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں جیسے مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا چندہ دو شرطوں کے ساتھ لینا جائز ہے: اول: غیر مسلم بنیت ثواب چندہ دے، شرما شرمی یا دباؤ میں نہ دے۔ دوم: یہ احتمال نہ ہو کہ خود چندہ دینے والا یا کوئی دوسرا غیر مسلم احسان جتائے گا، یہاں بھی تقریباً ایسی ہی بات ہے، اگر اسلام کی پہلی جنگ میں مشرکوں کو شریک کیا جاتا تو وہ قیامت تک احسان جتاتے، اس لئے آپؐ نے اس شخص کا بدر کی جنگ میں شامل ہونا پسند نہ کیا، لیکن بعد میں غزوۂ حنین وغیرہ میں مشرکین بھی شریک ہوئے ہیں، پس پہلی رائے ہی وقیع ہے۔

[۱۰-] باب ماجاء فی أَهْلِ الذِّمَّةِ یَغْزُوْنَ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ: هل یُسْهَمُ لَهُمْ؟

[۱۵۴۷-] حدثنا الأَنْصَارِیُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ الْفُضَیْلِ بنِ أَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِیْنَارٍ الأَسْلَمِیِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم خَرَجَ إِلٰی بَدْرٍ حَتّٰی إِذَا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبْرِ، لَحِقَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ یُذْكَرُ مِنْهُ جُرْأَةٌ وَنَجْدَةٌ، فَقَالَ لَهُ النبیُّ صلی الله علیه وسلم: "تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "ارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِیْنَ بِمُشْرِكٍ"، وفی الحدیثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا؛ هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ.

وَالعملُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوْا: لَا یُسْهَمُ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ، وَإِنْ قَاتَلُوْا مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ الْعَدُوَّ، وَرَأَی بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ یُسْهَمَ لَهُمْ إِذَا شَهِدُوْا الْقِتَالَ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ.

[۱۵۴۸-] وَیُرْوَی عَنِ الزُّهْرِیِّ أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم أَسْهَمَ لِقَوْمٍ مِنَ الْیَهُوْدِ قَاتَلُوْا مَعَهُ، حدثنا بِذٰلِكَ قُتَیْبَةُ بنُ سَعِیْدٍ، نَا عَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِیْدٍ، عَنْ عَزْرَةَ بنِ ثَابِتٍ، عَنِ الزُّهْرِیِّ بِهٰذَا.

ترجمہ: بعض علماء کہتے ہیں: اسلامی ملک کے غیر مسلم شہری کو غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا اگرچہ وہ

مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کریں، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: ان کو حصہ دیا جائے گا جبکہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کی ہو، اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے قوم یہود کو غنیمت میں سے حصہ دیا، جب انھوں نے آپؐ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔

[بابُ ماجاء في مَنْ لَحِقَ بِالْمُسْلِمِيْنَ: هَلْ يُسْهَمُ لَهُمْ؟]

جنگ ختم ہونے کے بعد جو لوگ پہنچیں: ان کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟

یہاں ترمذی کے تمام نسخوں میں باب نہیں ہے، مگر میرے خیال میں یہاں باب ہونا چاہئے کیونکہ حدیث کا گذشتہ باب سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ مستقل مسئلہ ہے، اور والعمل علی هذا بھی امام ترمذی نے لکھا ہے جبکہ ایک باب میں دو مرتبہ یہ عبارت امام ترمذیؒ نہیں لکھتے۔

مسئلہ: فوج کو پیچھے سے جو فوجی کمک پہنچتی ہے وہ بھی غنیمت میں حصہ دار ہوتی ہے بشرطیکہ غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے پہنچ جائے، اگر بعد میں پہنچے تو ان کا کوئی حصہ نہیں، اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس قبیلۂ اشعر کے چند لوگوں کے ساتھ خیبر میں آیا، پس رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل فرما کر جنھوں نے خیبر فتح کیا تھا مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

تشریح: قبیلۂ اشعر یمن میں آباد تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری قبیلہ کے جو حضرات مسلمان ہوئے تھے ان کو لے کر پانی کے راستے سے مدینہ منورہ آرہے تھے، جب وہ ساحل پر اترے تو ان کو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ خیبر میں ہیں، یہ حضرات سیدھے خیبر پہنچے، جب نبی ﷺ نے خیبر کی غنیمت تقسیم فرمائی تو ان کو بھی حصہ دیا، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر مجاہدین کے پاس کمک پہنچ جائے تو اس کو بھی غنیمت میں سے حصہ ملے گا، اگرچہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں۔

مگر اس استدلال میں اشکال یہ ہے کہ ان آنے والے حضرات کو کمک (فوجی امداد) کہنا مشکل ہے، کمک پیچھے سے اتھارٹی (امیر المؤمنین) بھیجتی ہے، پس ممکن ہے ان مہاجرین کی حاجت کو پیش نظر رکھ کر آپؐ نے مال غنیمت میں سے کچھ دیا ہو، جیسے حشرج کی حدیث پہلے گذری ہے، ان کی دادی کہتی ہیں: أَسْهَمَ لَنَا كَمَا أَسْهَمَ للرجال: ہمیں بھی مردوں کی طرح حصہ دیا، حشرج نے پوچھا: دادی اماں کیا دیا؟ تو انھوں نے کہا: کھجوریں (ابوداؤد حدیث ۲۷۲۹) پس اسی طرح اس حدیث میں بھی احتمال ہے کہ مجاہدین کی طرح زمین وغیرہ میں سے حصہ نہ دیا گیا ہو، بلکہ دیگر ضروری چیزیں دی گئی ہوں۔ واللہ اعلم

[١٥٤٩-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا حَفْصُ بنُ غِيَاثٍ، ثَنَا بُرَيْدٌ، وَهُوَ ابنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى قَالَ: قَدِمْتُ عَلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ نَفَرٍ مِنَ الأَشْعَرِيِّيْنَ خَيْبَرَ، فَأَسْهَمَ لَنَا مَعَ الَّذِيْنَ افْتَتَحُوْهَا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالَ الأَوْزَاعِيُّ: مَنْ لَحِقَ بِالْمُسْلِمِيْنَ قَبْلَ أَنْ يُسْهَمَ لِلْخَيْلِ أُسْهِمَ لَهُ.

ترجمہ: اوزاعی کہتے ہیں: جو شخص غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ مل جائے اس کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے۔

بابُ ماجاء فی الِانْتِفَاعِ بِآنِيَةِ الْمُشْرِكِيْنَ

مشرکوں کے برتنوں سے فائدہ اٹھانا

حدیث: رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی ہانڈیوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان کی ہانڈیوں میں کھانا پکانا اور ان کے برتنوں میں کھانا جائز ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان کو اچھی طرح دھولو، پھر ان میں پکاؤ، اور آپ نے کچلی دار درندے کے گوشت سے منع فرمایا''

تشریح: یہ حدیث اور یہ مسئلہ ابواب الصید کے شروع میں گذر چکا ہے، جو حکم یہود ونصاری کے برتنوں کا ہے وہی مشرکوں کے برتنوں کا بھی ہے، اور ذی ناب کے گوشت کی حرمت کا مسئلہ بھی ابواب الصید باب ۱۰ میں گذر چکا ہے۔

[١١-] باب ماجاء فی الانتفاع بآنية المشركين

[١٥٥٠-] حدثنا زَيْدُ بنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ، ثَنَا أَبُوْ قُتَيْبَةَ سَلْمُ بنُ قُتَيْبَةَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ قُدُوْرِ الْمَجُوْسِ؟ قَالَ: " أَنْقُوْهَا غَسْلًا، وَاطْبَخُوْا فِيْهَا، وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِيْ نَابٍ"

وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ، رَوَاهُ أَبُوْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيُّ، عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ، وَأَبُوْ قِلَابَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ، إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ أَبِيْ أَسْمَاءَ عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ.

[١٥٥١-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَيْوَةَ بنِ شُرَيْحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَبِيْعَةَ بنَ يَزِيْدَ الدِّمَشْقِيَّ يَقُوْلُ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيُّ عَائِذُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ يَقُوْلُ: أَتَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ

كِتَابٍ، نَأْكُلُ فِيْ آنِيَتِهِمْ؟ قَالَ:" إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ فَلَا تَأْكُلُوْا فِيْهَا، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْهَا وَكُلُوْا فِيْهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں انقطاع ہے، ابوقلابہ کا ابوثعلبہ سے سماع نہیں، وہ ابواسماء رحبی کے واسطہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ اور دوسری حدیث کی سند متصل ہے۔

بابٌ في النَّفَلِ

مال غنیمت میں سے انعام دینے کا بیان

نَفَل (بفتح الفاء) جمع أنفال: مطلق زیادتی کو کہتے ہیں، اسی لئے نفل نماز کو اور نبیرہ (پوتے، نواسے) کو نافلۃ کہتے ہیں اور غنیمت کو بھی نفل کہتے ہیں کیونکہ وہ گذشتہ امتوں کے لئے حلال نہیں تھی، اس امت کے لئے بطور عطیہ حلال کی گئی ہے، سورۃ الانفال میں یہی معنی مراد ہیں، اسی طرح امام جو فوجیوں کو انعام دیتا ہے وہ بھی نفل ہے کیونکہ وہ بھی اس کے حصہ سے زائد ہوتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

حدیث (۱): حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ابتداء میں یعنی جب لشکر آگے بڑھ رہا ہو: چوتھائی اور واپسی میں تہائی انعام دیا کرتے تھے۔

تشریح: کبھی امام کے لئے غنیمت میں سے انعام دینا ضروری ہو جاتا ہے، جن عورتوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی ہے، یا تیمارداری کی ہے یا فوجیوں کے لئے کھانا پکایا ہے، یا مجاہدین کی خبر گیری کی ہے اسی طرح جو غلام فوج کے ساتھ مل کر لڑے ہیں اور جن غیر مسلموں سے مخبری کا کام لیا گیا ہے یا راستہ کی راہنمائی حاصل کی گئی ہے، اسی طرح جن مجاہدین نے کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے، ان سب کو مال غنیمت میں سے انعام دیا جاتا ہے، یہ سب نفل کہلاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی بڑا لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا ہے تو اس میں سے چھوٹے لشکر بنا کر جزوی مہم پر بھیجے جاتے ہیں، وہ جو غنیمت لاتے ہیں اس میں سے چوتھائی یا تہائی اس سریہ (چھوٹے لشکر) کو بطور انعام دیا جاتا ہے، باقی عام غنیمت میں شامل کیا جاتا ہے جو پوری فوج پر تقسیم ہوتا ہے، اس میں سے اس سریہ کو بھی ملتا ہے۔

اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب لشکر آگے بڑھ رہا ہو اور سریہ بھیجا جائے تو اس کو چوتھائی انعام دیتے تھے اور جب لشکر واپس لوٹ رہا ہو تو تہائی انعام دیتے تھے، اور پہلی صورت میں انعام کم اس لئے دیتے تھے کہ اس وقت سریہ میں نکلنے میں طبیعت پر بوجھ کم پڑتا ہے اور لشکر کی پشت پناہی بھی حاصل ہوتی ہے اور جب لشکر واپس لوٹ رہا ہو: سریہ میں نکلنے میں بوجھ زیادہ پڑتا ہے، طبیعت پر یہ بات شاق گذرتی ہے کہ سب لوگ تو گھر جا رہے ہیں اور ہم کام پر! اور لشکر کی پشت پناہی بھی حاصل نہیں ہوتی، ضرورت کے وقت لشکر جلد مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتا، اس

لئے انعام بڑھادیا جاتا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ یہ انعامات کل غنیمت میں سے دیئے جائیں گے یا خمس میں سے یا باقی چار اخماس میں سے؟ اس سلسلہ میں کوئی واضح ہدایت موجود نہیں، شامی میں لکھا ہے: كلُّ مَاوَرَدَ مِنَ التَّنَفُّلِ بعدَ القتالِ فهو محمولٌ عندنا على أنَّه مِنَ الْخُمُسِ یعنی جنگ ختم ہونے کے بعد جو بھی انعام دیا جائے گا وہ غنیمت کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا (شامی ۳:۲۶۰) اور حدیث بالا میں جو چوتھائی یا تہائی انعام کا ذکر آیا ہے اس کا مدار امام کی صراحت پر ہے اگر امام نے بعد الخمس یاقَبْل الخمس یامن الأخماس الأربعة الباقية کی صراحت کی ہے تو اس کے مطابق دیا جائے گا، ورنہ کل غنیمت میں سے دیا جائے گا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد کتاب میں بھی ہے اور موطا (کتاب الجہاد باب ۱۱) میں بھی ہے، آپؒ نے فرمایا: مجھے یہ بات نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب جنگوں میں انعام دیا ہے، ہاں یہ بات پہنچی ہے کہ آپؐ نے بعض جنگوں میں انعام دیا ہے اور اس کا مدار امام کے اجتہاد پر ہے وہ چاہے تو غنیمت حاصل ہونے سے پہلے انعام کا اعلان کرے یا بعد میں اعلان کرے (مگر حضرت نے یہ بات صاف نہیں کی کہ انعام غنیمت کے کس حصہ میں سے دیا جائے گا؟)

اور امام احمد رحمہ اللہ کے تلمیذ ابن منصور نے امام احمدؒ کے سامنے حبیب بن مسلمہ فہری کی حدیث پیش کی، یہ حدیث ابوداؤد میں ہے (حدیث ۲۷۴۹) حبیب فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکالنے کے بعد چوتھائی اور تہائی انعام دیا کرتے تھے، امام احمدؒ نے اس حدیث کی تائید کی اور فرمایا: خمس نکالنے کے بعد باقی غنیمت سے انعام دیا جائے گا، اور چوتھائی یا تہائی سے زیادہ نہیں دیا جائے گا (یہ حبیب صحابی ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، مگر ہیں بڑے آدمی، مستجاب الدعوات تھے)

اور مذکورہ حدیث کی شرح میں جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ انعام خمس میں سے دیا جاتا ہے آپ کا یہ ارشاد موطا مالک (کتاب الجہاد باب ۱۱) میں ہے، فرماتے ہیں: كان الناسُ يُعْطَوْنَ النفلَ مِن الخُمُسِ یعنی لوگوں کو انعامات پانچویں حصہ میں سے دیئے جاتے تھے، مگر اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ ارشاد سریہ والے انعام کے بارے میں ہے یا عام انعامات کے بارے میں، بظاہر یہ ارشاد دیگر انعامات کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں شامی سے یہ صراحت نقل کی جاچکی ہے کہ یہ سب انعامات پانچویں حصہ سے دیئے جائیں گے مگر امام ترمذیؒ نے اس قول کو اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے اور حضرت اسحاق کی تائید بھی نقل کی ہے کہ یہ چوتھائی یا تہائی انعام خمس میں سے دیا جائے گا۔

اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ بات امام کی صوابدید پر موقوف ہے وہ جیسی صراحت کرے اس کے مطابق عمل کیا جائے، البتہ من قَتَلَ قتيلاً فله سَلَبُهُ والا انعام اور سرایا کا چوتھائی یا تہائی انعام کل غنیمت میں

سے دیا جائے گا، بشرطیکہ امام کی رضامندی شامل ہو، واللہ اعلم۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنی تلوار ذوالفقار غزوۂ بدر میں نفل کے طور پر لی تھی اور یہی وہ تلوار ہے جس میں آپ نے غزوۂ احد کے موقعہ پر خواب دیکھا تھا۔

تشریح: نبی ﷺ کے مال غنیمت میں دو حق تھے، ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے اور دوسرا اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے، اس دوسری حیثیت سے مال غنیمت میں سے جو کچھ آپؐ لیتے تھے اس کو ''صفی'' کہا جاتا تھا، لفظ صفی کے معنی ہیں: چنیدہ، منتخب کردہ، آپؐ کو یہ حق حاصل تھا کہ مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے جو چیز پسند آئے لے لیں، یہ حق اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے تھا، اس لئے احناف کے نزدیک بعد کے خلفاء کو یہ حق حاصل نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حق سربراہ مملکت ہونے کی حیثیت سے تھا، پس ان کے نزدیک بعد کے خلفاء کو بھی یہ حق حاصل ہے۔

اور نبی ﷺ عام طور پر بطور صفی مال غنیمت میں سے کچھ نہیں لیتے تھے، صرف ایک دو مرتبہ آپؐ نے لیا ہے، غزوۂ بدر کی غنیمت میں سے منبہ بن الحجاج کی تلوار ذوالفقار آپؐ نے بطور صفی لی تھی، اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا (شامی ۴: ۲۶۰) ذوالفقار (ف کے زبر کے ساتھ) فَقْرۃ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: پشت کے مہرے، اس تلوار کی پشت پر لکیریں تھیں اس لئے اس کو ذوالفقار (مہروں والی تلوار) کہتے تھے اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپؐ نے خیبر کی غنیمت سے بطور صفی لیا تھا۔

اور جنگ احد سے پہلے آپؐ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے، آپؐ نے اس کو ہلایا تو اس کی دھار جڑھ گئی، یہ بات آپؐ کو ناگوار ہوئی، کیونکہ تلوار کی دھار کا جڑھنا نیک فال نہیں، پھر آپؐ نے اس کو دوبارہ ہلایا تو دھار پہلے سے بہتر ہوگئی، اس خواب میں یہی تلوار آپؐ کے دست مبارک میں تھی، اور آپؐ نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی تھی کہ جنگ میں پہلے شکست ہوگی پھر وہ فتح سے بدل جائے گی۔

فائدہ: آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تبرکات تقسیم کئے تو یہ تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی تھی جو کئی نسلوں تک محفوظ رہی، پھر معلوم نہیں کیا ہوئی!

[۱۲-] بابٌ فی النفل

[۱۵۵۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِیٍّ، ثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ عَبدِ الرحمنِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ سُلیمانَ بنِ مُوْسَی، عَنْ مَکْحُوْلٍ، عَنْ أَبِیْ سَلَّامٍ، عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ، عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم کَانَ یُنَفِّلُ فِی الْبَدْأَةِ الرُّبُعَ، وَفِی الْقُفُوْلِ الثُّلُثَ.

وفی الباب: عَنْ ابنِ عباسٍ، وحَبِیْبِ بنِ مَسْلَمَةَ، وَمَعْنِ بنِ یَزِیْدَ، وابنِ عُمَرَ، وَسَلَمَةَ بنِ

الأَكْوَعِ؛ وحديثُ عُبَادَةَ حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۵۵۳-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا ابنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُتْبَةَ، عَنْ ابنِ عباسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم تَنَفَّلَ سَيْفَهُ ذَا الفقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ، وَهُوَ الَّذِي رَأَى فِيهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ أُحُدٍ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حديثِ ابنِ أَبِي الزِّنَادِ.

وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي النَّفَلِ مِنَ الْخُمُسِ، فَقَالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: لَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَفَّلَ فِي مَغَازِيهِ كُلِّهَا، وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّهُ نَفَّلَ فِي بَعْضِهَا، وَإِنَّمَا ذٰلِكَ عَلَى وَجْهِ الاِجْتِهَادِ مِنَ الإِمَامِ فِي أَوَّلِ الْمَغْنَمِ وَآخِرِهِ.

قَالَ ابنُ مَنْصُورٍ: قُلْتُ: لِأَحْمَدَ: إِنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَفَّلَ إِذَا فَصَلَ بِالرُّبُعِ بَعْدَ الْخُمُسِ، وَإِذَا قَفَلَ بِالثُّلُثِ بَعْدَ الْخَمُسِ، فَقَالَ: يُخْرِجُ الْخُمُسَ ثُمَّ يُنَفِّلُ مِمَّا بَقِيَ، وَلَا يُجَاوِزُ هٰذَا؛ وَهٰذَا الحديثُ عَلَى مَاقَالَ ابنُ الْمُسَيَّبِ، النَّفَلُ مِنَ الْخُمُسِ، قَالَ إِسْحَاقُ: كَمَا قَالَ.

ترجمہ: علماء کا خمس میں سے انعام دینے میں اختلاف ہے یعنی کل غنیمت میں سے انعام دیا جائے یا خمس میں سے یا باقی چار اخماس میں سے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام غزوات میں انعام دیا ہے، ہاں یہ بات پہنچی ہے کہ بعض غزوات میں انعام دیا ہے، اور یہ بات کہ انعام دیا جائے یا نہ دیا جائے؟ امام کی صوابدید پر موقوف ہے، جنگ کے شروع میں یا جنگ کے آخر میں (اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ امام جنگ شروع ہونے سے پہلے بھی انعام کا اعلان کرسکتا ہے اور بعد میں بھی) اور ابن منصور کہتے ہیں: میں نے امام احمد رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے جب سریہ جدا ہوتا ہے تو خمس نکالنے کے بعد چوتھائی انعام دیا، اور جب آپ لوٹتے تھے تو خمس نکالنے کے بعد تہائی انعام دیا (یہ حبیب بن مسلمہ کی حدیث کا مضمون ہے) تو امام احمدؒ نے اس کی تائید کی اور فرمایا: پہلے امام خمس الگ کرلے، پھر باقی سے انعام دے اور چوتھائی یا تہائی سے زیادہ نہ دے ـــــــ اور یہ حدیث حضرت سعید کے قول کے مطابق خمس سے انعام دینے پر محمول ہے، اسحاق رحمہ اللہ نے اس کی تائید کی ہے۔

بابُ ماجاء في مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهُ سَلَبُهُ

جو جس کو مارے اس کا ساز وسامان اس کا

سَلَب (مقتول کا ساز وسامان) قاتل کا حق ہے یا انعام؟ یعنی نبی ﷺ کا یہ ارشاد مسئلہ ہے یا اعلان؟ اس

میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک یہ مسئلہ ہے یعنی جنگ میں جو بھی کسی کو مارے اس کے ساز وسامان کا وہی مالک ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقتی اعلان ہے مسئلہ نہیں ہے، پس جس جنگ میں امام المسلمین نے یہ اعلان کیا ہے: اسی جنگ میں سلب قاتل کو ملے گا، ہر جنگ میں قاتل کو سلب نہیں ملے گا۔

حدیث: غزوۂ حنین میں جب جنگ ختم ہوئی تو نبی ﷺ نے اعلان کیا کہ جس نے کسی کافر کو مارا ہے وہ اس کو گواہوں سے ثابت کرے تو سلب اس کا ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میرے لئے کوئی گواہ ہے؟ حضرت ابو قتادہؓ نے ایک بڑے آدمی کو قتل کیا تھا، جس کے پاس بے حد قیمتی ساز وسامان تھا، جب کسی نے گواہی نہیں دی تو وہ بیٹھ گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ اعلان کیا تو ابو قتادہؓ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: میرے لئے کوئی گواہ ہے؟ نبی ﷺ نے پوچھا: ابو قتادہ! کیا بات ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے فلاں کافر کو مارا ہے، مگر میرے پاس کوئی گواہ نہیں، پس ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! ابو قتادہؓ نے واقعی اس کافر کو مارا ہے اور اس کا ساز وسامان میرے پاس ہے، اور یارسول اللہ! آپ ان کو راضی کردیں کہ وہ کچھ لے لیں، اور باقی میرے پاس رہنے دیں، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا، وہ کھڑے ہوئے اور کہا: اللہ کا ایک شیر ایک کارنامہ انجام دیتا ہے اور لومڑی اس کا مال لے جانا چاہتی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا! چنانچہ اس نے وہ سلب حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو واپس کیا، وہ قیمتی مال تھا، حضرت ابو قتادہؓ نے اس کو بیچ کر ایک باغ خریدا۔

تشریح: اس حدیث کے ذیل میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو مسئلے ذکر کئے ہیں:

پہلا مسئلہ: وہی ہے جو باب کے شروع میں گذر چکا کہ سلب قاتل کا حق ہے یا اس کا انعام ہے؟ یعنی سلب بہر حال قاتل کو ملے گا یا امام کے اعلان کے بعد ملے گا؟ جمہور کی رائے پہلی ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کی رائے دوسری ہے۔ امام ترمذیؒ نے صرف جمہور کی رائے ذکر کی ہے۔

دوسرا مسئلہ: سلب میں سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ بعض اہل علم کہتے ہیں: اس میں سے خمس لیا جائے گا، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔ حضرت اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں، البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر سلب بڑا مال ہو اور امام اس میں سے خمس لینا چاہے تو لے سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے (مسلم اور ابوداؤد میں حضرت عوف اور حضرت خالد کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے سلب میں سے خمس نہیں لیا یہ ثوری رحمہ اللہ کی دلیل ہے)

[۱۳-] باب ماجاء فيمن قَتَلَ قتيلاً فلهُ سَلَبُهُ

[۱۵۵٤-] حدثنا الأنصاريُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أنَسٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ كَثِيْرِ

بنِ أَفْلَحَ، عَنْ أَبِيْ مُحمدٍ مَوْلٰى أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا، لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ، فَلَهُ سَلَبُهُ" وَفِي الْحديثِ قِصَّةٌ.

حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

وفي الباب: عَنْ عَوْفِ بنِ مَالِكٍ، وَخَالِدِ بنِ الْوَلِيْدِ، وَأَنَسٍ، وَسَمُرَةَ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ مُحمدٍ: هُوَ نَافِعٌ مَوْلٰى أَبِيْ قَتَادَةَ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لِلإِمَامِ أَنْ يُخْرِجَ مِنَ السَّلَبِ الْخُمُسَ.

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ: النَّفَلُ: أَنْ يَقُوْلَ الإِمَامُ: مَنْ أَصَابَ شَيْئًا فَهُوَ لَهُ، وَمَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهُ سَلَبُهُ، فَهُوَ جَائِزٌ، وَلَيْسَ فِيْهِ الْخُمُسُ.

وَقَالَ إِسْحَاقُ: السَّلَبُ لِلْقَاتِلِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ شَيْئًا كَثِيْرًا، فَرَأَى الإِمَامُ أَنْ يُخْرِجَ مِنْهُ الْخُمُسَ، كَمَا فَعَلَ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ.

ترجمہ: بعض اہل علم کہتے ہیں: امام کے لئے جائز ہے کہ وہ سلب میں سے خمس نکالے، اور ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: نفل: یہ ہے کہ امام اعلان کرے کہ جس کو جو چیز ملے وہ اس کی ہے اور جو جس کو مارے اس کے لئے اس کا ساز وسامان ہے، پس اس طرح کا اعلان کرنا جائز ہے اور اس میں خمس نہیں ہے، اور اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا: (پورا) سلب قاتل کا حق ہے مگر یہ کہ وہ بہت زیادہ مال ہو، پس امام اس میں سے خمس نکالنا مناسب سمجھے، جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

بابٌ في كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ

تقسیم سے پہلے غنیمت میں سے حصہ بیچنا جائز نہیں

حدیث: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے غنیمت کو خریدنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ تقسیم کردی جائے۔

تشریح: تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ غنیمت میں سے کس کو کیا اور کتنا ملے گا: یہ بات متعین نہیں، پس یہ مجہول کی بیع ہے اس لئے جائز نہیں۔

[١٤-] بابٌ فی کراهية بَيْعِ المغانم حتی تُقْسَمَ

[١٥٥٥-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ جَهْضَمِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مُحمدِ بنِ زَيْدٍ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: نَهَی رسولُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم عَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتّٰی تُقْسَمَ.

وفی الباب: عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، وَهٰذَا حديثٌ غريبٌ.

وضاحت: یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، محمد بن ابراہیم باہلی مجہول راوی ہے اور محمد بن زید بھی مجہول سا ہے، مگر حدیث: شریعت کے قواعد معلومہ کے مطابق ہے اس لئے مسئلہ یہی ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ وَطْءِ الحَبَالَی مِنَ السَّبَايَا

قیدیوں میں جو باندیاں حاملہ ہوں ان سے وطی جائز نہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے قیدی عورتوں سے وطی کرنے سے منع کیا یہاں تک کہ وہ بچہ جن دیں۔

تشریح: جنگ میں جو عورتیں قید ہوں اور وہ باندی بنا کر فوج میں تقسیم کر دی جائیں تو ان سے استبرائے رحم کے بعد ہی مولیٰ صحبت کر سکتا ہے یعنی جب تک باندی کو ایک حیض نہ آ جائے آقا اس سے صحبت نہیں کر سکتا، اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد جب نفاس بند ہو صحبت کر سکتا ہے، اسی طرح جب باندی میں ملکیت بدلے تب بھی استبرائے رحم ضروری ہے اور یہ حکم اس لئے ہے کہ نسبوں میں اختلاط پیدا نہ ہو، تفصیل ابواب النکاح (باب ۳۳و۳۴) میں گذر چکی ہے۔

[١٥-] باب ماجاء فی کراهية وَطْءِ الحبالَی مِنَ السَّبَايَا

[١٥٥٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيیَ النَّيْسَابُوْرِیُّ، ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ النَّبِيْلُ، عَنْ وَهْبٍ أَبِیْ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِیْ أُمُّ حَبِيْبَةَ بِنْتُ عِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ: أَنَّ أَبَاهَا أَخْبَرَهَا: أَنَّ رسولَ اللهِ صلی الله عليه وسلم نَهَی أَنْ تُوْطَأَ السَّبَايَا حَتّٰی يَضَعْنَ مَا فِیْ بُطُوْنِهِنَّ.

وفی الباب: عَنْ رُوَيْفِعِ بنِ ثَابِتٍ؛ وَحديثُ عِرْبَاضٍ حديثٌ غريبٌ، وَالعملُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وَقَالَ الْأَوْزَاعِیُّ: إِذَا اشْتَرَی الرَّجُلُ الْجَارِيَةَ مِنَ السَّبْیِ، وَهِیَ حَامِلٌ، فَقَدْ رُوِیَ عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: لَا تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ، قَالَ الْأَوْزَاعِیُّ: وَأَمَّا الْحَرَائِرُ فَقَدْ مَضَتِ السُّنَّةُ فِيْهِنَّ بِأَنْ أُمِرْنَ بِالْعِدَّةِ، كُلُّ هٰذَا حَدَّثَنِیْ عَلِیُّ بنُ خَشْرَمٍ، قَالَ: ثنا عيسیَ بنُ يُوْنُسَ، عَنِ الْأَوْزَاعِیِّ.

وضاحت: یہ حدیث غریب بمعنی تفرد اسناد ہےاور سند فی نفسہ ٹھیک ہے۔

ترجمہ: امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب کسی شخص نے قیدیوں میں سے کوئی باندی خریدی درانحالیکہ وہ حاملہ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حاملہ سے وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ بچہ جن دے، امام اوزاعی کہتے ہیں: رہی آزاد عورتیں تو ان میں اسلامی طریقہ یہ چلا آرہا ہے کہ ان کو عدت کا حکم دیا گیا ہے، یعنی آزاد عورت شوہر کی وفات کے بعد یا طلاق کے بعد اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک عدت نہ گذر جائے تاکہ انساب میں اختلاط نہ ہو۔

بابُ ماجاء فی طَعَامِ الْمُشْرِكِيْنَ

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

یہ مشکل باب ہے، یہاں طعام کے معنی ذبیحہ کے ہیں۔ سورۃ المائدۃ (آیت ۵) میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے اور باب میں جو دو حدیثیں ہیں (حضرت ہلب اور حضرت عدی کی) وہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے بارے میں ہیں، اور امام ترمذیؒ نے باب میں مسئلہ بھی اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت کا بیان کیا ہے۔ مشرکین کے ذبیحہ سے کوئی تعرض نہیں کیا، اس لئے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ باب میں لفظ ''المشرکین'' محفوظ ہے یا نہیں؟ میرے خیال میں یہ تصحیف ہے اور شروع سے چلی آرہی ہے، اس لئے میں نے عربی عنوان نہیں بدلا، اور اردو میں عنوان معنون (باب) کے مطابق قائم کیا ہے۔

مشرکین کا ذبیحہ بالاجماع حرام ہے، پہلے حدیث گذری ہے کہ اگر شکار پر مجوسی کتا چھوڑے تو وہ شکار حلال نہیں، یہی حکم مشرکین اور ہندوؤں کے ذبیحہ کا ہے۔ اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کا ذبیحہ بہ نص قرآنی حلال ہے، سورۃ المائدہ (آیت ۵) میں ہے: اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے، البتہ اگر وہ لوگ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیں تو پھر ان کا ذبیحہ حرام ہے، جیسے مسلمان اگر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دے تو اس کا ذبیحہ بھی جمہور کے نزدیک حرام ہے، اور ہدایہ (۲:۴۳۷) میں ہے: إن المسلم و الکتابیَّ فی ترکِ التسمیة سواءٌ۔ اور ابن قدامہ نے مغنی (۱۳:۲۵۸) میں یہی مذہب امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا نقل کیا ہے۔

حدیث: حضرت ہلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے نصاری کے ذبیحہ کے بارے میں پوچھا: آپؐ نے فرمایا: ہرگز تیرے سینہ میں کوئی ذبیحہ کھٹک پیدا نہ کرے، تم اس بارے میں نصاری کے مشابہ ہوگئے ہو! یعنی عیسائیوں کا ذبیحہ از روئے قرآن حلال ہے اس میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں، پھر تمہارے ذہن میں یہ سوال کیوں پیدا ہوا؟ شکی مزاج تو نصاری ہوتے ہیں، مسلمان کا تو یہ مزاج نہیں ہوتا۔

تشریح: یہ حدیث نصاری کے ذبیحہ سے متعلق ہے، مشرکین کے ذبیحہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے میرے خیال میں باب میں تصحیف ہوئی ہے۔

فائدہ(۱): اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جب وہ تسمیہ کے ساتھ شرعی طریقہ پر ذبح کریں، اور ذبح کرنے والا حقیقت میں عیسائی یا یہودی ہو، اگر صرف مردم شماری میں عیسائی یا یہودی ہو اور وہ اس مذہب پر یقین نہ رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ اسی طرح اگر وہ بالقصد اللہ کا نام نہ لے تو بھی ذبیحہ حلال نہیں، اسی طرح اگر مشروع طریقہ پر ذبح کی چار رگوں میں سے تین رگیں نہ کاٹے تو بھی ذبیحہ حلال نہیں۔

آج کل یہود تو ان باتوں کی پابندی کرتے ہیں مگر عیسائیوں کی صورت حال بگڑ گئی ہے، وہ صرف مردم شماری کے فارم میں عیسائی ہوتے ہیں حقیقت میں وہ کسی مذہب کے قائل نہیں ہوتے، نہ وہ بسم اللہ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں نہ وہ ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں بلکہ ان کے یہاں مشینی ذبح رائج ہے، اسی لئے ایشاء کے تمام علماء کا فتوی عام عیسائیوں کے ذبیحہ کے بارے میں حرمت کا یا کم از کم احتیاط کا ہے، البتہ اگر کوئی واقعی عیسائی ہو اور وہ تسمیہ کے ساتھ شرعی طریقہ پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

فائدہ(۲): ابوداؤد شریف (۳۹۱:۲) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: صحابہ نے نبی ﷺ سے اس گوشت کے بارے میں پوچھا جو مدینہ کے پڑوسی مدینہ میں بیچنے کے لئے لاتے تھے کہ اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں؟ یہ بات معلوم نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''آپ لوگ بسم اللہ پڑھ کر کھالیں''، بعض عرب حضرات اس حدیث کو آج کل کے اہل کتاب کے ذبیحہ کے تعلق سے پڑھ دیتے ہیں حالانکہ یہ حدیث دیہاتی مسلمانوں کے بارے میں ہے، مشرکین یا اہل کتاب کے بارے میں نہیں ہے، لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ دیہات کے لوگ اللہ جانے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے ہیں یا یونہی گلا کاٹ دیتے ہیں، آج کل کے قصائیوں کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو، زیادہ کھود کرید نہ کرو، ورنہ زندگی اجیرن ہوجائے گی، کہاں کہاں دیکھتے پھروگے کہ کس نے بسم اللہ پڑھی اور کس نے نہیں پڑھی؟ اپنے اطمینان کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ وہ مسلمان ہیں اس سے زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔

[۱۶-] باب ماجاء فی طَعَامِ الْمُشْرِكِيْنَ

[۱۵۵۷-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، أَخْبَرَنِيْ سِمَاكُ بنُ حَرْبٍ، قَالَ سَمِعْتُ قَبِيْصَةَ بنَ هُلْبٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَأَلْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ طَعَامِ النَّصَارَى؟ فَقَالَ: "لَايَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ، ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ!"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، قَالَ مَحْمُوْدٌ: وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ مُوْسَى، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ قَبِيْصَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ، قَالَ: محمودٌ: وَقَالَ وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، عَنْ

شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ مُرِّيِّ بنِ قَطَرِيٍّ، عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي طَعَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ.

لغات: تَخَلَّجَ الشيئُ: ہلنا، حرکت کرنا، کوئی ذبیحہ تیرے سینہ میں نہ ہلے یعنی خلجان پیدا نہ کرے...... ضارَعَه: مشابہ ہونا، ہم شکل ہونا، مشابہ ہوگیا تو ذبیحہ کے معاملہ میں عیسائیت سے۔

بابٌ فی كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيْقِ بَيْنَ السَّبْيِ

قیدیوں میں جدائی کرنا ممنوع ہے

حدیث: رسول اللہ نے فرمایا: جس نے ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان جدائی کی: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان جدائی کریں گے (یہ حدیث ابواب البیوع باب ۵۲ میں گذر چکی ہے)

[۱۷-] بابٌ فی كراهية التفريق بين السَّبْيِ

[۱۵۵۸-] حدثنا عُمَرُ بنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ، نا عَبْدُ اللهِ بنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي حُيَيٌّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرحمنِ الْحُبُلِّيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا: فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"
وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوْا التَّفْرِيْقَ بَيْنَ السَّبْيِ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا، وَبَيْنَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدِ، وَبَيْنَ الإِخْوَةِ.

بابُ ماجاء فی قَتْلِ الأُسَارَى وَالْفِدَاءِ

قیدیوں کو قتل کرنے کا اور بدلہ لے کر چھوڑنے کا بیان

جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کا مسئلہ چار طرح سے حل کیا جاتا ہے:
پہلا طریقہ: جس قیدی کا قتل کرنا قرین مصلحت ہو اس کو قتل کر دیا جائے، آج بھی دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔
دوسرا طریقہ: جس قیدی کو مفت رہا کرنا قرین مصلحت ہو اس کو چھوڑ دیا جائے، اس کو عربی میں مَنّ (بلا معاوضہ چھوڑ دینا) کہتے ہیں، سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آیت ۵ میں اس کا ذکر ہے۔
تیسرا طریقہ: اپنے قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے یا جنگ کا ہرجانہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس کو فِداءٌ (معاوضہ

لے کر چھوڑنا) کہتے ہیں، سورۂ محمد (ﷺ) کی مذکورہ آیت میں اس کا بھی ذکر ہے۔

چوتھا طریقہ: قیدیوں کو غلام باندی بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا جائے، یہ مسئلہ کا آخری حل ہے اور یہ حل اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا، اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے، کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، قید میں رکھنا اور کھلانا پلانا ملک کی تباہی کا باعث ہوسکتا ہے، اور مفت چھوڑ دینا وبالِ جان بن سکتا ہے اور بلا وجہ قتل کرنا انسانیت کے خلاف ہے اس لئے قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل غلامی ہے، دنیا کو اگر یہ حل پسند نہیں تو وہ اس سے بہتر حل پیش کرے۔

حدیث (۱): بدر کی جنگ میں ستر قیدی ہاتھ آئے تھے، اور سب بڑے لوگ تھے، ان کے بارے میں مشورہ ہوا ایک رائے یہ آئی کہ سب کو قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ سب مکہ کے سورما تھے، ان کو قتل کر دیا جاتا تو دشمن کی طاقت ٹوٹ جاتی، دوسری رائے یہ آئی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور فدیہ کی رقم سے ہتھیار خریدے جائیں اور آئندہ دشمن سے لوہا لیا جائے۔ جب یہ مشورہ ہورہا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ بات بتلائی کہ اگر ان کو قتل کردوگے تو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور فدیہ لے کر چھوڑ دوگے تو آئندہ جنگ میں تمہارے اتنے ہی آدمی شہید ہونگے، صحابہ نے فدیہ لینے کو ترجیح دی، اور کہا کہ شہادت ہماری عین تمنا ہے۔

حدیث (۲): حضرت عمران رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مشرک قیدی دے کر دو مسلمان قیدی چھڑائے (معلوم ہوا کہ قیدیوں کا تبادلہ بھی فدیہ کی ایک صورت ہے)

[۱۸-] باب ماجاء في قَتْلِ الأُسَارَى والفِدَاءِ

[۱۵۵۹-] حدثنا أَبُوْ عُبَيْدَةَ بنُ أَبِي السَّفَرِ، وَاسْمُهُ: أَحْمَدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَمْدَانِيُّ، وَمَحْمُوْدُ بنُ غَيْلاَنَ، قَالاَ: ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بنُ زَكَرِيَّا بنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ سُفْيَانَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ عُبَيْدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ جِبْرَئِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: خَيِّرْهُمْ - يَعْنِيْ أَصْحَابَكَ - فِيْ أُسَارَى بَدْرٍ: الْقَتْلَ أَوِ الْفِدَاءَ عَلَى أَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلاً مِثْلُهُمْ، قَالُوْا: الْفِدَاءَ وَيُقْتَلُ مِنَّا.

وفي الباب: عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَنَسٍ، وَأَبِيْ بَرْزَةَ، وَجُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ.

هٰذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ، لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ ابنِ أَبِيْ زَائِدَةَ، وَرَوَى أَبُوْأُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ عُبَيْدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَرَوَى ابنُ عَوْنٍ، عَنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ عُبَيْدَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً؛

وَأَبُوْ دَاوُدَ الْحَفْرِيُّ: اسْمُهُ عُمَرُ بنُ سَعْدٍ.

[۱۵۶۰-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَمِّهِ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَدَى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَعَمُّ أَبِي قِلَابَةَ: هُوَ أَبُوْ الْمُهَلَّبِ، واسْمُهُ: عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو، وَيُقَالُ: مُعَاوِيَةُ بنُ عَمْرٍو، وَأَبُوْ قِلَابَةَ: اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ زَيْدٍ الجَرْمِيُّ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَمُنَّ عَلٰى مَنْ شَاءَ مِنَ الْأَسَارَى، وَيَقْتُلَ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ، وَيَفْدِى مَنْ شَاءَ، وَاخْتَارَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْقَتْلَ عَلَى الْفِدَاءِ.

وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: بَلَغَنِيْ أَنَّ هٰذِهِ الآيَةَ مَنْسُوْخَةٌ: قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ نَسَخَتْهَا﴿فَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ حدثنا بذٰلِكَ هَنَّادٌ، ثنا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ.

قَالَ إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ: قُلْتُ لِأَحْمَدَ: إِذَا أُسِرَ الْأَسِيْرُ يُقْتَلُ أَوْ يُفَادَى أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: إِنْ قَدَرُوْا أَنْ يُفَادُوْا فَلَيْسَ بِهِ بَأْسٌ، وَإِنْ قُتِلَ فَمَا أَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا؛ قَالَ إسحاقُ: الْإِثْخَانُ أَحَبُّ إِلَيَّ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَعْرُوْفًا فَأَطْمَعُ بِهِ الْكَثِيْرَ.

وضاحت: پہلی حدیث ثوری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے صرف یحییٰ روایت کرتے ہیں، اور کوئی شاگرد روایت نہیں کرتا اس لئے غریب ہے، البتہ ثوری کے استاذ بھائی ابواسامہ اس کو ہشام سے روایت کرتے ہیں، اس لئے حدیث حسن ہے لأنه رُوِی من غیر وجه اور ہشام کے استاذ بھائی ابن عون اس کو مرسل روایت کرتے ہیں یعنی آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں کرتے (ہندی نسخے میں عن علی بھی ہے، مگر الکوکب کے حاشیہ میں ہے کہ مصری نسخہ میں یہ نہیں ہے، اس لئے اس کو حذف کیا ہے)

ترجمہ: اس پر اکثر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے کہ امام کو حق ہے کہ وہ قیدیوں میں سے جس کو چاہے بطور احسان (فدیہ لئے بغیر) چھوڑ دے اور ان میں سے جس کو چاہے قتل کر دے اور جس کو چاہے فدیہ لے کر چھوڑے، اور بعض اہل علم فدیہ لے کر چھوڑنے کی بہ نسبت قتل کرنے کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، اور اوزاعی کہتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ سورۂ محمد کی آیت ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ منسوخ ہے اور ناسخ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۱: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ ہے۔

اسحاق بن منصور کہتے ہیں: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا: جب قیدی پکڑے جائیں تو ان کو قتل کیا جائے یا

فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے: آپ کو زیادہ پسند کیا ہے؟ (أي ماذا أَحبُّ إليك) انھوں نے فرمایا: اگر وہ فدیہ لے سکتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور قتل کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، یعنی دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی سورۂ محمد کی آیت منسوخ نہیں، اسحاق کہتے ہیں: قیدیوں کو تہ تیغ کرنا مجھے زیادہ پسند ہے مگر یہ کہ کوئی قیدی مشہور آدمی ہو اور مجھے ان کے بدل بڑا مال ملنے کی امید ہو (تو فدیہ لے کر چھوڑا جا سکتا ہے)

بابُ ماجاء فی النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ النِّساءِ والصِّبْيَانِ

جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا ممنوع ہے

جنگ میں صرف فوجیوں کو جو لڑنے کے لئے آئے ہیں: قتل کیا جاتا ہے، عام شہریوں کو قتل نہیں کیا جاتا، اسی طرح فوج کے ساتھ جو عورتیں، بچے، غلام اور نوکر آئے ہیں ان کو بھی قتل نہیں کیا جاتا، نہ ان دوکانداروں کو قتل کیا جاتا ہے جو فوجیوں کے ساتھ دوکانیں لے کر آئے ہیں۔

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی، نبی ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت صعب بن جثامہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمارے گھوڑوں نے مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو روند ڈالا یعنی ہمارے قبیلہ نے دشمن پر شب خون مارا، رات کی تاریکی میں گھوڑوں کے پیروں میں آکر عورتیں اور بچے کچل گئے، آپؐ نے فرمایا: ''وہ ان کے آباء سے ہیں'' یعنی بے خبری میں ان کے قتل ہو جانے میں کوئی گرفت نہیں، جس طرح ان کے آباء کا قتل جائز ہے ان کا بھی جائز ہے۔

تشریح: پہلے یہ بات آچکی ہے کہ شب خون مارنا نبی ﷺ کی سیرت میں نہیں تھا، مگر شب خون مارنا جائز ہے، جب دشمن رات میں اچانک حملہ کرتا ہے تم ہم بھی کر سکتے ہیں، پھر اندھیرے میں جو بھی لپیٹ میں آجائے اس کا قتل جائز ہے۔

فائدہ: یہ پرانے زمانہ کی بات ہے، جب جنگ میں اختیار ہوتا تھا، اب تو فضائی جنگ بھی ہوتی ہے جس میں بم پھینکے جاتے ہیں اور میزائل داغے جاتے ہیں، اب یہ بات اختیار میں نہیں رہی کہ جسے چاہیں ماریں اور جسے چاہیں نہ ماریں، آج کی جنگ میں جان و مال کی تباہی پہلے سے ہزاروں گنا زیادہ ہوتی ہے، فإلی اللہِ المشتکی۔

[۱۹-] باب ماجاء فی النهی عن قَتْلِ النِّسَاءِ والصِّبْيَان

[۱۵۶۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَقْتُوْلَةً، فَأَنْكَرَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذٰلِكَ،

وَنَهى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ"

وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، وَرَبَاحٍ، وَيُقَالُ: رَبَاحُ بنُ الرَّبِيْعِ، وَالأَسْوَدِ بنِ سَرِيْعٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَالصَّعْبِ بنِ جَثَّامَةَ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوْا قَتْلَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ، وَهُوَ قَوْلُ سفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشافِعِيِّ.

وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْبَيَاتِ وَقَتْلِ النِّسَاءِ فِيْهِمْ وَالْوِلْدَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإسحاقَ، وَرَخَّصَا فِي الْبَيَاتِ.

[۱۵۶۲-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الصَّعْبُ بنُ جَثَّامَةَ قَالَ: قُلْتُ يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ خَيْلَنَا أَوْطَأَتْ مِنْ نِسَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَوْلَادِهِمْ، قَالَ: " هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ" هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

دشمن کو قتل کیا جائے، آگ میں جلایا نہ جائے

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا اور فرمایا: ''اگر تم کو قریش کے فلاں اور فلاں دو شخص مل جائیں تو ان کو زندہ جلا دینا'' پھر جب ہم نے نکلنے کا ارادہ کیا اور نبی ﷺ سے الوداعی ملاقات کی تو آپؐ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں کو زندہ جلا دینا مگر آگ کا عذاب صرف رب النار کے شایانِ شان ہے، پس جب تم ان کو پاؤ تو ان کو قتل کر دینا'' ـــــــ آگ میں جلانا خلافِ اولیٰ ہے، حرام نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ مرتدین کو آگ میں جلایا ہے وہ حدیث ابواب الحدود (باب ۲۵) میں گذر چکی ہے۔

[۲۰-] بابٌ

[۱۵۶۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ بُكَيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي بَعْثٍ، فَقَالَ: " إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا - لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ - فَأَحْرِقُوْهُمَا بِالنَّارِ" ثُمَّ قَال رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ أَرَدْنَا الْخُرُوْجَ: "إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوْا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنْ وَجَدْتُمُوْهُمَا فَاقْتُلُوْهُمَا"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وحَمْزَةَ بنِ عَمْرٍو الأَسْلَمِيِّ؛ حديثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ ذَكَرَ مُحمدُ بنُ إِسْحاقَ بَيْنَ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ وَبَيْنَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَجُلاً فِي هٰذَا الحديثِ، وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِثْلَ رِوَايَةِ اللَّيْثِ، وَحديثُ اللَّيْثِ بنِ سَعْدٍ أَشْبَهُ وَأَصَحُّ.

بابُ ماجاء في الغُلُوْلِ

غنیمت میں خیانت کرنے کا بیان

حدیث(۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں دنیا سے گذرا کہ وہ تکبر، مال غنیمت میں خیانت اور قرض سے پاک تھا تو وہ جنت میں جائے گا''

وضاحت: پہلی حدیث ابوعوانہ کی ہے اور دوسری حدیث سعید بن ابی عروبہ کی ہے، دونوں میں دو فرق ہیں: ایک: ابوعوانہ: سالم بن ابی الجعد کے بعد کوئی راوی نہیں بڑھاتے، اور سعید: معدان بن ابی طلحہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ دوسرا: پہلی حدیث میں لفظ کبر ہے، اور سعید کی حدیث میں کنز ہے، کنز: اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

حدیث(۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی روح جسم سے اس حال میں نکلی کہ وہ تین چیزوں سے پاک تھا: خزانے سے، مال غنیمت میں خیانت کرنے سے اور قرضے سے تو وہ جنت میں جائے گا''

حدیث(۳): جنگ خیبر میں ایک صاحب شہید ہوئے ان کا نام کرکرہ تھا ان کی شہادت پر کسی نے آپؐ کے سامنے کہا: فلاں شخص شہید ہوگیا یعنی جنت میں گیا، آپؐ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے، ایک عبا (چوغے) کی وجہ سے جو اس نے مال غنیمت سے چرائی ہے'' پھر آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی نہیں جائے گا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ یہ اعلان کیا۔

تشریح: اس حدیث میں مؤمن سے مؤمن کامل مراد ہے، اور مؤمن کامل وہ ہے جس کے نامۂ اعمال میں کوئی کبیرہ گناہ نہ ہو اور نجات اولیٰ کے لئے ایمان کامل شرط ہے اور مال غنیمت میں خیانت کرنا کبیرہ گناہ ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس کو معذّب دیکھا۔

[۲۱-] باب ماجاء في الغُلُوْلِ

[۱۵٦٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ، وَالْغُلُوْلِ، وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ.

[١٥٦٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِيْ الْجَعْدِ، عَنْ مَعْدَانَ بنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ فَارَقَ الرُّوْحُ الْجسَدَ، وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلاَثٍ: الكَنْزِ، وَالْغُلُوْلِ، وَالدَّيْنِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ" هٰكَذَا قَالَ سَعِيْدٌ: الْكَنْزِ، وَقَالَ أَبُوْ عَوَانَةَ فِيْ حَدِيْثِهِ: الْكِبْرِ، وَلَمْ يَذْكُرْ عَنْ مَعْدَانَ، وَرِوَايَةُ سَعِيْدٍ أَصَحُّ.

[١٥٦٦-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثَنَا عِكْرِمَةُ بنُ عَمَّارٍ، ثَنَا سِمَاكٌ أَبُوْ زُمَيْلٍ الْحَنَفِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ ابنَ عَباسٍ يَقُوْلُ: حدثني عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: قِيْلَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ فُلاَنًا قَد اسْتُشْهِدَ، قَالَ:" كَلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ، بِعَبَاءَةٍ قَدْ غَلَّهَا" قَالَ:" قُمْ يَا عُمَرُ! فَنَادِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلاَثًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء فى خُرُوْجِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ

جنگ میں عورتوں کی شرکت

حدیث: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلیم اوران کے علاوہ دیگر انصاری عورتوں کو جنگ میں لے جایا کرتے تھے، وہ لڑتی نہیں تھیں بلکہ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اوران کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

تشریح: نبی ﷺ کا عام طریقہ عورتوں کو جہاد میں لے جانے کا نہیں تھا، مگر بعض مخصوص خواتین کو لے جاتے تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے، اورابوداؤد (حدیث ۲۷۲۹) میں حشرج کی دادی کی روایت ہے، وہ کہتی ہیں: ہم چھ عورتیں جنگ خیبر میں آنحضور ﷺ کے ساتھ نکلیں، آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہمیں بلایا، ہم پہنچیں تو ہم نے آپؐ کو غصے میں دیکھا، آپؐ نے پوچھا: تم کس کے ساتھ نکلیں؟ اورکس کی اجازت سے نکلیں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نکلی ہیں: ہم بال کاتیں گی، اوراس سے راہ خدا میں مدد کریں گی اور ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوا ہے، اور ہم تیر دیں گی اورستو پلائیں گی، پس آپؐ نے فرمایا: ''رکو'' پھر جب اللہ نے آپؐ کو خیبر پر فتح عطا فرمائی تو ہمیں بھی مردوں کی طرح حصہ دیا، حشرج نے پوچھا: دادی ماں کیا دیا؟ انھوں نے کہا: کھجوریں (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عورت محرم کے ساتھ جہاد میں شریک ہو اور فوجیوں کا تعاون کرے تو جائز ہے)

[٢٢-] باب ماجاء في خروج النِّساء في الحَرْبِ

[١٥٦٧-] حدثنا بِشْرُ بنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ، ثَنَا جَعْفَرُ بنُ سُلَيْمَانَ الضَّبُعِيُّ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ

قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَغْزُوْ بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مَعَهَا مِنَ الْأَنْصَارِ: يَسْقِيْنَ الْمَاءَ، وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى.

وفي الباب: عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في قُبُوْلِ هَدَايَا الْمُشْرِكِيْنَ

مشرکین کے ہدایا قبول کرنا جائز ہے

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو ایران کے بادشاہ کسری نے ہدیہ دیا تو آپؐ نے اس کو قبول فرمایا۔ اور دیگر بادشاہوں نے بھی ہدایا بھیجے، پس آپؐ نے ان کے ہدایا قبول فرمائے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے ہدایا قبول کرنا جائز ہے، البتہ اگر ان کے ہدیہ کی وجہ سے دل میں ان کی محبت و مودت پیدا ہو تو قبول کرنا جائز نہیں، یہ بات حضرت گنگوہی قدس سرہ نے الکوکب الدری میں بیان فرمائی ہے اور حکومت کے سربراہ جو ایک دوسرے کو ہدایا دیتے ہیں یا عید اور دیوالی کے مواقع پر جو باہم تحائف دیئے جاتے ہیں وہ بس دنیا کی ریت ہے پس اس کو دینے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث (۲): حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ نے (جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے) نبی ﷺ کو ایک اونٹنی ہدیہ میں دی، آپؐ نے پوچھا: کیا تم مسلمان ہوئے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں! آپؐ نے فرمایا: ''میں مشرکین کے مکھن سے روکا گیا ہوں'' یعنی ان کے ہدایا لینے کی مجھے اجازت نہیں۔

تشریح: یہ جو نبی ﷺ نے ہدیہ قبول نہیں کیا تھا تو وہ ہدیہ دینے والے کی مصلحت سے تھا، بعض مرتبہ ہدیہ واپس کر دیا جائے تو اس سے ہدیہ دینے والے کی اصلاح ہو جاتی ہے، میرے پاس ایک بے ریش ہدیہ لے کر آیا، میں نے اس کا ہدیہ نہیں لیا اور اس کو بتلایا کہ میں اس وجہ سے ہدیہ قبول نہیں کر رہا، الحمد للہ! اس نے اسی دن سے ڈاڑھی رکھ لی۔ غرض آنحضور ﷺ نے بھی مصلحتاً عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا تھا، ورنہ فی نفسہ مشرک کا ہدیہ لینا جائز ہے، نبی ﷺ نے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے ہیں۔

[۲۳-] باب ماجاء في قبولِ هَدَايَا المشركين

[۱۵۶۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ سَعِيْدٍ الْكِنْدِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحِيْمِ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنْ ثُوَيْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ كِسْرَى أَهْدَى لَهُ، فَقَبِلَ، وَأَنَّ الْمُلُوْكَ أَهْدَوْا إِلَيْهِ، فَقَبِلَ مِنْهُمْ"

وَفِي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَثُوَيْرٌ: هُوَ ابنُ أَبِي فَاخِتَةَ، اسْمُهُ: سَعِيدُ بنُ عِلَاقَةَ، وَثُوَيْرٌ يُكْنَى أَبَاجَهْمٍ.

[۱۵۶۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ عِمْرَانَ القَطَّانِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الشِّخِّيْرِ، عَنْ عِيَاضِ بنِ حِمَارٍ: أَنَّهُ أَهْدَى للنبيِّ صلى الله عليه وسلم هَدِيَّةً أَوْ: نَاقَةً، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَسْلَمْتَ؟" فَقَالَ: لاَ: قَالَ: "فَإِنِّي نُهِيْتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِيْنَ"

قال أبو عيسىٰ: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَمَعْنَى قَوْلِه: "إِنِّي نُهِيْتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِيْنَ" يَعْنِيْ هَدَايَاهُمْ.

وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَانَ يَقْبَلُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ هَدَايَاهُمْ، وَذُكِرَ فِي هٰذَا الحديثِ الْكَرَاهِيَةُ، وَاحْتَمَلَ أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا بَعْدَ مَاكَانَ يَقْبَلُ مِنْهُمْ، ثُمَّ نَهَى عَنْ هَدَايَاهُمْ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ پہلی حدیث دور اول کی ہے اور دوسری حدیث مابعد زمانہ کی ہے، اس لئے وہ ناسخ ہے یعنی پہلے آپؐ مشرک کا ہدیہ قبول کرتے تھے، پھر لینا بند کردیا (مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، اس لئے بہتر تطبیق وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ مشرک کا ہدیہ لینا فی نفسہ جائز ہے، اور کسی مصلحت سے نہ لیا جائے تو یہ بھی درست ہے)

بابُ ماجاء في سَجْدَةِ الشُّكْرِ

سجدۂ شکر کا بیان

حدیث: حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک معاملہ آیا جس سے آپؐ کو خوشی ہوئی تو آپؐ سجدہ میں چلے گئے۔

تشریح: جب کوئی خوش کن خبر پہنچے یا فرحت افزا معاملہ پیش آئے یا کوئی آفت ومصیبت ٹلے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا مسنون ہے اور شکر بجالانے کے دوطریقے ہیں: کامل اور ناقص، کامل شکر بجالانا یہ ہے کہ کم از کم دو نفلیں پڑھے اور زیادہ پڑھے تو اور بھی بہتر ہے، اور ناقص شکر بجالانا یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کی طرح سجدۂ شکر کرے، سجدہ شکر احناف کے نزدیک بھی مشروع ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ سے جو مروی ہے کہ لم یَرَہٗ آپ نے اس کو نہیں دیکھا یعنی اس کو شکر تام نہیں سمجھا۔ شکر تام دو نفلیں پڑھنا ہے، اور فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے جو آٹھ نفلیں پڑھی تھیں ان کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے وہ نفلیں فتح مکہ کے شکریہ کی پڑھی ہوں۔

اور نماز شکر اور سجدہ شکر کی حکمت یہ ہے کہ آدمی کبھی نعمتوں پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ اترانے لگتا ہے، یہ ایک بری کیفیت ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ منعم حقیقی کے سامنے عاجزی کرے تاکہ وہ بری حالت اچھی حالت سے بدل جائے۔

فائدہ: سجدۂ مناجات جس کا بدعتیوں میں رواج ہے: جائز نہیں، کیونکہ کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں، اور اس سلسلہ میں جو روایت بیان کی جاتی ہے، کبیری میں لکھا ہے کہ وہ موضوع ہے اور صحیح روایات میں جو سجدہ میں آنحضرت ﷺ کا دعا کرنا مروی ہے اس سے تہجد وغیرہ نفل نمازوں کا سجدہ مراد ہے، علحدہ مستقل سجدہ میں دعا کرنا ان حدیثوں کا مصداق نہیں۔

[۲۴-] باب ماجاء في سجدة الشُّكْرِ

[۱۵۷۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثنَّى، ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، ثَنَا بَكَّارُ بنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بنِ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَتَاهُ أَمْرٌ فَسُرَّ بِهِ، فَخَرَّ سَاجِدًا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ بَكَّارِ بنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: رَأَوْا سَجْدَةَ الشُّكْرِ.

بابُ ماجاء في أَمَانِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ

عورت اور غلام کا پناہ دینا

اگر کوئی مسلمان عورت کسی کافر کو پناہ دے تو اس کا پناہ دینا معتبر ہے، اب اس کافر کو قتل کرنا کسی کے لئے جائز نہیں، اسی طرح جو غلام ماذون فی القتال ہے یعنی وہ جنگ میں شامل کرلیا گیا ہے جیسے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جنگ خیبر میں شامل کرلئے گئے تھے: ایسا غلام اگر کسی کافر کو پناہ دے تو وہ پناہ بھی معتبر ہے، اور اگر وہ غلام جنگ میں شامل نہیں کیا گیا تو اس کا پناہ دینا معتبر نہیں۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت یقیناً قوم کے لئے لیتی ہے'' (حدیث پوری ہوگئی مگر بات واضح نہیں ہوئی اس لئے فرمایا:) یعنی مسلمانوں کے خلاف پناہ دے سکتی ہے، پس اگر کوئی عورت کسی کافر کو پناہ دے تو وہ معتبر ہے، اب ہر مسلمان پر اس کا لحاظ لازم ہے۔

حدیث (۲): حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (جو نبی ﷺ کی چچازاد بہن اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں) فرماتی ہیں: میں نے (فتح مکہ کے موقعہ پر) اپنی سسرال کے دو آدمیوں کو پناہ دی، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے جن کو پناہ دی ہم نے بھی ان کو پناہ دی!''

تشریح: فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے تمام مکہ والوں کو پناہ دیدی تھی مگر بارہ آدمیوں کو مستثنیٰ کردیا تھا

کہ وہ جہاں ملیں قتل کردیئے جائیں، ان میں سے دو کو حضرت ام ہانی نے پناہ دی تھی، وہ ان کے سسرالی تھے اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے گھر گئے، انھوں نے ان کو قتل کرنا چاہا، ام ہانی نے کہا: میں نے ان کو پناہ دی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا: عورت کو پناہ دینے کا کیا حق ہے؟ وہ جھٹ سے حاضر خدمت ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا، آپؐ نے فرمایا: ''جن کو تم نے امان دیا ہم نے بھی ان کو امان دیا'' چنانچہ وہ قتل نہیں کیے گئے۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے ان کا معمولی آدمی اس کی کوشش کرتا ہے'' یعنی معمولی آدمی بھی امان دے سکتا ہے، اور سب مسلمانوں پر اس کا پاس ولحاظ واجب ہے۔

[۲۵-] باب ماجاء فی أَمَانِ المرْأَةِ و العبدِ

[۱۵۷۱-] حدثنا يَحيىَ بنُ أَكْثَمَ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ كَثِيْرِ بنِ زَيْدٍ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيْ هُريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ" يَعْنِي تُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ.

وفي الباب: عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۵۷۲-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ الدِّمَشْقِيُّ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ ابنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمُقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيْلِ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَائِيْ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " قَدْ أَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَجَازُوْا أَمَانَ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ: أَجَازَا أَمَانَ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ، وَقَدْ رُوِىَ عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ: أَنَّهُ أَجَازَ أَمَانَ الْعَبْدِ، وَأَبُوْ مُرَّةَ: مَوْلَى عَقِيْلِ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، وَيُقَالُ لَهُ أَيْضًا: مَوْلَى أُمِّ هَانِيءٍ، وَاسْمُهُ يَزِيْدُ.

[۱۵۷۳-] وَرُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ"

وَمَعْنَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ مَنْ أَعْطَى الْأَمَانَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ جَائِزٌ عَنْ كُلِّهِمْ.

وضاحت: حدیث ذمة المسلمين واحدة: متفق علیہ روایت ہے (بخاری حدیث ۳۱۷۹)

بابُ ماجاء فی الغَدْرِ

عہد کی خلاف ورزی کرنے کا بیان

حدیث: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک ناجنگ معاہدہ تھا جس کی ہر سال تجدید ہوتی تھی،

ایک سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تجدید کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ جنگ کرنے کا ارادہ تھا، چنانچہ جب معاہدہ کی مدت ختم ہونے کا وقت آیا تو آپؓ نے فوج کو حکم دیا کہ سرحد پر پہنچ جاؤ تاکہ سال پورا ہوتے ہی جنگ شروع کردی جائے، فوج روانہ ہونے لگی تو اچانک ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان کر رہا ہے: اللہ أکبر! وفاءٌ لاغدرَ: سب سے بڑے اللہ ہیں! دشمن کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے اس کو پورا کرو، خلاف ورزی مت کرو، حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؓ نے اس اعلان کرنے والے کو بلایا، وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت معاویہؓ نے پوچھا: آپؓ کیا اعلان کر رہے ہیں، ہم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کب کی ہے؟ انھوں نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب کسی قوم کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ ہرگز اس معاہدہ کی کوئی گرہ نہ کھولے نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت گذر جائے یا ان کی طرف معاہدہ برابر پھینک دے'' چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوج لے کر لوٹ گئے۔

تشریح: جب رومیوں کے ساتھ ناجنگ معاہدہ ہے اور ہر سال اس کی تجدید ہوتی رہتی ہے تو امسال بھی وہ تجدید کی امید باندھے رہیں گے، پس ان کو غفلت میں رکھ کر جنگ کی تیاری شروع کردینا بھی معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، اگر جنگ کا ارادہ ہو تو پیشگی دشمن کو اطلاع کردی جائے کہ ہم اب معاہدہ کی تجدید نہیں کریں گے، بلکہ جنگ کریں گے تاکہ وہ بھی اپنی تیاری شروع کردیں۔

[۲۶-] باب ماجاء فی الغَدْرِ

[۱۵۷۴-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ الْفَيْضِ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَ بنَ عَامِرٍ يَقُوْلُ: كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ أَهْلِ الرُّوْمِ عَهْدٌ، وَكَانَ يَسِيْرُ فِيْ بِلَادِهِمْ حَتَّى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ أَغَارَ عَلَيْهِمْ، فَإِذَا رَجُلٌ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ: عَلَى فَرَسٍ، وَهُوَ يَقُوْلُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ! وَفَاءٌ لَا غَدْرَ، وَإِذَا هُوَ عَمْرُو بنُ عَبَسَةَ، فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُمْ، حَتَّى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ" قَالَ: فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ، هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ہر عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا گاڑا جائے گا'' یعنی جو بھی شخص دشمن کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا وہ میدانِ حشر میں

اس حال میں آئے گا کہ اس کی سرین کے گوشت میں ایک جھنڈا گڑا ہوا ہوگا جو اس کے پیچھے لہرا رہا ہوگا جس سے ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہ عہد شکن ہے، یوں اس کی ذلت و رسوائی ہوگی۔

[۲۷-] باب ماجاء أَنَّ لِكُلِّ غادِرٍ لِوَاءً يوم القيامة

[۱۵۷۵-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ ثَنَا صَخْرُ بنُ جُوَيْرِيَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ؛ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَنَسٍ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فى النُّزُوْلِ عَلَى الْحُكْمِ

کسی کے فیصلہ کی شرط پر دشمن کا جنگ بند کرنا

اس باب میں تین حدیثیں ہیں، پہلی اور تیسری حدیث کا تعلق غزوۂ بنوقریظہ سے ہے اور دوسری حدیث عام ہے۔

پہلی حدیث: بنوقریظہ کے ساتھ جنگ غزوۂ احزاب کے فوراً بعد ہوئی ہے، غزوۂ احزاب میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو میں تیر لگا تھا، جس سے خون کی رگ کٹ گئی تھی جس کو اکحل یا اَبجل کہتے ہیں۔ نبی ﷺ نے لوہا گرم کرکے اس کو داغا تھا تاکہ خون بند ہوجائے، مگر اس سے ہاتھ میں ورم ہوگیا، پس انھوں نے دعا کی: "الٰہی! مجھے موت نہ آئے جب تک میری آنکھ بنوقریظہ کے معاملہ میں ٹھنڈی نہ ہوجائے" چنانچہ فوراً خون بند ہوگیا، ایک قطرہ بھی نہیں نکلا یہاں تک کہ بنوقریظہ ان کے فیصلہ پر اتر آئے، پس نبی ﷺ نے ان کو بلوایا، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں کو باقی رکھا جائے، ان سے مسلمان کام لیں، نبی ﷺ نے فرمایا: "آپؓ نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو اللہ کا ہے" بنوقریظہ کی تعداد چار سو تھی جب ان کا قتل نمٹ گیا تو حضرت معاذ کی رگ کھل گئی جس سے ان کا انتقال ہوگیا۔

تشریح: نزاعی معاملات میں پنچایت بٹھانا جائز ہے مگر ضروری ہے کہ پنچ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ کرے، جنگ صفین میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے دو شخصوں کی پنچایت بنائی تھی جس سے خوارج نے اختلاف کیا تھا وہ کہتے تھے: إن الحكم إلا لله: فیصلہ صرف اللہ کا ہے یعنی نزاعی معاملات میں پنچایت بٹھانا جائز نہیں، یہ کہہ کر وہ دونوں جماعتوں سے الگ ہوگئے اور حرورا نامی بستی کو اپنا مرکز بنالیا، چنانچہ وہ حروری کہلائے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان کے ساتھ جنگ ہوئی ہے وہ جنگ ہار گئے اور مارے گئے یا تتر بتر ہو گئے، مگر ان کا آج تک وجود ہے، یمن میں انہی کی حکومت ہے۔

ان کا یہ نظریہ غلط تھا کیونکہ بنو قریظہ کا فیصلہ دونوں فریقوں کی رضامندی سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، پس خوارج نے إن الحکم إلا لله کا جو مطلب سمجھا ہے وہ غلط ہے، اس ارشاد پاک کا مطلب یہ ہے کہ احکام نازل کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں، رہا نزاعی معاملات میں کوئی پنچ بنانا جو احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ کرے: اس آیت کے خلاف نہیں۔

فائدہ: جب حضرت معاذ فیصلہ کے لئے بلائے گئے تو وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے، جب وہ کیمپ کے قریب پہنچے تو نبی ﷺ نے ان کے قبیلے کے لوگوں سے فرمایا: قوموا إلی سیِّدِ کم: اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو، یعنی وہ بیمار ہیں ان کو سہارا دے کر اتارو، کچھ لوگ اس سے قیام تعظیمی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال درست نہیں، یہ استدلال جب ہو سکتا ہے کہ قوموا لسید کم ہو یعنی اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جبکہ حدیث میں لام نہیں ہے بلکہ إلی ہے اور اس کے معنی وہ ہیں جو اوپر بیان کئے گئے۔

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکوں کے شیوخ کو قتل کرو، اور ان کی نئی پود کو باقی رکھو (یہ ایک عام ضابطہ ہے، جنگ میں بچوں کو قتل کرنا ممنوع ہے، بڑے مردوں ہی کو قتل کیا جائے گا اور اس کا مدار لفظ شیخ اور شرخ پر ہے اور اس کی شرح اگلی حدیث میں ہے)

تیسری حدیث: عطیہ قُرظیؓ کہتے ہیں: ہم بنو قریظہ کی جنگ کے موقعہ پر نبی ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے، پس جن کے زیر ناف اُگ آئے تھے ان کو قتل کیا گیا، اور جن کے زیر ناف نہیں اُگے تھے ان کو چھوڑ دیا گیا، میں ان میں تھا جن کے زیر ناف ابھی نہیں اگے تھے، اس لئے مجھے چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: یہ علامت صرف ان بچوں میں دیکھی جائے گی جن کا بالغ ہونا معلوم نہیں، اور جن کا بالغ ہونا یا بچہ ہونا واضح ہو ان میں علامت دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر بچہ کی عمر معلوم نہ ہو اور اسے احتلام ہونا بھی یاد نہ ہو، تو زیر ناف دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا، اگر زیر ناف اگ آئے ہیں تو وہ بالغ ہے ورنہ نابالغ۔

[۲۸-] باب ماجاء في النُّزُوْلِ علی الْحُکْمِ

[۱۵۷۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ: رُمِيَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، فَقَطَعُوْا أَكْحَلَهُ أَوْ: أَبْجَلَهُ، فَحَسَمَهُ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالنَّارِ، فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ، فَتَرَكَهُ، فَنَزَفَهُ الدَّمُ، فَحَسَمَهُ أُخْرَى، فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تُخْرِجْ نَفْسِيْ حَتَّى تُقِرَّعَيْنِيْ مِنْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ، فَاسْتَمْسَكَ عِرْقُهُ، فَمَا قَطَرَ قَطْرَةً، حَتَّى نَزَلُوْا عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ

مُعَاذٍ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَحَكَمَ: أَنْ يُقْتَلَ رِجَالُهُمْ وَتُسْتَحْيَى نِسَائُهُمْ: يَسْتَعِيْنُ بِهِنَّ الْمُسْلِمُوْنَ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَصَبْتَ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ" وَكَانُوْا أَرْبَعَ مِائَةٍ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِهِمِ انْفَتَقَ عِرْقُهُ، فَمَاتَ.

وفي الْبَاب: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۵۷۷-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ الدِّمَشْقِيُّ، حدثنا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ بَشِيْرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بنِ جُنْدَبٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "اقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ" وَالشَّرْخُ: الغِلْمَانُ الَّذِيْنَ لَمْ يُنْبِتُوْا.

هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَرَوَاهُ حَجَّاجُ بنُ أَرْطَاةَ، عَنْ قَتَادَةَ نَحْوَهُ.

[۱۵۷۸-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ، قَالَ: عُرِضْنَا عَلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ قُرَيْظَةَ، فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ، وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيْلُهُ، فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ، فَخُلِّيَ سَبِيْلِيْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُمْ يَرَوْنَ الإِنْبَاتَ بُلُوْغًا، إِنْ لَمْ يُعْرَفِ احْتِلَامُهُ وَلَا سِنُّهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسحاق.

لغات: الشَّيْخ: بڑا آدمی، عمر رسیدہ، یہاں مراد بالغ ہے...... الشَّرْخ: نوجوان، شَرَخَ(ن) الصبيُّ: بچہ کا جوان ہونا، شَرْخُ الشَّباب: نوجوانی، بلوغ سے پہلے کا جوانی سے قریبی زمانہ...... اِنْفَتَقَ: انْفَسَخَ وانْفَتَحَ۔

بابُ ماجاء في الحِلْفِ

باہمی تعاون کا معاہدہ کرنا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''آپ لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں قسمیں کھا کر جو معاہدے کئے ہیں ان کو پورا کرو، کیونکہ اسلام ان کو زیادہ نہیں کرتا مگر شدت میں، یعنی اسلام اس معاہدہ کو پورا کرنے کی تاکید کرتا ہے، ان کو کنڈم نہیں کرتا، مگر اب مسلمان ہونے کے بعد ایسا کوئی معاہدہ نہ کرو''

تشریح: زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کرتے تھے کہ ہم ہر حال میں متحد رہیں گے اور حاجت مندوں کی مدد کریں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ معاہدے پورے کرو یعنی ان پر عمل کرو، کیونکہ اسلام اس قسم کے معاہدوں کی تاکید ہی کرتا ہے، ان کو کالعدم قرار نہیں دیتا، لیکن اب اسلام میں اس قسم کے معاہدوں کی ضرورت

نہیں، کیونکہ اسلام خود ایک مضبوط رشتہ ہے، اب اس کی بنیاد پر تعاون ہونا چاہئے، اور ظلم وزیادتی کی اسلام خود ممانعت کرتا ہے، پس اس کے ازالہ کے لئے کسی تحالف کی ضرورت نہیں۔

[۲۹- باب ماجاء فی الحِلْفِ

[۱۵۷۹-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا حُسَيْنُ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِيْ خُطْبَتِهِ: " أَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَإِنَّهُ لَايَزِيْدُهُ - يَعْنِي الإِسْلَامَ - إِلَّا شِدَّةً، وَلَا تُحْدِثُوْا حِلْفًا فِي الإِسْلَامِ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَجُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ، وَأَبِيْ هريرةَ، وابنِ عَباسٍ، وَقَيْسِ بنِ عَاصِمٍ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: الحِلْف: اسم ہے اور الحَلْف: مصدر ہے جس کے معنی ہیں: قسم کھانا، حلف اٹھانا۔

بابٌ فی أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْمَجُوْسِ

آتش پرستوں سے جزیہ لینا جائز ہے

حدیث: بجالۃ کہتے ہیں: میں جزء بن معاویہ کا سکریٹری تھا، جب وہ مناذر کے گورنر تھے، اس زمانہ میں ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا ہے کہ اپنے علاقے کے مجوسیوں کو دیکھو اور ان سے جزیہ لو، اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مجھے بتایا کہ نبی ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ دوسری روایت میں بجالہ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ مجوس سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اطلاع دی کہ نبی ﷺ نے هَجَر مقام کے مجوسیوں سے جزیہ قبول کیا ہے۔

تشریح: یہود ونصاریٰ سے تو جزیہ لیا جاسکتا ہے یعنی ان کو ان کے مذہب پر برقرار رکھا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا مذہب: اسلام سے قریب ہے، وہ انبیاء کو، آسمانی کتابوں کو، فرشتوں کو اور جنت وجہنم وغیرہ کو مانتے ہیں، مگر آتش پرست اور ہندوؤں وغیرہ سے جزیہ لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی ان کو ان کے مذہب پر برقرار رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان کا مذہب اتنا غلط ہے کہ ان کو اس پر برقرار رکھنا عقل میں نہیں آتا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے، مگر جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ نبی ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ قبول کیا ہے تو آپؓ نے اپنے تمام گورنروں کو حکم بھیجا کہ مجوسیوں سے جزیہ قبول کرو، اور مسئلہ طے ہوگیا کہ ہر مذہب والے سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے، اور اس کو دارالاسلام کا شہری بنایا جاسکتا ہے۔

[۳۰-] بابٌ في أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْمَجُوْسِ

[۱۵۸۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، ثَنَا الْحَجَّاجُ بنُ أَرْطَاةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ بَجَالَةَ بنِ عَبْدَةَ، قَالَ: كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بنِ مُعَاوِيَةَ عَلىٰ مَنَاذِرَ، فَجَاءَ نَا كِتَابُ عُمَرَ: انْظُرْ مَجُوْسَ مَنْ قِبَلَكَ، فَخُذْ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنَّ عَبْدَ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ أَخْبَرَنِيْ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۵۸۱-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ بَجَالَةَ: أَنَّ عُمَرَ كَانَ لَا يَأْخُذُ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ، حَتّٰى أَخْبَرَهُ عَبْدُ الرحمنِ بنُ عَوْفٍ أَنَّ النبيَّ الله صلى الله عليه وسلم أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ، وَفِي الْحديثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: جزء بن معاویہ حضرت احنف بن قیس کے چچا ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اہواز کا گورنر بنایا تھا، اور یہ روایت بخاری (حدیث ۳۱۵۶) میں ہے اس میں یہ بھی مضمون ہے کہ جن مجوسیوں نے محرم عورتوں سے نکاح کیا ہے ان کو جدا کردو۔

بابُ ماجاء مَايَحِلُّ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِمَّةِ؟

ذمیوں کے مال میں سے کیا لینا جائز ہے؟

حدیث: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بعض اوقات ہم کسی قوم پر گذرتے ہیں پس وہ نہ تو ہماری ضیافت کرتے ہیں نہ وہ حق ادا کرتے ہیں جو ہمارا ان پر ہے، اور نہ ہم ان سے زبردستی لیتے ہیں یعنی زبردستی لینا بھی شرعاً جائز نہیں، پس ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ انکار کریں مگر یہ کہ تم زبردستی لو تو زبردستی لو'' یعنی آخری اسٹیج میں زبردستی لینا جائز ہے۔

تشریح: آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں جب کوئی لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا تھا تو وہ رسد ساتھ لے کر چلتا تھا مگر چھوٹا لشکر رسد ساتھ لے کر نہیں چل سکتا تھا، اس لئے اس زمانہ کا دستور تھا کہ چھوٹا لشکر جس گاؤں سے گذرے: گاؤں والے اس کی ایک وقت کی دعوت کریں یا ان کی ضرورت کی چیزیں فروخت کریں۔ یہ طریقہ پہلے سے چلا آرہا تھا، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو غیر مسلموں کو چونکہ مسلمانوں سے بیر تھا اس لئے وہ ان کی دعوت نہیں کرتے تھے، نہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرتے تھے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا تھا، انھوں نے آپؐ سے اس پریشانی کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: اگر وہ تمہیں خوشی سے نہ دیں تو زبردستی لے لو (اور دام ان کو دیدو) اس حدیث

سے یہ بات ثابت ہوئی کہ معروف طریقہ پر ذمیوں سے جو لیا جاتا ہے وہ لینا جائز ہے، جنگی قافلوں کو رسد بیچنا معروف تھا، پس وہ لینا جائز ہے، نہ دیں تو زبردستی کی جاسکتی ہے، البتہ مال سامان کی قیمت ان کو دیدی جائے۔

[۳۱-] باب ماجاء ما يَحِلُّ مِنْ أَمْوالِ أهلِ الذِّمَّةِ؟

[۱۵۸۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِیْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِی الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، قَالَ: قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلاهُمْ يُضَيِّفُوْنَا، وَلاهُمْ يُؤَدُّوْنَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ، وَلَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنْ أَبَوْا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوْا كُرْهًا فَخُذُوْا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِیْ حَبِيْبٍ أَيْضًا.

وَإِنَّمَا مَعْنَى هٰذَا الحديثِ: أَنَّهُمْ كَانُوْا يَخْرُجُوْنَ فِي الْغَزْوِ، فَيَمُرُّوْنَ بِقَوْمٍ، وَلَا يَجِدُوْنَ مِنَ الطَّعَامِ مَا يَشْتَرُوْنَ بِالثَّمَنِ، فَقَالَ النبیُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنْ أَبَوْا أَنْ يَبِيْعُوْا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوْا كُرْهًا فَخُذُوْا" هٰكَذَا رُوِیَ فِیْ بَعْضِ الحديثِ مُفَسَّرًا. وَقَدْ رُوِیَ عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِنَحْوِ هٰذَا.

وضاحت: یہ حدیث متفق علیہ ہے، نسائی کے علاوہ تمام کتب ستہ میں ہے، اور ابوالخیر کا نام مرثد بن عبداللہ یزنی ہے، اور امام ترمذیؒ نے جو فرمایا ہے کہ بعض احادیث میں یہ تفسیر آئی ہے: معلوم نہیں وہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

ترجمہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ غزوہ میں نکلتے تھے پس وہ ایک قوم پر سے گذرتے تھے اور وہ رسد نہیں پاتے تھے جسے قیمت سے خریدیں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اگر وہ بیچنے سے انکار کریں (یہ تفسیر ہے) مگر یہ کہ تم ان سے زبردستی لو تو ان سے زبردستی لے لو، ایک حدیث میں اس طرح تفسیر آئی ہے اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ ایسا ہی حکم دیا کرتے تھے یعنی ذمی رسد نہ بیچیں تو زبردستی ان سے رسد لو اور قیمت دیدو۔

بابُ ماجاء فی الْهِجْرَةِ

ہجرت کا بیان

جس دارالکفر میں رہ کر دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے، رہی یہ بات کہ کہاں جائیں؟ یہ نہیں سوچنا، اللہ تعالیٰ انتظام کرنے والے ہیں: ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِی الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْراً وَّسَعَةً﴾ (النساء آیت ۱۰۰) یعنی جو اللہ کے دین کے لئے اپنا وطن چھوڑ دے گا وہ زمین میں جانے کی بہت جگہ پائے گا اور وسعت، اللہ تعالیٰ اس کا انتظام فرمائیں گے، بس دارالکفر سے نکل کھڑا ہونا شرط ہے، البتہ جس دارالکفر میں دین پر عمل کرنے میں کوئی خاص پریشانی نہ ہو، وہاں دین پر عمل کرنا ممکن ہو جیسے آج کا ہندوستان تو وہاں سے ہجرت ضروری نہیں۔

جب تک مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا وہاں سے ہجرت فرض تھی، کیونکہ مکہ میں رہ کر دین پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا، پھر جب مکہ فتح ہوگیا اور وہ دارالاسلام بن گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: مکہ فتح ہوجانے کے بعد اب مکہ سے ہجرت فرض نہیں، کیونکہ مکہ دارالاسلام بن گیا، اور دارالاسلام سے ہجرت کے کوئی معنی نہیں، البتہ جہاد کے لئے نکلنا اور اس کی نیت باقی ہے یعنی آدمی یہ نیت رکھے کہ جب بھی ضرورت پیش آئے گی جہاد کے لئے نکلونگا، اور جب تمہیں نکلنے کے لئے کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہوؤ یعنی جہاد کے لئے مکہ سے نکلنا تو ٹھیک ہے، البتہ ہجرت کا حکم اب نہیں رہا۔

[۳۲-] باب ماجاء فی الهِجْرَةِ

[۱۵۸۳-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، ثَنَا زِيَادُ بنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا مَنْصُوْرُ بنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ ابنِ عباسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: "لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلٰكِنْ جِهادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا"

وفى الباب: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ حُبْشِيٍّ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ مَنْصُوْرِ بنِ الْمُعْتَمِرِ نَحْوَ هٰذَا.

وضاحت: الفتح میں الف لام عہدی ہے، مراد فتح مکہ ہے...... نَفَرَ (ض) نَفْرًا: وطن چھوڑ کر روئے زمین میں جانا...... اسْتَنْفَرَ الحاكمُ الرعيّة: حاکم کا دشمن سے لڑنے کے لئے رعایا کو حکم دینا۔

بابُ ماجاء فی بَيْعَةِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم

نبی ﷺ سے بیعتِ جہاد کرنے کا بیان

حدیث (۱): سورۃ الفتح (آیت ۱۸) میں ارشاد پاک ہے: "واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا جب انھوں نے نبی ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کی" اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم میدان نہیں چھوڑیں گے، ہم نے موت پر بیعت نہیں کی تھی۔

تشریح: صحابہ نے آنحضور ﷺ سے مختلف بیعتیں کی ہیں ان میں سے ایک بیعت جہاد ہے، جب صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا تو مکہ والوں نے حضرت عثمان کو روک لیا، اور خبر اڑی کہ مکہ والوں نے ان کو شہید کردیا، اس وقت جنگ ناگزیر ہوگئی، پس آپؐ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے بیعت لی کہ کوئی میدان نہیں چھوڑے گا، آخر دم تک لڑے گا، اس بیعت کا ذکر سورۃ الفتح کی مذکورہ آیت میں ہے۔

یہ بیعت صحابہ نے کس بات پر کی تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے بیعت اس بات پر کی تھی کہ

ہم میدان نہیں چھوڑیں گے۔ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے موت پر بیعت کی تھی، حاصل دونوں تعبیروں کا ایک ہے۔ مگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تعبیر بہتر ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ بعض صحابہ نے موت پر بیعت کی تھی اور بعض نے نہ بھاگنے پر، مگر تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں کہ صلح حدیبیہ میں بیعت کرنے والے دو قسم کے تھے، اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ ایک ہی حقیقت کی دو الگ الگ تعبیریں ہیں، اور حضرت جابرؓ کی تعبیر بہتر اس لئے ہے کہ اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، جبکہ حضرت سلمہ کی تعبیر پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پھر تم مرے کیوں نہیں؟ بیعت کی خلاف ورزی کیوں کی؟ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تعبیر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ جنگ پیش نہیں آئی، اگر جنگ ہوتی تو وہ ہرگز نہ بھاگتے۔

حدیث (۲): یزید نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ حضرات نے صلح حدیبیہ میں نبی ﷺ سے کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: ''موت پر''

حدیث (۳): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نبی ﷺ سے سننے اور ماننے پر بیعت کیا کرتے تھے، پس آپ کہلواتے: ''جہاں تک تمہارے بس میں ہو'' یعنی یہ بھی کہلواتے کہ ہم وسعت واستطاعت کے بقدر سنیں گے اور تعمیل حکم کریں گے، یہ اضافہ اس لئے کرواتے تھے کہ اگر مجبوری میں نافرمانی ہوجائے تو بیعت نہ ٹوٹے۔

[۳۳-] باب ماجاء في بَيْعَةِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم

[۱۵۸٤-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ الأُمَوِيُّ، ثَنَا عِيْسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جابرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ: فِيْ قَوْلِهِ تعالى: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ قَالَ جَابِرٌ: بَايَعْنَا رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى أَنْ لَا نَفِرَّ، وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ.

وفي الباب: عَنْ سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعُبَادَةَ، وَجَرِيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ عِيْسَى بنِ يُوْنُسَ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، قَالَ: قَالَ جابرُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ؛ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ أَبُوْ سَلَمَةَ.

[۱۵۸۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ: قُلْتُ لِسَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ: عَلٰى أَيِّ شَيْئٍ بَايَعْتُمْ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ؟ قَالَ: عَلَى الْمَوْتِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۵۸٦-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا نُبَايِعُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فَيَقُوْلُ لَنَا: " فِيْمَا

اسْتَطَعْتُمْ" هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۵۸۷-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: لَمْ نُبَايِعْ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمَوْتِ، إِنَّمَا بَايَعْنَاهُ عَلٰى أَنْ لَّا نَفِرَّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَمَعْنَى كِلَا الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيحٌ، قَدْ بَايَعَهُ قَوْمٌ مِنْ أَصْحَابِهِ عَلَى الْمَوْتِ، وَإِنَّمَا قَالُوْا: لَانَزَالُ بَيْنَ يَدَيْكَ مَالَمْ نُقْتَلْ، وَبَايَعَهُ آخَرُوْنَ فَقَالُوْا: لَانَفِرُّ.

ترجمہ: دونوں ہی حدیثوں کے معنی صحیح ہیں، کچھ صحابہ نے موت پر بیعت کی تھی، انھوں نے کہا تھا: ہم برابر میدان میں آپؐ کے ساتھ رہیں گے جب تک قتل نہ ہوجائیں۔ اور دوسری جماعت نے اس پر بیعت کی تھی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔

بابٌ فى نَكْثِ الْبَيْعَةِ

بیعت توڑنے کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے نہ تو بات کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے امیر المؤمنین سے بیعت کی، پھر اگر اس نے کچھ دیا تو وہ بیعت پر برقرار رہا اور اگر نہیں دیا تو بیعت پر برقرار نہیں رہا۔

تشریح: امیر کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو شخص امیر کی اطاعت کرتا ہے اس نے یقیناً میری اطاعت کی اور جو میرے امیر کی نافرمانی کرتا ہے اس نے یقیناً میری نافرمانی کی“ (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۶۱) اور امیر کی اطاعت اس لئے واجب ہے کہ اس سے ملت کی شان بلند ہوتی ہے، اور وہ مملکت کی تنظیم کرسکتا ہے اور یہ دونوں باتیں نبی ﷺ کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے ہیں، پس گویا خلیفہ: رسول اللہ ﷺ کا نائب اور آپؐ کے معاملہ کو آگے بڑھانے والا ہے، پس رسول اللہ ﷺ کی طرح امام کی اطاعت بھی واجب ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی طرح امام کی نافرمانی بھی حرام ہے۔ البتہ اگر امام کسی گناہ کے کام کا حکم دے تو پھر اطاعت جائز نہیں، کیونکہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت نہیں رہی اور گناہ کی بات میں وہ رسول اللہ ﷺ کا نائب نہیں، نہ وہ اللہ کا حکم ہے پس اس میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث مختصر لکھی ہے، باقی دوشخصوں کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے، بخاری شریف (حدیث ۲۳۵۸ کتاب المساقاۃ) میں مفصل ہے: دوسرا شخص: جس کے پاس سر راہ ضرورت سے زیادہ پانی ہے اور وہ مسافر کو نہیں دیتا، اور تیسرا شخص: وہ ہے جس نے عصر کی نماز کے بعد کسی کو کوئی سامان بیچا اور قسم کھائی کہ وہ اتنے میں لایا ہے، خریدار نے اس کی بات مان کر سامان خرید لیا، حالانکہ وہ اتنے میں نہیں لایا۔

[۳۴-] بابٌ في نكْثِ الْبَيْعَةِ

[۱۵۸۸-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرِيرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " ثَلاثَةٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفَالَهُ، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يَفِ لَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في بَيْعَةِ الْعَبْدِ

غلام کی بیعت کا بیان

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک غلام نے مدینہ آکر آنحضور ﷺ سے ہجرت پر بیعت کی، اور نبی ﷺ کو پتہ نہیں تھا کہ وہ غلام ہے، پھر اس کا آقا آیا اور اس نے غلام کا مطالبہ کیا، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: "آپ یہ غلام مجھے بیچ دیں" پس آپؐ نے اس کو دو کالے (حبشی) غلاموں کے بدل خرید لیا پھر آپؐ کسی کو اس وقت تک بیعت نہیں کرتے تھے جب تک یہ معلوم نہ کر لیتے کہ وہ غلام تو نہیں؟ (یہ حدیث ابواب البیوع (باب ۲۲) میں گذر چکی ہے)

[۳۵-] باب ماجاء في بَيْعَةِ الْعَبْدِ

[۱۵۸۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْهِجْرَةِ، وَلَا يَشْعُرُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ عَبْدٌ، فَجَاءَ سَيِّدُهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "بِعْنِيْهِ" فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ، وَلَمْ يُبَايِعْ أَحَداً بَعْدُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ: " أَعَبْدٌ هُوَ؟"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عباسٍ، حديثُ جابرٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ أَبِي الزُّبَيْرِ.

بابُ ماجاء فی بَیْعَةِ النِّسَاءِ

عورتوں سے بیعت لینے کا بیان

حدیث: حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کئی عورتوں کے ساتھ نبی ﷺ سے بیعت کی، پس آپؐ نے ہم سے کہلوایا: ''جہاں تک تمہاری طاقت ووسعت ہوگی'' یعنی ہم شرائطِ بیعت پر اپنی طاقت ووسعت کے مطابق عمل کریں گی، امیمہؓ کہتی ہیں: میں نے دل میں کہا: اللہ اور اس کے رسول ہم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنے ہم اپنے اوپر مہربان ہیں، پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں بیعت کیجئے، حضرت سفیانؒ کہتے ہیں: ان کی مراد یہ تھی کہ ہم سے مصافحہ کیجئے یعنی جس طرح مردوں کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر بیعت کی جاتی ہے ہمیں بھی اسی طرح بیعت کیجئے، آپؐ نے فرمایا: ''میرا سو عورتوں سے کہلوانا ایک عورت سے کہلوانے کی طرح ہے'' یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، صرف بیعت کے الفاظ کہلواتا ہوں اور ہر عورت سے الگ الفاظ نہیں کہلواتا، سب سے ایک ساتھ کہلواتا ہوں اور سو عورتوں سے ایک ساتھ کہلوانا ہر عورت سے علحدہ کہلوانے کی طرح ہے۔

فائدہ: عورتوں کی بیعت کا ذکر سورۃ الممتحنۃ آیت ۱۲ میں ہے، اور بزرگوں کے یہاں جو طریقہ ہے کہ عورت پس پردہ ہوتی ہے اور عمامہ، چادر یا رومال وغیرہ پکڑا کر بیعت کی جاتی ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر یہ ضروری نہیں، بغیر کوئی چیز پکڑائے بھی عورت سے الفاظ بیعت کہلوائے جاسکتے ہیں، البتہ عورت کا پس پردہ ہونا ضروری ہے، اور پیر جو کچھ کہلوائے عورت اس کو سراً کہے۔

[۳۶-] باب ماجاء فی بَیْعَةِ النِّسَاءِ

[۱۵۹۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ أُمَيْمَةَ بِنْتَ رُقَيْقَةَ تَقُوْلُ: بَايَعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ نِسْوَةٍ، فَقَالَ لَنَا: " فِيْ مَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ" قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِأَنْفُسِنَا! فَقُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! بَايِعْنَا - قَالَ سُفْيَانُ: تَعْنِيْ صَافِحْنَا - فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكُ بنُ أَنَسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ نَحْوَهُ.

بابُ ماجاء فی عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ

اصحاب بدر کی تعداد

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ بدر کے حضرات غزوۂ بدر میں طالوت کے ساتھیوں کی تعداد کے برابر تھے یعنی تین سو تیرہ تھے۔

تشریح: بدری صحابہ کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں، مشہور روایت یہی ہے کہ وہ تین سو تیرہ تھے ——— طبرانی اور بیہقی میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر ساتھیوں کو شمار کرنے کا حکم دیا، جب وہ شمار کئے گئے تو تین سو تیرہ تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: پھر شمار کرو، دوبارہ شمار کر رہے تھے کہ دور سے دبلے اونٹ پر ایک سوار آتا نظر آیا، اس کو شامل کرکے تین سو پندرہ ہوئے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، اور مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے، ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اگر اس آخری شخص کو اور نبی ﷺ کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص کو اور نبی پاک ﷺ کو شمار نہ کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ تھی، اور اس سفر میں چار کم عمر لڑکے بھی ساتھ تھے، حضرت براء، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم، ان کو قتال کی اجازت نہیں تھی اگر ان کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو انیس ہو جاتی ہے، یہ سب تفصیل فتح الباری (۷:۲۲۶) میں ہے۔

[۳۷-] باب ماجاء فی عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ

[۱۵۹۱-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الأَعْلٰی الْكُوفِیُّ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَصْحَابَ بَدْرٍ يَوْمَ بَدْرٍ كَعِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوْتَ: ثَلاَثُمِائَةٍ وَثَلاَثَةَ عَشَرَ.

وفی الباب: عَنِ ابنِ عَباسٍ؛ وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ الثَّوْرِیُّ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ.

بابُ ماجاء فی الْخُمُسِ

خمس (غنیمت کے پانچویں حصہ) کا بیان

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالقیس کے وفد سے فرمایا: ”میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو“ ——— وفد عبدالقیس کا تعلق قبیلہ ربیعہ سے ہے، مُضر

کے کافروں سے ان کی جنگ رہتی تھی، جب یہ وفد مدینہ منورہ آیا تو نبی ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع کیا، اور مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کرنے کا حکم دیا، یہ حدیث بخاری شریف میں گیارہ مرتبہ آئی ہے، پہلی مرتبہ کتاب الإیمان بابٌ: أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الإیمان میں آئی ہے۔

تشریح: جو اموال کفار سے حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں:

ایک: مالِ غنیمت: یہ وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے جنگ وقتال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا: مالِ فَيْ: یہ وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے جنگ کے بغیر حاصل ہوتا ہے، جیسے جزیہ، خراج (مال گذاری) غیر مسلم تاجروں سے لی ہوئی چنگی (ٹیکس) اور وہ مال جو کفار سے مصالحت کے طور پر حاصل ہوتا ہے یا وہ مال جس کو چھوڑ کر کفار بھاگ گئے ہوں۔

مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے اور اس کے پانچ مصرف ہیں جن کا تذکرہ سورۃ الانفال آیت ۴۱ میں آیا ہے، ارشاد پاک ہے: ”اور یہ بات جان لو کہ جو چیز کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو: اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے، اور اس کے رسول کے لئے، اور رسول کے رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے“

تفصیل: مصارفِ خمس میں کائنات کے خالق ومالک کا تذکرہ بطور توطئہ ہے، باقی مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) غنیمت میں جو حصہ رسول اللہ ﷺ کا تھا: آپ اپنی حیات مبارکہ میں اس میں سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خرچ نکالتے تھے، آپؐ کی وفات کے بعد یہ حصہ مصالحِ مسلمین میں خرچ کیا جانے لگا، اور جو کام زیادہ اہم ہوتے تھے ان میں پہلے خرچ کیا جاتا تھا، پھر دوسرے کاموں میں۔

(۲) اور آپؐ کے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو دیا جاتا ہے خواہ وہ غریب ہوں یا مالدار، اور خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور ان میں جو مقروض ہوتا تھا یا شادی کرنا چاہتا تھا یا حاجت مند تھا اس کی اعانت پہلے کی جاتی تھی۔

(۳) اور یتیموں کا حصہ: ایسے بچوں پر خرچ کیا جاتا ہے جو غریب ہوں اور ان کا باپ وفات پا چکا ہو۔

(۴و۵) اور غریبوں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ: انہیں پر خرچ کیا جاتا تھا، اور مسافر سے مراد: وہ ہے جو وطن سے دور ہو اور اس کو مال کی شدید حاجت پیش آ گئی ہو۔

فائدہ (۱): خمس کے مذکورہ مصارف میں سے کس مصرف پر کتنا خرچ کیا جائے گا؟ یہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے وہ خوب غور کر کے طے کرے کہ زیادہ اہم کون ہے؟ اور کس مصرف میں کتنا خرچ کرنا ہے؟ اور کس شخص کو کتنا دینا ہے؟

فائدہ (۲): حنفیہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کی ذات کا خرچ نہیں رہا، اور آپؐ کے رشتہ داروں کا حصہ نصرت قدیم کی بناء پر تھا اس لئے وہ بھی نہیں رہا، البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس

میں حضور ﷺ کے قرابت دار، مساکین واہل حاجت کو مقدم رکھا جائے گا (فوائد عثمانی)

[۳۸-] باب ماجاء فی الخُمُسِ

[۱۵۹۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبَّادُ بنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيُّ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ ابنِ عَباسٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ: "آمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ" وفی الحدیثِ قِصَّةٌ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابنِ عباسٍ نَحْوَهُ.

وضاحت: قصة یعنی اس حدیث میں لمبا مضمون ہے، جو ہم نے مختصر طور پر بیان کر دیا ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ النُّهْبَةِ

مال غنیمت لوٹنا جائز نہیں

حدیث (۱): حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک (جہاد کے) سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، پس کچھ جلد باز قسم کے لوگ آگے بڑھے اور انھوں نے مال غنیمت میں سے لینے میں جلدی کی، اور اس کو پکانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ سب سے پیچھے تھے، جب آپ ان کی ہانڈیوں پر سے گذرے تو آپؐ نے ان کو الٹ دینے کا حکم دیا، پس وہ ہانڈیاں الٹ دی گئیں، پھر آپؐ نے باقاعدہ غنیمت تقسیم کی اور ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

تشریح: مال غنیمت میں اگرچہ تمام مجاہدین کا حق ہے مگر تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ لینا یا اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، جیسے مطبخ کے کھانے میں تمام طلبہ کا حق ہے مگر وہ کھانا باقاعدہ تقسیم ہوگا، طلبہ از خود اس میں سے نہیں لے سکتے، اسی طرح مال غنیمت بھی باقاعدہ تقسیم کیا جائے گا، تقسیم سے پہلے اس میں سے کسی بھی چیز سے انتفاع جائز نہیں، البتہ گھاس چارہ اور اس جیسی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لوٹ مچائے یعنی مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے وہ ہم میں سے نہیں''

[۳۹-] باب ماجاء فی کراهية النُّهْبَةِ

[۱۵۹۳-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بنِ رِفَاعَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ، فَتَقَدَّمَ سَرَعَانُ النَّاسِ، فَتَعَجَّلُوْا مِنَ الْغَنَائِمِ، فَأَطْبَخُوْا ورسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ أُخْرَى النَّاسِ، فَمَرَّ

بِالْقُدُوْرِ، فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمْ، فَعَدَلَ بَعِيْراً بِعَشْرِ شِيَاهٍ.

وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبَايَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وَلَمْ يُذْكَرْ فِيْهِ: عَنْ أَبِيْهِ، حدثنا بِذٰلِكَ مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، وَهٰذَا أَصَحُّ، وَعَبَايَةُ بنُ رِفَاعَةَ سَمِعَ مِنْ جَدِّهِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ.

وفي الباب: عَنْ ثَعْلَبَةَ بنِ الْحَكَمِ، وَأَنَسٍ، وَأَبِيْ رَيْحَانَةَ، وأَبِيْ الدَّرْدَاءِ وَعَبْدِ الرحمنِ بنِ سَمُرَةَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِيْ هُرَيرةَ، وَأَبِيْ أَيُّوْبَ.

[١٥٩٤-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حديثِ أَنَسٍ.

نوٹ: پہلی حدیث کی سند میں جو بحث ہے ایسی ہی بحث پہلے گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

بابُ ماجاء في التَّسْلِيْمِ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اور جب تمہارا ان میں سے کسی سے راستہ میں آمنا سامنا ہو تو اس کو تنگ راستہ کی طرف چلنے پر مجبور کرو یعنی خود نہ ہٹو، اس کو دائیں بائیں ہٹنے پر مجبور کرو۔

تشریح: مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں جو یہودی آباد تھے وہ مسلمانوں کو سلام کیا کرتے تھے، مگر وہ یہ حرکت کرتے تھے کہ السلام علیکم کے بجائے السَّامُ علیکم کہتے تھے، جس کے معنی ہیں: تم مرو، جب نبی ﷺ کو ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: یہود السام علیکم کہتے ہیں، پس تم جواب میں علیکم کہو، یعنی ہم نہیں تم مرو، چنانچہ یہودیوں نے یہ حرکت چھوڑ دی۔

اور اس حدیث میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو دو حکم اور بھی دیئے ہیں: ایک: ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے، دوسرا: جب آمنا سامنا ہو تو ان کو دائیں بائیں ہٹنے پر مجبور کیا جائے، یہ دونوں حکم آپؐ نے مسلمانوں کے احساس کمتری کو ختم کرنے کے لئے دیئے تھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جو یہودی آباد تھے وہ مذہب، سیاست، تعلیم، کاروبار اور مال و دولت میں مشرکین سے آگے تھے، اور مشرکین ان کو اپنے سے برتر سمجھتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین مسلمان ہو گئے

مگر اصلی یہود عام طور پر مسلمان نہیں ہوئے، صرف وہ عرب جو یہودی بن گئے تھے مسلمان ہوئے، ان مسلمانوں کے دلوں میں پہلے سے یہودیوں کی عظمت جاگزیں تھی وہ اب بھی یہودیوں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اس احساس کمتری کو ختم کرنے کے لئے نبی ﷺ نے مذکورہ دونوں حکم دیئے ہیں، پس یہ وقتی احکام تھے، اور ان کی سیاسی مصلحت تھی، اب اہل کتاب کو ابتداءً سلام بھی کر سکتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دے سکتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی راستہ سے ہٹ سکتا ہے۔

فائدہ: ہندو کو سلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ عام طور پر علماء کی رائے یہ ہے کہ عام سلام جیسے آداب، تسلیمات، اور انگریزی سلام گڈ مارننگ وغیرہ کرنے میں اور جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اسلامی سلام کرنا جائز نہیں، نیز ہندوانہ سلام (رام رام، نمشکار) کرنا یا جواب دینا بھی جائز نہیں کیونکہ مذہبی معاملات اہل مذہب کے ساتھ خاص رہنے چاہئیں۔

[۴۰-] باب ماجاء في التَّسْلِيْمِ على أَهْلِ الْكِتَابِ

[۱۵۹۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا تَبْدَأُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُ إِلَى أَضْيَقِهِ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وأَنَسٍ، وأَبِيْ بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ صَاحِبِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَمَعْنَى هٰذَا الحديثِ: "لَا تَبْدَأُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى": قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّمَا مَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ: لِأَنَّهُ يَكُوْنُ تَعْظِيْمًا لَهُمْ، وَإِنَّمَا أُمِرَ الْمُسْلِمُوْنَ بِتَذْلِيْلِهِمْ، وَكَذٰلِكَ إِذَا لَقِيَ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيْقِ، فَلَا يَتْرُكِ الطَّرِيْقَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِيْهِ تَعْظِيْمًا لَهُمْ.

[۱۵۹۶-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ الْيَهُوْدَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدُهُمْ، فَإِنَّمَا يَقُوْلُ: السَّامُ عَلَيْكَ، فَقُلْ: عَلَيْكَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: حدیث لاتبدأوا الیہود والنصاری: کے معنی ہیں: بعض اہل علم نے کہا: ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ سلام میں پہل کرنے میں ان کی تعظیم ہے اور مسلمانوں کو ان کی تذلیل کا حکم دیا گیا ہے اور اسی طرح جب مسلمان ان میں سے کسی سے راستہ میں ملے تو اس کے لئے راستہ نہ چھوڑے اس لئے کہ اس میں ان کی تعظیم ہے (یہ وجہ غور

طلب ہے قرآن وحدیث میں کہیں غیر مسلم شہریوں کو ذلیل کرنے کا حکم نہیں، ایسی صورت میں کوئی غیر مسلم کسی اسلامی ملک کا شہری بن کر نہیں رہ سکتا، اصل وجہ وہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے احساس کمتری کو ختم کرنے کی ایک تدبیر تھی اور یہ ایک وقتی حکم تھا واللہ اعلم)

بابُ ماجاء فِيْ كَرَاهِيَةِ الْمُقَامِ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ

مشرکین کے درمیان بودوباش اختیار کرنا

جنگی حالات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو الگ الگ بسنا چاہئے، ملی جلی آبادی ٹھیک نہیں، تاکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کرنا آسان ہو اور فسادات پر قابو پایا جاسکے، ہندوستان میں جہاں ملی جلی آبادیاں ہیں وہاں جب فساد ہوتا ہے تو اگر ہندوؤں کے محلّہ میں دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں تو وہ مارے جاتے ہیں، اسی طرح اگر مسلمانوں کا محلّہ ہے اور دو چار گھر ہندوؤں کے ہیں تو ان کی شامت آجاتی ہے، اور پولیس کے لئے کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اگر محلے الگ الگ ہوں تو کنٹرول کرنا آسان ہوگا، درمیان میں پولیس آکر کھڑی ہوجائے گی اور اِدھر کے لوگوں کو اُدھر اور اُدھر کے لوگوں کو اِدھر نہیں آنے دے گی، تو دونوں محلے والے اطمینان سے رہیں گے۔

دنیا میں ایک نظریہ کالے گورے کا بھی ہے، گوروں کا محلّہ الگ ہوتا ہے اور کالوں کا الگ بلکہ کلرڈ یعنی گندمی رنگ کے لوگوں کا محلّہ بھی الگ ہوتا ہے، اسلام اس کا قائل نہیں، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، خواہ کالے ہوں یا گورے یا کلرڈ، رنگوں کی وجہ سے تفریق کا اسلام روادار نہیں، البتہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے محلے کافروں سے الگ ہونے چاہئیں ان کو کافروں کے درمیان نہیں رہنا چاہئے تاکہ بوقت ضرورت امتیاز کیا جاسکے۔

حدیث: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ خثعم کی طرف ایک سریہ بھیجا وہاں جنگ ہوئی، کچھ لوگوں نے سجدوں کے ذریعہ اپنا بچاؤ کیا یعنی سجدے کرکے یہ بتایا کہ ہم مسلمان ہیں مگر صحابہ ان کا اشارہ سمجھ نہ سکے، انھیں بھی قتل کردیا، جب یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے ان کی آدھی دیت ادا کی، اور اعلان فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے، یعنی آئندہ اگر مسلمانوں کا لشکر کفار کی بستی پر حملہ کرے گا اور وہاں کوئی مسلمان ہوگا اور مارا جائے گا تو میں اس کی دیت ادا نہیں کروں گا، کیونکہ وہ خود اپنے قتل کا ذمہ دار ہے، صحابہ نے عرض کیا: ایسا کیوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''دونوں کی آگ ایک ساتھ نظر نہیں آنی چاہئے'' یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے گھروں میں اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ رات میں دور سے بھی ایک دوسرے میں امتیاز کیا جاسکے، مسلمانوں کا مشرکوں کے درمیان اس طرح رہنا کہ امتیاز نہ ہوسکے درست نہیں، اگر کوئی اس طرح رہے گا پھر بے خبری میں مارا جائے گا تو اس کا خون رائگاں جائے گا۔

حدیث (۲): حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین کے ساتھ مت بسو، اوران کے ساتھ اکٹھا مت ہوؤ (دونوں جملوں کا ایک مطلب ہے) جو شخص ان کے ساتھ بسے گا یا ان کے ساتھ جمع ہوگا وہ ان کے مانند ہے!'' یعنی اگر وہ کفار کے ساتھ مارا گیا تو اس کی کوئی دیت نہیں۔

تشریح: حضرت سمرۃ کی یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۲۷۸۷ فی آخر کتاب الجهاد) میں، اور مستدرک حاکم (۱۴۱:۲) میں ہے۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ جامع المشركَ وَسَكَنَ مَعه فإنه مثله: یعنی جو شخص مشرک کے ساتھ اکٹھا ہوگا، اور اس کے ساتھ بود و باش اختیار کرے گا وہ اسی جیسا ہے، یہ حدیث باب معاشرت سے بھی ہوسکتی ہے، ایک ساتھ رہنے سہنے سے معاشرتی اثرات پڑتے ہیں، پس غیر مسلموں کے درمیان رہنے سے ان کی معاشرت کے اثرات ہمارے بچوں پر پڑیں گے، اور ہمارا اسلامی معاشرہ متأثر ہوگا، اور مسلمانوں کی سوسائٹی میں رہے گا تو خود بخود بچے اسلامی اقدار پر پروان چڑھیں گے، اور خود بھی اعمال اسلامی کا پابند رہے گا۔

[٤١-] باب ماجاء في كَرَاهيةِ الْمُقَامِ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ

[١٥٩٧-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ جَرِيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ سَرِيَّةً إِلٰى خَثْعَمَ، فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُوْدِ، فَأَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلَ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ، وَقَالَ: " أَنَا بَرِئٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ" قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! وَلِمَ؟ قَالَ " لَا تَرَاءَ ى نَارَاهُمَا"

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ حَازِمٍ مِثْلَ حديثِ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ جرِيْرٍ، وَهٰذَا أَصَحُّ.

وفي الباب: عَنْ سَمُرَةَ، وَأَكْثَرُ أَصْحَابِ إِسْمَاعِيْلَ قَالُوْا: عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ حَازِمٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ سَرِيَّةً، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ: عَنْ جرِيْرٍ.

وَرَوَى حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنِ الْحَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيْرٍ مِثْلَ حديثِ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ، وَسَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: الصَّحِيْحُ حَدِيثُ قَيْسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلٌ.

[١٥٩٨-] وَرَوَى سَمُرَةُ بنُ جُنْدُبٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَا تُسَاكِنُوْا الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تُجَامِعُوْهُمْ، فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ"

وضاحت: پہلی حدیث: اصح یہ ہے کہ مرسل ہے، آخر میں حضرت جریرؓ کا تذکرہ نہیں، اس کو صرف ابومعاویہ

موصول کرتے ہیں، عبدۃ وغیرہ اکثر اسماعیل کے شاگرد اس کو مرسل کرتے ہیں، البتہ حجاج بن ارطاۃ ابومعاویہ کی طرح موصول کرتے ہیں، مگر وہ ضعیف راوی ہیں، اس لئے ان کی متابعت کا اعتبار نہیں۔

بابُ ماجاءَ فی إِخْرَاجِ الْیَهُوْدِ وَالنَّصارَی مَنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرِبِ

جزیرۃ العرب سے یہود ونصاری کو نکالنے کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ضرور یہود ونصاری کو جزیرالعرب سے نکال دوں گا، پس میں جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کے علاوہ کسی کو نہیں رہنے دوں گا'' اور دوسری حدیث میں ہے: ''اگر مشیتِ الٰہی سے میری حیات رہی تو میں ضرور یہود ونصاری کو جزیرۃ العرب سے باہر کردوں گا''

تشریح: ملک کے شہری کو ملک بدر کرنا جائز نہیں، اور یہود ونصاری اس وقت اسلامی مملکت کے شہری تھے، اور اسلامی حکومت صرف جزیرۃ العرب کی حد تک تھی، مگر جب دوسرے علاقے اسلامی قلم رو میں آئیں گے تو ان کو جزیرۃ العرب سے نکال کر باہر بسایا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی حکومت کی حدود میں وسعت ہوئی تو آپ نے ان کو جزیرۃ العرب سے باہر اذرعات میں بسایا، اپنی حکومت سے نہیں نکالا، اور جزیرۃ العرب کو ان سے خالی کرنے کی وجہ کتاب الزکوۃ (باب۱۱) میں گذر چکی ہے۔

[۴۲-] باب ماجاء فی إخراج الیهودِ والنصاریَ مِنْ جَزِیْرَۃِ العربِ

[۱۵۹۹-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِیِّ الْخَلَّالُ، ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالاَ: نَا ابنُ جُرَیْجٍ، ثَنَا أَبُوْ الزُّبَیْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بنَ عَبْدِ اللّٰهِ، یَقُوْلُ: أَخْبَرَنِیْ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، یَقُوْلُ: " لَأُخْرِجَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارَی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ، فَلاَ أَتْرُكُ فِیْهَا إِلَّا مُسْلِمًا" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۱۶۰۰-] حدثنا مُوْسَی بنُ عَبْدِ الرحمنِ الْكِنْدِیُّ، ثَنَازَیْدُ بنُ حُبَابٍ، ثَنَا سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ، عَنْ أَبِیْ الزُّبَیْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: " لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَأُخْرِجَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارَی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرِبِ"

بابُ ماجاء فِی تَرِكَۃِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم

نبی ﷺ کی میراث کا بیان

تَرِكَۃ: ر کے زیر کے ساتھ ہے، اردو میں ر کے سکون کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ یہ باب امام ترمذی رحمہ اللہ أبواب

السیر میں اللہ جانے کیوں لائے ہیں؟ نبی ﷺ کی میراث کا اسلام کے حربی نظام سے کچھ تعلق نہیں، شاید یہ باب یہاں اس لئے لائے ہیں کہ ہر خلیفہ کا جب انتقال ہوتا ہے تو اس کا ترکہ اس کے وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے، مگر اس ضابطہ سے حضرات انبیاء مستثنیٰ ہیں، ان کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ امت پر وقف (صدقہ) ہوتا ہے، اور یہی حکم خلیفہ کے ہاتھ میں جو سرکاری املاک ہیں: ان کا ہے، وہ بھی ملک کی ہیں، خلیفہ کے ورثاء کی نہیں۔

حدیث (۱): حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور ان سے پوچھا: جب آپ کا انتقال ہوگا تو آپ کا وارث کون ہوگا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میرے گھر والے اور میری اولاد میری وارث ہوگی، حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: پھر میں اپنے ابا کی وارث کیوں نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ ہم انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے یعنی ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا (لانُوْرَث: بکسر الراء اور بفتح الراء دونوں طرح پڑھا گیا ہے، مگر صحیح راء کے زبر کے ساتھ ہے) البتہ حضور اقدس ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں جن کی کفالت کرتے تھے میں بھی آپؐ کے متروکات کی آمدنی سے ان کی کفالت کروں گا (اور بچی ہوئی آمدنی آپ جہاں خرچ کرتے تھے میں بھی وہاں خرچ کروں گا)

تشریح: یہ مسئلہ اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک اجماعی ہے، شیعہ اس میں اختلاف کرتے ہیں بلکہ شیعوں کے مذہب کی بنیاد جن چند مسائل پر ہے ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ وغیرہ کو میراث نہ دے کر ان کا حق مارا، اور اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک تمام انبیاء کے متروکات امت پر صدقہ ہوتے ہیں اور وجوہ خیر میں خرچ کئے جاتے ہیں، ورثاء کے درمیان میراث کے طور پر تقسیم نہیں کئے جاتے۔

حدیث (۲): مالک بن اوسؒ کہتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تھوڑی دیر بعد حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم پہنچ گئے، پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اپنا مقدمہ لے کر آئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا: میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں! کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے" سب نے کہا: ہاں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: پس جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی املاک کا متولی ہوں، پس آپ (حضرت عباسؓ) اور یہ (حضرت علیؓ) حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، آپ بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کررہے تھے اور یہ بیوی کی میراث کا (آنحضور ﷺ کے ذوی الفروض میں ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہؓ تھیں، اس لئے حضرت عباس کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے میراث ملتی تھی) حضرت ابوبکرؓ نے میراث دینے سے انکار کیا اور نبی ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور اللہ جانتا ہے ابوبکرؓ سچے، نیک،

ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے۔

تشریح: یہ ایک طویل حدیث ہے جو آپ نے بخاری شریف (حدیث ۳۰۹۴) میں پڑھی ہوگی، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی جائدادوں کے متولی تا حیات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رہے، آپؓ جائداد کی آمدنی ازواج مطہرات پر اور آل رسول پر خرچ کرتے تھے، اور جو بچ جاتی اس کو وجوہِ خیر میں خرچ کرتے تھے، پھر حضرت عمرؓ متولی بنے، ان کے زمانے میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے یہ درخواست کی کہ نبی ﷺ کی جائداد کا متولی ہمیں بنادیا جائے، حضرت عمرؓ نے ان کو تولیت سپرد کردی، اور شرط لگائی کہ آمدنی جس طرح حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خرچ کرتے تھے اسی طرح کریں، مگران میں نباہ نہ ہوا تو وہ پلان کے تحت آئے اور مذکورہ چار اکابر کو سفارش کے لئے پہلے بھیجا، پھر خود اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم چاہتے ہیں کہ جائداد کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے اور ایک حصہ کا حضرت علیؓ کو اور دوسرے حصے کا حضرت عباسؓ کو متولی بنادیا جائے، ان چاروں صحابہ نے اس کی تائید کی اور سفارش کی، مگر حضرت عمرؓ نے اس کو قبول نہ کیا، ان کو یہ منظور نہیں تھا کہ نبی ﷺ کی جائداد پر تقسیم کا لفظ بولا جائے، کیونکہ آج تولیت تقسیم ہوگی تو کل میراث تقسیم ہوگی، اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر آپ دونوں متفق ہوکر متولی رہ سکتے ہو تو رہو، ورنہ میں نظم خود سنبھال لوں گا، چنانچہ وہ سب اٹھ کر چلے گئے اور تولیت مشترک طور پر باقی رہی، پھر اس جائداد کا کیا ہوا؟ معلوم نہیں کیا ہوا؟ آج وہ محفوظ نہیں، سب خرد برد ہوگئی۔

[۴۳-] باب ماجاء فی تَرِكَةِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

[۱۶۰۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰی، ثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هريرةَ قَالَ: جَاءَ تْ فَاطِمَةُ إِلٰی أَبِیْ بَكْرٍ، فَقَالَتْ: مَنْ يَرِثُكَ؟ قَالَ: أَهْلِیْ وَوَلَدِیْ، قَالَتْ: فَمَا لِیْ لَا أَرِثُ أَبِیْ؟ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَا نُوْرَثُ" وَلٰكِنْ أَعُوْلُ مَنْ كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم يَعُوْلُهُ، وأُنْفِقُ عَلٰی مَنْ كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم يُنْفِقُ عَلَيْهِ.

وفی الباب: عَنْ عُمَرَ، وَطَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرِ، وَعَبْدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، وَسَعْدٍ، وَعَائِشَةَ، حديثُ أَبِیْ هريرةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، إِنَّمَا أَسْنَدَهُ حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، وَعَبْدُ الْوَهَّابِ بنُ عَطَاءٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هريرةَ، وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم.

[۱۶۰۲-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِیٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا بِشْرُ بنُ عُمَرَ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَوْسِ بنِ الْحَدَثَانِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، وَدَخَلَ عَلَيْهِ عُثْمَانُ

بنُ عُفَّانَ، وَالزُّبَيْرُ بنُ الْعَوَّامِ، وَعَبْدُ الرحمنِ بنُ عَوْفٍ، وَسَعْدُ بنُ أَبِى وَقَّاصٍ، ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ، فَقَالَ عُمَرُ لَهُمْ: أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِى بِإِذْنِهِ تَقُوْمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ! أَتَعْلَمُوْنَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَا نُوْرَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ؟" قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ عُمَرُ: فَلَمَّا تُوُفِّيَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: أَنَا وَلِيُّ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَجِئْتَ أَنْتَ وَهٰذَا إِلٰى أَبِى بَكْرٍ، تَطْلُبُ أَنْتَ مِيْرَاثَكَ مِنَ ابنِ أَخِيْكَ، وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيْرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيْهَا، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَانُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ صَادِقٌ، بَارٌّ، رَاشِدٌ، تَابِعٌ لِلْحَقِّ!"

وَفِى الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ.

نوٹ: قصہ طویلہ یعنی لمبا مضمون بخاری شریف میں مروی ہے اسی کو ہم نے تقریر میں بیان کیا ہے۔

بابُ ماجاء: قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: " إِنَّ هٰذِهِ لَا تُغْزَى بَعْدَ الْيَوْمِ!"

فتح مکہ کے دن آپؐ نے فرمایا: ''آئندہ اس پر فوج کشی نہیں ہوگی''

حدیث: حضرت حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ''آج کے بعد قیامت تک اس شہر پر فوج کشی نہیں ہوگی''

تشریح: مکہ مکرمہ ان شاء اللہ قیامت تک مسلمانوں کی تحویل میں رہے گا، اب دوبارہ کافروں کا اس پر تسلط نہیں ہوگا، جو بھی فوج کشی کرے گا نامراد ہوگا، حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب ایک شخص مکہ پر فوج کشی کرے گا مگر اس کا سارا لشکر زمین میں دھنس جائے گا (بخاری کتاب الحج باب ۴۹) غرض اب مکہ کبھی کافروں کے قبضہ میں اس طرح نہیں جائے گا کہ اس کو چھڑانے کے لئے باقاعدہ جنگ لڑنی پڑے، ہاں قیامت کے بالکل قریب چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ شریف کو ڈھائے گا پھر وہ کبھی آباد نہ ہوگا۔

فائدہ: بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں اللہ کے مقدس گھر ہیں اور دونوں تقریباً ساتھ ساتھ بنے ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ بیت المقدس کے لئے ہمیشہ کشت وخون ہوتا رہا ہے اور ہورہا ہے اور اس کو بار بار فتح کرنا پڑتا ہے، وہ بار بار مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے اور لوٹ آتا ہے، اور مکہ امن وامان کی جگہ ہے ﴿مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا﴾ وہ قیامت تک مسلمانوں کی تحویل میں رہے گا، اس پر کبھی کافروں کا قبضہ نہیں ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کے فاتح خود حضور اقدس ﷺ ہیں اور بیت المقدس کو صحابہ نے فتح کیا ہے، اور جس طرح استاذ اور شاگرد کے علوم میں تفاوت ہوتا ہے، ان کے کارناموں میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

[٤٤-] باب ماجاء: قال النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ:
"إِنَّ هذه لا تُغْزَى بَعْدَ الْيَوْمِ!"

[١٦٠٣-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا زَكَرِيَّا بنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ بنِ مَالِكِ بنِ بَرْصَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ يَقُوْلُ: "لَا تُغْزَى هٰذِهِ بَعْدَ الْيَوْمِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ!"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَباسٍ، وَسُلَيْمَانَ بنِ صُرَدَ، وَمُطِيْعٍ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهُوَ حديثُ زَكَرِيَّا بنِ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ: لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِهِ.

بابُ ماجاء في السَّاعَةِ الَّتِيْ يُسْتَحَبُّ فِيْهَا الْقِتَالُ

کن اوقات میں قتال مستحب ہے؟

دن میں جبکہ پوری طرح زمین روشن ہوچکی ہو، موسم سازگار ہو اور فضا خوشگوار ہو ایسے وقت میں قتال کرنا چاہئے، مگر یہ بات اس وقت ہے جبکہ قتال شروع کرنا اختیار میں ہو اور اگر دشمن حملہ کردے تو وہ جب بھی حملہ کرے گا جواب دینا پڑے گا، ہاں جب ہم جنگ شروع کرنے میں مختار ہوں تو ان باتوں کا لحاظ کرنا چاہئے۔

حدیث: نعمان بن مقرّن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ کیا ہے، آپؐ صبح صادق کے بعد فوراً جنگ شروع نہیں کرتے تھے بلکہ سورج نکلنے تک رکے رہتے تھے، پھر جب سورج نکل آتا اور زمین خوب روشن ہوجاتی تو قتال شروع کرتے، پھر نصف النہار پر قتال موقوف کردیتے، پھر زوال کے بعد نماز اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر عصر تک قتال کرتے، پھر جنگ روک کر عصر ادا فرماتے، پھر جنگ کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت مددالٰہی کی ہوا چلتی ہے یعنی موسم خوشگوار ہوجاتا ہے اور مؤمنین اس وقت نمازوں میں مجاہدین کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث منقطع ہے، قتادہ کا حضرت نعمانؓ سے لقاء وسماع نہیں، مگر یہ حدیث سند متصل کے ساتھ بھی مروی ہے جو بعد میں آرہی ہے، وہ طویل حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت نعمان بن مقرنؓ نے فرمایا: میں جنگوں میں نبی ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، اگر آپؐ کسی وجہ سے سورج نکلنے کے بعد جنگ شروع نہ کرسکتے اور دیر ہوجاتی تو آپ رکے رہتے یہاں تک کہ زوال ہوجاتا اور ہوائیں چلنے لگتیں اور مدد آپہنچتی، یعنی موسم خوشگوار ہوجاتا، عرب میں دوپہر میں ہوا بالکل بند ہوجاتی ہے اور گرمی سخت ہوجاتی ہے پھر ایک وقت کے بعد سمندر کی جانب سے

ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے اور موسم خوشگوار ہوجاتا ہے اور گرمی کی شدت ٹوٹ جاتی ہے، ایسے وقت میں آپ قتال شروع فرماتے تھے۔

[٤٥-] باب ماجاء فی السَّاعة التی يُستَحَبُّ فيها القتالُ

[١٦٠٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعاذُ بنُ هِشَامٍ، قَالَ: ثَنِی أَبِیْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ مُقَرِّنٍ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم، فَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ، فَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ، فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ، ثُمَّ أَمْسَكَ حَتَّى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ، وَكَانَ يُقَالُ: عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ، وَيَدْعُوْ الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلَوَاتِهِمْ.

وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا الحديثُ عَنِ النُّعْمَانِ بنِ مُقَرِّنٍ بِإِسْنَادٍ أَوْصَلَ مِنْ هٰذَا، وَقَتَادَةُ لَمْ يُدْرِكِ النُّعْمَانَ بنَ مُقَرِّنٍ، مَاتَ النُّعْمَانُ فِيْ خِلَافَةِ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ.

[١٦٠٥-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَفَّانُ بنُ مُسْلِمٍ، وَالْحَجَّاجُ بنُ مِنْهَالٍ، قَالَا: ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، ثَنَا أَبُوْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ مَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ: أَنَّ عُمَرَ بنَ الْخَطَّابِ بَعَثَ النُّعْمَانَ بنَ مُقَرِّنٍ إِلَى الْهُرْمُزَانِ، فَذَكَرَ الحديثَ بِطُوْلِهِ، فَقَالَ النُّعْمَانُ بنُ مُقَرِّنٍ: شَهِدْتُ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ، وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ، وَيَنْزِلَ النَّصْرُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَعَلْقَمَةُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ: هُوَ أَخُوْ بَكْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ.

بابُ ماجاء فی الطِّيَرَةِ

نیک فالی اور بدفالی کا بیان

طِیَرَة: کے معنی ہیں: شگون، خواہ اچھا ہو یا برا۔ پھر نبی ﷺ نے اس کو برے شگون کے ساتھ خاص کردیا اور اچھے شگون کے لئے لفظ فال استعمال کیا، آگے حدیث آرہی ہے کہ عدویٰ اور طیرہ کچھ نہیں اور میں فال کو پسند کرتا ہوں، صحابہ نے پوچھا: فال کیا ہے؟ یہ پوچھنا اس لئے پڑا کہ آپؐ نے یہ نیا لفظ استعمال کیا تھا۔

شریعت نے بدفالی کی ممانعت کی ہے اور نیک فال کی اجازت دی ہے کیونکہ بدفالی سے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں، آدمی اُدھیڑبُن میں لگ جاتا ہے کہ میرا کام ہوگا یا نہیں؟ اور کبھی بدشگونی سے اللہ کے انکار کی

بھی نوبت آجاتی ہے، جب بار بار برا فال نکلتا ہے تو آدمی اللہ تعالیٰ سے بدظن ہوجاتا ہے اور اس کی توجہ اللہ تعالیٰ سے بالکل ہی ہٹ جاتی ہے اور نیک فال میں یہ سب خرابیاں نہیں، بلکہ آدمی پُر امید ہوجاتا ہے اور اللہ سے لو لگا لیتا ہے اس لئے اس کی اجازت ہے، پھر اگر امید پوری نہ بھی ہوئی تو کچھ حرج نہیں، اللہ کا فیصلہ!

حدیث (۱): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بدشگونی ہندوانہ چیز ہے'' یعنی پرندوں کی آواز، ان کی پرواز، لوگوں کی باتوں اور دیگر چیزوں سے بدشگونی لینا ہندوانہ طریقہ ہے، اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، پھر آگے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اور ہم میں سے کوئی نہیں (جس کے دل میں ایسا خیال نہ آتا ہو) مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اس کو زائل کردیتے ہیں یعنی چونکہ مسلمان کا اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اس لئے وہ توہمات دل سے نکل جاتے ہیں۔

تشریح: جو شخص عرصہ تک مشرک رہا ہو، پھر وہ مسلمان ہوجائے تو مسلمان ہوتے ہی مشرکانہ تصورات دماغ سے نکل نہیں جاتے، رفتہ رفتہ نکلتے ہیں، صحابہ بھی چونکہ شرک سے نکل کر آئے تھے اس لئے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ہم میں سے ہر شخص کے دل میں بدشگونی آتی ہے مگر توکل (اللہ پر اعتماد) کی برکت سے وہ زائل ہوجاتی ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عدوی اور طیرہ کوئی چیز نہیں اور میں فال کو پسند کرتا ہوں'' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! فال کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اچھی بات'' یعنی کوئی اچھی بات سن کر پُر امید ہوجانا مثلاً کوئی شخص کسی کام کے لئے گھر سے نکلا اس نے سنا: کوئی شخص کسی کو پکار رہا ہے: اُوراشد! (راہ یاب) اس نے اس سے اچھا شگون لیا کہ ان شاء اللہ کامیابی ہوگی، شریعت اس کو پسند کرتی ہے۔

واقعہ: جب میں یہاں (دارالعلوم دیوبند میں) مدرس ہوکر آیا تو مجھے پہلے سال میں جو کتابیں ملیں ان میں مسلم الثبوت بھی تھی، میں نے اپنے کرم فرما حکیم سعد رشید اجمیری صاحب رحمہ اللہ کو کتابیں لکھیں تو ان کا جواب آیا: آپ کی حیثیت دارالعلوم میں مسلم الثبوت ہوگئی، یہ نیک فال تھا اس کو اسلام پسند کرتا ہے کیونکہ اس سے اللہ پر اعتماد بڑھتا ہے۔

عدوی کے معنی: عدوی کے معنی ہیں: چھوت چھات، مرض کا تعدیہ، ایک کی بیماری دوسرے کو لگنا، اسلام اس کو نہیں مانتا، البتہ درجہ سبب میں اس کو تسلیم کرتا ہے، ذاتی تاثیر نہیں مانتا، حدیث میں ہے کہ کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط منجملہ اسباب مرض ہے، لہٰذا اس درجہ میں مریض کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہئے، مگر یہ عقیدہ کہ بعض بیماریاں بذاتِ خود دوسرے کو لگ جاتی ہیں: غلط ہے، یہ بات عقیدۂ توحید کے منافی ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس حدیث میں جاہلیت کے اس عقیدے کی نفی فرمائی ہے۔

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کو یہ پسند تھا: جب آپؐ سفر وغیرہ کے لئے نکلتے

کہ سنیں: یاراشد، یا نجیح ـــــ راشد: رُشد سے ہے اس کے معنی ہیں ہدایت پانے والا۔ اور نجیح: نجاح سے ہے، اس کے معنی ہیں کامیاب۔ نبی ﷺ ان کلمات سے اچھا شگون لیتے تھے۔

[٤٦-] باب ماجاء فی الطِّيَرَةِ

[١٦٠٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عِيْسَى بنِ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ" وَمَا مِنَّا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ.

قَالَ أَبُوْ عيسى: سَمِعْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ: كَانَ سُلَيْمَانُ بنُ حَرْبٍ يَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الحديثِ: "وَمَا مِنَّا وٰلكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ" قَالَ سُلَيْمَانُ: هٰذَا عَنْدِيْ قَوْلُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ.

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وأَبِيْ هُريرةَ، وَحَابِسٍ التَّمِيْمِيِّ، وَعَائِشَةَ، وابنِ عُمَرَ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، وَرَوَى شُعْبَةُ أَيْضًا عَنْ سَلَمَةَ هٰذَا الحديثَ.

[١٦٠٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَاعَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَأُحِبُّ الْفَأْلَ" قَالُوْا: يارسولَ اللّٰهِ! وَمَا الْفَأْلُ؟ قَالَ: "الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٦٠٨-] حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَنْ يَسْمَعَ: يَارَاشِدُ يَانَجِيْحُ، هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء فی وَصِيَّةِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْقِتَالِ

جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

حدیث (۱): حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر پر امیر مقرر فرماتے تھے تو اس کو خاص طور پر اللہ سے ڈرنے کی اور جو مسلمان اس کے ماتحت ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرماتے تھے، پھر عام ہدایات دیتے تھے کہ جہاد کرو، اللہ کا نام لے کر، اللہ کے راستے میں، جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں ان سے جنگ کرو اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرو، اور دشمن سے کئے ہوئے عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہ کرو، اور دشمن کی لاشوں کو نہ بگاڑو، اور کسی بچے کو قتل نہ کرو (یہاں تک حدیث پہلے گذر چکی ہے) پھر جب

تمہاری ملاقات لشکرِ کفار سے ہو تو انہیں تین باتوں میں سے ایک بات کی دعوت دو، ان میں سے جو بھی بات وہ قبول کرلیں تم بھی قبول کرلو، اور جنگ کرنے سے رک جاؤ، ان کو اسلام کی دعوت دو (وہ یہ دعوت قبول کرلیں تو) انہیں ان کے وطن سے مہاجرین کے وطن (دارالاسلام) کی طرف منتقل ہونے کی دعوت دو، ان کو بتلاؤ کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کے لئے وہ حقوق ہونگے جو مہاجرین کے لئے ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہونگی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ اس بات سے انکار کریں کہ وہ وہاں سے منتقل ہوں تو ان کو بتلاؤ کہ وہ صحرا نشیں مسلمانوں کی طرح ہونگے، اور ان پر اللہ کا وہ حکم جاری ہوگا جو مؤمنین پر جاری ہوتا ہے اور ان کو غنیمت اور فئی میں سے کچھ نہیں ملے گا، مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں [پس اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ مانگو، پس اگر وہ تمہاری بات قبول کرلیں تو ان سے جزیہ قبول کرلو، اور ان سے باز آجاؤ] (کھڑی دو قوسوں کے درمیان ترجمہ اس اضافہ کا ہے جو مسلم شریف میں ہے) پس اگر وہ انکار کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور جنگ شروع کرو ـــــــ اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو پس وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری دو تو تم ان کو اللہ ورسول کی ذمہ داری مت دینا، بلکہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ذمہ داری دینا، کیونکہ اگر تم اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ذمہ داری میں خلل ڈالوگے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں خلل ڈالنے سے بہتر ہوگا (یعنی اگر خدانخواستہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگئی تو اگر تم نے اللہ ورسول کی ذمہ داری دی ہے تو اللہ ورسول کی بے حرمتی ہوگی، اور اگر تم نے اپنی ذمہ داری دی ہے تو تمہاری بے حرمتی ہوگی، اور تمہاری بے توقیری: اللہ ورسول کی بے حرمتی کی بہ نسبت ہلکا گناہ ہے) اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتارو تو ایسا مت کرنا، بلکہ ان کو اپنے فیصلہ پر اتارنا، یعنی ان سے یہ کہنا کہ ہم تمہارے بارے میں جو فیصلہ کریں وہ منظور ہو تو اتر آؤ، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا فیصلہ ان کے بارے میں کیا ہے؟ اس لئے ان کو اللہ کے فیصلے پر مت اتارو، اپنے فیصلہ پر اتارو۔

تشریح: جنگ شروع کرنے سے پہلے کفار کو ترتیب وار تین باتوں کی دعوت دی جائے:

اول: یہ دعوت دی جائے کہ وہ اسلام قبول کرلیں، پھر دارالاسلام میں آجائیں، اور مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کریں، اس صورت میں ان کو مجاہدین کی طرح مالِ غنیمت اور مالِ فئی میں حصہ ملے گا، اور اگر وہ ہجرت کے لئے تیار نہ ہوں اپنے ہی وطن میں رہنا پسند کریں تو اسلامی احکام: نماز، روزہ وغیرہ ان پر لازم ہونگے اور مالِ غنیمت اور مالِ فئی میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر وہ جنگ میں شریک ہوں تو حصہ ملے گا۔

دوم: اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو دعوت دی جائے کہ وہ اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کرلیں، اور جزیہ دینا منظور کرلیں، مگر ان کو بتایا جائے کہ یہ بات ان کے لئے اچھی نہیں ہوگی ان کے حق میں بہتر پہلی بات ہے (اس حدیث میں یہ دوسری بات نہیں ہے، مسلم شریف میں ہے اور یہی حدیث ابواحمد زبیری کی سند

سے بعد میں آرہی ہے اس میں بھی یہ بات ہے، اور کیا جزیرۃ العرب کے مشرکین سے جزیہ قبول کیا جائے گا یا نہیں؟ اور جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اور جزیہ کے معنی کیا ہیں؟ اور غیر مسلمین سے جزیہ کیوں لیا جاتا ہے؟ یہ سب باتیں تفصیل سے کتاب الزکاۃ (باب ۱۱) میں گذر چکی ہے)

سوم: اگر کفار یہ دونوں باتیں قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے۔

ملحوظہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسلام مع ہجرت و جہاد کو پہلی بات اور اسلام بدوں ہجرت و جہاد کو دوسری بات اور جزیہ کو تیسری بات قرار دیا ہے، مگر شارحین عام طور پر تیسری بات: جنگ کو قرار دیتے ہیں اور دوسری بات کو پہلی بات کا تتمہ قرار دیتے ہیں۔ اور جزیہ کا بیان اس حدیث میں نہیں ہے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حملہ نہیں کرتے تھے مگر فجر کی نماز کے وقت یعنی فجر کی نماز پڑھ کر حملہ کرتے تھے، رات میں حملہ نہیں کرتے تھے، اور اگر آپؐ فجر کی اذان سنتے تو نماز کے بعد بھی حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو موقع دیتے کہ وہ بستی سے ہٹ جائیں، اور اگر اذان نہیں سنتے تھے تو نماز کے بعد حملہ کردیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ نے اذان سننے کے لئے کان لگائے تو آپؐ نے ایک شخص کو سنا وہ اللہ اکبر اللہ اکبر پکار رہا ہے، آپؐ نے فرمایا: یہ فطرت کی آواز ہے، پھر اس نے أشهد أن لا إله إلا الله پکارا تو آپؐ نے فرمایا: ''تو آگ سے نجات پا گیا!''

[۴۷-] باب ماجاء في وَصِيَّةِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْقِتَالِ

[۱۶۰۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا بَعَثَ أَمِيْراً عَلَى جَيْشٍ، أَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْراً، قَالَ: "اغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ، وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، وَلَا تَغُلُّوْا، وَلَا تَغْدِرُوْا، وَلَا تُمَثِّلُوْا، وَلَاتَقْتُلُوْا وَلِيْدًا"

" فَإِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: فَادْعُهُمْ إِلَى إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ: خِلَالٍ، أَيَّتَهَا أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ: ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ وَالتَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ: فَإِنَّ لَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ، وَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ، يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ مَا يَجْرِيْ عَلَى الأَعْرَابِ، لَيْسَ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْئٌ، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوْا، فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ"

" وَإِذَا حَاصَرْتَ حِصْنًا فَأَرَادُوْكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ، فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ

وَلَاذِمَّةَ نَبِيِّهِ، وَاجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَمَ أَصْحَابِكَ، فَإِنَّكُمْ إِنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهِ"

" وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوْكَ أَنْ تُنْزِلُوْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ، فَلَا تُنْزِلُوْهُمْ، وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ أَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ أَمْ لَا" أَوْ نَحْوَ ذَا.

وفي الباب: عَنِ النُّعْمَانِ بنِ مُقَرِّنٍ، وحديثُ بُرَيْدَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱٦۱۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ مَرْثَدٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَزَادَ فِيْهِ:" فَإِنْ أَبَوْا فَخُذْ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ"

هٰكَذَا رَوَاهُ وَكِيْعٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُفْيَانَ، وَرَوَى غَيْرُ مُحمدِ بنِ بَشَّارٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ مَهْدِيٍّ، وَذَكَرَ فِيْهِ أَمْرَ الْجِزْيَةِ.

[۱٦۱۱-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَفَّانُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، ثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم لَايُغِيْرُ إِلَّا عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ، وَإِلَّا أَغَارَ، وَاسْتَمَعَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ:" عَلَى الْفِطْرَةِ" فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، قَالَ:" خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ" قَالَ الْحَسَنُ: وَثَنَا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: پہلی حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی کے تلمیذ محمد بن بشار کی سند سے ہے، اس میں جزیہ کا مضمون نہیں ہے، مگر مسلم شریف (حدیث ۱۷۳۱) میں ان کے ایک دوسرے تلمیذ عبداللہ بن ہاشم کی سند سے یہ حدیث ہے، اس میں ہے: فإن هم أبَوْا فَسَلْهُمُ الجزيةَ، فإن هم أجابوك فَاقْبَلْ مِنْهم، وكُفَّ عنهم، نیز سفیان ثوری کے دوسرے تین شاگرد: وکیع، یحیٰ بن آدم اور ابواحمد زبیری بھی جزیہ والا مضمون روایت کرتے ہیں، پہلے دو شاگردوں کی روایت مسلم شریف میں ہے اور ابواحمد کی روایت کتاب میں ہے۔

ترجمہ: اسی طرح یعنی ابواحمد کی طرح وکیع نے اور متعدد روات نے سفیان ثوری سے حدیث روایت کی ہے، اور محمد بن بشار کے علاوہ دیگر تلامذہ نے ابن مہدی سے حدیث روایت کی ہے اور اس میں جزیہ کا معاملہ ذکر کیا ہے۔

﴿الحمدللہ! ابواب السیر کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ فضائل الجهاد

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

بابُ فَضْلِ الْجِهَادِ

جہاد کی فضیلت

جہاد: قرآن وحدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: دین کی حفاظت اور سربلندی کے لئے دشمنانِ اسلام سے لڑنا۔ جَاهَدَ العَدوَّ مُجَاهَدَةً وَجِهَادًا کے معنی ہیں: دشمن سے لڑنا۔ اور جاهَد فی الأمر کے معنی ہیں: کسی کام میں پوری طاقت لگانا، پوری کشش کرنا، اسی سے مجاہدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے، کہیں صرف جہاد اور مجاہدہ آیا ہے کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ملایا ہے اور کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے، اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے، پس جہاں لفظ مجاہدہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد فی اللہ آیا ہے یا فِیْنا آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں، مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ ''دین'' محذوف مانتے ہیں، جیسے ﴿جَاهِدُوْا فِيْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ یعنی اللہ کے دین کے لئے پوری طاقت خرچ کرو، اور ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں: ہم ان کو اپنی راہیں سجھاتے ہیں، یہ آیاتِ پاک دین کی ہر محنت کے لئے عام ہیں، کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں، لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاہدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے جیسے مصارف زکوۃ کے بیان میں اور انفاق کی فضیلت میں تو ان سب جگہوں میں خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں، سورۃ التوبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں: شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی قدس سرہ نے اور ان کی اتباع میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ''لڑنا'' ترجمہ کیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں جو أبواب الجہاد اور أبواب فضائل الجهاد آئے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ آپ غور سے یہ ابواب پڑھیں

فی سبیل اللہ کی ساری روایات یہاں لائی گئی ہیں معلوم ہوا کہ یہ خاص اصطلاح ہے اور جہاد کے معنی میں ہے۔

لیکن تبلیغ والوں نے ان آیات کو عام کر دیا ہے، اور عام نہیں کیا بلکہ اپنے کام کے ساتھ خاص کر دیا ہے، وہ تبلیغ ہی کو جہاد کہتے ہیں، دوسرے دینی کاموں کو مثلاً درس وتدریس اور تصنیف وتالیف وغیرہ کو جہاد نہیں کہتے، بلکہ ان کے عوام تو ان کو دینی کام بھی تصور نہیں کرتے، اور جب انھوں نے دعوت وتبلیغ کو جہاد قرار دے دیا تو جہاد کے فضائل میں جو آیات پاک اور احادیث شریفہ آئی ہیں ان کو دھڑلّے سے اپنے کام پر منطبق کرتے ہیں، یہ سلسلہ جو تبلیغ والوں نے شروع کیا ہے: صحیح نہیں، پہلے ابواب البیوع کے شروع میں میں بتا چکا ہوں کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے، اور جب قرآن وحدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے، البتہ بعض کاموں کو جہاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، ان کے لئے یہ الحاق ہی فضیلت ہے، جیسے حدیث ہے: **من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع** اس میں نبی ﷺ نے طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، یہ الحاق ہی طالب علم کی فضیلت ہے، اسی طرح دعوت وتبلیغ کے کام کا فی سبیل اللہ کے ساتھ الحاق کیا جاسکتا ہے، اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہوگی۔ قرآن وحدیث میں فضائل جہاد کی جو آیتیں اور حدیثیں ہیں وہ سب فضیلتیں نہ طالب علم پر منطبق کی جاسکتی ہیں، نہ تبلیغ والوں پر۔ یہ خاص بات یاد رکھنی چاہئے۔

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! جہاد کے ہم پلّہ کونسا عمل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ عمل تمہارے بس کا نہیں، یہی بات دو یا تین مرتبہ پوچھی گئی، آپؐ نے ہر بار یہی فرمایا کہ وہ عمل تمہارے بس کا نہیں۔ تیسری مرتبہ میں فرمایا: راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا حال اس روزہ دار نفل نمازیں پڑھنے والے کی طرح ہے جو نہ نماز سے سست پڑے نہ روزے سے، یہاں تک کہ مجاہد واپس آجائے، یعنی ایک آدمی جہاد کے لئے نکلا، دوسرا نماز روزے میں لگا اور وہ اس مجاہد کے لوٹنے تک مسلسل روزے رکھتا رہا اور نوافل پڑھتا رہا، ایک لمحہ کے لئے بھی عبادت موقوف نہیں کی، یہ عبادت گذار مجاہد کی طرح ہے، مگر ظاہر ہے یہ عمل بہت دشوار ہے، اس لئے فرمایا کہ وہ عمل تمہارے بس کا نہیں۔

تشریح: اس حدیث میں تشبیہ مقلوبی ہے اس لئے کہ سائل نے ایسا عمل دریافت کیا ہے جو جہاد کے برابر ہے، پس اس عمل کو مشبہ اور جہاد کو مشبہ بہ بنانا چاہئے تھا مگر حدیث میں مجاہد کو مشبہ اور صائم وقائم کو مشبہ بہ بنایا گیا ہے اور اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مشبہ بہ کا اوضح ہونا ضروری ہے یعنی ضروری ہے کہ وہ مشبہ سے زیادہ واضح ہو، مگر مجاہد کا حال زیادہ واضح نہیں تھا اگرچہ اس کی برتری لوگ جانتے ہیں، مگر اجمالاً جانتے ہیں، تفصیلاً نہیں جانتے، اور صائم وقائم کی برتری لوگ خوب جانتے ہیں، ایسے شخص کو برتر و بزرگ تسلیم کرتے ہیں اس لئے فرمایا کہ مجاہد جب حکم شرع کے مطابق جہاد کرتا ہے تو وہ اس عبادت گذار کی طرح ہو جاتا ہے یعنی اس کا

ہرلمحہ اور ہر سانس عبادت بن جاتا ہے، حدیث میں ہے: اس کا سونا اور جاگنا سب باعث اجر ہوتا ہے (مشکوۃ حدیث ۳۸۴۶) جیسے معتکف سوتا بھی ہے تو عبادت میں ہوتا ہے مگر مجاہد کا یہ حال خاص لوگ ہی جانتے ہیں، اس لئے نبی ﷺ نے مجاہد کو صائم وقائم کے ساتھ تشبیہ دی تا کہ سوال کا جواب بھی معلوم ہوجائے اور خود مجاہد کا حال بھی معلوم ہوجائے (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۳۸۴)

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (یہ حدیث قدسی ہے اس لئے راوی نے یقول اللہ بڑھایا ہے) میرے راستہ میں جہاد کرنے والا میری گارنٹی میں ہے، اگر میں اس کی روح قبض کرتا ہوں یعنی وہ شہید ہوتا ہے تو میں اس کو جنت کا وارث بناتا ہوں، اور اگر میں اس کو گھر لوٹاتا ہوں تو ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ لوٹاتا ہوں (أو مانعۃ الخلو کا ہے یعنی مجاہد ثواب یا مال غنیمت سے خالی نہیں رہتا، اور دونوں جمع ہوجائیں تو اس میں کوئی استبعاد نہیں)

أبواب فضائل الجهاد

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] بابُ فَضْلِ الْجِهَادِ

[۱۶۱۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرِيرةَ، قَالَ: قِيْلَ: يارسولَ اللّٰهِ! مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ؟ قَالَ: " إِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَهُ" فَرَدُّوْا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَو ثلاثًا، كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ: " لَاتَسْتَطِيْعُوْنَهُ" فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ: " مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَثَلُ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الَّذِيْ لَا يَفْتُرُ مِنْ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ، حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

وفي الباب: عَنِ الشِّفَاءِ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ حُبْشِيٍّ، وأَبِيْ مُوْسَى، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَأُمِّ مَالِكٍ البَهْزِيَّةِ، وَأَنَسِ بنِ مَالِكٍ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هريرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۶۱۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بَزِيْعٍ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمان، ثَنِي مَرْزُوْقٌ أَبُوْ بَكْرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ. قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، يَعْنِيْ يَقُوْلُ اللّٰهُ: "الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِيْ هُوَ عَلَيَّ ضَمَانٌ: إِنْ قَبَضْتُهُ أَوْرَثْتُهُ الْجَنَّةَ، وَإِنْ رَجَعْتُهُ رَجَعْتُهُ بِأَجْرٍ أَوْ غَنِيْمَةٍ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ صحيحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

لغت: فَتَرَ (ن) فُتُوراً: چستی کے بعد سست پڑ جانا...... رَجَعَ فلاناً عن الشيئ وإليه: واپس لانا، لوٹانا، سورۃ التوبہ میں ہے: ﴿فَإِن رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائیں (آیت ۸۳) یعنی رَجَعَ: لازم اور متعدی دونوں ہے، لوٹنا اور لوٹانا دونوں معنی ہوتے ہیں، حدیث میں متعدی ہے۔

وضاحت: یعنی یقول الله: اس لئے بڑھایا ہے کہ یہ حدیث قدسی ہے، مگر احادیث قدسیہ کا جو معروف انداز ہے اس انداز پر یہ حدیث نہیں ہے، اسی طرح بخاری کی حدیث (نمبر ۳۶) بھی حدیث قدسی ہے، مگر وہ بھی معروف انداز پر نہیں ہے...... هُوَ عَلَيَّ ضَمَانٌ: مصری نسخہ میں هو علیّ ضامن ہے، اور ضامن بمعنی مضمون ہے، یعنی میری گارنٹی میں ہے، ترغیب وترہیب میں اور فتح الباری میں ترمذی سے ضَامِنٌ نقل کیا ہے۔

بابُ ماجاءِ فی فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا

سرحد کا پہرہ دیتے ہوئے موت آنے کی فضیلت

مُرَابَطَة: اور رِبَاط کے معنی ہیں: سرحد پر مقیم ہونا، پہرہ دینا، جس طرح اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے، دفع ظلم اور رفع فتنہ کے لئے جہاد ضروری ہے، اسی طرح ملک کی حفاظت کے لئے سرحد کا پہرہ دینا بھی ضروری ہے اور پہلے زمانہ میں تنخواہ دار فوج نہیں ہوتی تھی، لوگ رضا کارانہ جہاد کرتے تھے اسی طرح سرحد پر پہرہ بھی رضا کارانہ دیتے تھے، اور سرحد کا پہرہ دینا اس اعتبار سے آسان ہے کہ وہاں کچھ کرنا نہیں، بس پڑا رہنا ہے، اگر اتفاق سے دشمن حملہ آور ہو تو مقابلہ کرنا ہوتا ہے، ورنہ کوئی کام نہیں۔ مگر ایک اور اعتبار سے یہ سخت عمل ہے، ایک طویل عرصہ تک بیوی بچوں سے جدا رہنا پڑتا ہے اور کاروبار چھوٹ جاتا ہے، اور ملتا کچھ نہیں، اس اعتبار سے یہ کام نہایت مشکل ہے، جہاد چند دن کا عمل ہے اور اس میں مالی منفعت بھی ہے اس اعتبار سے وہ آسان ہے، مگر اس میں جان ہتھیلی پر رکھ کر گھر سے نکلنا ہوتا ہے اس اعتبار سے یہ نہایت مشکل کام ہے، اس لئے جس طرح جہاد کے فضائل آئے ہیں، سرحد پر پہرہ دینے کے بھی فضائل آئے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر میت کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے مگر جو شخص راہ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے مرتا ہے اس کے لئے اس کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا ہے اور وہ قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے، فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی بات: پہرہ دینے والے کا عمل اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: اور پہلے حدیث گذری ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، علاوہ تین عملوں کے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ

اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے، یعنی ان عملوں کا ثواب جاری رہتا ہے عمل جاری نہیں رہتا اور سرحد پر پہرہ دینے والے کا عمل ہی جاری رہتا ہے، اور عمل کے جاری رہنے میں اور عمل کے ثواب کے جاری رہنے میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔

دوسری بات: سرحد پر پہرہ دینے والا قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ منکر نکیر کی طرف سے آزمائش اس منافق پر آتی ہے جس کا دل اسلام پر مطمئن نہیں، اور وہ دین اسلام کی نصرت کے لئے آمادہ نہیں۔ اور سرحد کا پہرہ دینے والا اگر شرائط وآداب کے مطابق پہرہ دے تو اس سے بڑھ کر دین کی تصدیق کرنے والا کوئی نہیں، نہ اس سے بڑا کوئی دین کا مددگار ہوسکتا ہے اس لئے منکر نکیر اس کو پریشان نہیں کرتے، وہ بندہ ان کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے۔

دوسری حدیث: **المجاهدُ مَنْ جَاهَدَ نفسَه:** یہ ایک مستقل حدیث ہے جس کو حضرت فضالہؓ نے اس حدیث کے ساتھ بیان کیا ہے، اور دونوں حدیثوں میں ارتباط یہ ہے کہ سرحد کا پہرہ دینے کے لئے اور جہاد میں نکلنے کے لئے نفس سے ٹکر لینی ضروری ہے، اس کے بغیر جہاد کرنا اور سرحد پر پہرہ دینا ممکن نہیں، کیونکہ یہ دونوں عمل نہایت شاق ہیں، ایک میں جان کا خطرہ ہے اور دوسرے میں لمبے عرصہ تک بیوی بچوں سے دور رہنا ہوتا ہے، اور کاروبار چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے طرح طرح کے وساوس دل میں آتے ہیں، پس یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو پہلے نفس کے ساتھ جہاد کرے، نفس سے لڑے بغیر جہاد میں نکلنا اور سرحد کا پہرہ دینا ممکن نہیں۔

فائدہ: یہاں بین السطور میں لکھا ہے: **هذا هو الجهاد الأكبر:** یعنی نفس سے ٹکر لینا ہی بڑا جہاد ہے، یہ ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہے، آنحضور ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی میں جب مدینہ قریب آیا تو یہ ارشاد فرمایا، اس حدیث کا مطلب عام طور پر صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جب آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے، اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے تو آپؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے اور تبوک تک گئے جو جزیرۃ العرب کی سرحد پر ہے اور وہاں بیس دن قیام کیا، مگر کوئی مقابلہ کے لئے نہیں آیا تو آپ ظفرمند واپس لوٹے، آگے بڑھنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جب مدینہ منورہ قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا: **رَجَعْنَا من الجهاد الأصغرِ إلى الجهاد الأكبر** (**أى ذاهباً إلى الجهاد الأكبر**) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ آئے، اب بڑے جہاد کی تیاری کرنی ہے، اس حدیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ تیر وتفنگ کی لڑائی تو لڑ چکے اور یہ چھوٹا جہاد تھا، اب دل سے لڑنا ہے یعنی خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ہے اور یہ بڑا جہاد ہے۔ دعوت وتبلیغ والے بھی یہی کہتے ہیں کہ تبلیغ کے لئے نکلنا بڑا جہاد ہے، یہ مطلب صحیح نہیں۔

حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو کہ رومی ہمارا مقابلہ نہیں کرسکے، ہم زبردست ہیں، ہم سے کوئی

ٹکر نہیں لے سکتا، یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں، لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے غافل نہیں ہو جانا۔

یہ معرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے، مسلمانوں کی رومیوں سے ہولناک جنگیں ہوئیں، اس حدیث میں اسی کی پیشین گوئی ہے، پس اس حدیث کو خانقاہی نظام سے جوڑنا یا دعوت وتبلیغ کے کام کو اس کا مصداق بتانا شاید خلافِ واقعہ ہے۔

یہ حدیث رَجَعْنَا اور رَجَعْتُمْ: دونوں لفظوں سے مروی ہے، اور ضعیف ہے، بیہقی نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کو احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے، اور خطیب کی تاریخ بغداد میں اس کے الفاظ یہ ہیں: قَدِمَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَزَاةٍ، فقال عليه الصلاة والسلام: قَدِمْتُمْ من خَيْرِ مَقْدَمٍ، وَقَدِمْتُمْ مِن الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر: نبی ﷺ ایک جہاد سے مراجعت فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا: آپ حضرات کا مدینہ لوٹنا مبارک! آپ حضرات چھوٹے معرکے سے بڑے معرکے کی طرف لوٹے ہیں۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا: جہاد اکبر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دل سے ٹکر لینا اور خطیب کی روایت میں ہے: مجاهدةُ العبد هواه: خواہش سے ٹکر لینا، مگر عجلونی نے کشف الخفاء (۱:۵۱۲) میں لکھا ہے: والمشهورُ على الألْسِنَةِ: رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر، دون باقيه: یعنی زبان زد روایت بس اتنی ہی ہے کہ ہم چھوٹے معرکہ سے لوٹ آئے، بڑے معرکے کی طرف (جاتے ہوئے) باقی الفاظ معروف نہیں یعنی یہ تفسیر بعد میں کسی نے بڑھائی ہے۔

غرض باب کی حدیث کو جو بین السطور میں اس حدیث سے جوڑا ہے: وہ صحیح نہیں، باب کی حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ سرحد کا پہرہ دینا اور جہاد کے لئے نکلنا نہایت شاق عمل ہے، ان اعمال کے لئے پہلے نفس سے ٹکر لینا ضروری ہے، جو شخص نفس سے مقابلہ کرے گا وہی یہ کام انجام دے گا، پس حقیقی، اصلی اور کامل جہاد نفس سے مقابلہ کرنا ہے، باقی اعمال اسی پر متفرع ہیں۔

[۲-] باب ماجاء فى فضل مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا

[۱۶۱۴-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا حَيْوَةُ بنُ شُرَيْحٍ، قَالَ أَخْبَرَنِى أَبُوْ هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ، أَنَّ عَمْرَو بنَ مَالِكٍ الْجَنْبِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سمِعَ فَضَالَةَ بنَ عُبَيْدٍ، يُحَدِّثُ عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: " كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلى عَمَلِهِ، إِلَّا الَّذِىْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ يُنْمىٰ لَهُ عَمَلُهُ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ". وَسَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله

عليه وسلم يقول: "المُجاهدُ مَن جاهَدَ نفسَهُ"
وفي الباب: عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَجَابِرٍ، حديثُ فَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: خَتَمَه وعليه: مہر لگانا...... مُرَابِطًا: رَابَطَ مُرَابَطَةً: سے اسم فاعل: سرحد کا پہرہ دینے والا...... نَمَى الشيئ يَنْمِي: حیثیت بڑھانا، بلند کرنا۔

بابُ ماجاء في فَضْلِ الصَّوْمِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت

مؤمن کی زندگی پیہم (مسلسل) عمل ہے، اس کی زندگی میں فترت یعنی سستی کا زمانہ نہیں آتا، آگے حدیث آرہی ہے کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل الحالُّ الْمُرْتَحِل ہے یعنی وہ مسافر جو منزل پر اترتے ہی آگے سفر شروع کردے یعنی اپنے کام کو کسی مرحلہ پر پہنچا کر موقوف نہ کردے بلکہ ایک عمل سے فارغ ہوکر دوسرا عمل شروع کردے۔

اسی طرح مؤمن کی زندگی مجموعۂ اعمال ہے، وہ ایک وقت میں ایک ہی عمل نہیں کرتا بلکہ ایسے کئی اعمال ایک ساتھ کرتا ہے جو ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں، مثلاً تاجر کاروبار کرتا ہے اور کسان ہل چلاتا ہے تو ساتھ ہی زبان سے ذکر بھی کرتا ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ یعنی ایسے بندے جن کو خرید وفروخت اور کاروبار اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتا۔

اور جہاد کا سفر خود ایک عبادت ہے مگر اس کے ساتھ اور عبادتیں بھی جمع ہوسکتی ہیں اور ایسی عبادتیں دو ہیں: اللہ کا ذکر اور روزہ، حدیثوں میں ہے کہ نبی ﷺ جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے یا اترتے تھے تو اللہ کا ذکر کرتے تھے اور صحابہ بھی جہاد کے سفر میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلتے تھے، ایک موقع پر صحابہ زور سے ذکر کررہے تھے نبی ﷺ نے فرمایا: اربَعو علی أنفسکم: اپنے اوپر نرمی کرو، تم کسی غائب کو نہیں پکارتے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ لشکر جُمدان پہاڑی سے گذرا تو آپؐ نے فرمایا: یہ جمدان آگیا اور مفرّدین (تنہا ہونے والے) آگے نکل گئے، صحابہ نے پوچھا: مفردین کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد وزن، یعنی جہاد کے سفر میں جو ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتا ہے وہ دوسرے مجاہدین سے آگے نکل جاتا ہے۔

دوسرا عمل جو جہاد کے سفر کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے وہ روزہ ہے، باب میں تین روایتیں جہاد کے سفر میں روزے کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، تینوں روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد اگر روزہ بھی رکھے تو وہ جہنم سے بہت دور کردیا جاتا ہے۔

اور سفر جہاد میں روزے کی اس فضیلت کے علاوہ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے اور خواہش کو

دبا تا ہے اور مجاہد کو کبھی عرصہ تک بیوی سے علحدہ رہنا پڑتا ہے، پس ایسی صورت میں سفر جہاد میں روزے کی خاص اہمیت ہے، ورنہ فوج علاقہ فتح کرنے کے بعد جونا کردنی حرکتیں کرتی ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے، عورتوں کے ساتھ زنا کے واقعات بکثرت فوجیوں میں پائے جاتے ہیں، مگر صحابہ کی زندگی اس سے پاک تھی ان کا زمانہ سوسال کا ہے انھوں نے بے شمار جنگیں لڑی ہیں اور ممالک فتح کیے ہیں، مگر مفتوح قوم کی عورتوں کے ساتھ زنا کا کوئی واقعہ تاریخ نے ریکارڈ نہیں کیا، یہ روزے ہی کی برکت تھی، روزہ شہوانی گناہوں سے بچاتا ہے اور ایسا شخص جہنم سے کوسوں دور کردیا جاتا ہے۔

البتہ جس مجاہد کو روزے سے کمزوری لاحق ہو، اسے سفر جہاد میں روزہ نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ جنگ کے وقت مجاہد فرض روزہ بھی توڑ سکتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے راہ خدا میں ایک دن کا روزہ رکھا: اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کردیں گے'' عروۃ اور سلیمان میں سے ایک ستر سال اور دوسرا چالیس سال کہتا ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی بندہ راہ خدا میں ایک دن کا روزہ رکھے: وہ روزہ اس کے چہرے (ذات) سے آگ کو ستر سال کی مسافت تک دور کردیتا ہے''

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے راہ خدا میں ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک کھائی حائل کردیں گے، جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے فاصلہ کے بقدر ہوگی''

[۳-] باب ماجاء فی فَضْلِ الصَّوْمِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

[۱۶۱۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ أَبِی الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ، وَسُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِیْ هريرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ صَامَ يَوْمًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زَحْزَحَهُ اللّٰهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا" أَحَدُهُمَا يَقُوْلُ: سَبْعِيْنَ، وَالآخَرُ يَقُوْلُ: أَرْبَعِيْنَ.

هذا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَأَبُو الْأَسْوَدِ: اسْمُهُ مُحمدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ نَوْفَلٍ الْأَسَدِیُّ الْمَدِيْنِیُّ، وفی الباب: عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، وأَنسٍ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَأَبِیْ أُمَامَةَ.

[۱۶۱۶-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عبدِ الرحمنِ، ثَنَا عبدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ الْعَدَنِیُّ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِیِّ ح: وَحَدَّثَنَا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسَی، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ أَبِیْ عَيَّاشٍ الزُّرَقِیِّ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ، عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم قَالَ: "لَايَصُوْمُ عَبْدٌ يَوْمًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا بَاعَدَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۶۱۷-] حدثنا زِيَادُ بنُ أَيُّوبَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ جَمِيْلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" هذا حديثٌ غريبٌ مِنْ حديثِ أَبِي أُمَامَةَ.

لغات: زَحْزَحه عن مكانه: ہٹانا، دور کرنا...... الخَرِيف: موسم خزاں، پت جھڑ کا زمانہ (۲۱ ستمبر سے ۲۱ دسمبر تک) مراد سال...... خَنْدَق: کھائی، میدان جنگ میں سپاہیوں کی حفاظت کے لئے کھودا ہوا گہرا لمبا گڑھا۔

بابُ ماجاء في فَضْلِ النَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

راہ خدا میں خرچ کرنے کا ثواب

نبی ﷺ کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، ہر شخص فوجی ترتیب پائے ہوئے تھا اور لوگ رضا کارانہ لڑتے تھے اور جو غنیمت ملتی تھی اس میں سے حصہ پاتے تھے، اسی طرح ابتدائے اسلام میں حکومت کے پاس بھی کچھ نہیں تھا، فوج کے لئے ہتھیار اور رسد مہیا کرنا بھی حکومت کے بس میں نہیں تھا، اس لئے جہاد کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی، اور اس کے بڑے فضائل بیان کئے گئے، قرآن کریم میں جگہ جگہ جہاد کے لئے خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا کہا گیا، اور وعدہ کیا گیا کہ یہ قرض دو چند کر کے واپس کیا جائے گا، اور اس کا عملی ظہور اس طرح ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان خوش حال ہوگئے، فتوحات کی کثرت سے ہر شخص مالا مال ہوگیا، یہ اللہ تعالیٰ نے قرض دو چند کر کے واپس کر دیا یعنی جہاد کے مقصد کے لئے خرچ کرنا صرف آخرت ہی میں مفید نہیں، بلکہ دنیا میں بھی اس کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

اور آخرت میں اس خرچ کرنے کا ثواب کئی گنا بڑھا دیا گیا ہے۔ عام ضابطہ جو دس گنا ثواب کا تھا اس کو یہاں سات سو گنا کر دیا گیا ہے، پھر موقع ومحل اور حاجت وضرورت کے اعتبار سے اتنا ثواب بڑھتا ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، سورۃ الحدید آیت ۱۰ میں ہے کہ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں، جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے، یہ موقع ومحل کا فرق ہے، فتح مکہ سے پہلے اسلام کو لوگوں کے تعاون کی ضرورت تھی اور فتح مکہ کے بعد لوگ اسلام کے سایے کے محتاج ہوگئے، اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا کہ صحابہ نے جو پانچ سو گرام جَو خرچ کیا ہے اس کے برابر بعد کے لوگوں کا احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا نہیں ہوسکتا، یہ بھی موقع ومحل کا فرق ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے راہ خدا میں کچھ بھی خرچ کیا اس کے لئے وہ خرچ سات سو گنا لکھا جاتا ہے"

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے، مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں:

ایک: روزہ: اس کا کم از کم ثواب تو عام ضابطہ کے مطابق ہے، یعنی دس گنا سے شروع ہوتا ہے مگر زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ دوم: انفاق فی سبیل اللہ: یعنی جہاد کے کاز کے لئے خرچ کرنا، اس کا تذکرہ سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱ میں ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے یہی بات اس حدیث میں ہے، اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں (تفصیل کتاب الصوم باب ۵۴ میں ملاحظہ فرمائیں)

[٤-] باب ماجاء فی فَضْلِ النَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

[١٦١٨-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا حُسَيْنُ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنِ الرُّكَيْنِ بنِ الرَّبِيْعِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ يُسَيْرِ بنِ عَمِيْلَةَ، عَنْ خُرَيْمِ بنِ فَاتِكٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهُ سَبْعُ مِائَةِ ضِعْفٍ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، هذا حديثٌ حسنٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حديثِ الرُّكَيْنِ بنِ الرَّبِيْعِ.

بابُ ماجاء فی فَضْلِ الْخِدْمَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جہاد میں خدمت پیش کرنے کا ثواب

حدیث (۱): حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: بہترین صدقہ کونسا ہے؟ آپ نے تین چیزیں بتائیں: (۱) راہ خدا میں غلام کی سروس یعنی کوئی شخص مجاہد کو غلام بطور عاریت دے تاکہ وہ اس کو جہاد میں ساتھ لے جائے اور وہ اس کی خدمت کرے یہ بہترین صدقہ ہے (۲) خیمے کا سایہ یعنی مجاہد کو خیمہ دے تاکہ وہ جہاد میں اس سے سایہ حاصل کرے یہ بھی بہترین صدقہ ہے (۳) نر چڑھنے کے قابل اونٹنی یعنی کسی مجاہد کو جوان اونٹنی دینا، تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کے لئے جائے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین خیراتیں: راہ خدا میں خیمے کا سایہ اور راہ خدا میں خادم کا عطیہ یا راہ خدا میں جوان اونٹنی دینا ہے، یعنی جہاد کے چندہ میں یہ چیزیں دینا بہترین خیراتیں ہیں، کیونکہ یہ چیزیں مجاہدین کے لئے بہت کارآمد ہیں۔

سوال: اگلے باب میں حدیث آرہی ہے کہ جس نے مجاہد کے لئے سامانِ جہاد فراہم کیا اس نے جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے گھر کی خبر گیری کی اس نے جہاد کیا، اب سوال یہ ہے کہ جس طرح مجاہد کے لئے سامان فراہم کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری کرنا جہاد ہے اسی طرح راہ خدا میں خیمہ دینا، خادم مہیا کرنا اور سواری دینا بھی جہاد ہے، پھر ان چیزوں کو خیرات کیوں کہا گیا؟

جواب: مجاہد کو سامان جہاد فراہم کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری کرنا چونکہ مجاہد کا راست تعاون ہے اس لئے ان کو جہاد قرار دیا، اور جو چیزیں جہاد کے چندہ میں دی جاتی ہیں ان پر پہلے حکومت قبضہ کرتی ہے پھر وہ مجاہدین تک پہنچتی ہیں، اور ضروری نہیں کہ وہ ان تک پہنچیں، حکومت مسلمانوں کی دیگر ضروریات میں بھی ان کو خرچ کرسکتی ہے اس لئے ان کو صدقہ کہا گیا، کیونکہ جہاد کے مقصد سے دی ہوئی چیزوں سے اور غریبوں کو دی ہوئی چیزوں سے اصل مقصود مجاہدین اور فقراء کی اعانت ہے اس لئے نصرت، اعانت کے اشتراک سے ان کو صدقہ کہا گیا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۸۸)

[۵-] باب ماجاء فی فضل الْخِدْمَةِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

[۱٦۱۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، ثَنَا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، ثنَا مُعَاوِيَةُ بنُ صَالِحٍ، عَنْ كَثِيْرِ بنِ الْحَارِثِ، عَنِ الْقَاسِمِ أَبِیْ عَبدِ الرحمنِ، عَنْ عَدِیِّ بنِ حَاتِمٍ الطَّائِیِّ، أَنَّهُ سَأَلَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَیُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "خِدْمَةُ عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، أَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ، أَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ"

وَقَدْ رُوِیَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بنِ صَالِحٍ هٰذَا الحديثُ مُرْسَلًا، وَخُوْلِفَ زَيْدٌ فِیْ بَعْضِ إِسْنَادِهِ.

[۱٦۲۰-] وَرَوَى الْوَلِيْدُ بنُ جَمِيْلٍ هٰذَا الحديثَ عَنِ الْقَاسِمِ أَبِیْ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ عَنِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم: حدثنا بِذٰلِكَ زِيَادُ بنُ أَيُّوْبَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ جَمِيْلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ أَبِیْ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ: ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَمَنِيْحَةُ خَادِمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، أَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ، وَهُوَ أَصَحُّ عِنْدِیْ مِنْ حديثِ مُعَاوِيَةَ بنِ صَالِحٍ.

لغات: اَلْمَنِيْحَةُ وَالْمِنْحَةُ: عارضی ضرورت اور استفادے کے لئے کسی کو بشرط واپسی دی جانے والی سواری یا کوئی اور چیز ...... طَرُوْقَة: جفتی کے قابل، فَحْل: سانڈ، طَرُوْقَةُ فحلٍ: نر چڑھنے کے قابل اونٹنی یعنی جوان اونٹنی، جس کی کم از کم عمر تین سال ہو، طروقة: بروزن فعولة بمعنی مرکوبة۔

وضاحت: معاویہ نے حدیث کی سند حضرت عدی تک پہنچائی ہے: وہ صحیح نہیں، بلکہ ولید نے جو سند حضرت ابو امامہ تک پہنچائی ہے وہ صحیح ہے، یعنی یہ حدیث حضرت عدی کی نہیں ہے، بلکہ حضرت ابوامامہ کی ہے۔

بابُ ماجاء فی مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا

مجاہد کے لئے سامانِ جہاد فراہم کرنے کی فضیلت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے سامان جہاد فراہم کیا اس نے

جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے گھر کی خبر گیری کی اس نے جہاد کیا'' یعنی مجاہد کے لئے سامانِ جہاد فراہم کرنا اور اس کے پیچھے اس کے اہل وعیال اور کاروبار وغیرہ کی دیکھ بھال کرنا بھی جہاد ہے، یعنی اس کو بھی جہاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ ثواب کی دو قسمیں ہیں: اصلی اور فضلی۔ یعنی انعامی اور وہ تمام حدیثیں جن میں ثواب کا ثواب سے مقابلہ کیا گیا ہے ان میں ایک اصلی اور دوسرا فضلی ہوتا ہے یعنی تقابل کی صورت میں ایک کا اصلی ثواب لیا جائے گا اور دوسرے کا فضلی۔ اصلی ثواب کا اصلی ثواب ہے اور فضلی ثواب کا فضلی ثواب سے مقابلہ نہیں کیا جائے گا، جیسے سورۂ اخلاص پڑھنے کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے، یہ سورۂ اخلاص کا فضلی ثواب ہے، اور قرآن کا اصلی ثواب ہے یعنی سورۂ اخلاص کا انعامی ثواب تہائی قرآن کے اصلی ثواب کے برابر ہے اور تہائی قرآن پڑھنے کا اصلی اور فضلی ثواب بے حساب ہے۔ اسی طرح یہاں بھی مجاہد کے اہل وعیال کی خبر گیری کرنے اور اس کی ضرورت کی چیزیں مہیا کرنے کا انعامی ثواب جہاد کے اصلی ثواب کے برابر ہے، اور مجاہد کا اصلی اور انعامی ثواب بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ حقیقی مجاہد ہے اور وہ حکمی مجاہد ہے (تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۵۲ میں ہے)

[۶-] باب ماجاء فيمن جَهَّزَ غَازِيًا

[۱۶۲۱-] حدثنا أَبُوْ زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ دُرُسْتَ، ثَنَا أَبُوْ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ بُسْرِ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۱۶۲۲-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ خَلَفَهُ فِيْ أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَى" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[۱۶۲۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا حَرْبُ بنُ شَدَّادٍ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ بُسْرِ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

بابُ ماجاء في فَضْلِ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جس کے قدم جہاد میں گرد آلود ہوں: اس کی فضیلت

حدیث: یزید بن ابی مریم کہتے ہیں: عبایۃ بن رفاعہ پیچھے سے آکر مجھ سے ملے، میں نماز جمعہ کے لئے جارہا تھا، انھوں نے کہا: خوشخبری سن لو، آپ کے یہ قدم راہ خدا میں ہیں، میں نے حضرت ابو عبس انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جس کے قدم راہِ خدا میں گرد آلود ہوں: وہ جہنم پر حرام ہیں۔

تشریح: حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبایہ تابعی ہیں اور تابعین کے بھی دوسرے طبقہ میں ہیں اور ان کی کوئی علمی شہرت بھی نہیں ہے، انھوں نے فی سبیل اللہ کو عام کیا ہے، تمام دینی کاموں کو اور امور خیر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، چنانچہ یزید جو جمعہ کی نماز پڑھنے جارہے تھے ان کے عمل کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔

اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بھی ابواب فضائل الجہاد کے باب ۳ میں جو حدیث آئی ہے کہ راہِ خدا میں روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اس کو عام رکھا ہے، کوئی بھی دینی کام میں مشغول آدمی روزہ رکھے تو اس کے لئے وہ فضیلت ثابت کی ہے، اور الکوکب الدری میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ جب یہ فضیلت عام ہے تو امام ترمذیؒ اس کو ابواب الجہاد میں کیوں لائے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ امام ترمذیؒ کی رائے ہے، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جہاد بھی امور خیر میں سے ہے اس لئے سفر جہاد میں روزہ کی فضیلت بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

اور سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۱ جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تمثیل آئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت، جس سے سات بالیں اگیں، ہر بال میں سو دانے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں اجر بڑھاتے ہیں یعنی زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں، اس آیت کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے عام رکھا ہے، تمام وجوہِ خیر میں خرچ کرنے کو آیت کا مصداق قرار دیا ہے، جہاد میں خرچ کرنے کے ساتھ آیت کو خاص نہیں رکھا۔

اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اپنے تفسیری فوائد میں گول مول بات کی ہے، حضرت کے نزدیک آیت میں فی سبیل اللہ خاص ہے یا عام: اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، اسی طرح سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں جو مصارف زکوٰۃ بیان کئے گئے ہیں اس میں بھی فی سبیل اللہ کی اصطلاح آئی ہے، حضرت تھانوی نے ترجمہ میں اس کو جہاد کے ساتھ خاص کیا ہے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں ''وغیرہ'' بڑھا کر عام کیا ہے، اور فقہ کی کتابوں میں بھی کتاب الزکوٰۃ میں یہ اصطلاح زیر بحث آئی ہے، علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع میں بڑا زور باندھا ہے کہ یہ مصرف عام ہے، مگر بحث وتمحیص کے بعد فتوے کے لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول طے پایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے

مراد منقطع الغُز اۃ ہیں یعنی وہ لوگ جو اسباب نہ ہونے کی وجہ سے جہاد میں نہیں جاسکتے ان کو اموالِ زکوٰۃ سے سامان فراہم کیا جاسکتا ہے، اسی لئے حضرت تھانوی قدس سرہ نے فی سبیل اللہ کا ترجمہ جہاد سے کیا ہے۔

غرض یہ اصطلاح قرآن وحدیث میں عام ہے یا خاص؟ اس میں اختلاف ہے اور بحث وتمحیص کے بعد آخری رائے جو مصارفِ زکوٰۃ میں طے پائی ہے: وہ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ خاص اصطلاح ہے، تمام محدثین کا طرز عمل بھی یہی ہے، وہ ایسی سب حدیثیں جن میں یہ اصطلاح آئی ہے: کتاب الجہاد مین لاتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور ان میں آنے والے فضائل ایک خاص کام کے لئے ہیں۔

مگر تبلیغی جماعت کے حضرات ان روایات کو عام رکھتے ہیں، بلکہ اپنے ہی کام کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور ان حضرات نے مشکوٰۃ سے جو ابواب منتخب کئے ہیں ان میں پوری کتاب الجہاد شامل کی ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا کام بھی جہاد ہے، میری اس موضوع پر حضرت اقدس مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ سے گفتگو بھی ہوئی ہے اور مکاتبت بھی ہوئی ہے، حضرت قدس سرہ کا موقف یہ تھا کہ ہمارا کام بھی جہاد ہے، حضرت نے ایک خط میں اپنی دلیل کے طور پر ترمذی شریف کی یہی روایت مجھے لکھی تھی کہ عبایہ نے مسجد میں جانے کو فی سبیل اللہ کا مصداق ٹھہرایا ہے، پھر دعوت وتبلیغ کا کام اس کا مصداق کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں نے جواب لکھا کہ اول تو عبایہ صحابی نہیں ہیں، صحابہ کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں اور تابعین کے بارے میں خود امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: هم رجالٌ ونحن رجال یعنی ان کے اقوال ہم پر حجت نہیں، اگر کسی صحابی نے اس اصطلاح کو عام کیا ہوتا تو بات بھی تھی۔ ثانیاً: دعوت وتبلیغ ہی اس کا مصداق کیوں؟ آپ اگر چہ ''ہی'' نہیں استعمال کرتے ''بھی'' کہتے ہیں مگر جماعت تبلیغ کے عوام نے تو اس ''بھی'' کو ''ہی'' سے بدل دیا ہے، یعنی وہ اپنے ہی کام کو جہاد کہتے ہیں، بلکہ وہ حقیقی جہاد کو بھی شاید جہاد نہیں مانتے۔ جہاد کے فضائل ان کے نزدیک دعوت وتبلیغ میں منحصر ہیں۔ ثالثاً: دیگر دینی کام کرنے والے مثلاً تعلیم وتدریس میں مشغول اور تصنیف وتالیف میں منہمک لوگ اپنے کام کے لئے فی سبیل اللہ اور جہاد والے فضائل ثابت نہیں کرتے، پھر جماعت ہی یہ روایات کیوں استعمال کرتی ہے؟ اس کے بعد حضرت کا اس موضوع پر کوئی خط نہیں آیا۔

البتہ ایک دوسرے خط میں حضرت قدس سرہ نے یہ عقلی دلیل لکھی تھی کہ جہاد حسن لغیرہ ہے، فی نفسہ تو جہاد فساد فی الارض ہے اور دعوت وتبلیغ کا کام فی نفسہ حسن لذاتہ ہے، یہ دعوت الی اللہ اور دعوت الی الاعمال الصالحہ ہے، پس جو فضیلت اور ثواب حسن لغیرہ کا ہے وہ حسن لذاتہ کا کیوں نہیں؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ ثواب میں قیاس ہے اس لئے معتبر نہیں، کیونکہ قیاس احکام شرعیہ میں چلتا ہے دیگر امور توقیفی ہیں یعنی ان کے لئے نص چاہئے، نیز اجر بقدر مشقت ہوتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کام میں کتنی مشقت ہے اور کس کام کا کتنا ثواب ہونا چاہئے؟ بندے یہ بات نہیں جان سکتے، اور یہاں تو بات بدیہی ہے، جہاد اصطلاحی کی مشقت کے پاسنگ کو بھی مروجہ

تبلیغ کا کام نہیں پہنچ سکتا، پھر وہ اجر وثواب اور وہ فضائل اس کام کے لئے بلکہ کسی بھی دینی کام کے لئے کیسے ہوسکتے ہیں؟ اور آج تک کسی نے بھی یہ روایات دیگر کاموں کے لئے بیان نہیں کیں۔

پھر حضرت کا خط آیا کہ میں اس موضوع پر تیری گفتگو حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مہاجر مدنی سے کراؤں گا، میں نے لکھا کہ میں حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا، میں ان کو اپنا بڑا مانتا ہوں وہ بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں اور اب وہ بڑھاپے کی ایسی منزل میں ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری گفتگو کہیں ان کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے، ہاں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی قدس سرہ سے میری گفتگو کرائیں، وہ علمی آدمی ہیں، اور علمی آدمی بحث میں ناراض نہیں ہوتا، اور بزرگوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے، پھر دونوں میں سے کسی سے گفتگو کی نوبت نہیں آئی اور تینوں حضرات اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھریں، اور جنت میں اعلی درجات عنایت فرمائیں، اور ان کے اعمال کے بہترین صلہ سے ان کو نوازیں (آمین)

فائدہ: اوپر ''بھی'' اور ''ہی'' کی بات آئی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھ لیں، کوہِ نور جو ہندوستان کا ہیرا ہے اور نہایت بیش قیمت ہے، اگر وہ ہاتھ سے گر جائے اور اس کے چھوٹے بڑے پانچ ٹکڑے ہوجائیں تو یہ ٹکڑے اپنی قیمت کھو نہیں دیں گے، اب بھی کسی درجہ میں ان کی قیمت رہے گی، مگر کسی ٹکڑے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کہے: میں ہی کوہ نور ہوں، ہاں ہر ٹکڑا کہہ سکتا ہے کہ میں بھی کوہ نور ہوں، یعنی اس کا ایک جز ہوں۔

اس مثال سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام وَن پیس (یک دانہ) کوہِ نور کی مثال تھا، وہ ایک ہی وقت میں داعی، مبلغ، مفسر، محدث، فقیہ، مجاہد، معلّم، مزکی اور حکومت چلانے والے تھے، پھر زمانہ مابعد میں یہ سب کام علحدہ علحدہ ہوگئے، پس کسی بھی دینی کام کا کارکن یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں بھی صحابہ والا کام کررہا ہوں، مگر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کہے: میں ہی صحابہ والا کام کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ اس مضمون کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو غلطی ہورہی ہے اس کی اصلاح فرمائیں (آمین)

اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ کے ذہن میں ''بھی'' اور ''ہی'' کا فرق تھا اس کی دلیل یہ واقعہ ہے: ایک مرتبہ حضرت نے مجھے لکھا کہ مجھے علی گڑھ آنکھ دکھانے جانا ہے اگر تو آئے تو ہم جماعت بنا کر چلیں، میں مرکز نظام الدین گیا اور ہم پانچ آدمی جماعت بن کر علی گڑھ کے لئے روانہ ہوئے، رات عشاء کے وقت پہنچے اور ڈاکٹر خالد صاحب کے مہمان ہوئے، صبح حضرت نے مجھ سے گجراتی میں کہا (حضرت مجھ سے گجراتی میں بات کرتے تھے) مولوی صاحب! میں آپ کو تبلیغ کے لئے نہیں لایا، تبلیغ کے لئے تو میں بہت ہوں، میں آپ کو آزاد لائبریری دکھانے لایا ہوں، ہم یہاں تین دن رہیں گے آپ تینوں دن لائبریری میں رہیں اور جمعرات کو مغرب کے بعد جامع مسجد میں میرا بیان ہوگا، اس میں شرکت کریں۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں تمام دینی کاموں کی اہمیت تھی، اس ذیل میں ایک دوسرا واقعہ بھی عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا پالن پوری قدس سرہ ہر درسی سال کے آخر میں دارالعلوم دیوبند میں تشریف لایا کرتے تھے اور ان کے استقبال میں ظہر کے بعد دارالاہتمام میں حضرت مہتمم صاحب اساتذۂ دارالعلوم کو جمع کیا کرتے تھے اور ان سے حضرت مولانا پالن پوری کا مختصر خطاب ہوتا تھا، جب آپ پہلی مرتبہ تشریف لائے تو اساتذہ کی مجلس میں جو بیان فرمایا اس میں قرآن کی کوئی آیت یا حدیث جو جہاد سے متعلق تھی حضرت نے اپنے کام کے تعلق سے پڑھی، بیان کے بعد اساتذہ نے سوالات شروع کردیئے، جن کا حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ تبلیغ والے بحث میں نہیں الجھتے، مگر اس کے بعد حضرت نے محتاط رویہ اختیار کیا، طلبہ میں ان کا بیان دو تین گھنٹے ہوتا تھا، مگر کبھی کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں پڑھی جو جہاد سے متعلق ہو، اور مجھے حکم تھا کہ میں ان کے پورے بیان میں حاضر رہوں اور ہمیشہ بیان کے بعد چپکے سے پوچھا کرتے تھے: میں نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہہ دی؟! میں عرض کرتا: نہیں، حضرت قدس سرہ اپنے بیان میں حضرت عبداللہ بن المبارک قدس سرہ کے وہ اشعار جو جہاد سے متعلق ہیں خوب لہرا کر پڑھتے تھے مگر کوئی آیت یا حدیث کبھی نہیں پڑھی، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر دعوت وتبلیغ ہی جہاد ہے تو یہ بات ڈنکے کی چوٹ کہنی چاہئے، احتیاط اور ماحول کی رعایت کے کیا معنی؟

ملحوظہ: میں دعوت وتبلیغ کا مخالف نہیں ہوں، میں تمام دینی کاموں کی اور ان کے کارکنان کی قدر کرتا ہوں اور دعوت وتبلیغ سے تو بطور خاص تعلق رکھتا ہوں، مگر میرے لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف مقدر کی ہے، یہ اپنا نصیب ہے! اس لئے میری بات کو کسی مخالفت پر محمول نہ کیا جائے بلکہ میں نے جو بات عرض کرنی چاہئے تھی وہ کی ہے۔

[٧-] باب ماجاء في فضل من اغبرّتْ قدماهُ في سبيل الله

[١٦٢٤-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ: لَحِقَنِي عَبَايَةُ بنُ رِفَاعَةَ بنِ رَافِعٍ، وَأَنَا مَاشٍ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: أَبْشِرْ، فَإِنَّ خُطَاكَ هٰذِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ! سَمِعْتُ أَبَا عَبْسٍ يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَأَبُوْعَبْسٍ: اسْمُهُ عَبْدُ الرحمنِ بنُ جَبْرٍ، وَفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ، وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَيَزِيْدُ بنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: هُوَ رَجُلٌ شَامِيٌّ، رَوَى عَنْهُ الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، وَيَحْيَى بنُ حَمْزَةَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ؛ وَبُرَيْدُ بنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: كُوْفِيٌّ، أَبُوْهُ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَاسْمُهُ مَالِكُ بنُ رَبِيْعَةَ.

وضاحت: دوراوی ایک ہی طبقہ (طبقہ سادسہ) کے ہیں، اول: یزید (یاء کے ساتھ) ہیں جن کی یہ روایت ہے، یہ دمشقی (شامی) ہیں۔ دوسرے: بُرید (باء کے ساتھ بَرْد کی تصغیر) ہیں، یہ کوفی ہیں اور ان کے ابا صحابی ہیں، اس حدیث کے راوی برید نہیں ہیں (ہندی نسخوں میں ان کا نام بھی یزید چھپا ہے وہ غلط ہے)

بابُ ماجاء فی فَضْلِ الْغُبَارِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

جہاد کے غبار کی فضیلت

مجاہد کو سفر میں اور میدان جنگ میں گرد وغبار سے واسطہ پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی اجر رکھا ہے اور بہت بڑا اجر رکھا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم میں داخل نہیں ہوگا وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے (یہ تعلیق بالمحال ہے یعنی جس طرح نکلا ہوا دودھ تھن میں واپس نہیں جاسکتا: وہ شخص بھی جہنم میں نہیں جاسکتا) اور اللہ کے راستہ کا غبار اور جہنم کی آگ اکٹھا نہیں ہوسکتے، یعنی جو راہِ خدا میں غبار آلود ہوا وہ جہنم میں ہرگز نہیں جائے گا (یہ حدیث أبواب الزهد، باب فی فضل البكاء من خشية الله ۲:۵۵ میں بھی آئے گی)

[۸-] باب ماجاء فی فضل الغُبَارِ فی سبيل الله

[۱۶۲۵-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَسْعُوْدِيِّ، عَنْ مُحَمدِ بنِ عبدِ الرحمنِ، عَنْ عِيْسَى بنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَايَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، حَتَّى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِيْ سبيل اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَمحمدُ بنُ عبدِ الرحمنِ: هُوَ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ، مَدِيْنِيٌّ.

بابُ ماجاء فی فَضْلِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

جو اعمالِ اسلامی کرتا ہوا بوڑھا ہوا: اس کی فضیلت

جو شخص آغاز جوانی سے راہ خدا میں جہاد کرتا رہا یا دیگر اعمالِ اسلامی کرتا رہا یہاں تک کہ کچھ بال سفید ہوگئے تو اس کے لئے کیا فضیلت ہے؟ باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی بھی دینی کام کرتے ہوئے بوڑھا ہوا تو وہ بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا (اور جہاد بھی ایک دینی کام ہے بلکہ افضل اعمال

ہے پس وہ بھی حدیث کا مصداق ہے) اور دوسری حدیث میں فی الإسلام کی جگہ فی سبیل اللہ ہے، اب حدیث جہادی اعمال کے ساتھ خاص ہوگئی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسی کے پیش نظر یہ حدیث ان ابواب میں لائے ہیں۔

حدیث (۱): شرحبیل فوج کے کمانڈر تھے انھوں نے حضرت کعب سے عرض کیا: ہمیں نبی ﷺ کی کوئی حدیث سنائیے اور احتیاط سے سنائیے یعنی حدیث ہی سنائیے، اپنی طرف سے اس میں کچھ نہ ملائیے۔ حضرت کعبؓ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (اعمال) اسلام میں بوڑھا ہوا یعنی کوئی بھی دینی کام کرتے ہوئے اس کے بال سفید ہوئے تو وہ بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا (یہ حدیث صرف حسن ہے، آئندہ حدیث اس سے اعلی ہے)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے بوڑھا ہوا تو قیامت کے دن وہ بڑھاپا اس کے لئے نور ہوگا۔

[۹-] باب ماجاء فی فضل مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

[۱٦۲٦-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِي الْجَعْدِ: أَنْ شُرَحْبِيْلَ بنَ السِّمْطِ قَالَ: يَا كَعْبَ بنَ مُرَّةَ! حَدِّثْنَا عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاحْذَرْ، قَالَ: سَمِعْتُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ:" مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ الإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وَفِي الباب: عَنْ فَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو؛ حديثُ كَعْبِ بنِ مُرَّةَ حديثٌ حسنٌ.

هٰكَذَا رَوَاهُ الأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِي الْجَعْدِ، وَأَدْخَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ كَعْبِ بنِ مُرَّةَ فِيْ الإِسْنَادِ رَجُلاً.

وَيُقَالُ: كَعْبُ بنُ مُرَّةَ، وَيُقَالُ: مُرَّةُ بنُ كَعْبٍ البَهْزِيُّ، وَالْمَعْرُوْفُ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مُرَّةُ بنُ كَعْبٍ البَهْزِيُّ، قَدْ رَوَى عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَحَادِيْثَ.

[۱٦۲۷-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا حَيْوَةُ بنُ شُرَيْحٍ، عَنْ بَقِيَّةَ، عَنْ بَحِيْرِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بنِ مَعْدَانَ، عَنْ كَثِيْرِ بنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ عَمْرِو بنِ عَبَسَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهُ نُوْراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

هٰذَا حديثٌ حَسَنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَحَيْوَةُ بنُ شُرَيْحٍ: هُوَ ابنُ يَزِيْدَ الْحِمْصِيُّ.

وضاحت: پہلی حدیث کی پہلی سند عمرو بن مرۃ کی ہے، وہ سالم اور حضرت کعب کے درمیان کوئی واسطہ نہیں

بڑھاتے، اسی حدیث کومنصور بھی سالم سے روایت کرتے ہیں، سالم کہتے ہیں: حُدِّثْتُ عن کعب یعنی درمیان میں کوئی مجہول واسطہ ہے۔ یہ روایت نسائی کی سنن کبری میں ہے (اطراف مزی) اسی اختلاف کی وجہ سے امام ترمذی نے حدیث کوصرف حسن کہا ہے ——— اور صحابی کے نام میں اختلاف ہے کوئی کعب بن مرۃ کہتا ہے، کوئی اس کے برعکس: مرۃ بن کعب کہتا ہے، امام ترمذیؒ نے دوسرے نام کومشہور قرار دیا ہے۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ مَنِ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

جہاد کے لئے گھوڑا پالنے کی فضیلت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر بندھی ہوئی ہے یعنی گھوڑے بہترین سامان جہاد ہیں، قیامت تک جہاد کے کاموں میں استعمال ہوتے رہیں گے، آج بھی جبکہ جنگوں میں گھوڑوں کا کچھ کام نہیں، ان کی اہمیت برقرار ہے، فوجیوں کے گھوڑے لاکھوں میں بکتے ہیں، اور گھوڑے تین آدمیوں کے لئے ہیں، کسی کے لئے گھوڑا اجر ہے اور کسی کے لئے پردہ ہے اور کسی کے لئے گناہ ہے، رہا وہ شخص جس کے لئے گھوڑا اجر ہے: وہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی جہاد میں استعمال کے لئے پالتا ہے، وہ اس کو جہاد کے لئے تیار کرتا ہے، یہ گھوڑا اس کے لئے باعث اجر ہے، وہ اس کو جو کچھ بھی کھلاتا ہے: اس کے لئے باعث اجر ہوتا ہے۔

تشریح: چارہ پانی پر اجر اس لئے لکھا جاتا ہے کہ جب گھوڑا پالنے والے نے ان چیزوں میں مشقت اٹھائی تو اس کا یہ عمل اس کے نفس کے ساتھ چپک گیا، پھر عمل اور اس کی جزا میں اضافی تعلق ہونے کی وجہ سے صورتِ عمل میں جزا کی شان پیدا ہوگئی، اس لئے قیامت کے دن اس کی جزا بصورتِ عمل متمثل ہوگی (تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۳۸۸ دیکھیں)

فائدہ: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، بخاری ومسلم میں مفصل ہے۔ اور وہ شخص جس کے لئے گھوڑا پردہ ہے: وہ وہ گھوڑا ہے جو اسبابِ معیشت کے طور پر پالا گیا ہو، اور اس میں سے زکوٰۃ وغیرہ حقوق ادا کئے ہوں اور جس نے فخر ومباحات، ریاء وسمعہ اور اہل اسلام کی مخالفت میں استعمال کے لئے گھوڑا پالا: وہ اس کے لئے وزر (گناہ) ہے۔

[۱۰-] باب ماجاء فی فضل مَنِ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِی سبیل اللہ

[۱۶۲۸-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ سُھَیْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْہِ، عَنْ أَبِی ھریرۃَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: "اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، اَلْخَیْلُ لِثَلَاثَۃٍ: ھِیَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَھِیَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَھِیَ عَلٰی رَجُلٍ وِزْرٌ: فَأَمَّا الَّذِیْ ھِیَ لَہٗ أَجْرٌ فَالَّذِیْ

يَتَّخِذُهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَيُعِدُّهَا لَهُ، هِيَ لَهُ أَجْرٌ، لَا يُغَيِّبُ فِيْ بُطُوْنِهَا شَيْئًا إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرًا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَى مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا الحديثِ.

لغات: اِرْتَبَطَ: کے معنی ہیں: باندھنا اور اِرْتَبَطَ فَرَسًا کے معنی ہیں: سرحد کی حفاظت وغیرہ کے لئے گھوڑے کو تیار کرنا......الخیرُ: معقود: اسم مفعول کا نائب فاعل ہے......لایُغَیِّبُ کو لایُغِیْبُ باب افعال سے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ الرَّمْیِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

جہاد میں تیر چلانے کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کرتے ہیں: تیر بنانے والے کو جس نے بامید ثواب تیر بنایا ہو، اور اس کے چلانے والے کو اور چلانے کے لئے دینے والے کو (خواہ وہ اس کا مالک ہو یا صرف میدان میں پہنچا رہا ہو) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیر اندازی کرو اور شہ سواری سیکھو، اور تیر اندازی مجھے شہ سواری سے زیادہ پسند ہے (کیونکہ اس میں دور سے دشمن پر وار کیا جاتا ہے اس لئے اس میں جان کا خطرہ کم ہوتا ہے اور شہ سواری میں قریب سے مقابلہ ہوتا ہے اس لئے اس میں خطرہ زیادہ ہوتا ہے) ہر وہ کام جس سے مسلمان آدمی دل بہلاتا ہے بے کار ہے، ہاں کمان سے تیر چلانا اور گھوڑے کو سدھانا اور بیوی سے دل لگی کرنا، پس یہ کام برحق ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا تو وہ اس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ ان چیزوں کے بغیر کفار کو دبایا نہیں جا سکتا اور کفار کو زیر کرنا اور ان کے کفر و ظلم کا خاتمہ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس لئے اللہ کی خوشنودی ان چیزوں کے ساتھ متعلق ہوگئی اور یہ کام بھی باعث اجر قرار پائے، پھر جو طریقۂ جنگ اور جو ہتھیار جتنا کارگر ہے: اس کی اہمیت اتنی بڑھی ہوئی ہے، دورِ اول میں شہ سواری سے زیادہ تیر اندازی کارگر تھی، اس لئے اس کی اہمیت وفضیلت بڑھی ہوئی تھی۔ دوسرا مضمون ان حدیثوں میں یہ ہے کہ اسباب جہاد میں جو بھی معاون ہوتا ہے اس کے لئے بھی ثواب ہے، جیسے گناہ کے کام میں شریک بھی گنہ گار ہوتا ہے اور نیکی کے کام میں حصہ دار بھی اجر پاتا ہے۔ تیسرا مضمون پہلی روایت میں یہ ہے کہ مؤمن کو بیکار کاموں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے، حدیث میں ہے: مِنْ حُسْنِ إسلامِ الْمرءِ تَرْکُہ مَالَا یَعْنِیْہِ: آدمی کے دین کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کاموں سے کنارہ کش رہے، البتہ مذکورہ تین کام لایعنی نہیں ہیں، فی الحال اگرچہ وہ

لایعنی نظر آتے ہیں مگر فی المآل ان کے بڑے فوائد ہیں، اس لئے ان کاموں میں مشغول ہونا وقت ضائع کرنا نہیں ہے، غرض یہ ارشاد: لاعیبَ فیهم غیرَ أن سیوفَهم ÷ بِهِنَّ فُلولٌ من قراع الکتائب کے قبیل سے ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء في فضل الرَّمْيِ في سبيل الله

[۱۶۲۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ أَبِيْ حُسَيْنٍ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلاَثَةَ الْجَنَّةَ: صَانِعَهُ: يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ، وَالرَّامِيَ بِهِ، وَالْمُمِدَّ بِهِ" قَالَ: "ارْمُوْا، وَارْكَبُوْا، وَلَأَنْ تَرْمُوْا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوْا، كُلُّ مَا يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ، إِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسٍ، وَتَأْدِيْبَهُ فَرَسَهُ، وَمَلاَعَبَتَهُ أَهْلَهُ، فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ"

حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَّامٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الأَزْرَقِ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.

وفي الباب: عَنْ كَعْبِ بنِ مُرَّةَ، وَعَمْرِو بنِ عَبَسَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۶۳۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ مَعْدَانَ بنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيْ نَجِيْحٍ السُّلَمِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ رَمَى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ عِدْلُ مُحَرَّرٍ"

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ نَجِيْحٍ: هُوَ عَمْرُو بنُ عَبَسَةَ السُّلَمِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنِ الأَزْرَقِ: هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ زَيْدٍ.

وضاحت: پہلی حدیث مرسل ہے، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین: صغار تابعین میں سے ہیں، اس لئے دوسری سند پیش کی ہے جو حضرت عقبہ تک پہنچتی ہے اور صحیح ہے..... عِدْل: برابر..... مُحَرَّر: اسم مفعول، معتَق: آزاد کردہ۔

بابُ ماجاءَ في فَضْلِ الْحَرْسِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جہاد میں چوکیداری کی فضیلت

سرحد پر پہرہ دینا رِباط اور مُرابطة ہے اور جب لشکر پڑاؤ کرے تو ان کی اور ان کے سامان کی حفاظت کرنا حرس (چوکیداری) ہے اس حدیث میں اسی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی، ایک: وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے

روئی، دوسری: وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں چوکیداری کی۔

تشریح: اللہ کے خوف سے جو آنسو نکلتا ہے وہ بڑا قیمتی ہے، شاعر کہتا ہے:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے ❁ قطرے گرے تھے جو عرقِ انفعال کے

اسی طرح جس مجاہد کی آنکھ دوسرے مجاہدین کی چوکیداری میں جاگی وہ بھی اللہ کو بہت پیاری ہے، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی۔

[۱۲-] باب ماجاء فی فضل الْحَرْسِ فی سبیل الله

[۱۶۳۱-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، ثَنَا بِشْرُ بنُ عُمَرَ، ثَنَا شُعَيْبُ بنُ رُزَيْقٍ أَبُوْشَيْبَةَ، ثَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "عَيْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سبيلِ اللّٰهِ"

وفی الباب: عَنْ عُثْمَانَ، وأَبِيْ رَيْحَانَةَ، حديثُ ابنِ عَباسٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ شُعَيْبِ بنِ رُزَيْقٍ.

وضاحت: شعیب کے والد کا نام رزیق (بتقدیم الراء المہملہ) ہے، زُرَیق: غلط ہے۔

بابُ ماجاء فی ثَوَابِ الشَّهِيْدِ

شہید کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں (کے پوٹوں) میں ہوتی ہیں، وہ جنت کے پھلوں میں سے، یا فرمایا: جنت کے درختوں میں سے کھاتی ہیں۔

تشریح: شہداء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کو جنت میں جانے کا موقع ملتا ہے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں بیٹھ کر (ہرے رنگ کے ہوائی جہازوں کی اگلی سیٹوں پر بیٹھ کر) جنت میں جاتی ہیں، اور وہاں چگتی چرتی ہیں، پھر واپس آجاتی ہیں، اور عرش کے نیچے فانوسوں میں بسیرا کرتی ہیں، جنت میں مستقل داخلہ شہداء کا بھی قیامت کے دن ہوگا، جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنت میں ابھی کوئی نہیں گیا، جو بھی مرتا ہے قبر میں جاتا ہے یعنی روح عالم برزخ میں چلی جاتی ہے اور جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور عالم برزخ ہماری اسی دنیا کا ضمیمہ ہے، آخرت کا حصہ نہیں، البتہ آخرت سے اس کا قریبی تعلق ہے، پھر قیامت کے دن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اجسام کی نشأۃ ثانیہ ہوگی اور ارواح عالم

برزخ سے لوٹ آئیں گی اور اپنے اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی اور قیامت کے معاملات شروع ہو جائیں گے، وہ دن اس دنیا کی زندگی کا آخری دن ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا (سورۃ المعارج آیت ۴) اس دن میں حساب ہوگا اور جزاؤ سزا کے فیصلے کئے جائیں گے، پھر لوگ آخرت میں منتقل کئے جائیں گے، جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں پہنچیں گے، اور سب سے پہلے جو تین قسم کے لوگ جنت میں جائیں گے ان میں شہداء بھی ہونگے۔

فائدہ: اور روایات میں جو آیا ہے کہ نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کو جنت میں اور کچھ لوگوں کو جہنم میں دیکھا: یہ مثالی جنت وجہنم میں دیکھا ہے، اسی طرح آپؐ نے نماز کسوف میں اپنے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان جنت وجہنم کو دیکھا: وہ بھی مثالی جنت وجہنم تھیں، جیسے: کسی چیز کا فوٹو دیکھتے ہیں کیونکہ اتنی مختصر جگہ میں واقعی جنت وجہنم نہیں سما سکتیں، البتہ معراج میں جو آپ ﷺ نے جنت وجہنم کو دیکھا ہے وہ حقیقی جنت وجہنم کو دیکھا ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے پہلے وہ تین شخص پیش کئے گئے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے، ایک: شہداء، دوسرے: حرام ومشتبہات سے بچنے والا، تیسرا: وہ غلام جس نے اللہ کی عبادت بھی اچھی طرح کی اور اپنے آقاؤں کی بھی خیر خواہی کی۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راہ خدا میں مارے جانے سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: مگر قرض، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مگر قرض یعنی حضرت جبرئیلؑ کے وحی لانے پر آپؐ نے قرض (حقوق العباد) کا استثناء فرمایا، وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

حدیث (۴): نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسا بندہ نہیں جو مرے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بھلائی ہو، اور وہ دنیا کی طرف واپس لوٹنا پسند کرے، اگرچہ اس کو دنیا و مافیہا مل جائے، سوائے شہید کے (وہ دوبارہ دنیا میں آنا چاہتا ہے) شہادت کی اس فضیلت کی وجہ سے جس کو وہ دیکھتا ہے، پس بیشک وہ پسند کرتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹے، پس وہ دوسری مرتبہ مارا جائے'' یعنی شہید کا آخرت میں جو اعزاز واکرام ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ بار بار دنیا کی طرف لوٹے، اور راہِ خدا میں قتل کیا جائے، تاکہ اس کا مقام ومرتبہ اور بھی بلند ہو۔

[۱۳-] باب ماجاء في ثواب الشَّهِيْدِ

[۱۶۳۲-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ابنِ كَعْبِ بنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: '' إِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِيْ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ أَوْ: شَجَرِ الْجَنَّةِ'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۶۳۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عُثْمَانُ بنُ عُمَرَ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِيْ

كَثِيْرٍ، عَنْ عَامِرٍ العُقَيْلِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "عُرِضَ عَلَيَّ أَوَّلُ ثَلاثَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: شَهِيْدٌ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ، وَعَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ، وَنَصَحَ لِمَوَالِيْهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[١٦٣٤-] حدثنا يَحْيىَ بنُ طَلْحَةَ الْكُوْفِيُّ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اَلْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ خَطِيْئَةٍ" فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ: " إِلَّا الدَّيْنَ" فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِلَّا الدَّيْنَ"

وفي الباب: عَنْ كَعْبِ بنُ عُجْرَةَ، وَجَابِرٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وَأَبِيْ قَتَادَةَ؛ وَحديثُ أَنَسٍ حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ بَكْرٍ، إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ هٰذَا الشَّيْخِ، وَسَأَلْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا الحديثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ، وَقَالَ: أَرَى أَنَّهُ أَرَادَ حديثَ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: " لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيْدَ"

[١٦٣٥-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " مَامِنْ عَبْدٍ يَمُوْتُ، لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ، يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، وَأَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، إِلَّا الشَّهِيْدَ، لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ، فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: عَلَقَت البهيمةُ الشجرَ: چوپائے کا درخت کے پتے کھانا، عَلَقَ الطيرُ من الشجرة: پرندے کا درخت کے بالائی حصہ پر بیٹھ کر پھل کھانا......عَفِيْف: اسم فاعل از عَفَّ يَعِفُّ عِفَّةً: ناجائز وناپسندیدہ قول وعمل سے بچنا، اور پاکدامن ہونا، تعَفَّفَ کے بھی یہی معنی ہیں، پس مُتَعَفِّف: عفیف میں مبالغہ ہے۔

وضاحت: یہ مضمون کہ شہادت سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے مگر قرض معاف نہیں ہوتا: صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور حضرت ابوقتادہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مسلم شریف میں مروی ہے (حدیث ۱۸۸۵و۱۸۸۶) مگر یہ مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں، چنانچہ امام ترمذی باب کی تیسری حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابوبکر بن عیاش سے صرف یہ شیخ روایت کرتا ہے یعنی صرف یحییٰ بن طلحہ روایت کرتا ہے، اور لفظ شیخ معمولی درجہ کی توثیق ہے، تقریب میں اس راوی کو لَيِّنُ الحديث کہا ہے۔ اور امام ترمذی نے: امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو ان کو یہ حدیث معلوم نہیں تھی، اور امام بخاری نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یحییٰ ایک دوسری حدیث بیان کرنا چاہتا تھا غلطی سے یہ حدیث بیان کردی اور وہ دوسری حدیث اگلے نمبر پر ہے، اور وہ صحیح حدیث ہے۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ

اللہ کے نزدیک شہداء کے مراتب

شہداء میں شہادت (اللہ کے راستہ میں جان دینے) کے علاوہ دو چیزیں اور بھی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے آخرت میں ان کے درجات متفاوت ہونگے۔ یہ دو چیزیں: ایمان اور وصفِ شجاعت ہیں، جن کے درجات متفاوت ہیں، اس لئے شہداء کے درجات بھی متفاوت ہونگے۔

ایمان میں اگرچہ نفس تصدیق کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں، مگر اعمال صالحہ کی وجہ سے ایمان کے درجات متفاوت ہوتے ہیں، اور عملِ صالح میں دو چیزیں شامل ہیں: مامورات کا امتثال اور منہیات سے اجتناب، پھر اگر خدانخواستہ مؤمن سے کوئی کوتاہی ہوجائے تو بھی دو درجے ہیں: کوتاہیوں سے توبہ کرلی ہے یا نہیں کی، اور وصفِ شجاعت بھی ایک پسندیدہ وصف ہے، حدیث میں ہے: لَمؤمنٌ قویٌّ أَحبُّ إلی اللّٰهِ من المؤمن الضعیف یعنی طاقت ور (بہادر) مؤمن اللہ کو کمزور (بزدل) مؤمن سے زیادہ پسند ہے۔

پھر صلاح وتقوی اور بہادری میں سے اول کی اہمیت زیادہ ہے، پس بوقت اجتماع صالح کا درجہ بڑھ جائے گا اور بوقت تجرید (خالی ہونے کی صورت میں) بھی مؤمن صالح متقی آگے رہے گا، نبی پاک ﷺ نے انہی امور کا لحاظ کرکے شہداء کے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔ پہلا درجہ: جید الایمان بہادر کا ہے جو جم کر لڑتا ہے، دوسرا درجہ: جید الایمان بزدل کا ہے جو میدان میں بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ تیسرا درجہ: اس بہادر مؤمن کا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے، مگر اس نے توبہ کرلی ہے، اور چوتھا درجہ: بہادر گنہ گار مؤمن کا ہے۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء چار ہیں: یعنی ان کے چار مختلف درجات ہیں: پہلا درجہ: مؤمن آدمی عمدہ ایمان والا یعنی متقی اور پارسا، دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا پس اس نے اللہ کو سچ کر دکھایا یعنی بہادری سے لڑنے کا وعدہ پورا کیا یہاں تک کہ وہ مارا گیا، پس یہ وہ شہید ہے جس کی طرف لوگ قیامت کے دن (جنت میں) اپنی نگاہیں اس طرح اٹھائیں گے، اور انھوں نے اپنا سر اٹھایا، یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گرگئی (حدیث کا راوی ابو یزید خولانی کہتا ہے) پس میں نہیں جانتا کہ حضرت فضالہ نے حضرت عمرؓ کی ٹوپی مراد لی ہے یا نبی ﷺ کی ٹوپی؟ یعنی قلنسوته کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ یہ بات میں نے حضرت فضالہ سے نہیں پوچھی۔

دوسرا درجہ: نبی ﷺ نے فرمایا: (فصل کی وجہ سے قال دوبارہ لایا گیا ہے) اور مؤمن آدمی عمدہ ایمان والا اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا یعنی میدانِ جہاد میں اترا پس بزدلی کی وجہ سے گویا اس کی کھال میں کیکر کے کانٹے چبھودیئے گئے، اس کو انجانا تیر لگا جس سے وہ شہید ہوگیا، پس وہ دوسرے درجہ میں ہے (اس شہید میں وصف شجاعت ندارد

ہے، مگر صلاح وتقوی کا جو ہر موجود ہے اور اس کی اہمیت بہادری سے زیادہ ہے اس لئے اس کو دوسرا درجہ ملا) تیسرا درجہ: اور مؤمن آدمی جس نے نیک عمل ملایا (برائی کے ساتھ) اور دوسرا برا عمل (ملایا توبہ کے ساتھ) یعنی اس سے کوئی گناہ ہوگیا جس کی اس نے توبہ کرلی، اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا پس اس نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا، یعنی بہادری سے لڑا یہاں تک کہ مارا گیا، پس وہ تیسرے درجہ میں ہے۔ چوتھا درجہ: اور مؤمن آدمی جس نے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رکھی ہے یعنی وہ گنہ گار بندہ ہے اور اس نے توبہ بھی نہیں کی، اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا پس اس نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا یہاں تک کہ وہ مارا گیا، پس وہ چوتھے درجہ میں ہے۔

تشریح: خَلَطَ عملاً صالحاً وَ آخَرَ سيئا میں دونوں جگہ خلط کا مفعول ثانی محذوف ہے أی خَلَطَ عملاً صالحاً بطالحٍ، وَخَلَطَ عَمَلَ آخَرَ سيئًا بالصالح أی بالتوبة۔ یہ محاورہ سورۃ التوبہ آیت ۱۰۲ میں آیا ہے اور اس کی پوری وضاحت میری تفسیر ہدایت القرآن میں ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نبی ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے تھے، یعنی پگڑی کے بغیر، کیونکہ ٹوپی گرنا اسی صورت میں کہا جائے گا جب اس پر پگڑی نہ ہو، پگڑی اول تو گرتی نہیں، اور اگر گرے تو اس کو پگڑی گرنا کہیں گے ٹوپی گرنا نہیں کہیں گے۔ غیر مقلدین جن کو اصرار ہے کہ نماز بے ٹوپی پڑھنا سنت ہے: وہ غور کریں۔ نبی ﷺ سے کبھی بھی کھلے سر نماز پڑھنا ثابت نہیں، عذر اور نوافل کی بات الگ ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز مزین ہوکر پڑھو (الاعراف ۳۱) اور اسلامی تہذیب میں کھلے سر رہنا پسندیدہ بات نہیں، پھر اس حال میں نماز پڑھنا کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے؟!

[١٤-] باب ماجاء فی فَضْلِ الشُّهَدَاءِ عند الله

[١٦٣٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ عَطَاءِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِیْ يَزِيْدَ الْخَوْلَانِیِّ، أَنَّهُ سَمِعَ فَضَالَةَ بنَ عُبَيْدٍ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ: "الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ: رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الإِيْمَانِ، لَقِیَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰی قُتِلَ، فَذَاكَ الَّذِیْ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا، وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتّٰی وَقَعَتْ قَلَنْسُوَتُهُ، فَلَا أَدْرِیْ قَلَنْسُوَةَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ قَلَنْسُوَةَ النبیِّ صلی الله علیه وسلم؟ قَالَ: وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الإِيْمَانِ لَقِیَ الْعَدُوَّ فَكَأَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ، أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَقَتَلَهُ، فَهُوَ فِی الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ. وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلاً صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا، لَقِیَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰی قُتِلَ فَذَاكَ فِی الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ، وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلٰی نَفْسِهِ، لَقِیَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰی قُتِلَ، فَذَاكَ فِی الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانعرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ عَطَاءِ بنِ دِيْنَارٍ، سَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: قَدْ رَوَى سَعِيْدُ بنُ أَبِي أَيُّوْبَ هٰذَا الحديثَ عَنْ عَطَاءِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَشْيَاخٍ مِنْ خَوْلَانَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ أَبِي يَزِيْدَ، وَقَالَ: عَطَاءُ بنُ دِيْنَارٍ: لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ.

لغات: صَدَقَ فلاناً: سچی بات کہنا، سچی بات بتانا، اس لفظ کو صَدَّقَه بھی پڑھ سکتے ہیں، صَدَّقَه کے معنی ہیں: سچا کر دکھانا، بروئے کار لانا...... طَلْح: ببول، کیکر...... غَرْب بمعنی غریب: انجانا...... أَسْرَف عليه: تجاوز کرنا، حد سے بڑھنا۔

وضاحت: یہ حدیث صرف عطاء بن دینار سے مروی ہے یعنی ان سے آخر تک یہی ایک سند ہے اور عطاء سے روایت کرنے والے عبداللہ بن لہیعہ اگر چہ ضعیف ہیں، مگر ان کے متابع سعید بن ابی ایوب موجود ہیں، البتہ وہ روایت میں ابو یزید خولانی کی تخصیص نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں: عطاء: قبیلۂ خولان کے چند شیوخ (متعدد معتبر آدمیوں) سے روایت کرتے ہیں، یہ ساری بات امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، اور امام بخاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عطاء ٹھیک راوی ہیں، اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

بابُ ماجاء فی غَزْوِ الْبَحْرِ

سمندر کے راستے سے جہاد کرنے کا ثواب

نبی ﷺ کے زمانے میں سمندر کا سفر کر کے جنگ کرنے کا سلسلہ نہیں تھا اس زمانے میں سمندر کا سفر خطرناک سمجھا جاتا تھا، بغیر انجن کی بوٹیں تھیں جو ہوا کے رحم وکرم پر چلتی تھیں، کبھی ڈوب بھی جاتی تھیں اور کبھی کہیں سے کہیں نکل جاتی تھیں، اس لئے حدیثوں میں سمندر کے راستہ سے سفر کر کے جہاد کرنے کے خاص فضائل آئے ہیں، کیونکہ اجر وثواب بقدر مشقت ہوتا ہے اور اس قسم کے جہاد میں مشقت کا زیادہ ہونا ظاہر ہے، آج بھی نیوی (بحری فوج) کی تنخواہیں برّی فوج کی تنخواہوں سے زیادہ ہوتی ہیں، اور فضائی فوج کا مقام تو اور بھی بلند ہے، کیونکہ اس میں خطرہ سوا ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حضرت ام حرام بنت ملحان (یہ حضرت ام سلیم کی بہن اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں) کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، پس وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں، یہ خاتون حضرت عبادة بن الصامتؓ کے نکاح میں تھیں، ایک دن نبی ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے، انھوں نے آپؐ کو کھانا کھلایا اور آپؐ کو روک لیا (آپؐ قیلولہ کے لئے لیٹ گئے) اور وہ آپؐ کے سر میں جوئیں تلاش کرنے لگیں (جوئیں تلاش کرنا نیند لانے کے لئے ہوتا ہے، اس سے آرام ملتا ہے اور نیند آجاتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ کے سر مبارک میں جوئیں تھیں) چنانچہ آپ سو گئے، پھر آپؐ بیدار ہوئے، آپؐ مسکرا رہے تھے، ام حرامؓ کہتی ہیں: میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپؐ کیوں ہنسے؟ آپؐ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے

سامنے پیش کئے گئے، درانحالیکہ وہ راہ خدا میں جہاد کررہے ہیں وہ اس سمندر کے بیچ میں سوار ہونگے (اس زمانہ میں سمندر کا قریبی سفر کنارے کنارے کیا جاتا تھا اور کسی دور ملک تک جانا ہوتا تھا تو کشتی سمندر کے بیچ میں ڈالی جاتی تھی پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کسی دور ملک میں جہاد کے لئے جائیں گے) وہ تختوں پر بادشاہ ہیں یا فرمایا: تختوں پر بادشاہوں کی طرح ہیں، ام حرام نے عرض کیا: آپؐ میرے لئے اللہ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے، چنانچہ آپؐ نے ان کے لئے دعا کی پھر سر مبارک رکھا اور دوبارہ سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، ام حرام نے پھر پوچھا: یارسول اللہ! آپ کیوں ہنسے؟ آپؐ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے درانحالیکہ وہ راہ خدا میں جہاد کررہے ہیں، اسی طرح جس طرح پہلے فرمایا تھا، ام حرام کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں شامل فرمائے، آپؐ نے فرمایا تم پہلوں میں ہو، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ام حرام نے سمندری سفر کیا پس وہ اپنی سواری پر سے نیچے ڈال دی گئیں جب وہ سمندر سے نکلیں، پس وہ وفات پاگئیں۔

تشریح: سمندر کے سفر سے پہلا غزوہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا، حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے ان کی خلافت کے آخری ایام میں جزیرۂ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی تھی، اس وقت امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بحری جہاد کی اجازت دینے میں تامل تھا، ابھی اجازت نہیں ملی تھی کہ فاروق اعظم شہید کردیئے گئے، پھر امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے بحری حملہ کی اجازت چاہی تو آپؓ نے چند شرائط کے ساتھ اجازت دیدی، چنانچہ امیر معاویہؓ کی تحریک سے ایک جماعت قبرص پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگئی، جس میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوالدرداء، حضرت شداد بن اوس، حضرت عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے، حضرت عبادہ کی اہلیہ حضرت ام حرام بھی ساتھ گئیں، جب فوج ساحل پر اتری اور خشکی کا سفر شروع ہوا تو ام حرام کی سواری بدکی، وہ نیچے گریں اور شہید ہوگئیں، یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے، اور سمندر کا دوسرا غزوہ امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ۴۵ھ میں یزید کی سربراہی میں پیش آیا ہے، اس وقت قسطنطنیہ پر حملہ کیا گیا تھا اور اس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، اسی غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دوران قسطنطنیہ کے باہر انتقال فرمایا ہے اور وہ وہیں مدفون ہیں (فتح الباری ۱۱: ۷۵ کتاب الاستیذان باب: من زار قوما فَقَالَ عندهم)

سوال: ام حرام تو جہاد کے لئے نہیں گئی تھیں، نیز عورتوں پر جہاد فرض بھی نہیں، پھر ان کو مجاہدین والی فضیلت کیسے حاصل ہوئی؟

جواب: نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ مقام ومرتبہ ان کو حاصل ہوا، علاوہ ازیں: مجاہدین کی جماعت وہ جماعت ہے جس میں برائے نام شرکت کرنے والے بھی محروم نہیں رہتے، هم قومٌ لایَشْقَی جَلِیْسُهُمْ، مَی خانے

کا محروم بھی محروم نہیں ہے!

[١٥-] باب ماجاء في غَزْوِ الْبَحْرِ

[١٦٣٧-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ، فَتُطْعِمُهُ، وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا، فَأَطْعَمَتْهُ، وَحَبَسَتْهُ تَفْلِيْ رَأْسَهُ، فَنَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ، مُلُوْكٌ عَلَى الأَسِرَّةِ، أَوْ: مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الأَسِرَّةِ" قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ لَهُ: مَاذَا يُضْحِكُكَ يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" نَحْوَ مَاقَالَ فِيْ الأَوَّلِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ، قَالَ: "أَنْتِ مِنَ الأَوَّلِيْنَ" فَرَكِبَتْ أُمُّ حَرَامٍ الْبَحْرَ فِيْ زَمَنِ مُعَاوِيَةَ بنِ أَبِيْ سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ، فَهَلَكَتْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأُمُّ حَرَامٍ بِنْتُ مِلْحَانَ: هِيَ أُخْتُ أُمِّ سُلَيْمٍ، وَهِيَ خَالَةُ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ.

لغت: الثَّبَج: ہر چیز کا ابھرا ہوا درمیانی حصہ، بڑا حصہ، جمع ثُبُوْج و أَثْبَاج۔

بابُ ماجاء مَنْ يُقَاتِلُ رِيَاءً وَلِلدُّنْيَا

دکھاوے اور دنیا طلبی کے لئے لڑنا

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بہادری کا جوہر دکھانے کے لئے یا عصبیت کی وجہ سے یا ناموری کے لئے لڑتا ہے کہ ان میں سے راہِ خدا میں لڑنے والا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو وہی راہِ خدا میں لڑنے والا ہے''

تشریح: اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جو جنگ کرتا ہے وہی شرعی جہاد کرنے والا ہے، اس لئے کہ اعمال تو ڈھانچے ہیں، ان میں جان نیتوں سے پڑتی ہے، روح کے بغیر جسم لاش (لاشیئ) ہے، پس جیسی نیت ہوگی ویسا عمل ہوگا، پہلے تین شخصوں کی نیت صحیح نہیں اس لئے وہ شرعی جہاد نہیں، اور جو اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتا ہے اس کی

نیت صحیح ہے اس لئے وہی شرعی جہاد ہے۔ اور عصبیت کے معنی ہیں: اپنے لوگوں کی یا ہم مذہب وہم مسلک لوگوں کی حمایت ومدد کا جذبہ یا بے جا حمایت کرنا۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، اور انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے (یعنی عمل کا ثمرہ نیت پر مرتب ہوتا ہے) مثلاً: جس نے اللہ اور اس کے رسول (کے دین کی نصرت ومدد) کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہے (یعنی اس کو ہجرت کا ثواب ملے گا) اور جس نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اس چیز کے لئے ہے، جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، یعنی اس کی ہجرت لا حاصل ہے، اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

تشریح: اعمال کے صلاح وفساد اور مقبول ومردود ہونے کا مدار نیت پر ہے، جیسی نیت ہوگی ویسا عمل ہوگا، اس لئے کہ اعمال ڈھانچے ہیں ان میں جان نیتوں سے پڑتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہاں زیر بحث صرف اعمال صالحہ ہیں معاصی زیر بحث نہیں، لہٰذا یہ غلطی فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ جب اعمال کا مدار نیتوں پر ہے تو اگر کوئی برا کام اچھی نیت سے کرے تو اس پر بھی ثواب ملنا چاہئے، مثلاً ایک شخص اس نیت سے چوری کرے اور ڈاکہ مارے کہ جو مال حاصل ہوگا اس سے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو یہ شخص ثواب کا مستحق ہونا چاہئے؟ اس شخص کی یہ سوچ غلط ہے اس لئے کہ جو کام فی نفسہ برے ہیں اور جن سے اللہ ورسول نے منع کیا ہے وہ حسن نیت سے نیک عمل نہیں بن سکتے، وہ تو بہر حال قبیح رہیں گے، اس حدیث کا منشا صرف یہ سمجھانا ہے کہ اعمال صالحہ اگر بری نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ نہیں رہتے، بلکہ نیت بد کی وجہ سے وہ برے بن جاتے ہیں، جیسے کوئی شخص خشوع وخضوع سے نماز پڑھے تاکہ لوگ اس کو دیندار اور بزرگ سمجھیں اور اس کا اعزام واکرام کریں تو اس کی یہ نماز اللہ کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتی، اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں چاروں طرف سے لوگ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آرہے تھے، کوئی اس لئے آرہا تھا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرے اور دین کی نصرت ومدد کرے پس یہ ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہے، اس ہجرت پر اجر وثواب ملے گا۔ اور اگر یہ نیت ہو کہ مدینہ کی آبادی چونکہ بڑھ رہی ہے اس لئے وہاں دوکان کی جائے تو خوب چمکے گی یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی، جیسے ایک صاحب ام قیس نامی عورت سے نکاح کرنے ہی کے لئے ہجرت کرکے آئے تھے تو یہ ہجرت بے کار ہے، اللہ کے یہاں اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

فائدہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ام قیس نامی عورت کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، ام قیس نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ مدینہ ہجرت کرکے آجائے تو شادی ہوسکتی ہے، چنانچہ وہ ہجرت کرکے مدینہ آگیا اور ام قیس سے شادی ہوگئی، وہ صاحب مہاجر ام قیس کے نام سے مشہور ہوگئے تھے، ایسے شخص کی ہجرت دینی ہجرت نہیں، اس کو ہجرت پر کچھ بھی اجر وثواب نہیں ملے گا (اصابہ تراجم نساء ترجمہ ۱۴۵۹)

فائدہ: یہ حدیث چونکہ مشہور معرکۃ الآراء ہے اس لئے اس کی لمبی شرحیں کی گئی ہیں، طلبہ ان بحثوں میں الجھ کر اصل حدیث نہیں سمجھتے اس لئے جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں ایک ہی مضمون ہے، پہلا جملہ ہے: إنما الأعمال بالنيات: جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ مُعْتَبَرٌ یعنی موزانہ کیا ہوا: ہے، اور ترجمہ یہ ہے: اعمال کا نیتوں کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے، یہاں ممکن تھا کوئی عام متعلق کائنٌ محذوف مان لیتا اور یہ مطلب لے لیتا کہ اعمال نیتوں سے وجود میں آتے ہیں حالانکہ بغیر نیت کے بھی عمل وجود میں آجاتا ہے اس لئے دوسرا جملہ بڑھایا: وإنما لِكُلِّ امْرِأ ما نوى یعنی ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، یہ پہلے ہی جملہ کی وضاحت ہے، اب پہلے جملہ کے معنی متعین ہوگئے کہ اس کا تعلق ثواب وعدم ثواب سے ہے، وجود وعدم وجود سے نہیں ہے، پھر مثال سے اس کی مزید وضاحت کی: اس زمانہ میں ہجرت ایک کٹھن عمل تھا اور بہت سے صحابہ کو اس کا تجربہ تھا اس کی مثال دی کہ تین شخص ہجرت کرتے ہیں: ایک دین کی نصرت کے لئے، دوسرا: مدینہ میں کاروبار کرنے کے لئے اور تیسرا: ام قیس سے نکاح کرنے کے لئے، ان میں سے پہلے کی ہجرت باعث اجر ہے، باقی دو کی ہجرت کا کوئی ثواب نہیں کیونکہ اعمال کے ثواب وعدم ثواب کا نیتوں کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے۔ اور پوری حدیث کا سبق ''اخلاص'' ہے، اخلاص کے معنی ہیں: خالص کرنا یعنی ہر عمل میں صرف اللہ کی خوشنودی ملحوظ رہنی چاہئے کوئی بھی عمل نہ تو بے نیت کرنا چاہئے نہ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت سے کرنا چاہئے۔

[۱۶-] باب ماجاء مَنْ يُقَاتِلُ رِيَاءً وَلِلدُّنْيَا

[۱۶۳۸-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً، فَأَيُّ ذٰلِكَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: '' مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۶۳۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَانَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلٰى رَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلٰى رَسُوْلِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَاهَاجَرَ إِلَيْهِ''

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوٰى مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ هٰذَا عَنْ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ.

لغت: الحَمِیَّۃ: غیرت، نخوت، خودداری، ہم نے اس کا ترجمہ عصبیت کیا ہے۔

بابٌ فی الْغُدُوِّ وَالرَّوَاحِ فی سبیل الله

راہ خدا میں صبح وشام لڑنے کی فضیلت

آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں اور آج بھی جنگ میں فوجیوں کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں، جو فوجی صبح کی شفٹ میں لڑتے ہیں وہ شام کو آرام کرتے ہیں، اور جو شام کی شفٹ میں کھڑے ہوتے ہیں، وہ صبح آرام کر لیتے ہیں، فوجیوں کے لئے مسلسل لڑنا مشکل امر ہے آدمی تھک جاتا ہے، درج ذیل احادیث میں ایک شفٹ لڑنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راہِ خدا میں صبح یا شام لڑنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (دوسرا مضمون) جب فوج کسی جگہ پڑاؤ کرتی ہے تو لوگ اپنے لئے جگہ ریزرو کرتے ہیں اور علامت کے طور پر کوڑا یا ہاتھ رکھ دیتے ہیں جس سے ایک آدمی کے قیام کے بقدر جگہ ریزرو ہو جاتی ہے، جیسے بعض لوگ مسجد میں رومال وغیرہ کوئی چیز رکھ دیتے ہیں، جس سے ایک آدمی کے بقدر جگہ خاص ہو جاتی ہے، اس جگہ کوئی نہیں بیٹھتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں تمہاری کمان کے بقدر جگہ یا فرمایا: ایک ہاتھ کے بقدر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے'' یعنی جنت میں اتنی جگہ مل جائے تو بھی زہے نصیب! (تیسرا مضمون) جنت کی عورتیں (حوریں) اتنی خوبصورت اور خوشبودار ہیں کہ اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی زمین کی طرف جھانک بھی لے تو زمین وآسمان کے درمیان کی ہر چیز روشن ہو جائے اور پوری فضا خوشبو سے بھر جائے (چوتھا مضمون) اور جنت کی عورتوں کی سر کی اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ـــــــ نَصِیف: اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سر پر باندھتی ہے تاکہ تیل سے اوڑھنی خراب نہ ہو، جنت کا وہ کپڑا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راہ خدا میں ایک صبح لڑنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑے کے بقدر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے'' اور دوسری حدیث میں ہے: ''راہِ خدا میں ایک صبح یا ایک شام لڑنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''

تشریح: دنیا کی ہر نعمت ختم ہونے والی ہے، باقی رہنے والی نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اور باقی رہنے والی چیز اگرچہ تھوڑی ہو فنا ہونے والی چیز سے بہتر ہوتی ہے، یہی مطلب ہے دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کا، فجر کی سنتوں کے تعلق سے بھی یہی بات فرمائی گئی ہے، اور اس کی بھی یہی وجہ ہے، اور تحفۃ الالمعی (۲۵۸:۲) میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ وجہ تو ہر دینی عمل اور اس کے ثواب میں متحقق ہے، پھر بعض مخصوص اعمال ہی کے سلسلہ میں یہ بات کیوں فرمائی گئی وہاں جواب یہ دیا گیا ہے کہ بعض لوگ دنیا کے تھوڑے نفع کی خاطر سنتیں چھوڑ کر صرف فرض پڑھ کر کام میں لگ جاتے ہیں ان سے کہا گیا ہے کہ دنیا کے چار پیسوں کی خاطر ایسا نہ کرو، یہ سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، یہی بات یہاں بھی

ہے، جہاد کے لئے بیوی بچے، کاروبار اور آرام وآسائش سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے اور اس میں جان کا خطرہ بھی لگا رہتا ہے، اس لئے یہ بات فرمائی گئی کہ ان باتوں کا کچھ غم نہ کرو، راہِ خدا میں ایک صبح یا ایک شام لڑنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اور اس عمل کے صلے میں جو جنت ملے گی اس کی ایک آدمی کے قیام کے بقدر جگہ بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اور جو حوریں ملیں گی وہ نفع میں رہیں گی۔

حدیث (۳): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صاحب ایک ایسی گھاٹی سے گذرے جس میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا، وہ جگہ ان کو بہت پسند آئی، انھوں نے سوچا کہ اگر میں لوگوں سے الگ ہوکر یہاں رہ جاؤں (تو بہتر ہوگا، لَو کا جواب: لکان حسناً محذوف ہے) لیکن معاً یہ خیال آیا کہ نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپؐ نے فرمایا: ایسا مت کرو، کیونکہ تمہارا اللہ کے راستہ میں (ایک دن) جہاد کرنا گھر میں ستر سال نفلیں پڑھنے سے بہتر ہے، کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دیں، اور تمہیں جنت میں داخل کریں؟ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، جو شخص اللہ کے راستہ میں اونٹنی دوہنے کے وقفہ کے بقدر لڑے گا: اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی اونٹنی کے تھنوں میں سے اگر سارا دودھ نکال لیا جائے پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ اس کو دوہا جائے تو جو دودھ تھنوں میں جمع ہوگیا ہوگا وہ دیدے گی، اور دومرتبہ دوہنے کے درمیان کا وقفہ فواق کہلاتا ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ راہِ خدا میں تھوڑی دیر قتال کرنا بھی جنت کو واجب کردیتا ہے، اور یہ بات کسی دوسرے عمل سے حاصل نہیں ہوسکتی، پس پانی کے چشمے پر قیام کا ارادہ ترک کرو، اور راہِ خدا میں لڑتے رہو۔

[۱۷-] بابٌ فِي الغُدُوِّ والرَّوَاحِ في سبيل الله

[۱۶۴۰-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، وَلَقَابَ قَوْسِ أَحَدِكُمْ أَوْ: مَوْضِعُ يَدِهِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الأَرْضِ لَأَضَاءَ تْ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا، وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[۱۶۴۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا العَطَّافُ بنُ خَالِدٍ الْمَخْزُوْمِيُّ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "غَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، وَمَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ أَيُّوْبَ، وَأَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٦٤٢-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عَنْ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَالْحَجَّاجِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَن ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "غَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَأَبُوْ حَازِمٍ الَّذِيْ رَوَى عَنْ أَبِيْ هريرةَ: هُوَ الْكُوْفِيُّ اسْمُهُ سَلْمَانُ، هُوَ مَوْلَى عَزَّةَ الأَشْجَعِيَّةِ.

[١٦٤٣-] حدثنا عُبَيْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنِ مُحمدٍ، ثَنَا أَبِيْ عَنْ هِشَامِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ بنِ أَبِيْ هِلَالٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ ذُبَابٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٌ فَأَعْجَبَتْهُ لِطِيْبِهَا، فَقَالَ: لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِي هٰذَا الشِّعْبِ، وَلَنْ أَفْعَلَ حَتَّى اسْتَأْذِنَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مَقَامَ أَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِيْ بَيْتِهِ سَبْعِيْنَ عَامًا، أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ؟ اغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، مَنْ قَاتَلَ فِيْ سبيلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

لغات: القَابُ: مقدار، کنایۃً تھوڑا فاصلہ.....عُيَيْنَةٌ: عَين کی تصغیر: چھوٹا چشمہ۔

وضاحت: تیسری حدیث میں والحجاج کا عطف ابن عجلان پر ہے، یہاں سے تحویل ہے یعنی یہ حدیث ابو خالد احمر دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں: ابن عجلان سے اور ان کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، اور حجاج سے اور ان کی سند ابن عباس رضی اللہ عنہما تک جاتی ہے (تحفۃ الاشراف ۵: ۲۴۳)

بابُ ماجاء أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ

سب سے بہتر کون آدمی ہے؟

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں لوگوں میں سب سے بہتر شخص نہ بتاؤں؟ بہترین آدمی وہ ہے جو راہِ خدا میں گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے۔ کیا میں تمہیں وہ شخص نہ بتاؤں جو درجے میں اس کے بعد ہے؟ وہ شخص جو اپنی چند بکریاں لے کر علحدہ ہو گیا، وہ بکریوں میں اللہ کا جو حق ہے ادا کرتا ہے، کیا میں تمہیں بدترین آدمی نہ بتاؤں؟ وہ شخص جس سے اللہ کے نام پر مانگا جاتا ہے اور وہ اس پر بھی نہیں دیتا"

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا درجہ اس شخص سے بڑھا ہوا ہے جو اپنی زندگی بناتا ہے اور اعمال صالحہ میں مشغول ہے، کیونکہ اس کا عمل لازمی ہے، اس کا فائدہ صرف اس کی ذات تک ہے اور مجاہد کا عمل متعدی ہے وہ ساری دنیا کو سنورانے کی محنت کررہا ہے، اس لئے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

دوسری بات: اگر اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا جائے تو ضرور دینا چاہئے، اللہ کے نام کی عظمت کا یہی تقاضہ ہے مگر پیشہ ور سائل اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ اللہ کے نام پر مانگنا ان کا تکیہ کلام ہے، پس اس میں سنجیدگی نہیں ہے، جیسے سلام کا جواب دینا واجب ہے مگر پیشہ ور سائل کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ شامی میں اس کی صراحت ہے، کیونکہ اس کا سلام: سلام نہیں ہے، بلکہ سوال ہے۔ کذا ھذا۔

[۱۸-] باب ماجاء أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟

[۱۶۴۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ بُكَيْرِ بنِ الْأَشَجِّ، عَنْ عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ؟ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعَنَانِ فَرَسِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِيْ يَتْلُوْهُ؟ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ لَهُ، يُؤَدِّيْ حَقَّ اللّٰهِ فِيْهَا، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ؟ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللّٰهِ، وَلَا يُعْطِيْ بِهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَيُرْوَى هذا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ ابنِ عَباسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عيه وسلم.

وضاحت: يُسْأَلُ: فعل مجہول ہے، معروف پڑھنا صحیح نہیں...... غُنَيْمَة: غَنَمٌ کی تصغیر تقلیل کے لئے ہے۔

بابُ ماجاء فی مَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ

شہادت کی سچی چاہت کا اجر

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس کے راستہ میں شہید ہونے کی سچے دل سے دعا مانگے: اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا ثواب عنایت فرماتے ہیں''

تشریح: سچے دل سے شہادت کی تمنا اور آرزو کرنے سے بھی شہادت کا ثواب ملتا ہے اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون سچے دل سے مانگ رہا ہے اور کون اوپرے دل سے، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جن کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہے جب ان کا انتقال چارپائی پر ہونے لگا تو وہ بہت بے چین تھے، لوگوں نے بے چینی کی وجہ پوچھی تو

فرمایا: میں نے شہادت کی تمنا میں اتنے زخم کھائے ہیں کہ میرے بدن پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں زخم کا نشان نہ ہو، پھر بھی میں چارپائی پر مر رہا ہوں، یہ تھی شہادت کی سچی طلب، ایسے لوگوں کا مقام یقیناً شہیدوں کے برابر ہے، اور ایک ہم ہیں کہ آپس میں تو خوب لڑتے ہیں، مگر جب جہاد کا موقع آتا ہے تو کواڑ بند کر کے، چارپائی کے نیچے گھس کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں، اس کو شہادت کی سچی طلب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے درجوں تک پہنچاتے ہیں اگرچہ وہ بستر پر مرے!'' یعنی بالفعل جہاد کی طرح عزمِ جہاد (بالقوۃ جہاد) بھی مطلوب ہے اور اس کا بھی بڑا اجر ہے۔

[١٩-] باب ماجاء فيمن سَأَلَ الشَّهَادَةَ

[١٦٤٥-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، ثَنَا ابنُ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ مُوْسَى، عَنْ مَالِكِ بنِ يَخَامِرَ السَّكْسَكِيِّ، عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهِ: أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَجْرَ الشَّهِيْدِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٦٤٦-] حدثنا محمدُ بنُ سَهْلِ بنِ عَسْكَرٍ، ثَنَا الْقَاسِمُ بنُ كَثِيْرٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحمنِ بنُ شُرَيْحٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بنَ أَبِيْ أُمَامَةَ بنِ سَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ مِنْ قَلْبِهِ صَادِقًا: بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ"

هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ سَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ شُرَيْحٍ، وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ شُرَيْحٍ، وَعَبْدُ الرحمنِ بنُ شُرَيْحٍ: يُكْنَى أَبَا شُرَيْحٍ، وَهُوَ إِسْكَنْدَرَانِيٌّ؛ وفي الباب: عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ.

بابُ ماجاء في الْمُجَاهِدِ وَالْمَكَاتَبِ وَالنَّاكِحِ: وَعَوْنِ اللّٰهِ إِيَّاهُمْ

مجاہد کی، مکاتب کی، اور نکاح کرنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں کی مدد کرنا اللہ پر حق (لازم) ہے (اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں اور اس تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کی مدد کا قطعی اور یقینی وعدہ ہے) ایک راہ خدا میں جہاد کرنے والا، دوسرا وہ غلام جس نے اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کیا ہو اور اس کا ارادہ بدلِ کتابت ادا کرنے کا ہو،

تیسرا: وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کا ارادہ رکھتا ہو (اگر وہ معروف طریقے پر خرچ کرے اور فضول خرچی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرماتے ہیں)

تشریح: مذکورہ تین شخصوں میں حصر نہیں، اس لئے کہ ذکرِ عدد نفی ماعدا کو مستلزم نہیں اور اسی لئے حنفیہ نے مفہوم عدد کا اعتبار نہیں کیا، تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی بھی مدد فرماتے ہیں، مثلاً دینی کتاب کی طباعت کے لئے قرض لینے والے کی اور فرض حج کرنے کے لئے قرض لینے والے کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتے ہیں، اور غیب سے اس کی ادائیگی کا انتظام فرماتے ہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ قرض ادا کرنے کا پختہ ارادہ ہو اور اس کے لئے کوشش بھی جاری رکھے۔

اس کے بعد باب میں جو دوسری حدیث ہے وہ حقیقت میں آئندہ باب کی ہے، مصری نسخہ میں وہ حدیث آئندہ باب کے آخر میں ہے، مگر چونکہ ہمارے نسخہ میں یہ حدیث یہاں ہے اس لئے یہاں اس کا ترجمہ پڑھ لیں، لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس کا تعلق آئندہ باب سے ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی مسلمان آدمی اونٹنی کو دومرتبہ دوہنے کے درمیان کے وقفہ کے بقدر یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی راہِ خدا میں لڑے تو اس کے لئے جنت ثابت ہو جاتی ہے، اور جو شخص راہِ خدا میں کوئی بھی زخم لگایا جائے یا اس پر کوئی افتاد پڑے (جیسے گھوڑا مر گیا یا سامان چوری ہو گیا) تو وہ زخم قیامت کے دن یقیناً آئے گا زیادہ سے زیادہ تازہ ہو کر جو کہ وہ تھا (یعنی جس وقت زخم لگا تھا ویسا ہی تازہ زخم ہو کر آئے گا) اس کا رنگ زعفرانی ہوگا، اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی (اور وہ اس زخم سے لطف اندوز ہوگا، اسی طرح جو افتاد اس پر پڑی ہے وہ بھی قیامت کے دن اسی طرح آئے گی تاکہ اس کی مظلومیت خوب ظاہر ہو)

[٢٠-] باب ماجاء في الْمُجَاهِدِ والْمُكَاتَبِ وَالنَّاكِحِ: وَعَوْنِ اللّٰهِ إِيَّاهُمْ

[١٦٤٧-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هريرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ: الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[١٦٤٨-] حدثنا أَحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، ثَنَا ابنُ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ مُوْسَى، عَنْ مَالِكِ بنِ يَخَامِرَ، عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ نُكِبَ نَكْبَةً، فَإِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ: لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيْحُهَا كَالْمِسْكِ" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

لغات: النَّكْبةُ: مصیبت، نَكَبَ الدهرُ فلاناً: زمانہ کا کسی پر مصیبت لانا...... فإنها: أی النكبة التی فیها الجرح...... أغْزَر: اسم تفضیل، مضاف، غَزُرَ (ک) غَزَارَة: بہت ہونا، کثیر ہونا۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ مَنْ يُكْلَمُ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ

جہاد میں زخم لگنے کی فضیلت

حدیث: کوئی بھی راہِ خدا میں زخمی نہیں کیا جاتا — اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں اس کو جو راہِ خدا میں زخمی کیا جاتا ہے — مگر آئے گا وہ زخم قیامت کے دن: رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

تشریح: قیامت کے دن شہید کے اور محض زخمی ہونے والے کے یہ ہرے زخم اس کی جزائے خیر ہونگے، اور وہ ان سے لطف اندوز ہوگا ''مشک جیسی خوشبو'' میں اس طرف اشارہ ہے اور اس بات کو سمجھنے کے لئے تین باتیں جاننی ضروری ہیں:

۱- اعمال اپنی ہیئت وصورت کے ساتھ یعنی کما ھی نفس کے ساتھ چپک جاتے ہیں لہٰذا شہید کی ''صورتِ شہادت'' بھی اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہوجاتی ہے۔

۲- عمل اور اس کی جزا میں تضایُف کا تعلق ہے، یعنی ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہے، جیسے ابوّت وبنوّت، اس لئے عمل میں جزا کی شان پیدا ہوجاتی ہے اور جزاء میں عمل کا اثر پہنچ جاتا ہے اس کی مثال یہ ہے: ملازم کو مہینہ ختم ہونے پر جو تنخواہ ملتی ہے وہ اس کی مہینہ بھر کی محنت کا ثمرہ ہے اور وہ مہینہ بھر جو کام پر حاضری دیتا ہے وہ بامید تنخواہ دیتا ہے، اسی طرح شہید کی صورت شہادت میں بھی جزاء کی شان جلوہ گر ہوجاتی ہے۔

۳- مجازات کا مدار مماثلت پر ہے، آخرت میں نعمت وراحت عمل کی قریب ترین صورت میں متمثل ہونگے، پہلے آیا ہے کہ جیسا جانور قربان کیا ہوگا ویسا ہی آخرت میں ملے گا، البتہ مماثلت میں آخرت کے احوال کا لحاظ ہوگا۔

جب یہ باتیں جان لیں تو اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ جب قیامت کے دن میدانِ محشر میں شہید حاضر ہوگا تو اس پر اس کا عمل ظاہر ہوگا، یعنی وہ ہرے زخموں کے ساتھ آئے گا اور وہ ان سے لطف اندوز ہوگا۔

(رحمۃ اللہ ۵: ۳۸۸)

اور اس طرح آنے میں حکمت یہ ہے کہ میدانِ حشر میں اس کی مظلومیت ظاہر ہو، لوگ دیکھیں کہ جس نے دنیا کو سنوارنے کا بیڑا اٹھایا تھا: اس کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا ہے؟ اور لوگوں کو بھی ندامت ہو کہ ہم نے اپنے محسن کے ساتھ کیا کیا ہے!

ملحوظہ: گذشتہ باب کی دوسری حدیث اس باب کی ہے، مصری نسخہ میں وہ اس باب کے آخر میں ہے۔

[۲۱-] باب ماجاء فی فَضْلِ مَنْ يُكْلَمُ فِیْ سبيل الله

[۱۶۴۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هريرة قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم: " لَايُكْلَمُ أَحَدٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ – وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ – إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِیْ هريرةَ عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم.

لغت: كَلَمَه (ض) كَلْمًا: زخمی کرنا، کلمہ (بات) کو اسی لئے کلمہ کہتے ہیں کہ کبھی وہ دل کو زخمی کر دیتا ہے۔

بابٌ: أَیُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟

کونسا عمل بہتر ہے؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے افضل عمل کونسا ہے یا سب سے بہتر عمل کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا'' پوچھا گیا: پھر کونسا عمل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جہاد عمل کی کوہان ہے'' پھر پوچھا گیا: یارسول اللہ! پھر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''پھر مقبول حج ہے''

تشریح: اعمال کے بارے میں پوچھا گیا ہے کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ جواب میں نبی ﷺ نے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے کو سب سے بہتر عمل قرار دیا ہے، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو عقیدہ ہے عمل کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کی دو جہتیں ہیں: ایک جہت سے وہ امر باطنی (مخفی چیز) ہے یعنی تصدیق قلبی اور اعتقاد کا نام ایمان ہے، اور دوسری جہت سے وہ امر ظاہر ہے چونکہ اعمال صالحہ ایمان پر متفرع ہوتے ہیں یعنی اعمال: ایمان کا پیکر محسوس ہیں اس لئے اعمال بھی ایمان ہیں، اور اسی جہت سے ایمان پر اسلام کا اطلاق ہوتا ہے، نصوص میں ایمان واسلام ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں، یہاں اسی جہت سے ایمان کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔

اور جہاد اعمالِ اسلامی کی کوہان ہے، اونٹ کی کوہان اس کا سب سے بلند حصہ ہوتی ہے، اسی طرح اعمال اسلامیہ میں اہم ترین عمل جہاد ہے کیونکہ اس کے ذریعہ دین کی اور شعائر دین کی خوب تشہیر ہوتی ہے اور دین سربلند ہوتا ہے اس لئے ایمان کے بعد جہاد کا مرتبہ ہے، پھر حج مقبول کا درجہ ہے اس کی تفصیل کتاب الحج (باب ۲) میں گذر چکی ہے۔

[۲۲-] بابُ أَیُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟

[۱۶۵۰-] حدثنا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، ثَنَا أَبُوْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هُريرةَ

رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَیُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ أَوْ: أَیُّ الأَعْمَالِ خَیْرٌ؟ قَالَ: "إِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ" قِیْلَ: ثُمَّ أَیُّ شَیْئٍ؟ قَالَ: "الْجِہَادُ سِنَامُ الْعَمَلِ" قِیْلَ: ثُمَّ أَیُّ شَیْئٍ یَارسولَ اللّٰہِ؟ قَالَ: "ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ"

ہٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ غَیْرِ وَجْہٍ عَنْ أَبِیْ ہریرۃَ عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

لغت: بَرَّ حجُّہ بِرًّا: قبول ہونا، مَبْرُوْرٌ: اسم مفعول بمعنی مقبول۔

بابٌ

جنت کے دروازے تلواروں تلے ہیں

پرانے زمانہ میں جب لڑائی شروع ہوتی تھی اور فوجیں صف درست کرلیتی تھیں تو ان میں جوش پیدا کرنے کے لئے مقررین ان کے سامنے تقریر کرتے تھے، اور شعراء اپنا کلام پڑھتے تھے، اب فوجیوں کے سامنے دھن بجائی جاتی ہے، جس سے فوجی لڑنے کے لئے بے تاب ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی کسی موقع پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تقریر میں یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "جنت تلواروں کی جھنکار تلے ہے" یعنی جہاد میں شرکت دخول جنت کا بہترین سبب ہے جیسے جنت ماں کے پیروں تلے ہے یعنی ماں کے ساتھ حسن سلوک دخولِ جنت کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ حدیث سن کر صف میں سے ایک شخص آگے بڑھا، وہ پراگندہ حال تھا، اس نے پوچھا: آپؓ نے خود یہ حدیث آنحضور ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: ہاں! پس وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جن کی ڈیوٹی اس شفٹ میں نہیں تھی، ان کو سلام رخصت کیا اور تلوار اٹھائی، میان توڑ دیا، اور میدان میں اترا، اور لڑتے ہوئے شہید ہوگیا۔

ملحوظہ: یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے: باب ما ذُکر أن أبوابَ الجنۃ تحت ظِلَالِ السُّیُوْفِ۔

[۲۳-] بابٌ

[۱۶۵۱-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، ثَنَا جَعْفَرُ بنُ سُلَیْمَانَ الضُّبَعِیُّ، عَنْ أَبِیْ عِمْرَانَ الْجَوْنِیِّ، عَنْ أَبِیْ بَکْرِ بنِ أَبِیْ مُوْسَی الأَشْعَرِیِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِیْ بِحَضْرَۃِ الْعَدُوِّ، یُقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّۃِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ رَثُّ الْہَیْئَۃِ: أَنْتَ سَمِعْتَ ہٰذَا مِنْ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَذْکُرُہُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَرَجَعَ إِلٰی أَصْحَابِہِ، قَالَ: أَقْرَأُ

عَلَيْكُمُ السَّلَامَ، وَكَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ، فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ.
هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ جَعْفَرِ بنِ سُلَيْمَانَ، وَأَبُوْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ الملكِ بنُ حَبِيْبٍ، وَأَبُوْ بَكْرِ بنُ أَبِيْ مُوْسَى: قَالَ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ: هُوَ اسْمُهُ.

وضاحت: بحضرة العدوِّ: دشمن کی موجودگی میں یعنی جب آمنے سامنے صفیں بن چکی تھیں ...... امام احمد نے فرمایا: ابوبکر بن ابی موسیٰ کا نام ہی ابوبکر ہے، یہ کنیت نہیں۔

بابُ ماجاءَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟

لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے، لوگوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ مؤمن جو کسی گھاٹی (دو پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ) میں رہتا ہے، اپنے رب سے ڈرتا ہے اور لوگوں کو اپنے ضرر سے بچاتا ہے یعنی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔

[۲۴-] باب ماجاء أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟

[۱۶۵۲-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، ثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "رَجُلٌ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" قَالُوْا: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "مُؤْمِنٌ فِيْ شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ، يَتَّقِيْ رَبَّهُ، وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

شہید کے لئے مخصوص ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید کے لئے چھ باتیں ہیں: (۱) شہید کی مغفرت کردی جاتی ہے اول وہلہ ہی میں یعنی شہادت سے سرفراز ہوتے ہی (علاوہ حقوق العباد کے) (۲) وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے (جب وہ جنت میں چرنے چگنے جاتا ہے) (۳) وہ عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے بھی محفوظ رہتا ہے یعنی جب قیامت قائم ہوگی اور لوگ بڑی گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے تو

شہید کو کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی (۴) اس کو وقار (عظمت، شان وشوکت) کا تاج پہنایا جائے گا جس کا ایک ہیرا دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا (۵) اور بڑی آنکھوں والی گوری عورتوں (حوروں) میں سے بہتر بیویوں سے اس کی شادی کی جائے گی (۶) اور اس کے رشتہ داروں میں سے ستر کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنتیوں میں سے کوئی نہیں جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ وہ دنیا کی طرف واپس لوٹے، علاوہ شہید کے، پس وہ پسند کرتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹے، وہ کہے گا: میں اتنی مرتبہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں کہ دس مرتبہ راہِ خدا میں مارا جاؤں، اور اس کی یہ تمنا اس اعزاز واکرام کی وجہ سے ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ اس کو سرفراز کریں گے۔

ملحوظہ: مصری نسخہ میں یہ باب ہے: باب فی ثواب الشهيد۔

[-٢٥] بابٌ

[-١٦٥٣] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبدِ الرحمنِ، ثَنَا نُعَيْمُ بنُ حَمَّادٍ، ثَنَا بِقِيَّةُ بنُ الْوَلِيْدِ، عَنْ بُحَيْرِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بنِ مَعْدِيْكَرِبَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِيْ أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الأَكْبَرِ، وَيُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، الْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ، وَيُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ أَقَارِبِهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

[-١٦٥٤] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، ثَنَا أَنَسُ بنُ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، غَيْرُ الشَّهِيْدِ، فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، يَقُوْلُ: حَتَّى أُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، مِمَّا يَرَى مِمَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مِنَ الْكَرَامَةِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، حدثنا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ حدثنا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

وضاحت: خصال: خصلة کی جمع ہے: عادت (اچھی یا بری) مراد: بات ...... یَریٰ: معروف یُریٰ مجہول بھی پڑھا جاسکتا ہے یعنی دکھلایا جاتا ہے ...... یُجار: مضارع مجہول از أجارہ: پناہ دینا، قرآن میں ہے: ﴿هُوَ يُجِيْرُ، وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ ...... شفَّعه: اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے ...... مما يرى: اى من أجْلِ ما يرى۔

سرحد کا پہرہ دینے والے کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راہِ خدا میں ایک دن سرحد کا پہرہ دینا دنیا و ما علیہا سے بہتر ہے، اور ایک شام لڑنا: جو کوئی بندہ راہِ خدا میں لڑے یا ایک صبح لڑنا دنیا و ما علیہا سے بہتر ہے، اور جنت میں تم میں سے ایک کی کوڑے کی جگہ دنیا و ما علیہا سے بہتر ہے'' (دنیا و ما فیہا اور دنیا و ما علیہا کا ایک مطلب ہے)

حدیث (۲): محمد بن المنکدر رکہتے ہیں: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ شرحبیل بن السِّمط (فوج کے کمانڈر) کے پاس سے گذرے، جبکہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرحد پر پہرہ دے رہے تھے اور ان پر اور ان کے ساتھیوں پر پہرہ دینا شاق گذر رہا تھا، یعنی سرحد پر پڑے پڑے تنگ آ گئے تھے، پس حضرت سلمانؓ نے فرمایا: اے ابن السمط: کیا میں آپ کو وہ حدیث سناؤں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں یعنی ضرور سنائیے، حضرت سلمانؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے راستہ میں ایک دن پہرہ دینا افضل ہے اور کبھی کہا: بہتر ہے ایک ماہ کے روزوں اور نفلوں سے، اور جو شخص سرحد کا پہرہ دیتے ہوئے وفات پائے وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے اس کا عمل بڑھایا جاتا ہے قیامت تک''

جو جہاد کا اثر لئے بغیر مرے اس میں دراڑ ہوگی

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے جہاد کا کوئی اثر لئے بغیر ملے گا: اس میں دراڑ ہوگی''

تشریح: یہ وعید اس صورت میں ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اگر کسی عذر کی وجہ سے جہاد فوت ہو جائے، آدمی کی اپنی کوتاہی اس میں شامل نہ ہو مثلاً آدمی نابینا، اندھا، لنگڑا یا لولا ہے، اس لئے جہاد میں شرکت نہیں کر سکا یا کسی زمانہ میں باقاعدہ جہاد جاری نہیں، جیسے آج کل تو وہ اس وعید کا مصداق نہیں، ایسی صورت میں جہاد کی نیت پر بھی جہاد کا ثواب ملے گا، جب نبی ﷺ غزوۂ تبوک سے لوٹے، اور مدینہ قریب آیا تو فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پورے جہاد میں تمہارے ساتھ رہے ہیں، تم جو بھی راستہ چلے ہو یا جو بھی میدان طے کیا ہے: وہ تمہارے ساتھ تھے اور ایک روایت میں ہے: ''وہ تمہارے ساتھ ثواب میں شریک تھے'' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! مدینہ میں رہتے ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں مدینہ میں رہتے ہوئے، کیونکہ ان کو عذر نے روک رکھا ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۳۸۱۵)

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، اس کی اسماعیل بن رافع سے اوپر یہی ایک سند ہے اور اسماعیل متکلم فیہ راوی ہے، بعض علماء نے اس کی تضعیف کی ہے اور بعض نے توثیق، امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مقارب الحدیث ہے، مقارب الحدیث: الفاظ جرح میں سے ہے یا الفاظ تعدیل میں سے؟ اس میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ یہ الفاظ

تعدیل میں سے ہے، مگر معمولی درجہ کی تعدیل ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۱۹۹ کتاب الطہارۃ باب ۳) میں گذر چکی ہے۔

اور اس سے اوپر والی حدیث یعنی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث منقطع ہے، کیونکہ محمد بن المنکدر کا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، البتہ یہ حدیث ایوب بن موسیٰ سے بھی مروی ہے اور ان کی سند متصل ہے، اس لئے حدیث صحیح ہے۔

[۱۶۵۵-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِى النَّضْرِ، ثَنِى أَبُوْ النَّضْرِ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِىْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" رِبَاطُ يَوْمٍ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَالرَّوْحَةُ: يَرُوْحُهَا الْعَبْدُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوِ الغَدْوَةُ: خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا؛ وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۶۵۶-] حدثنا ابنُ أَبِىْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا مُحمدُ بنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: مَرَّ سَلْمَانُ الْفَارِسِىُّ بِشُرَحْبِيْلَ بنِ السِّمْطِ، وَهُوَ فِىْ مُرَابَطٍ لَهُ، وَقَدْ شَقَّ عَلَيْهِ وَعَلٰى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: أَلَا أُحَدِّثُكَ يَا ابنَ السِّمْطِ بِحَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" رِبَاطُ يَوْمٍ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ، وَرُبَّمَا قَالَ: خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَمَنْ مَاتَ فِيْهِ وُقِىَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ، وَنُمِّىَ لَهُ عَمَلُهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[۱۶۵۷-] حدثنا عَلِىُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ رَافِعٍ، عَنْ سُمَىٍّ، عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِىْ هريرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ لَقِىَ اللّٰهَ بِغَيْرِ أَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِىَ اللّٰهَ وَفِيْهِ ثُلْمَةٌ"

هٰذا حديثٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ الْوَلِيْدِ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ رَافِعٍ، وَإِسْمَاعِيْلُ بنُ رَافِعٍ: قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ، وَسَمِعْتُ محمداً يَقُوْلُ: هُوَ ثِقَةٌ، مُقَارِبُ الْحديثِ.

وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِىْ هريرةَ عَنِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم.

وَحَدِيْثُ سُلْمَانَ: إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ، مُحمدُ بنُ الْمُنْكَدِرِ لَمْ يُدْرِكْ سَلْمَانَ الْفَارِسِىَّ.

وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الحديثُ عَنْ أَيُّوْبَ بنِ مُوْسَى، عَنْ مَكْحُوْلٍ، عَنْ شُرَحْبِيْلَ بنِ السِّمْطِ، عَنْ سَلْمَانَ، عَنِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

وضاحت: مُرَابَط: اسم ظرف، پہرہ دینے کی جگہ...... نَمَى الشيئَ وَنُمِّىَ: بلند کرنا، حیثیت بڑھانا...... ثُلْمَة: رخنہ، دراڑ، ٹوٹی ہوئی جگہ، یہ کھنڈا اپنی خود اس شخص میں ہوگا، پس اس کے دین میں بھی دندانہ ہوگا۔

پہرہ دینے کی فضیلت کی ایک اور روایت

حدیث (۴): حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں منبر رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کو حدیث سنائی، فرمایا: میں نے آپ لوگوں سے ایک حدیث چھپا رکھی تھی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، ناپسند کرتے ہوئے آپ لوگوں کے جدا ہونے کو مجھ سے یعنی میں سوچتا تھا کہ اگر میں یہ حدیث سناؤں گا تو لوگ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہونگے، اور میں مدینہ میں اکیلا رہ جاؤں گا اور اکیلا حکومت کیسے چلاؤں گا، پھر میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ میں یہ حدیث آپ لوگوں سے بیان کردوں یعنی اب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ مجھے یہ حدیث سنا دینی چاہئے، تاکہ ہر شخص اپنے لئے جو اس کی رائے ہو اختیار کرے، یعنی اللہ کے راستہ میں نکلنا چاہے تو نکلے اور میرے پاس ٹھہرنا چاہے تو ٹھہرے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: ''راہِ خدا میں ایک دن پہرہ دینا اس کے علاوہ جگہوں میں ہزار دن (کی عبادت) سے بہتر ہے''

شہید کو چٹکی بھرنے کے بقدر تکلیف ہوتی ہے

حدیث (۵): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شہید کو قتل ہونے کی تکلیف بس اتنی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو چٹکی بھری جائے تو ہوتی ہے''

تشریح: کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر دلیل عقلی قائم نہیں کی جاسکتی، وہ وجدان سے سمجھی جاسکتی ہیں یا تجربہ کے بعد سمجھ میں آتی ہے، یہ بات کہ شہید کو چٹکی بھرنے کے بقدر تکلیف ہوتی ہے: ایسی ہی بات ہے، اور مجاہدین کے واقعات پڑھنے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، جنگ میں ہاتھ کٹ کر لٹک جاتا تھا وہ اس کو پیر سے دبا کر توڑ دیتے تھے، اور لڑتے رہتے تھے، اور جسم زخموں سے چور ہو جاتا تھا مگر آخر دم تک لڑتے رہتے تھے، ایسے بے شمار واقعات ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ شہید کو چٹکی بھرنے کے بقدر تکلیف ہوتی ہے۔

اللہ کو دو قطرے اور دو نشان محبوب ہیں

حدیث (۶): نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان بہت پسند ہیں، ایک: آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلے، دوسرا: خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں بہایا جائے، اور رہے دو نشان: تو ان میں سے ایک نشان وہ ہے جو راہِ خدا میں لگے، یعنی مجاہد کو کوئی زخم لگے اور اس کا نشان باقی رہ جائے تو یہ نشان اللہ کو بہت پسند ہے، دوسرا: وہ نشان جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی میں ظاہر ہو، جیسے نماز میں بائیں پاؤں پر ٹخنے کے پاس نشان پڑ جاتا ہے یا ماتھے پر نشان پڑ جاتا ہے، یہ نشان بھی اللہ کو بہت پسند ہے، مگر ماتھے کا بناوٹی نشان مراد نہیں، بلکہ بکثرت

سجدے کرنے سے جو واقعی نشان پڑ جاتا ہے وہ حدیث کا مصداق ہے۔

[۱۶۵۸-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، ثنا هِشَامُ بنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، ثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، ثَنِي أَبُوْ عَقِيْلٍ زُهْرَةُ بنُ مَعْبَدٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ مَوْلَى عُثْمَانَ بنِ عَفَّانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُوْلُ: إِنِّيْ كَتَمْتُكُمْ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، كَرَاهِيَةَ تَفَرُّقِكُمْ عَنِّيْ، ثُمَّ بَدَالِيْ أَنْ أُحَدِّثُكُمُوْهُ، لِيَخْتَارَ امْرُؤٌ لِنَفْسِهِ مَا بَدَا لَهُ، سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيْ مَاسِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، قَالَ مُحمدٌ: أَبُوْ صَالِحٍ مَوْلَى عُثْمَانَ: اسْمُهُ تُرْكَانُ.

[۱۶۵۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، وَأَحْمَدُ بنُ نَصْرٍ النَّيْسَابُوْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا ثَنَا صَفْوَانُ بنُ عِيْسَى، ثَنَا مُحمدُ بنُ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بنِ حَكِيْمٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرة قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَا يَجِدُ الشَّهِيْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ.

[۱۶۶۰-] حدثنا زِيَادُ بنُ أَيُّوْبَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ جَمِيْلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ أَبِيْ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَيْسَ شَيْئٌ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ: قَطْرَةِ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَقَطْرَةِ دَمٍ تُهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَأَمَّا الأَثَرَانِ! فَأَثَرٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وأَثَرٌ فِيْ فَرِيْضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

لغت: القَرْصة: چٹکی، انگلیوں سے پکڑ کر گوشت ملنا، قَرَصَ (ن) لَحْمَه: چٹکی بھرنا، قَرَصَه الْبُرْغوث: پسّو کا کاٹنا۔

﴿الحمدللہ! ابواب فضائل الجہاد کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الجهادِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جہاد (قتال فی سبیل اللہ) کا بیان

بابٌ فی أَهْلِ الْعُذْرِ فی الْقُعُوْدِ

معذوروں پر جہاد نہیں

اگر کوئی سماوی عذر ہو، جیسے نابینا، بوڑھا، لنگڑا یا لولا ہو تو ایسے لوگوں پر جہاد فرض نہیں، نیز عورت پر بھی جہاد فرض نہیں، عورت ہونا بھی عذر ہے۔

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت پاک: ﴿لَايَسْتَوِیْ الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ہڈی یا فرمایا: تختی لاؤ (کَتِف سے اونٹ کے شانے کی ہڈی مراد ہے، اس پر لکھتے تھے) پس آپؐ نے یہ آیت لکھوائی، اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے عرض کیا: کیا میرے لئے رخصت ہے؟ پس یہ ٹکڑا نازل ہوا: ﴿غَیْرُ أُوْلِی الضَّرَرِ﴾

تشریح: سورۃ النساء آیت ۹۵ پہلے اس طرح نازل ہوئی تھی ﴿لَايَسْتَوِیْ الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھے رہنے والے برابر نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی یا تختی منگوا کر اس پر یہ آیت لکھوا دی، پھر جب ابن ام مکتومؓ نے جو نابینا تھے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لئے کیا حکم ہے؟ کیا مجھ پر بھی جہاد فرض ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ ٹکڑا نازل ہوا ﴿غَیْرُ أُوْلِی الضَّرَرِ﴾ یعنی جو عذر والے نہیں ہیں، پس صحابہ آیت کو سمجھ گئے کہ عذر والے کون ہیں؟ مثال سامنے آنے سے یہ بات ان کے لئے واضح ہوگئی۔

پہلے کسی جگہ میں نے یہ مضمون سمجھایا ہے کہ آیات احکام نازل کرنے کے لئے پہلے واقعہ رونما کیا جاتا تھا، پھر جب اس واقعہ کا خوب چرچا ہوتا، اور لوگوں کے اندر حکم کی طلب پیدا ہوتی تو متعلقہ آیتیں نازل کی جاتیں، اور صحابہ بغیر

سمجھائے اس کو سمجھ جاتے، آیت تیمّم اسی طرح نازل ہوئی ہے، پہلے آیت کا ابتدائی حصہ: ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ نازل ہوا، تیمّم کا طریقہ نازل نہیں کیا گیا، لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق پاک مٹی کا قصد کیا، اور مختلف طرح تیمم کیا، اس کے بعد باقی آیت نازل ہوئی: ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِنْهُ﴾ اس سے لوگوں نے تیمّم کا طریقہ سیکھ لیا، اسی طرح یہاں بھی پہلے ﴿غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ﴾ نازل نہیں کیا گیا، پھر جب ابن ام مکتوم نے سوال کیا تو یہ حصہ نازل کیا گیا، جس سے صحابہ خود بخود سمجھ گئے کہ ابن ام مکتومؓ جیسے لوگ معذور ہیں، ان پر جہاد فرض نہیں۔

أبو اب الجهاد

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] بابٌ فِي أَهْلِ الْعُذْرِ فِيْ الْقُعُوْدِ

[١٦٦١-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيِّ الْجَهْضَمِيُّ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" ائْتُوْنِيْ بِالْكَتِفِ أَوْ: اللَّوْحِ" فَكَتَبَ: ﴿لَايَسْتَوِيْ الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وَعَمْرُو بنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَقَالَ: هَلْ لِيْ رُخْصَةٌ؟ فَنَزَلَتْ: ﴿غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ﴾

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَباسٍ، وَجَابِرٍ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ هٰذَا الحديثَ.

وضاحت: حضرت عمرو بن ام مکتومؓ: عبداللہ بن ام مکتوم سے مشہور ہیں، باپ کا نام زائدہ یا قیس یا زیادۃ تھا، قریشی قدیم الاسلام صحابی ہیں، اور نابینا تھے، نبی ﷺ ان کو مدینہ میں اپنا نائب بھی مقرر کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال ہوا ہے۔

بابُ ماجاء في مَنْ خَرَجَ إِلَى الْغَزْوِ وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ

ماں باپ کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکلنا

اگر ماں باپ: بیٹے کی خدمت کے محتاج ہوں تو جہاد میں نکلنے کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر جہاد فرضِ عین ہے تو جہاد مقدم ہے، اور جہاد فرض عین اس وقت ہوتا ہے جب دشمن حملہ آور ہو، اور دفاع کے لئے نفیر عام ہو جائے، یعنی سب مسلمانوں پر جنگ میں شریک ہونا لازم قرار دیا جائے تو جہاد مقدم ہے، ماں باپ کو اللہ کے حوالے کرے

اور جہاد کے لئے نکل کھڑا ہو۔

اور اگر جہاد فرض کفایہ ہے تو والدین کی خدمت مقدم ہے۔ فرضُ الكفاية کی تقدیر عبارت: فرضٌ بقدر الكفاية ہے اور یہی اس کی تعریف ہے، یعنی اتنے لوگوں پر فرض جن سے کام چل جائے، مثلاً گاؤں میں جنازہ ہوا تو تجہیز وتکفین کے لئے جتنے آدمی درکار ہیں: اتنے لوگوں پر میت کی تجہیز وتکفین فرض ہے، باقی پر فرض نہیں، البتہ اولاً یہ فریضہ منتشر ہوتا ہے، اس کا کوئی مصداق متعین نہیں ہوتا اس لئے ہر شخص حکم کا مخاطب ہوتا ہے، پھر جب چند لوگ کھڑے ہوں اور میت کی تجہیز وتکفین کردیں تو فرضیت ان میں سمٹ آتی ہے اور ان کو فرض ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے، اور باقی لوگوں کے لئے حکم مستحب رہ جاتا ہے، جیسے امتحان کے پرچے میں پانچ سوال آتے ہیں، جن میں سے لاعلی التعیین تین مطلوب ہوتے ہیں، یہ تین: پانچ میں سے کوئی بھی ہوسکتے ہیں، جواب لکھنے سے پہلے وہ متعین نہیں، پھر جب طالب عالم نے تین کا انتخاب کرکے پرچہ لکھ دیا تو اب فرضیت ان تین میں سمٹ آئی۔

اسی طرح جہاد کے لئے جتنے افراد درکار ہیں لاعلی التعیین ان پر جہاد فرض ہے اور یہ فریضہ منتشر ہے، کوئی خاص شخص ابھی فرضیت کے لئے متعین نہیں، اس لئے اگر ماں باپ خدمت کے محتاج ہیں تو جہاد میں جانا مستحب ہے، اور والدین کی خدمت فرض عین ہے اس لئے وہ مقدم ہے، اور یہی حکم ہر فرض کفایہ کا ہے: فرض عین اس سے مقدم ہے۔

اس باب کی ایک حدیث ابوداؤد (۱:۳۴۲) میں ہے ایک صاحب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جہاد کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واپس جاؤ اور ان کو ہنساؤ جس طرح تم نے ان کو رلایا ہے!'' چونکہ اس وقت جہاد فرض عین نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے ان کو واپس کردیا۔

دوسری حدیث یہاں ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی، آپؐ نے پوچھا: ''کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟'' انھوں نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: ''تو ان میں جہاد کر'' ان صاحب کو غالباً آپؐ نے اس لئے واپس کردیا ہوگا کہ جہاد کے لئے مطلوبہ تعداد پوری ہوچکی ہوگی، اور یہ صاحب باہر سے آئے تھے، اور جہاد میں شرکت کے خواہاں تھے، اس لئے آپؐ نے ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو واپس کردیا، اور ان کو متبادل کام بتادیا کہ جاکر والدین کی خدمت کرو، کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔

[۲-] باب ماجاء فيمَنْ خَرَجَ إِلَى الغزْوِ، وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ

[۱٦٦٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحيَى بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، وَشُعْبَةَ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ

أَبِيْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ:" جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ:" أَلَكَ وَالِدَانِ؟" قَالَ: نعَمْ، قَالَ:" فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عباسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ الْعَبَّاسِ: هُوَ الشَّاعِرُ الْأَعْمَى الْمَكِّيُّ، واسْمُهُ السَّائِبُ بْنُ فَرُّوْخٍ.

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يُبْعَثُ سَرِيَّةً وَحْدَهُ

ایک نفری سریہ کا بیان

سَرِیَّۃ:فوجی دستہ (پانچ سے تین سوتک) سوال یہ ہے کہ ایک نفری سریہ بھیجا جاسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ بھیجا جاسکتا ہے، جیسے یک نفری کمیشن بٹھایا جاسکتا ہے، اور حدیث مختصر ہے، اس کا پورا واقعہ یہ ہے: نبی ﷺ کو کسی مہم پر سریہ بھیجنا تھا مگر امیر بنانے کے لئے کوئی موزوں نام سمجھ میں نہیں آرہا تھا، چنانچہ افراد منتخب کر کے سریہ روانہ کردیا اوران کو ہدایت کی کہ فلاں راستہ پر روانہ ہوجاؤ، میں پیچھے سے کسی کو امیر بنا کر بھیجونگا، سریہ روانہ ہوگیا، آپؐ نے پیچھے سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اوران کو ایک تحریر لکھ کردی کہ عبداللہ بن حذافہ تمہارے امیر ہیں، ان کا حکم مانو، وہ تحریر لے کر روانہ ہوئے اور قافلہ سے جاملے، جب سریہ کے لوگوں نے تحریر دیکھی تو ان کو امیر مان لیا، اسی سریہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ امیر صاحب کسی بات پر ناراض ہوگئے، انھوں نے آگ جلوائی اور حکم دیا کہ اس میں کودو، لوگوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں کہ امیر کا حکم مانا جائے یا نہیں؟ بعض نے کہا: ہم مسلمان ہی آگ سے بچنے کے لئے ہوئے ہیں اس لئے آگ میں نہیں کودیں گے، بات لمبی ہوگئی اور آگ بجھ گئی اور امیر صاحب کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگیا اور معاملہ رفع دفع ہوگیا، جب سریہ واپس آیا تو انھوں نے نبی ﷺ کو پورا واقعہ بتلایا، آپؐ نے فرمایا:"اگر تم امیر کی اطاعت کرتے اور آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں رہتے، امیر کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے، معصیت کے کام میں کسی کی اطاعت نہیں" (بخاری حدیث ۷۱۴۵) غرض یہ یک نفری سریہ نہیں تھا، سریہ تو قافلہ کی شکل میں پہلے روانہ ہوچکا تھا، مگر چونکہ امیر صاحب مدینہ سے قافلہ تک تنہا گئے تھے اس لئے امام ترمذی نے اس کو یک نفری سریہ قرار دیدیا۔

حدیث: ابن جریج کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ النساء کی آیت ۵۹ ﴿أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: نبی ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ پر امیر بنا کر بھیجا (حضرت ابن عباس کے ارشاد کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل سریہ کو امیر صاحب کی ہر حکم میں اطاعت کرنی چاہئے، کیونکہ معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، حدیث میں ہے: لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ فوائد

میں فرماتے ہیں: حاکم اسلام: بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں اور اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانیں (فوائد ترجمہ شیخ الہند)

[۳-] باب ماجاء فی الرَّجُلِ يُبْعَثُ سَرِيَّةً وَحْدَهُ

[۱۶۶۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، ثَنَا الْحَجَّاجُ بنُ مُحمدٍ، قَالَ: قَالَ ابنُ جُرَيْجٍ: فِيْ قَوْلِهِ: ﴿أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ﴾ قَالَ: عَبْدُ اللّٰهِ بنُ حُذَافَةَ بنِ قَيْسِ بنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيُّ: بَعَثَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى سَرِيَّةٍ: أَخْبَرَنِيْهِ يَعْلَى بنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ ابنِ جُرَيْجٍ.

ترجمہ: فقیہ ومحدث عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے آیت کی تفسیر میں کہا کہ امیر مثلاً عبداللہ بن حذافہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا، یہ تفسیر ابن جریج کی نہیں ہے، بلکہ ابن عباسؓ کی ہے، ان کو یعلی نے سعید سے روایت کرتے ہوئے بتایا ہے اور سعید اس کو ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ أَنْ يُّسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ

جنگی حالات میں تنہا سفر کرنا مکروہ ہے

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگ جان لیں وہ بات جو تنہا سفر کرنے میں: میں جانتا ہوں تو کوئی مسافر رات میں تنہا سفر نہ کرے''

تشریح: سفر میں ساتھی ضرور ہونے چاہئیں، تنہا سفر کرنا ٹھیک نہیں، خاص طور پر رات میں اور خطرناک حالات میں تنہا سفر نہیں کرنا چاہئے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں، اور تین قافلہ ہیں، یعنی سفر میں کم از کم تین ساتھی ہونے چاہئیں، ایک دو ساتھیوں کا خاص فائدہ نہیں، یہ حکم بدامنی کے زمانہ کے لئے ہے، عام حالات میں تنہا سفر کرنا جائز ہے، اور ایک دو ساتھیوں کے ساتھ بھی سفر کر سکتے ہیں۔

[۴-] باب ماجاء فی كراهية أَنْ يُسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ

[۱۶۶۴-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ

أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ مِنَ الْوَحْدَةِ، مَاسَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ" يَعْنِي وَحْدَهُ.

[١٦٦٥-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ حرْمَلَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ، وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ، و الثَّلَاثَةُ رَكْبٌ"

حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ عَاصِمٍ، وَهُوَ ابنُ مُحمدِ بنِ زَيْدِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، وَحديثُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو حسنٌ.

وضاحت: راکبٌ: اونٹ سوار، مراد مطلق مسافر۔

بابُ ماجاء في الرُّخْصَةِ فِي الْكَذِبِ وَالْخَدِيْعَةِ فِي الْحَرْبِ

جنگ میں چال چلنا جائز ہے

کَذِب (اسم) خلاف واقعہ بات، مگر یہاں یہ لفظ خدیعہ کا مترادف ہے اور عطف تفسیری ہے، اور خدیعہ کے معنی ہیں: چال چلنا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنگ چال ہے'' یعنی جنگ میں جو چال چلنے میں کامیاب ہوگیا وہی ظفر مندرہا! اسی طرح مناظرہ میں بھی علمی صلاحیت سے کم اور چال سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، اور چونکہ جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے جو چال چلی جاتی ہے وہ کذب کے مشابہ ہوتی ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے باب میں لفظ کذب بڑھایا ہے، جیسے دشمن سے کہا: پیچھے دیکھ! اس نے یہ سمجھ کر پیچھے دیکھا کہ شاید پیچھے سے کوئی آگیا، اور اس کا کام تمام کردیا یا جیسے فوج بظاہر پسپا ہوگئی، جب دیکھا کہ دشمن تتر بتر ہوگیا تو پلٹ کر حملہ کردیا اور میدان سر کرلیا یہ چال چلنا ہے۔

[٥-] باب ماجاء في الرخصة في الكَذِبِ والْخَدِيْعَةِ في الحرب

[١٦٦٦-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ، وَنَصْرُ بنُ عَلِيٍّ قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، سَمِعَ جَابِرَ بنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " الْحَرْبُ خُدْعَةٌ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَعَائِشَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ، وَكَعْبِ بنِ مَالِكٍ، وأَنَسِ بنِ مَالِكٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: الخُدْعة (بضم الخاء) چال، دھوکہ، مکروحیلہ، اور الخَدْعة: (بفتح الخاء) ایک چال، ایک بار دھوکہ، یعنی جنگ ایک چال کا نام ہے، ایک چال میں جنگ ختم ہوجاتی ہے اور اس کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔

بابُ ماجاء في غزَوَاتِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: كَمْ غزَا؟

نبی ﷺ نے کتنی جنگیں لڑیں؟

حدیث: ابواسحاق کہتے ہیں: میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھا تھا، ان سے پوچھا گیا: نبی ﷺ نے کتنے غزوے کئے؟ انھوں نے کہا: انیس، میں نے پوچھا: آپ کتنی جنگوں میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے؟ انھوں نے کہا: سترہ میں، میں نے پوچھا: ان میں کونسا غزوہ پہلا تھا؟ انھوں نے کہا: ذات العُشیراء یا ذات العسیراء (بڑی شین کے ساتھ یا چھوٹی سین کے ساتھ)

تشریح:

۱-عُشیراء (بالمعجمة) اور عُسیراء (بالمهملة) شک راوی ہے، اور بخاری میں العُشیراء أو العُسیرة ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عُشیرة ہی صحیح ہے، جمہور اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے اور غزوۂ عسیرة (بالمهملہ) غزوۂ تبوک کو کہتے ہیں۔

۲-سب سے پہلا غزوہ کونسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، محمد بن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں: سب سے پہلا غزوہ ابواء ہے، پھر بُواط پھر عشیرة۔ اسی ترتیب کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، اور اسی کو حافظ رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اختیار کیا ہے، اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلا غزوہ عشیرة ہے (سیرۃ المصطفیٰ ۲: ۴۹)

۳-اور غزوات کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق وغیرہ نے غزوات کی تعداد ستائیس بتائی ہے، اور سعید بن المسیبؒ سے چوبیس، جابر بن عبداللہ سے اکیس، اور زید بن ارقمؓ سے انیس مروی ہے، علامہ سہیلی فرماتے ہیں: وجہ اختلاف یہ ہے کہ بعض علماء نے چند غزوات کو قریب قریب اور ایک سفر میں ہونے کی وجہ سے ایک غزوہ شمار کیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک غزوات کی تعداد کم ہوگئی، اور ممکن ہے: بعض کو بعض غزوات کا علم نہ ہوا ہو (سیرۃ المصطفیٰ ۲: ۴۴)

[۶-] باب ماجاء في غزَوَاتِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: كَمْ غزَا؟

[۱۶۶۷-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، وأَبُوْ دَاوُدَ، قَالَا: ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، فَقِيْلَ لَهُ: كَمْ غزَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَزْوَةٍ؟ قَالَ: تِسْعَ عَشْرَةَ، فَقُلْتُ: كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ؟ قَالَ: سَبْعَ عَشْرَةَ، قُلْتُ: وَأَيَّتُهُنَّ كَانَ أَوَّلَ؟ قَالَ ذَاتُ الْعُشَيْرَاءِ أَوِ: الْعُسَيْرَاءِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: عُشَیرة: جگہ کا نام ہے، آپؐ وہاں تک عیر قریش (قریش کے تجارتی قافلہ) کی طلب میں تشریف

لے گئے تھے، جو تجارتی مال لے کر شام جارہا تھا، مگر وہ ہاتھ سے نکل گیا۔

بابُ ماجاء فی الصَّفِّ وَالتَّعْبِیَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ

لشکر کی صف بندی اور ترتیب دینے کا بیان

عَبَّی تَعْبِیَةً الجیشَ: کے معنی ہیں: لشکر کو ترتیب دینا، جنگ میں کامیابی کا بڑا مدار اس پر ہے کہ کس فوجی کو کیا کام سونپا جائے اور کس کو کہاں کھڑا کیا جائے، جو کمانڈر اس میں ماہر ہوتا ہے اور موقع محل کے لحاظ سے صفیں ترتیب دیتا ہے: ظفر مندی اس کے قدم چومتی ہے، اور دنیا کے تمام جنگی معاملات کے ماہر متفق ہیں کہ اس فن میں سب سے زیادہ مہارت آنحضور ﷺ کو تھی، جو کمال آپ کو حاصل تھا وہ کمال کسی کو حاصل نہیں ہوا، آپؐ میدان میں صحابہ کو جو جہاں کے لئے موزون ہوتا تھا: متعین فرماتے تھے، جنگ بدر میں جو اسلام کی سب سے پہلی جنگ ہے آپؐ نے رات ہی میں سب کو ان کی جگہیں بتادی تھیں، چنانچہ صبح ہوتے ہی صحابہ نے اپنے اپنے ٹھکانے پکڑ لئے۔

[-۷] باب ماجاء فی الصَّفِّ والتَّعْبِیَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ

[-۱۶۶۸]حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَیْدٍ الرَّازِیُّ، ثَنَا سَلْمَةُ بنُ الْفَضْلِ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عِکْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَباسٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، قَالَ: "عَبَّأَنَا رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بِبَدْرٍ لَیْلاً"

وفی الباب: عَنْ أَبِی أَیُّوبَ، هٰذَا حدیثٌ غریبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَسَأَلْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِیْلَ عَنْ هٰذَا الحدیثِ فَلَمْ یَعْرِفْهُ، وَقَالَ: مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ سَمِعَ مِنْ عِکْرِمَةَ، وَحِیْنَ رَأَیْتُهُ کَانَ حَسَنَ الرَّأْیِ فِیْ مُحمدِ بنِ حُمَیْدٍ الرَّازِیِّ، ثُمَّ ضَعَّفَهُ بَعْدُ.

وضاحت: امام ترمذیؒ کے استاذ محمد بن حمید رازی: حافظ حدیث ہیں، مگر ضعیف ہیں، امام بخاریؒ کی رائے پہلے ان کے بارے میں اچھی تھی، بعد میں ان کی تضعیف کی، یہی راوی یہ حدیث بیان کرتے ہیں، امام بخاری بھی کسی اور کی روایت سے یہ حدیث نہیں جانتے تھے، دوسری کوئی کمزوری سند میں نہیں ہے، محمد بن اسحاق کا عکرمہ سے سماع ہے، پس غرابت ہی اس سند کا عیب ہے۔

بابُ ماجاء فی الدُّعَاءِ عِنْدَ الْقِتَالِ

دورانِ جنگ دعا کرنے کا بیان

کچھ جگہیں اور کچھ زمانے دعا کی قبولیت کے ہیں، ان میں سے ایک: جب جنگ شباب پر ہو اور گھمسان کا رن

پڑ رہا ہو: دعا قبول ہوتی ہے، نبی ﷺ اس وقت میں دشمن کی ہزیمت کی دعا مانگتے تھے، ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو غزوۂ احزاب میں یہ دعا مانگتے سنا ہے: اے اللہ! اے قرآن کے نازل کرنے والے! اے جلد حساب لینے والے! لشکر کے: جتھوں کو شکست دیدے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

[٨-] باب ماجاء فی الدعاء عند القتال

[١٦٦٩-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ ابنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ - يَعْنِي النبيَّ صلى الله عليه وسلم - يَدْعُوْ عَلَى الأَحْزَابِ، فَقَالَ: "اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الأَحْزَابَ وَزَلْزِلْهُمْ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: هَزَمَ (ض) العدوَّ: شکست دینا، ہرانا۔

بابُ ماجاء فی الأَلْوِيَةِ

جھنڈیوں کا بیان

أَلْوِيَة: لِوَاءٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: جھنڈیاں، فوج کی الگ الگ ٹکڑیاں ہوتی ہیں اور ہر ٹکڑی کے لئے الگ جھنڈی ہوتی ہے، جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے تشریف لے گئے تو دس ہزار کا لشکر تھا، جس کی مختلف ٹکڑیاں تھیں، اور ہر ٹکڑی کے پاس سفید جھنڈی تھی، خود آنحضور ﷺ کی ٹکڑی کی جھنڈی بھی سفید تھی (یہ راوی کا وہم ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے)

[٩-] باب ماجاء فی الأَلْوِيَةِ

[١٦٧٠-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، وَمُحمدُ بنُ عُمَرَ بنِ الْوَلِيْدِ الْكِنْدِيُّ، وَمُحمدُ بنُ رَافِعٍ، قَالُوْا: ثَنَا يَحْيىَ بنُ آدَمَ، عَنْ شَرِيْكٍ، عَنْ عَمَّارٍ، هُوَ الدُّهْنِيُّ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاءُهُ أَبْيَضُ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ يَحْيىَ بنِ آدَمَ، عَنْ شَرِيْكٍ، وَسَأَلْتُ مُحمداً عَنْ هٰذَا الحديثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا مِنْ حديثِ يَحْيىَ بنِ آدَمَ، عَنْ شَرِيْكٍ، وَقَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ شَرِيْكٍ، عَنْ عَمَّارٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

قَالَ مُحمدٌ: وَالْحديثُ هُوَ هٰذَا، وَالدُّهْنُ: بَطْنٌ مِنْ بَجِيْلَةَ، وَعَمَّارُ الدُّهْنِيُّ: هُوَ عَمَّارُ بنُ مُعَاوِيَةَ الدُّهْنِيُّ، وَيُكْنَى أَبَا مُعَاوِيَةَ، وَهُوَ كُوْفِيٌّ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الحديثِ.

وضاحت: یہ حدیث کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی جھنڈی سفید تھی: صحیح نہیں، کیونکہ کمانڈر قلبِ لشکر میں رہتا ہے اور اس کے پاس جھنڈی نہیں، جھنڈا ہوتا ہے، جس کا بیان اگلے باب میں آرہا ہے، اور یہ حدیث یحییٰ ہی شریک نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ کو بھی اس کی اور کوئی سند معلوم نہیں تھی، اور شریک کے دیگر متعدد تلامذہ اس سند سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے کالا عمامہ باندھ رکھا تھا، امام بخاریؒ نے فرمایا: صحیح حدیث یہی ہے، یحییٰ بن آدم کی روایت صحیح نہیں۔

بابٌ فی الرَّایَاتِ

جھنڈوں کا بیان

یہ رَایَۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: جھنڈا، لشکر میں ایک بڑا جھنڈا ہوتا ہے جو لشکر کا نشان ہوتا ہے، اور فوج اس کے نیچے لڑتی ہے، آنحضور ﷺ کا جھنڈا ایسا تھا جیسا جمعیۃ علماء ہند کا جھنڈا ہے، یہ جھنڈا چوکور سفید تھا، اور اس میں کالی دھاریاں تھیں، اور دور سے دیکھنے میں کالا نظر آتا تھا، چنانچہ حضرت براءؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کو کالا کہا ہے۔

حدیث (۱): محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ جو مشہور جرنیل اور سندھ کے فاتح ہیں انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام یونس کو حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور ان سے نبی ﷺ کے جھنڈے کے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا: آپؐ کا جھنڈا نمرہ کپڑے کا کالا چوکور تھا۔

حدیث (۲): ابن عباسؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا جھنڈا کالا تھا اور آپؐ کی جھنڈی سفید تھی۔

[١٠-] بابٌ فی الرَّایَاتِ

[١٦٧١-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ زَكَرِيَّا بنِ أَبِى زَائِدَةَ، ثَنَا أَبُوْ يَعْقُوْبَ الثَّقَفِيُّ، ثَنَا يُوْنُسُ بنُ عُبَيْدٍ مَوْلَى مُحمدِ بنِ الْقَاسِمِ، قَالَ: بَعَثَنِىْ مُحمدُ بنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، أَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ"

وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَالْحَارِثِ بنِ حَسَّانٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِى زَائِدَةَ، وَأَبُوْ يَعْقُوْبَ الثَّقَفِيُّ: اسْمُهُ إِسْحَاقُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، وَرَوَى عَنْهُ أَيْضًا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ مُوْسَى.

[١٦٧٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ إِسْحَاقَ هُوَ السَّالِحَانِيُّ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ حَيَّانَ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ لَاحِقَ بنَ حُمَيْدٍ، يُحَدِّثُ عَنِ ابنِ عَبّاسٍ قَالَ: كَانَتْ رَايَةُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم سَوْدَاءَ، وَلِوَاءُهُ أَبْيَضَ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حديثِ ابنِ عباسٍ.

وضاحت: آپ کی یہ سفید جھنڈی لشکر کی ٹکڑیوں کے پاس رہتی تھی۔

بابُ ماجاء فی الشِّعَارِ

خاص نشان (موٹو) کا بیان

اگراندیشہ ہو کہ دشمن شب خون مارے گا تو امیر لشکر فوج کے لئے شعار (مخصوص لفظ) مقرر کرے جس کو وہ شب خون کے وقت استعمال کریں تاکہ اپنے آدمی کو پہنچان سکیں، اور شعار قولی بھی ہوتا ہے اور فعلی بھی۔ نبی ﷺ نے ایک جنگ میں فوج کو ہدایت دی کہ اگر دشمن شب خون مارے تو تمہارا شعار ہوگا: حٰم لَایُنْصَرُوْنَ۔ اور میں نے پہلے یہ بات بتائی ہے کہ نبی ﷺ کی سیرت میں شب خون مارنا نہیں تھا، مگر عربوں میں شب خون مارنے کا رواج تھا، اس لئے نبی ﷺ احتیاطی تدبیر کے طور پر شعار مقرر فرماتے تھے، اور ہر جنگ میں شعار بدل دیتے تھے۔

[١١-] باب ماجاء فی الشِّعَارِ

[١٦٧٣-] حدثنا مَحْمُودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بنِ أَبِيْ صُفْرَةَ، عَمَّنْ سَمِعَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: "إِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَقُوْلُوْا: حٰمٓ لَايُنْصَرُوْنَ"

وفي الباب: عَنْ سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، وَهٰكَذَا رَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ مِثْلَ رِوَايَةِ الثَّوْرِيِّ، وَرُوِيَ عَنْهُ عَنِ الْمُهَلَّبِ بنِ أَبِيْ صُفْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً.

وضاحت: مہلّب بن ابی صفرہ کا نام ظالم بن سارق ہے، ۸۲ھ میں انتقال ہوا ہے، بڑے کمانڈر تھے، ابواسحاق کہتے ہیں: میں نے ان سے افضل امیر نہیں دیکھا، وہ مرسل روایت کرتے ہیں، صحابی کا نام نہیں لیتے، یاد نہیں رکھا ہوگا، کیونکہ اس زمانہ میں اسناد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔

بابُ ماجاء فی صِفَةِ سَيْفِ رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی ساخت

حدیث: ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی تلوار حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی تلوار کے نمونہ پر بنائی

ہے، اور حضرت سمرۃ فرماتے تھے (زَعَمَ: قَالَ کے معنی میں ہے) ان کی تلوار رسول اللہ ﷺ کی تلوار جیسی تھی، اور آپؐ کی تلوار حنفی تھی (بنوحنیفہ: عرب کا ایک قبیلہ ہے جس قبیلہ کا مسیلمہ کذاب تھا اس قبیلہ کی طرف تلواریں منسوب تھیں)

فائدہ: جس طرح مدینہ منورہ اور دیگر شہروں کی طرف نسبت کرتے وقت اول میں یاء حذف کر کے مدنی اور ثانی میں یاء باقی رکھ کر مدینی کہتے ہیں، اسی طرح ملتِ حنیفی میں یاء باقی رکھ کر ملت حنیفیہ اور قبیلہ بنوحنیفہ میں اور مذہب ابی حنیفہ میں یاء حذف کر کے حنفی کہتے ہیں۔

[١٢-] باب ماجاء في صِفَةِ سَيْفِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

[١٦٧٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا أَبُوْ عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ عُثْمَانَ بنِ سَعْدٍ، عَنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، قَالَ: صَنَعْتُ سَيْفِيْ عَلٰى سَيْفِ سَمُرَةَ، وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلٰى سَيْفِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَكَانَ حَنَفِيًّا.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ فِيْ عُثْمَانَ بنِ سَعْدٍ الْكَاتِبِ، وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

وضاحت: القَطَّان: روئی کا تاجر...... الكاتِب: دفتر کا منشی یا پرائیویٹ سکریٹری۔

بابٌ في الْفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ

جنگ کے وقت روزہ نہ رکھنے کا بیان

حدیث: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال جب نبی ﷺ مرالظہر ان میں پہنچے تو آپؐ نے ہمیں اطلاع دی کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہونے والی ہے، پس ہمیں حکم دیا کہ ہم روزے بند کر دیں، چنانچہ ہم نے روزے بند کر دیئے۔

تشریح: نبی ﷺ فتح مکہ کے لئے دس رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور آپؐ اور تمام صحابہ رمضان کے روزے رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے، جب مکہ قریب آیا تو آپؐ نے روزے بند کرنے کا حکم دیا تا کہ فوج کھائے پیئے اور طاقت حاصل کرے، اور اس سلسلہ کے احکام کتاب الصوم باب ۱۸ میں گذر چکے ہیں۔

[١٣-] بابٌ في الفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ

[١٦٧٥-] حدثنا أَحمدُ بنُ مُحمدِ بنِ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ،

عَنْ عَطِيَّةَ بنِ قَيْسٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: لَمَّا بَلَغَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْفَتْحِ مَرَّ الظَّهْرَانِ، فَآذَنَنَا بِلِقَاءِ الْعَدُوِّ، فَأَمَرَنَا بِالْفِطْرِ، فَأَفْطَرْنَا أَجْمَعِيْنَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الْخُرُوْجِ عِنْدَ الْفزَعِ

خطرے کے وقت گھر سے نکلنے کا بیان

رات میں اگر گھبرا دینے والی کوئی بات پیش آئے تو فوراً سب کو باہر نکلنا چاہئے، گھر میں چھپ کر نہیں بیٹھنا چاہئے، ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں رات میں کچھ شور سنائی دیا، سب صحابہ گھروں سے نکل آئے اور شور کی جانب چل پڑے، لوگوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اُدھر سے واپس آرہے ہیں، یعنی آپ ﷺ سب سے پہلے نکلے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے آنگن میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جس کا نام ''مندوب'' تھا، آپ نے وہ گھوڑا کھولا، اور ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر دور تک دیکھنے چلے گئے، آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، میں دور تک دیکھ آیا ہوں، خطرے کی کوئی بات نہیں'' پھر آپؐ نے فرمایا: یہ گھوڑا سمندر ہے یعنی بڑا سبک رفتار، تیز رو ہے۔ مندوب: نُدب سے ہے، ندب کے معنی ہیں: میت پر رونا یا بلانا، کسی کام کی دعوت دینا، اس گھوڑے کا یہ نام یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ گھوڑا سست رفتار ہوگا، جس پر سواری کرنے والا روتا ہوگا، نبی ﷺ کی برکت سے وہ تیز رفتار ہوگیا، آپؐ نے فرمایا: کون کہتا ہے: یہ سست رفتار ہے، یہ تو سمندر ہے، یا وہ سبک رفتار، تیز رو مشہور ہوگا، اور لوگوں کو سواری کرنے کی دعوت دیتا ہوگا، نبی ﷺ نے تجربہ کے بعد اس شہرت کی تائید فرمائی۔

فائدہ: دوسری حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریت پر لیا، یہ مجاز ہے، حقیقتاً عاریت پر نہیں لیا تھا بلکہ پوچھے بغیر ہی اس پر سوار ہو کر دور تک تشریف لے گئے تھے، کیونکہ جہاں بے تکلفی ہوتی ہے: ایک دوسرے کی چیز بغیر پوچھے استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس کو مجازاً عاریت کہا۔

[١٤-] باب ماجاء في الْخُرُوْجِ عِنْدَ الفَزَعِ

[١٦٧٦-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، ثَنَا أَنَسُ بنُ مَالِكٍ قَالَ: رَكِبَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَرَسًا لِأَبِيْ طَلْحَةَ، يُقَالُ لَهُ: مَنْدُوْبٌ، فَقَالَ: ''مَاكَانَ مِنْ فَزَعٍ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْراً''

وفي الباب: عَنْ عَمْرِوبنِ الْعَاصِ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٦٧٧-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، وابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، وأَبُوْ دَاوُدَ، قَالُوْا: ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ، فَاسْتَعَارَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه

وسلم فَرَساً لَنَا، يُقَالُ لَهُ: مَنْدُوْبٌ، فَقَالَ: "مَا رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ

جنگ میں ثابت قدمی کا بیان

جنگ میں ثابت قدم رہنا اور ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنا ضروری ہے، بھاگنا حرام ہے، اس لئے کہ اللہ کا دین اسی وقت سربلند ہوگا جب مسلمانوں میں ثابت قدمی کا جوہر موجود ہو، وہ صبر وہمت کے ساتھ جنگ کی سختیاں جھیلیں، اگر یہ عادت پڑ جائے کہ لوگ خطرہ کی بو محسوس کرتے ہی بھاگ کھڑے ہوں تو مقصد فوت ہو جائے گا، بلکہ نوبت کبھی رسوائی تک پہنچ جائے گی، اس لئے جب کافروں سے دوبدو مقابلہ ہو تو بھاگنا حرام ہے، علاوہ ازیں مقابلہ سے بھاگنا نامردی اور کمزوری کی علامت ہے، جو بدترین اخلاق میں سے ہے، مسلمانوں کو اس سے پاک ہونا چاہئے۔

حدیث (۱): ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوعمارہ! کیا آپ لوگ (غزوہ حنین میں) نبی ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، قسم بخدا! نبی ﷺ نہیں بھاگے تھے، بلکہ کچھ جلد باز قسم کے لوگ بھاگے تھے، جب ہوازن نے ان کو تیروں پر دھر لیا تھا، یعنی اچانک تیراندازی شروع ہوگئی تھی، اس لئے لشکر کا دایاں بایاں بازو جو بے ترتیب آگے بڑھ گیا تھا وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا اور ان کو دیکھ کر دوسرے بھی بھاگے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ خچر پر سوار تھے اور حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب (جو آپؐ کے چچازاد بھائی تھے) آپؐ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھنا چاہتے تھے، اور یہ رجز پڑھ رہے تھے: "میں یقیناً نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

تشریح: غزوۂ حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا، جب لشکر اسلام وادی حنین میں پہنچا اور جنگ شروع ہوئی تو فوج کے دو بازو میمنہ اور میسرہ بے ترتیب آگے بڑھ گئے، ہوازن وثقیف کے تیرانداز کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے، انھوں نے اچانک تیر برسانے شروع کر دیئے، جس کی وجہ سے دونوں بازو سراسیمہ ہو کر بھاگے اور ان کو دیکھا دیکھی دوسرے بھی بھاگے، مگر نبی ﷺ اور چند جاں نثار صحابہ میدان میں ڈٹے رہے، اس وقت آپؐ نے پکار کر فرمایا: أنا النبيُّ لَاكَذِب، أنَا ابنُ عبدِ المطلب: یعنی میں سچا نبی ہوں اور اللہ نے مجھ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ برحق ہے، اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں، میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں، عبدالمطلب کا حوالہ اس لئے دیا کہ عرب میں مشہور تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں بڑا آدمی پیدا ہوگا، آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں، پھر آپؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو، حضرت عباسؓ جہوری الصوت تھے، دس میل تک ان کی

آواز سنائی دیتی تھی، جب ان کی آواز کانوں میں پڑی تو لوگ یکدم پلٹ گئے، اور پروانے شمع نبوت کے گرد جمع ہوگئے، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا ہے کہ نبی ﷺ میدان میں ڈٹے رہے، اور سردار جب تک میدان میں ڈٹا ہوا ہو: بھاگنا نہیں کہتے، اگرچہ لوگ منتشر ہوجائیں، اسی طرح فوج تھوڑی دیر کے لئے منتشر ہوجائے تو اسے بھی عرف میں بھاگنا نہیں کہتے، بھاگنا یہ ہے کہ لشکری ایسے جائیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ گئے، یہ صورت حال حنین میں پیش نہیں آئی تھی۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بخدا! دیکھا میں نے ہم کو جنگ حنین کے موقعہ پر، درانحالیکہ دو جماعتیں (میمنہ اور میسرہ) پیٹھ پھیرنے والی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو آدمی بھی نہیں تھے۔

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے ——— اور مصری نسخہ میں أَجْرَأُ الناس ہے یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ دلیر تھے ——— اور لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے، انھوں نے کوئی آواز سنی، حضرت انسؓ نے بیان کیا: پس نبی ﷺ نے لوگوں سے ملاقات کی درانحالیکہ ابوطلحہؓ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے، اور آپ تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں! گھبراؤ نہیں!! پھر آپؐ نے فرمایا: میں نے اس گھوڑے کو سمندر پایا۔

تشریح: یہ حدیث مصری نسخہ میں اوپر والے باب میں ہے، اور اُس باب سے ربط تو واضح ہے، اور اس باب سے ربط یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کا آواز سن کر سب سے پہلے نکلنا میدان میں جمنا اور ڈٹنا ہے، اور أَجْرَأُ الناس جو مصری نسخہ میں ہے، اور أَشْجَعُ الناس بھی وجہ ارتباط ہوسکتے ہیں، یعنی آپؐ دلیر اور بہادر تھے، میدان میں ڈٹے رہتے تھے، بھاگتے نہیں تھے۔

[۱۵-] باب ماجاء في الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ

[۱۶۷۸-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثنا أَبُوْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَفَرَرْتُمْ عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَا أَبَا عُمَارَةَ؟ قَالَ: لاَ، وَاللّٰهِ! مَاوَلَّى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلٰكِنْ وَلّٰى سَرَعَانُ النَّاسِ، تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى بَغْلَتِهِ، وَأَبُوْ سُفْيَانَ بنُ الْحَارِثِ بنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا، وَرسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "أَنَا النبيُّ لاَكَذِبْ ÷ أَنَا ابنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٦٧٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ عُمَرَ بنِ عَلِيٍّ المُقَدَّمِيُّ، ثَنِي أَبِي، عَنْ سُفْيَانَ بنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ حُنَيْنٍ، وَإِنَّ الْفِئَتَيْنِ لَمُوَلِّيَتَانِ، وَمَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِائَةُ رَجُلٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[١٦٨٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ، وأَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ، قَالَ: وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَيْلَةً، سَمِعُوْا صَوْتًا، قَالَ: فَتَلَقَّاهُمُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى فَرَسٍ لِأَبِيْ طَلْحَةَ عُرْيٍ، وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ، فَقَالَ: " لَمْ تُرَاعُوْا! لَمْ تُرَاعُوْا!" ثُمَّ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " وَجَدْتُهُ بَحْراً" يَعْنِي الفَرَسَ؛ هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

وضاحت: نبی ﷺ شاعر نہیں تھے، قرآن کریم نے اس کی نفی کی ہے، اور آپؐ نے جو رجز پڑھا ہے وہ شعر نہیں ہے، کیونکہ چند جملے موزون بولنے سے کوئی شاعر نہیں ہوجاتا، نہ وہ شاعر کہلاتا ہے، قرآن کریم میں بھی بعض جملے موزون ہیں، مگر وہ شاعری نہیں ہے۔

بابُ ماجاء في السُّيُوْفِ وَحِلْيَتِهَا

تلواروں کے زیور کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن جو تلوار لے کر مکہ میں داخل ہوئے تھے اس پر سونے چاندی کا کام تھا، حدیث کا راوی طالب بن حُجیر کہتا ہے: میں نے اپنے استاذ ہود بن عبداللہ سے پوچھا: چاندی کس جگہ تھی؟ انھوں نے کہا: تلوار کا قَبِيْعَة چاندی کا تھا، قبیعہ کے معنی ہیں: تلوار کے قبضہ (دستہ) کا کنارہ، یہی تلوار کا زیور تھا، اور سونا کہاں تھا؟ یہ بات معلوم نہیں۔

[١٦-] باب ماجاء في السُّيُوْفِ وَحِلْيَتِهَا

[١٦٨١-] حدثنا مُحمدُ بنُ صُدْرَانَ أَبُوْ جَعْفَرٍ البَصْرِيُّ، ثَنَا طَالِبُ بنُ حُجَيْرٍ، عَنْ هُودٍ، وَهُوَ ابنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ جَدِّهِ مَزِيْدَةَ قَالَ: دَخَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْفَتْحِ، وَعَلٰى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ، قَالَ طَالِبٌ: فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ، فَقَالَ: كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَجَدُّ هُوْدٍ: اسْمُهُ مَزِيْدَةُ الْعَصَرِيُّ.

[١٦٨٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا وَهْبُ بنُ جرِيْرٍ، ثَنَا أَبِىْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنسٍ قَالَ: كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ فِضَّةٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَهٰكَذَا رُوِىَ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِى الْحَسَنِ، قَالَ: كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ فِضَّةٍ.

ملحوظہ: یہ پوراباب شمائل ص ۱۱ میں بھی ہے۔

بابُ ماجاء فی الدِّرْعِ

زِرہ (فولاد کے جالی دار کرتے) کا بیان

دِرْعٌ: کے معنی ہیں: لوہے کا جالی دار کرتا، جس کو فارسی میں زرہ، اور اردو میں بکتر کہتے ہیں، نبی ﷺ نے جنگ احد میں دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں، آپؐ نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا مگر چڑھ نہ سکے، کیونکہ چٹان بہت اونچی تھی اور بدن پر زرہوں کا بوجھ تھا، چنانچہ آپؐ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا اور آپؐ چڑھے یہاں تک کہ چٹان پر پہنچ گئے، حضرت زبیر کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: ''طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کرلی!''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، بلکہ یہ عین توکل ہے، نبی ﷺ سے بڑا متوکل کون ہوسکتا ہے؟ مگر چونکہ معرکۂ احد بڑا خطرناک معرکہ تھا اس لئے آپؐ نے دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں۔

[١٧-] باب ماجاء فی الدِّرْعِ

[١٦٨٣-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا يُوْنُسُ بنُ بُكَيْرٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بنِ عَبَّادِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بنِ الْعَوَّامِ قَالَ: كَانَ عَلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم دِرْعَانِ يَوْمَ أُحُدٍ، فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ، فَصَعِدَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " أَوْجَبَ طَلْحَةُ"

وفى الباب: عَنْ صَفْوَانَ بنِ أُمَيَّةَ، وَالسَّائِبِ بنِ يَزِيْدَ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ.

ملحوظہ: یہ باب بھی شمائل ص ۸ میں ہے۔

بابُ ماجاء فِي المِغْفَرِ

خود(لوہے کی ٹوپی) کا بیان

مِغْفَر کے معنی ہیں: لوہے کی ٹوپی، جس کو جنگ میں پہنتے ہیں، فارسی اوراردو میں اس کو''خوذ'' کہتے ہیں۔ جب نبی ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے خود پہن رکھا تھا، آپؐ نے سب اہل مکہ کو امان دیدیا تھا مگر بارہ آدمیوں کو مستثنیٰ کیا تھا، ان میں سے ایک ملعون ابن خَطَل بھی تھا، آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے (پس وہاں اس کو قتل کریں یا نہ کریں؟) آپ نے فرمایا:''اس کو قتل کردو''

[١٨-] باب ماجاء فى المِغْفَرِ

[١٦٨٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَخَلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَقِيْلَ لَهُ: ابنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ؟ قَالَ:'' اقْتُلُوْهُ''

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُ كَبِيْرَ أَحَدٍ رَوَاهُ غَيْرَ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ملحوظہ: یہ باب بھی شمائل ص ٨ میں ہے۔

بابُ ماجاء فى فَضْلِ الْخَيْلِ

گھوڑوں کی فضیلت کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر بندھی ہوئی ہے، یعنی ثواب اور غنیمت''

تشریح: یہ حدیث ابھی ابواب فضائل الجہاد میں گذری ہے، اس حدیث سے امام احمد رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جہاد کا حکم قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے کہ مالِ غنیمت اور جہاد کا اجر وثواب قیامت تک کے لئے باقی ہے اور ان کی تحصیل کے لئے جہاد لازم ہے، اور چونکہ جہاد کے لئے امام کا ہونا شرط ہے، اور ہر زمانہ کے امراء: صحابہ جیسے عادل و پرہیزگار نہیں ہوسکتے، اس لئے ہر امام کے ساتھ خواہ وہ عادل ہو یا ظالم: جہاد کیا جائے گا اور شرعاً وہ جہاد معتبر ہوگا۔

فائدہ: جہاد کے لئے شرط یہ ہے کہ کوئی امیر ہو، جس کی امامت پر سب لوگ متفق ہوں اور وہ اس کی ہدایات کے

مطابق جہاد کریں، تبھی شرعی جہاد ہے، اور آج کل جو صورتِ حال چل رہی ہے کہ کوئی یہاں بم پھوڑ رہا ہے کوئی وہاں، جس سے بلاتفریق مذہب وملت ہزاروں بے گناہ مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے مارے جاتے ہیں اس کو شرعی جہاد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ مگر اس کی ذمہ داری اعدائے اسلام پر ہے، جب کسی پائپ لائن کا دہانہ دبا کر بند کر دیا جائے اور اِدھر اُدھر سے پانی پھوٹے تو اس کی ذمہ داری دہانہ بند کرنے والے پر ہے، وہ ہاتھ ہٹالے اور پانی کو اس کے راستہ سے نکلنے دے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

[١٩-] باب ماجاء فی فَضْلِ الْخَيْلِ

[١٦٨٥-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْثَرُ بنُ الْقَاسِمِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " الْخَيْرُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْ الْخَيْلِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ: الأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَجَرِيْرٍ، وَأَبِيْ هريرةَ، وأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْد، وَالْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَعُرْوَةُ: هُوَ ابنُ أَبِيْ الْجَعْدِ الْبَارِقِيُّ، وَيُقَالُ: عُرْوَةُ بنُ الْجَعْدِ.

قَالَ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ: وَفِقْهُ هٰذَا الحديثِ أَنَّ الْجِهَادَ مَعَ كُلِّ إِمَامٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

بابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْخَيْلِ

گھوڑے کونسے اچھے؟

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بھورے رنگ (سرخ وسفید ملے ہوئے رنگ) کے گھوڑوں میں برکت ہے‘‘ شُقَر: أشقر کی جمع ہے، اس کا مؤنث شَقْرَاءُ اور جمع شُقْرٌ ہے جیسے: أحمر کا مؤنث حمراء اور جمع حُمْرٌ ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین گھوڑا وہ ہے جو سیاہ رنگ کا ہو، جس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں، پھر وہ گھوڑا ہے جس کی پیشانی اور پاؤں سفید ہوں، مگر اگلا دایاں پاؤں آزاد ہو یعنی وہ جسم کے ہم رنگ (سیاہ) ہو، پس اگر سیاہ نہ ہو تو کمیت ہے، انہی علامتوں کے مطابق یعنی اس کی بھی مذکورہ دو قسمیں ترتیب وار ہونگی۔

تشریح: ادہم: سیاہ گھوڑے کو کہتے ہیں اور کمیت: اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہو یعنی براؤن رنگ کا ہو، پھر دونوں کے دو دو درجے ہیں: (۱) وہ سیاہ جس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں اس کا پہلا نمبر ہے (۲) وہ سیاہ جس کی پیشانی اور تین پاؤں سفید ہوں، مگر اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو، اس کا دوسرا نمبر ہے (۳) وہ گھوڑا جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہو اور اس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں، اس کا تیسرا نمبر ہے (۴) وہ گھوڑا جس کا رنگ براؤن

ہو، اور پیشانی اور تین پاؤں سفید ہوں، مگر اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو اس کا چوتھا نمبر ہے۔

[٢٠-] بابُ ما يُسْتَحبُّ مِنَ الْخَيْلِ؟

[١٦٨٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا شَيْبَانُ، هُوَ ابنُ عَبْدِ الرحمنِ، ثَنَا عِيْسَى بنُ عَلِيِّ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابنِ عَباسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حديثِ شَيْبَانَ.

[١٦٨٧-] حدثنا أَحمدُ بنُ محمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِي حَبِيْبٍ، عَنْ عَلِيِّ بنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ، الْأَقْرَحُ، الْأَرْثَمُ، ثُمَّ الْأَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ، طَلْقُ الْيَمِيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلَى هٰذِه الشِّيَةِ"

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، ثَنَا أَبِي، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَيُّوْبَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِي حَبِيْبٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ.

بابُ ما يُكْرَهُ مِنَ الْخَيْلِ

گھوڑے کونسے برے؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ گھوڑوں میں شِکال (بکسر الشین) کو ناپسند کرتے تھے۔

تشریح: شکال کے لغوی معنی ہیں: وہ رسی جس سے گھوڑے کا ایک اگلا اور ایک پچھلا پیر باندھتے ہیں جب اس کو چرنے کے لئے چھوڑتے ہیں، اور حدیث میں کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، مسلم شریف کی ایک روایت میں اس کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی صورت: گھوڑے کے پچھلے دائیں پیر میں اور اگلے بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو، دوسری صورت: اگلے دائیں ہاتھ میں اور پچھلے بائیں پیر میں سفیدی ہو، اور علماء نے شکال کی اس کے علاوہ اور بھی تفسیریں کی ہیں، جو کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو زرعہؒ روایت کرتے ہیں، یہ ابو زرعہ مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ کے پوتے ہیں، اور اعلی درجہ کے ثقہ راوی اور تابعی ہیں، کتاب العلل (تحفۃ الالمعی ۱:۱۳۴) میں ان کا تذکرہ آیا ہے، عمارۃ بن القعقاع کہتے ہیں: مجھ سے ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: جب آپ مجھ سے حدیث بیان کریں تو ابو زرعہ کی حدیثیں بیان کریں (وہ حدیث کے بہت مضبوط راوی تھے) انھوں نے مجھ سے ایک مرتبہ ایک حدیث بیان

کی، پھر میں نے ان سے کئی سال کے بعد وہ حدیث پوچھی تو انھوں نے حدیث میں سے ایک حرف کم نہ کیا، یعنی جس طرح پہلے بیان کی تھی، انہی الفاظ کے ساتھ بیان کی، معلوم ہوا کہ ان کو حدیثیں مضبوط یاد تھیں۔

[٢١-] بابٌ ما يُكرَهُ مِنَ الْخيْلِ؟

[١٦٨٨-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا سَلْمُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ بنِ عَمْرِو بنِ جَرِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ كَرِهَ الشِّكَالَ فِي الْخَيْلِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ يَزِيْدَ الْخَثْعَمِيِّ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ نَحْوَهُ، وَأَبُوْ زُرْعَةَ بنُ عَمْرِو بنِ جَرِيْرٍ: اسْمُهُ هَرِمٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ عُمَارَةَ بنِ الْقَعْقَاعِ، قَالَ: قَالَ لِيْ إِبْرَاهِيْمُ النَّخعِيُّ: إِذَا حَدَّثْتَنِيْ فَحَدِّثْنِيْ عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، فَإِنَّهُ حَدَّثَنِيْ مَرَّةً بِحديثٍ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِسِنِيْنَ، فَمَا خَرَمَ مِنْهُ حَرْفًا.

بابُ ماجاء في الرِّهَانِ

گھوڑ دوڑ کی بازی لگانے کا بیان

رہان کے معنی ہیں: گھوڑ دوڑ کی بازی لگانا۔ دوڑ میں جو انعام مقرر کیا جاتا ہے اس کو سَبَق کہتے ہیں، گھوڑوں کی ریس کرانا جائز ہے، خود حضور اقدس ﷺ گھوڑوں کی دوڑ کراتے تھے اور جیتنے والے کو انعام بھی دیتے تھے، ہاں اگر ریس کے شرکاء باہم شرط بدیں تو ناجائز ہے، کیونکہ یہ قمار (سٹہ) ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تضمیر شدہ گھوڑوں کو حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک دوڑایا اور ان کے درمیان چھ میل (تقریباً دس کلومیٹر) کا فاصلہ ہے، اور غیر تضمیر شدہ گھوڑوں کو ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زُرَیق تک دوڑایا، اور ان کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے، ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا، جنھوں نے گھوڑے دوڑائے تھے، پس میرا گھوڑا مجھے لے کر مسجد کی دیوار کو کود گیا، یعنی آپؓ نے دوڑ جیت لی۔

تشریح: تضمیر کے لغوی معنی ہیں: گھوڑے کو دبلا کرنا، اور تضمیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے گھوڑے کو خوب کھلاتے ہیں، جب وہ موٹا ہو جاتا ہے تو اس کو اندھیرے اور گرم کمرے میں رکھتے ہیں، اور اس کی خوراک کم کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ معمولی خوراک پر لے آتے ہیں، جس سے اس کا بدن چھریرا ہو جاتا ہے اور خوب طاقت آ جاتی ہے

اس لئے ان کی دوڑ میں فاصلہ زیادہ رکھا جاتا تھا۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سبق (دوڑ کا انعام) نہیں ہے مگر تیراندازی میں، یا اونٹ میں یا گھوڑے میں''

تشریح: نَصْل کے معنی ہیں: پیکاں، یعنی برچھی یا بھالے وغیرہ کی انّی، مراد تیر ہے، اور خُفّ (موزہ) سے مراد اونٹ ہیں، اور حافر (کُھر) سے مراد گھوڑا ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مقابلہ صرف تین چیزوں میں ہونا چاہئے، تیراندازی میں، اونٹ دوڑانے میں اور گھوڑے دوڑانے میں، کیونکہ اس مقابلہ کا فائدہ ہے، اس کے ذریعہ جہاد کی تیاری ہوتی ہے، باقی چیزوں میں مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے، اور آج کل ٹینک چلانا، بندوق چلانا، راکٹ اور میزائل داغنا، فائٹر اڑانا اور ان میں مقابلہ کرنا اسی حکم میں ہے، وہ بھی جہاد میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔

[۲۲-] باب ماجاء في الرِّهَانِ

[۱۶۸۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْوَزِيْرِ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ يُوْسُفَ الأَزْرَقُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَجْرَى الْمُضَمَّرَ مِنَ الْخَيْلِ مِنَ الْحَفْيَاءِ إِلٰى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ، وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ، وَمَالَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الْخَيْلِ مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَبَيْنَهُمَا مِيْلٌ، وَكُنْتُ فِيْمَنْ أَجْرَى، فَوَثَبَ بِيْ فَرَسِيْ جِدَارًا.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَجَابِرٍ، وأَنَسٍ، وَعائشةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ الثَّوْرِيِّ.

[۱۶۹۰-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ ابنِ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ نَافِعِ بنِ أَبِيْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَاسَبَقَ إِلَّا فِيْ نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ"

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ أَنْ تُنْزَى الْحُمُرُ عَلَى الْخَيْلِ

گھوڑی پر گدھا چڑھانے کی کراہیت

اگر کسی کے پاس گھوڑی ہو تو اس سے گھوڑا پیدا کرنا چاہئے، خچر پیدا نہیں کرنا چاہئے، ابوداؤد (حدیث ۲۵۶۵) میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو (نفع نقصان) نہیں جانتے'' اس حدیث سے یہ ضابطہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے پاس اچھی اور عمدہ مشین ہو، تو اس کو اچھا میٹریل (خام مال) مہیا کر کے عمدہ چیزیں بنانی چاہئیں، شاندار مشین سے نکمی چیزیں بنانا اس شخص کا کام ہے جو نفع نقصان نہیں جانتا، پس جس کے

پاس گھوڑی ہے اس کو چاہئے کہ گھوڑے سے ملائے، تاکہ گھوڑا پیدا ہو، گدھے سے ملا کر خچر پیدا کرنا کونسی عقل مندی کی بات ہے؟ ہاں اگر گدھی اور گھوڑے سے خچر پیدا ہوتا تو ایسا ضرور کرنا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہوتا۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مامور بندے تھے، یعنی آپؐ وہی کرتے اور کہتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا تھا، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے ورے یعنی لوگوں کو چھوڑ کر کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا، سوائے تین چیزوں کے: ایک: یہ کہ ہم اچھی طرح وضو کریں، دوسرا: یہ کہ ہم صدقہ نہ کھائیں، اور تیسرا: یہ کہ ہم گھوڑی پر گدھے کو نہ چڑھائیں۔

تشریح: شیعوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں، نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے: ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ یعنی اے پیغمبر! جو دین آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچایئے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ نے دین کا کچھ حصہ اپنے خاندان کے لئے خاص کیا ہو، پھر ابن عباسؓ نے سائل کا ذہن کارآمد باتوں کی طرف پھیرتے ہوئے فرمایا: ہاں تین باتیں ہمیں خاص طور پر بتائی گئی ہیں، ان میں سے پہلی اور تیسری تو آلِ رسول کے ساتھ خاص نہیں، اور دوسری اگرچہ خاص ہے مگر اس کو ساری امت جانتی ہے، پس وہ بھی خاص نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کے سوال کا یہی جواب مروی ہے کہ ہمارے پاس کوئی خاص تحریر نہیں، پھر سائل کے ذہن کو پھیرتے ہوئے فرمایا تھا: ہاں میرے پاس زکوٰۃ نامہ ہے، جس میں زکوٰۃ کے نصاب کے علاوہ کچھ اور احکام بھی ہیں، یہ روایت پہلے گذر چکی ہے۔ کذا هذا۔

[٢٣-] باب ماجاء في كراهية أَنْ تُنْزَى الْحُمَرُ على الْخَيْلِ

[١٦٩١-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا مُوْسَى بْنُ سَالِمٍ أَبُوْ جَهْضَمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبّاسٍ، عَنِ ابنِ عَبّاسٍ قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَبْداً مَأْمُوراً، مَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ، إِلَّا بِثَلَاثَةٍ: أَمَرَنَا أَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ، وَأَنْ لَا نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ، وأَنْ لَانُنْزِيَ حِمَاراً عَلَى فَرَسٍ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ أَبِيْ جَهْضَمٍ هٰذَا، فَقَالَ: عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبّاسٍ، عَنِ ابنِ عَبّاسٍ، وَسَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: حديثُ الثَّوْرِيِّ، غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وَهِمَ فِيْهِ الثَّوْرِيُّ، وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَى إِسْمَاعِيْلُ بنُ عُلَيَّةَ، وعَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ جَهْضَمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ.

لغت: نَزَا الفحلُ (ن) نَزْوًا: نر کا مادہ پر کودنا، جفتی کرنا (لازم) أَنْزَاهُ: نر کو مادہ پر چڑھانا، جفتی کرانا (متعدی)

......ابوجہضم کے استاذ کا نام عبداللہ ہے عبیداللہ نہیں ہے، ثوری رحمہ اللہ نے جوعبیداللہ کہا ہے وہ ان کا وہم ہے۔

بابُ ماجاء في الِاسْتِفْتَاحِ بِصَعَالِيْكِ الْمُسْلِمِيْنَ

نادار مسلمانوں سے فتح طلب کرنا

الاسْتفتاح: فتح طلب کرنا، کامیابی تلاش کرنا۔ صَعَا ليك: صُعْلُوْكٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: نادار، نہایت غریب۔ اور باء جارہ: استعانت کی بھی ہوسکتی ہے اور توسل کی بھی اور حدیث کا پہلا جملہ ہے: اُبْغُوْنِيْ فِي ضُعَفَائِكُمْ: اس کے شروع میں ہمزہ وصلی ہے یا قطعی؟ دونوں احتمال ہیں، بَغَى الشيئَ بُغْيَةً کے معنی ہیں: چاہنا، طلب کرنا۔ اور أَبْغَاهُ الشيئَ کے معنی ہیں: تلاش کرانا، طلب کرنے میں مدد دینا، یہ حدیث چھ کتابوں میں ہے اور سب میں پہلا جملہ مختلف ہے، ابوداؤد (حدیث ۲۵۹۴) أَبْغُوْا لِي الضعفاءَ: میرے لئے کمزوروں کو تلاش کراؤ، نسائی (حدیث ۳۱۷۹) أَبْغُوْنِي الضَّعِيْفَ: کمزور کو طلب کرنے میں میری مدد کرو۔ مسند احمد (۱۹۸:۵) أبغوني ضعفائكم، سنن بیہقی (۳:۳۴۵) أبغوني الضعفاء، مستدرک حاکم (۱۰۶:۲) أبغوني في الضعفاء، ترمذی أَبْغُوْنِيْ في ضعفائكم: مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو۔ اور حدیث کا شانِ ورود کسی کتاب میں مذکور نہیں اور سب کتابوں میں حدیث اتنی ہی مختصر ہے، اس لئے اس کا کماحقہ سمجھنا دشوار ہے۔ ترمذی شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے: ''تلاش کرو مجھے اپنے کمزوروں میں کیونکہ تم اپنے کمزوروں ہی کی وجہ سے روزی دیئے جاتے ہو، اور مدد کئے جاتے ہو'' اس کی فرضی صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ باہر سے نبی ﷺ سے ملنے آئے ان کو جلدی تھی، نبی ﷺ گھر میں نہیں تھے، انھوں نے مدینہ میں جگہ جگہ تلاش کیا مگر آپ کہیں نہیں ملے وہ تھک ہار کر بیٹھ رہے، پھر جب آپ تشریف لائے تو ان لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کو ہر جگہ تلاش کیا مگر آپ کہیں نہیں ملے، آپ نے پوچھا: کہاں تلاش کیا؟ ان لوگوں نے چند باحیثیت لوگوں کے نام لئے کہ ان کے گھروں میں تلاش کیا تو آپ نے فرمایا: آپ لوگوں نے مجھے صحیح جگہ تلاش نہیں کیا، اگر آپ لوگ مجھے غریبوں کے گھروں میں تلاش کرتے تو میں مل جاتا، پھر آپ نے وجہ بیان فرمائی کہ تمھیں جو روزی ملتی ہے اور جنگوں میں فتح نصیب ہوتی ہے وہ انہی کمزوروں کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔

یہ حدیث سمجھنے کے لئے ایک فرضی مثال ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنگ میں روانہ ہونے سے پہلے امیر المؤمنین کو چاہئے کہ وہ کمزور مسلمانوں سے جنگ میں فتح کی دعا کرائے اور خود بھی ان کے وسیلہ سے دعا کرے، زندوں کے توسل میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور حدیث کے جو دوسرے الفاظ ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ کمزوروں کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ، تاکہ میں

ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھوں، تعلق کے قابل درحقیقت یہی لوگ ہیں، انہی کی برکت سے روزی ملتی ہے اور فتح نصیب ہوتی ہے، پس ایسے بانصیب لوگوں کی مصاحبت غنیمت جاننی چاہئے، متمول اور مالداروں کی مصاحبت میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ نقصان ہے، پس ان سے دور کی صاحب سلامت اچھی!

[٢٤-] باب ماجاء فی الاِسْتِفْتَاحِ بِصَعَالِيْكِ الْمُسْلِمِيْنَ

[١٦٩٢-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ، ثَنِى زَيْدُ بنُ أَرْطَاةَ، عَنْ جُبَيْرِ بنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "ابْغُوْنِى فِىْ ضُعَفَائِكُمْ، فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الأَجْرَاسِ عَلَى الْخَيْلِ

گھوڑوں پر گھنٹیاں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس (جنگی) قافلہ میں کتا اور گھنٹی ہو اس قافلہ کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے"

تشریح: یہ حدیث جہاد کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے، اس میں نبی ﷺ نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ فوجیوں کو کتا ساتھ نہیں رکھنا چاہئے، نہ جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ہونی چاہئے، کیونکہ جب کتا بھونکے گا یا گھنٹی بجے گی تو دشمن کو فوج کی نقل وحرکت کی خبر ہو جائے گی، اور یہ بات جنگی مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے نبی ﷺ نے فوج کے قافلہ میں گھنٹی اور کتے کو ناپسند فرمایا، اور یہ حکم جہاد کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے، عام قافلوں کے لئے یہ حکم نہیں، بعض حضرات حدیث کو عام سمجھتے ہیں، وہ مدرسہ کے گھنٹے کو بھی حرام کہتے ہیں، یہ بات صحیح نہیں۔

[٢٥-] باب ماجاء فی الأَجْرَاسِ عَلَى الْخَيْلِ

[١٦٩٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِى صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِى هريرةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَتَصْحَبُ الْمَلاَئِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلاَ جَرَسٌ" وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَأُمِّ حَبِيْبَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ مَنْ يُسْتَعْمَلُ عَلَى الْحَرْبِ؟

جنگ میں امیر کس کو بنایا جائے؟

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دو سریے روانہ فرمائے، ایک کا امیر حضرت

علی رضی اللہ عنہ کواور دوسرے کا امیر حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو بنایا، اور فرمایا: جب جنگ شروع ہوتو امیر علیؓ ہیں، حضرت براءؓ کہتے ہیں: پس حضرت علیؓ نے ایک قلعہ فتح کیا اور جو غلام باندی ہاتھ آئے ان میں سے ایک باندی لی (یہ بات حضرت خالد کو ناگوار گذری) پس انھوں نے مجھے ایک خط دے کر نبی ﷺ کے پاس بھیجا، اس خط میں انھوں نے حضرت علیؓ کی شکایت کی تھی، پس میں نبی ﷺ کے پاس پہنچا، جب آپؐ نے خط پڑھا تو آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا، اور فرمایا: ''آپ کا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں؟'' حضرت براء نے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، میں صرف ڈاکیہ ہوں، یعنی میرا خط کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں، پس آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور آپ خاموش ہو گئے۔

تشریح:

۱- اس حدیث سے یہ ضابطہ نکلا کہ جنگ کی ذمہ داری اس شخص کو سونپنی چاہئے جو جنگ لڑانے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے، چونکہ یہ صلاحیت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حضرت خالدؓ سے زیادہ تھی اس لئے آپؐ نے فرمایا: جب جنگ شروع ہو تو امیر علیؓ ہونگے، حضرت خالدؓ کی امارت ختم، کیونکہ جنگ میں دو امیر مناسب نہیں، دو امیر ہونگے تو اختلاف ہوگا۔

۲- آنحضور ﷺ جو سریے روانہ فرماتے تھے اور ان کو جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ سب مالِ غنیمت آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتا تھا، پھر آپ اس میں سے خمس نکال کر باقی چار اخماس فوجیوں میں تقسیم فرماتے تھے، اور حضرت علیؓ نے جو باندی لی تھی وہ آنحضور ﷺ کی اجازت سے لی تھی، حضرت خالدؓ کو یہ بات معلوم نہیں تھی، اس لئے ان کو ناگواری ہوئی، اور انھوں نے شکایت لکھی۔

[۲۶-] بابٌ مَنْ يُسْتَعْمَلُ عَلَى الْحَرْبِ؟

[۱۶۹۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ أَبِي زِيَادٍ، ثَنَا الأَحْوَصُ بنُ جَوَّابٍ أَبُو الْجَوَّابِ، عَنْ يُونُسَ بنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ جَيْشَيْنِ، وَأَمَّرَ عَلَى أَحَدِهِمَا عَلِيَّ بنَ أَبِي طَالِبٍ، وَعَلَى الآخَرِ خَالِدَ بنَ الْوَلِيْدِ، وَقَالَ: " إِذَا كَانَ الْقِتَالُ فَعَلِيٌّ" قَالَ: فَافْتَتَحَ عَلِيٌّ حِصْنًا، فَأَخَذَ مِنْهُ جَارِيَةً، فَكَتَبَ مَعِيْ خَالِدٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم يَشِيْ بِهِ، فَقَدِمْتُ عَلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَرَأَ الْكِتَابَ، فَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ، ثُمَّ قَالَ: " مَاتَرَى فِيْ رَجُلٍ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ؟" قُلْتُ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ

رَسُوْلِهِ! وَإِنَّمَا أَنَا رَسُوْلٌ، فَسَكَتَ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الأَحْوَصِ بنِ جَوَّابٍ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "يَشِيْ بِهِ" يَعْنِي النَّمِيْمَةَ.

لغات: اسْتَعْمَلَهُ: عامل (حاکم) بنانا...... وَشَى به إلى السلطان يَشِيْ وَشْيًا: سلطان سے کسی کی شکایت کرنا، چغلی کھانا۔

بابُ ماجاء في الإمَامِ

امیر المؤمنین کی ذمہ داری

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں پوچھا جائے گا جیسے چرواہا جب جانوروں کو لے کر جنگل چرانے جاتا ہے تو ان کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کیونکہ وہ راعی ہے اگر کوئی بکری بھیڑیا لے جائے تو مالک اس کے کان کھینچتا ہے اور اس سے باز پرس کرتا ہے، اسی طرح ہر شخص سے قیامت کے دن اس کے ریوڑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ باز پرس کریں گے، یہ قاعدہ کلیہ بیان فرما کر نبی ﷺ نے اس کی چند مثالیں دیں: فرمایا: امیر لوگوں کا چرواہا ہے اور پبلک اس کا ریوڑ ہے، پس اس سے پبلک کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور آدمی اپنے گھر والوں کا چرواہا ہے اس سے اس کے گھر والوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے، اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اس سے اس سلسلہ میں باز پرس ہوگی (یہ چند مثالیں بیان فرما کر آپؐ نے پھر قاعدہ کلیہ دوہرایا) سن لو! تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں باز پرس ہوگی (اس قاعدہ کے اعادہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ جزئیات بطور مثال ہیں، یہ کلیہ ان جزئیات کے ساتھ خاص نہیں)

ملحوظہ: راعی اور رعیت کے معنی اور حدیث کی وضاحت ابواب الاحکام باب ٦ میں گذر چکی ہے۔

[٢٧-] باب ماجاء في الإمَامِ

[١٦٩٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالأَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ بَعْلِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُ:

وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وأَنَسٍ، وَأَبِيْ مُوْسَى، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَحديثُ أَبِيْ مُوْسَى غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وَحديثُ أَنَسٍ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ:

وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ بَشَّارٍ الرَّمَادِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ بن عُيَيْنَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَخْبَرَنِيْ بِذٰلِكَ مُحمدٌ، عَنْ إبْرَاهِيْمَ بنِ بَشَّارٍ.

قَالَ مُحمدٌ: وَرَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ بُرَيْدِ بنِ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا، وَهٰذَا أَصَحُّ.

قَالَ مُحمدٌ: وَرَوَى إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مُعَاذِ بنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ"

سَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: هٰذَا غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وَإِنَّمَا الصَّحِيْحُ: عَنْ مُعَاذِ بنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

وضاحت: باب میں امام ترمذیؒ نے تین صحابہ کی حدیثوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی حدیثیں محفوظ نہیں:

(۱) ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث امام بخاری: ابراہیم بن بشار رمادی سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن عیینہ سے، وہ بُرید سے، وہ ابو بردہ سے، اور وہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے، امام بخاری فرماتے ہیں: اس طرح سند صرف رمادی بیان کرتے ہیں، اور ابن عیینہ کے دیگر تلامذہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں، یعنی آخر میں ابو بردہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا تذکرہ نہیں کرتے اور یہی اصح ہے۔

(۲) حضرت انسؓ کی حدیث امام بخاری اسحاق بن ابراہیم حنظلی سے، وہ معاذ بن ہشام سے، وہ اپنے ابا ہشام دستوائی سے، وہ قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اس کے متن کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر چرواہے سے باز پرس کرنے والے ہیں، اس ریوڑ کے بارے میں جو اس کو چرانے کے لئے دیا ہے'' امام بخاری فرماتے ہیں: یہ سند بھی محفوظ نہیں، اس کی صحیح سند یہ ہے: معاذ اپنے ابا سے، وہ قتادہ سے، وہ حسن بصری سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی یہ روایت بھی مرسل ہے۔

ملحوظہ: أخبرني بذلك محمد عن إبراهيم بن بشار: ہمارے نسخے میں محمد بن إبراهيم ہے، یہ تصحیف ہے، محمد: حضرت امام بخاری ہیں، اور وہ یہ حدیث ابراہیم رمادی سے روایت کرتے ہیں، كتاب الضعفاء لابن عقيل میں اس کی صراحت ہے۔

بابُ ماجاء فی طَاعَةِ الإمَامِ

امیر المؤمنین کی فرمانبرداری

امام کی اطاعت فرض ہے، لوگ امام کی اطاعت نہیں کریں گے تو وہ حکومت کیسے چلائے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: آپ کی حکومت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں فرق کیوں ہے؟ (حضرت عمرؓ کی حکومت مثالی تھی اور حضرت علیؓ کی حکومت میں انتشار تھا) حضرت علیؓ نے جواب دیا: حضرت عمرؓ کی رعیت میں تھا اور میری رعیت تو ہے یعنی ہم اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتے تھے اور تم بات ہی نہیں مانتے پھر فرق ہوگا یا نہیں؟

حدیث: ام الحصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع میں نبی پاک ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپؐ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی، اور اس کو اپنے بغل کے نیچے سے نکال کر لپیٹ رکھا تھا (جس طرح اضطباع کرتے ہیں یعنی ایک بازو کھلا تھا) ام الحصین کہتی ہیں: اور میں آپؐ کے بازو کے گوشت کو دیکھ رہی تھی کہ وہ حرکت کر رہا ہے، میں نے آپؐ کو فرماتے سنا: "لوگو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم پر کالا، ناک کان کٹا غلام مقرر کیا جائے تو اس کی (بھی) بات سنو، اور اس کا کہنا مانو، جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق حکومت کرے"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم خواہ کیسا ہی ہو جب تک وہ شریعت کے خلاف حکم نہ دے اس کی اطاعت فرض ہے، البتہ اللہ کی نافرمانی میں یعنی صریح گناہ کے کام میں اطاعت جائز نہیں، جیسا کہ آئندہ باب میں آرہا ہے۔

[۲۸-] باب ماجاء فی طَاعَةِ الإمَامِ

[۱۶۹۶-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ يُوْسُفَ، ثَنَا يُوْنُسُ بنُ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ العَيْزَارِ بنِ حُرَيْثٍ، عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ الأَحْمَسِيَّةِ قَالَتْ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَعَلَيْهِ بُرْدٌ قَدِ التَفَعَ بِهِ مِنْ تَحْتِ إِبْطِهِ، قَالَتْ: وَأَنَا أَنْظُرُ إِلٰى عَضَلَةِ عَضُدِهِ تَرْتَجُّ، سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوْا اللّٰهَ، وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوْا لَهُ وَأَطِيْعُوْا، مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَعِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أُمِّ حُصَيْنٍ.

لغات: عَضَلَة: پٹھا، بازو میں ابھرا ہوا گوشت ...... أَمَّرَہ: امیر مقرر کرنا ...... وَإِنْ: میں واو وصلیہ نہیں ہے، شرطیہ ہے...... مُجَدَّع: ناک کان کٹا۔

بابُ ماجاء لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان آدمی پر (امیر کی بات) سننا اور ماننا لازم ہے، خواہ وہ حکم اس کو پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ وہ کسی ناجائز کام کا حکم نہ دیا جائے، پس اگر وہ کسی ناجائز کام کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت کرنا۔

[۲۹-] باب ماجاء لَاطَاعَةَ لمخلوق فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

[۱۶۹۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بن عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَاطَاعَةَ"

وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَالْحَكَمِ بنِ عَمْرٍو الغِفَارِيِّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فى التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ، وَالْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ

جانور لڑانا اور چہرے پر نشان بنانا ممنوع ہے

اس باب میں دو حدیثیں ہیں: پہلی حدیث میں جانوروں کو آپس میں لڑانے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں جانور کے چہرے پر گرم لوہے سے داغنے کی اور چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے، قدیم زمانہ سے یہ بری عادتیں چلی آرہی ہیں کہ جانوروں کو لڑاتے ہیں، مرغ لڑاتے ہیں، بکرے اور مینڈھے لڑاتے ہیں، اس طرح جانوروں کو لڑانا جائز نہیں، اس سے جانوروں کو اذیت پہنچتی ہے، وہ لہولہان ہوجاتے ہیں اور اس میں کوئی دینی فائدہ نہیں، صرف سامانِ تفریح ہے، بلکہ بعض تو شرط بدتے ہیں جو قمار (سٹہ) ہے اور حرام ہے۔ اسی طرح علامت کے طور پر لوہا گرم کرکے جانور کے چہرے پر داغتے ہیں: یہ بھی جائز نہیں، اگر علامت بنانی ہے تو جسم کے کسی اور حصہ پر بنائی جائے، اسی طرح جانور کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں، بعض مرتبہ اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے، پھر رونا پڑتا ہے۔

[۳۰-] باب ماجاء فى التَّحْرِيْشِ بين البهائم، والوَسْمِ فِي الْوَجْهِ

[۱۶۹۸-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ قُطْبَةَ بنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ يَحْيَى، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ.

حدثنا محمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ يَحْيىَ، عَنْ مُجَاهِدٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ ابنِ عَباسٍ، وَيُقَالُ: هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حديثِ قُطْبَةَ.

وَرَوَى شَرِيْكٌ هٰذَا الحديثَ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ أَبِيْ يَحْيىَ، وَرَوَى أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

وفي الباب: عَنْ طَلْحَةَ، وَجَابِرٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعِكْرَاشِ بنِ ذُوَيْبٍ.

[١٦٩٩-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا رَوْحٌ، عَنْ ابنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِيْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ وَالضَّرْبِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: حَرَّشَ بين القوم: لڑائی کرانا، ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا ...... وَسَمَ الشيئَ يَسِمُهُ وَسْمًا وَسِمَةً: داغ کر خاص نشان ڈالنا۔

وضاحت: پہلی حدیث کی چار سندیں ذکر کی ہیں: (۱) قطبہ بن عبدالعزیز کی سند: وہ اعمش کے بعد ابویحییٰ کا اور آخر میں ابن عباس کا ذکر کرتے ہیں (۲) سفیان ثوری کی سند: وہ آخر میں حضرت ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کرتے، یہ مرسل روایت اصح ہے، کیونکہ ثوری: قطبہ سے احفظ ہیں (۳) شریک نخعی کی سند: وہ اعمش کے بعد ابویحییٰ کا تذکرہ نہیں کرتے، البتہ آخر میں ابن عباس کا تذکرہ کرتے ہیں (یہ سند ٹھیک نہیں، شریک کثیر الخطاء ہیں) (۴) ابومعاویہ کی سند: وہ نہ ابویحییٰ کا ذکر کرتے ہیں نہ ابن عباس کا (یہ سند بھی صحیح نہیں)

بابُ ماجاءَ في حَدِّ بُلُوْغِ الرَّجُلِ، وَمَتَى يُفْرَضُ لَهُ؟

لڑکا کب بالغ ہوتا ہے اور فوج میں اس کو کب لیا جائے؟

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کے سامنے ایک لشکر میں (غزوۂ احد میں) پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، آپؐ نے مجھے قبول نہیں کیا، پھر میں اگلے سال آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا: آپؐ نے مجھے قبول کرلیا، نافع کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: یہ صغیر وکبیر کے درمیان حد فاصل ہے، پھر حکم لکھوایا کہ جس کی عمر پندرہ سال ہو جائے اس کو فوج میں بھرتی کرلیا جائے۔

ملحوظہ: یہ حدیث تفصیل کے ساتھ ابواب الاحکام باب ۲۴ میں گذر چکی ہے۔

[۳۱-] باب ماجاء فی حَدِّ بُلُوْغِ الرَّجُلِ، وَمَتٰی یُفْرَضُ لَهُ؟

[۱۷۰۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْوَزِيْرِ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ يُوْسُفَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: عُرِضْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ جَيْشٍ، وأَنَا ابنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ، فَلَمْ يَقْبَلْنِيْ، ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِيْ جَيْشٍ، وَأَنَا ابنُ خَمْسَ عَشْرَةَ، فَقَبِلَنِيْ، قَالَ نَافِعٌ: فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الحديثِ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، فَقَالَ: هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ بَلَغَ الْخَمْسَ عَشْرَةَ.

[۱۷۰۱-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ: هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الذُّرِيَّةِ وَالْمُقَاتِلَةِ، وَلَمْ يَذْكُرْ: أَنَّهُ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ.

حديثُ إِسْحَاقَ بنِ يُوْسُفَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ.

بابُ ماجاء مَنْ يُسْتَشْهَدُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ

قرضہ چھوڑ کر شہید ہونے والا

حدیث: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے (کسی جنگ کے موقع پر) تقریر فرمائی کہ راہِ خدا میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے، پس ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! بتایئے اگر میں راہِ خدا میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگر آپ راہِ خدا میں اس حال میں مارے گئے کہ آپ صبر کرنے والے، ثواب کی امید رکھنے والے، آگے بڑھنے والے، اور پیٹھ نہ پھیرنے والے ہوں (وہ یہ پوچھ کر چل دیا، آپؐ نے اس کو واپس بلایا) پھر فرمایا: آپ نے کیا سوال کیا تھا؟ دوبارہ پوچھو، اس نے کہا: اگر میں راہِ خدا میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں درانحالیکہ آپ صبر کرنے والے، ثواب کی امید رکھنے والے، آگے بڑھنے والے، پیٹھ نہ پھیرنے والے ہوں، مگر قرضہ یعنی حقوق العباد، پس بیشک جبرئیل علیہ السلام نے مجھے (ابھی) یہ بات بتائی۔

فائدہ: پہلے کئی مرتبہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ نبی پاک ﷺ بھی دیگر مجتہدین کی طرح اجتہاد فرماتے تھے، اور دیگر مجتہدین کی طرح چوک بھی ہوتی تھی، مگر فرق یہ ہے کہ مجتہد کی غلطی باقی رہتی ہے اس کو تنبیہ نہیں کی جاتی، اور نبی کو خطا پر باقی نہیں رکھا جاتا، وحی کے ذریعہ اس کو اطلاع کر دی جاتی ہے، اور یہ تنبیہ کبھی اجتہاد پر عملدرآمد ہونے

سے پہلے کی جاتی ہے اور کبھی بعد میں، یہ حدیث اول کی مثال ہے، نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے یہ بات بتائی کہ شہادت سے ہر قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، ابھی اس پر عملدر آمد نہیں ہوا تھا یعنی سائل ابھی شہید نہیں ہوا تھا کہ آپؐ نے اس کو یہ بات بتادی کہ شہادت سے ہر قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، اور فرمایا کہ ابھی مجھے جبرئیل علیہ السلام نے یہ بات بتائی، اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معارضہ کیا، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ کافر کے لئے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ﴾ پس میرے لئے گنجائش ہے کہ نماز جنازہ پڑھوں، چنانچہ آپؐ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد آیت: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ نازل ہوئی، اور آپ کو تنبیہ کی گئی کہ آئندہ کسی بھی کافر کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، دوسری مثال: بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا مسئلہ ہے، اس واقعہ میں فدیہ لینے کے بعد تنبیہ نازل ہوئی تھی: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ﴾ اس کی دلیل ہے۔

[٣٢-] باب ماجاء فيمن يُسْتَشْهَدُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ

[١٧٠٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ قَامَ فِيْهِمْ، فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالإِيْمَانَ بِاللّٰهِ أَفْضَلُ الأَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَيُكَفَّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ، إِنْ قُتِلْتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ" ثُمَّ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كَيْفَ قُلْتَ؟" قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَيُكَفَّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ، وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ، فَإِنَّ جِبْرِيْلَ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ"

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَمُحمدِ بنِ جَحْشٍ، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا، وَرَوَى يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ الأَنْصَارِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ نَحْوَ هٰذَا عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حديثِ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ.

وضاحت: یہ حدیث کس سے مروی ہے: حضرت ابوقتادہؓ سے یا حضرت ابوہریرہؓ سے؟ سعید مقبری کے تلامذہ

میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے، یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی نہیں ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوقتادہ کی سند سے روایت کی ہے (حدیث ۱۸۸۵ کتاب الإمارة باب ۳۲)

بابُ ماجاء فی دَفْنِ الشُّهَدَاءِ

شہداء کو دفن کرنے کا بیان

حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک قبر میں ایک سے زیادہ اموات کو دفن کرنا حرام ہے، البتہ کوئی مجبوری ہو تو جائز ہے، جیسے شہداء بہت ہوں یا وبا میں بہت لوگ مرے ہوں اور سب کے لئے قبریں کھودنے میں دشواری ہو تو ایک قبر میں ایک سے زیادہ مردوں کو دفن کرنا جائز ہے۔ غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے، اور جو زندہ تھے وہ بشمول نبی ﷺ زخمی تھے، اور عرب کی زمین پتھریلی ہے، اس میں قبر کھودنا دشوار ہے، صحابہ نے زخموں کا شکوہ کیا کہ ہم اتنی قبریں کیسے کھودیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''کھودو اور کشادہ کھودو، اور اچھی طرح کھودو، اور ایک قبر میں دو اور تین کو دفن کرو، اور جس کو قرآن زیادہ یاد ہو اس کو آگے رکھو'' راوی کہتے ہیں: میرے والد بھی شہید ہوئے تھے، ان کو ایک قبر میں دو آدمیوں سے آگے رکھا گیا، یعنی ان کی قبر میں تین شہداء دفن کئے گئے اور ہشام کے والد کو آگے رکھا گیا، کیونکہ ان کو قرآن زیادہ یاد تھا، تفصیل کتاب الجنائز باب ۳۰ میں گذر چکی ہے۔

[۳۳-] باب ماجاء فی دَفْنِ الشُّهَدَاءِ

[۱۷۰۳-] حدثنا أَزْهَرُ بنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِيْ الدَّهْمَاءِ، عَنْ هِشَامِ بنِ عَامِرٍ، قَالَ: شُكِيَ إِلَى رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الجِرَاحَاتُ يَوْمَ أُحُدٍ، فَقَالَ: " احْفِرُوْا، وَأَوْسِعُوْا، وأَحْسِنُوْا، وَادْفِنُوْا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ، وَقَدِّمُوْا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا" فَمَاتَ أَبِيْ فَقُدِّمَ بَيْنَ يَدَيْ رَجُلَيْنِ.

وفی الباب: عَنْ خَبَّابٍ، وَجَابِرٍ، وأَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرَوَى سُفْيَانُ وَغَيْرُهُ هٰذَا الحديثَ عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ هِلَالٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عَامِرٍ، وَأَبُوْ الدَّهْمَاءِ: اسْمُهُ قِرْفَةُ بنُ هُمَيْسٍ.

وضاحت: عبدالوارث کی سند میں ابوالدہماء کا واسطہ ہے، سفیان ثوری وغیرہ اس واسطہ کے بغیر روایت کرتے ہیں، ثوری کی سند سے روایت ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ غرض دونوں سندیں: واسطہ والی بھی اور بغیر واسطہ والی بھی صحیح ہیں، اور ابوالدہماء کے والد کا نام هُمَيْس بھی آیا ہے اور بُهَيْس بھی۔

بابُ ماجاءَ فِي الْمَشُوْرَةِ

مشورے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب غزوۂ بدر میں جنگی قیدی لائے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اور لمبا مضمون ذکر کیا (یہاں مقصود صرف مشورہ کا مضمون بیان کرنا ہے، لمبی روایت بغوی نے روایت کی ہے، اور وہاں سے تحفۃ الاحوذی میں نقل کی گئی ہے اور مسلم شریف میں بھی دیگر صحابہ کی سندوں سے یہ لمبا مضمون مذکور ہے)

تشریح: مشورہ سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، نبی ﷺ مہمات امور میں بکثرت صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ صحابہ سے ہر معاملہ میں مشورہ فرماتے تھے، اتنا زیادہ مشورہ کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور صحابہ بھی مشورہ کرتے تھے بلکہ خلافِ راشدہ کی بنیاد ہی مشورے پر تھی، اور مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہوتی ہے جو مہتم بالشان ہوں اور وہ قرآن وسنت میں منصوص نہ ہوں، کیونکہ جو چیز منصوص ہو اس میں رائے مشورہ کے کوئی معنی نہیں، اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ کیا جائے گا تو کوئی کام نہیں ہو سکے گا اور مشورہ ایسے شخص سے لینا چاہئے جو عقلمند اور خیر خواہ ہو، بے وقوف یا بدخواہ سے مشورہ لینا اپنی لٹیا ڈبونا ہے۔

[٣٤-] باب ماجاء فی المشُوْرَةِ

[١٧٠٤-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ، وَجِيْءَ بِالْأُسَارَى، قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَاتَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْأُسَارَى؟" وَذَكَرَ قِصَّةً طَوِيْلَةً"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وأَبِيْ أَيُّوْبَ، وأَنَسٍ، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ.

وَيُرْوَى عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: مَارَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ مَشُوْرَةً لِأَصْحَابِهِ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے لئے يُرْوَى (فعل مجہول) استعمال کیا ہے، کیونکہ یہ روایت منقطع ہے (قاله الحافظ، ونقله في تحفة الأحوذي)

بابُ ماجاء لاتُفادَی جِیفَۃُ الأَسِیرِ

کافر کی لاش کا عوض نہ لیا جائے

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ کسی غزوہ میں ایک مشرک کے ورثاء نے اپنے مورث کی لاش خریدنی چاہی تو نبی ﷺ نے اس کو بیچنے سے انکار کر دیا (کیونکہ مردہ: مسلمان کے حق میں مال نہیں، پس اس کی بیع جائز نہیں)

فائدہ: البتہ اگر کمانڈر مناسب سمجھے تو لاش دے سکتا ہے مگر معاوضہ لینا جائز نہیں، ہاں کرامہ (نذرانے) کی گنجائش ہے، جیسے عسب الفحل کی بیع جائز نہیں مگر کرامہ کی آپؐ نے اجازت دی ہے، پس بغیر معاملہ کئے کوئی عوض ملے تو لے سکتے ہیں اور لاش کے بدل قیدیوں کو بھی چھڑایا جا سکتا ہے۔

ملحوظہ: یہ حدیث غریب ہے یعنی ضعیف ہے اور حکَم سے اوپر ایک ہی سند ہے، اس کو حکم سے ابن ابی لیلیٰ اور حجاج بن ارطاۃ روایت کرتے ہیں اور دونوں ضعیف ہیں، یہ ابن ابی لیلیٰ: صغیر ہیں، یہ کوفہ کے قاضی تھے، فقہ میں ان کا بڑا مقام تھا، ہدایہ میں ان کے اقوال آتے ہیں، مگر حدیث میں ضعیف تھے، ان کو حدیثیں خوب محفوظ نہیں تھیں، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن ابی لیلیٰ کی حدیثوں سے مسائل میں استدلال جائز نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ابی لیلیٰ اگرچہ صدوق ہیں یعنی بالقصد جھوٹ نہیں بولتے مگر وہ اپنی صحیح حدیثوں کو اور ضعیف حدیثوں کو نہیں پہچانتے اس لئے میں ان کی حدیثیں سبق میں بیان نہیں کرتا، وہ مجتہد ہیں مگر کبھی ان سے سندوں میں غلطی ہو جاتی ہے، اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے شہر کے بڑے فقیہ دو ہیں: ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ۔

[۳۵-] باب ماجاءَ لَا تُفَادَی جِیفَۃُ الأَسِیرِ

[۱۷۰۵-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَیْلانَ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، ثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ ابنِ أَبِیْ لَیْلی، عَنِ الْحَکَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنْ ابنِ عَبّاسٍ: أَنَّ الْمُشْرِکِیْنَ أَرَادُوْا أَنْ یَشْتَرُوْا جَسَدَ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، فَأَبَی النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ یَبِیْعَھُمْ.

ھٰذَا حدیثٌ غریبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیْثِ الْحَکَمِ، وَرَوَاهُ الْحَجّاجُ بنُ أَرْطَاۃَ أَیْضًا عَنِ الْحَکَمِ، وَقَالَ أَحْمَدُ بنُ الْحَسَنِ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ: ابنُ أَبِیْ لَیْلی لَا یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِهٖ، قَالَ محمدُ بنُ إِسْمَاعِیْلَ: ابنُ أَبِیْ لَیْلی صَدُوْقٌ، وَلٰکِنْ لَا یَعْرِفُ صَحِیْحَ حَدِیْثِهٖ مِنْ سَقِیْمِهٖ، وَلَا

أَرْوِیْ عَنْهُ شَيْئًا، وابنُ أَبِي لَيْلَى: هُوَ صَدُوْقٌ فَقِيْهٌ، وَرُبَّمَا يَهِمُ فِي الإِسْنَادِ.

حَدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ دَاوُدَ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ: فُقَهَاؤُنَا: ابنُ أَبِي لَيْلَى، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ شُبْرُمَةَ.

وضاحت: عبداللہ بن شُبر مہ بھی کوفی ہیں، مجتہد اور قاضی تھے، بخاری میں ان کی تعلیقاً اور مسلم، ابوداؤد، نسائی اورابن ماجہ میں ان کی روایات ہیں، ترمذی میں ان کی کوئی روایت نہیں۔

بابُ [ماجاءَ فِي الْفِرَارِ مِنَ الزَّحْفِ]

میدانِ جنگ سے بھاگنا

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا، جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو لوگوں کے پیرا کھڑ گئے اور فوج میں بھگدڑ مچ گئی، پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم وہاں چھپ گئے، جب مدینہ قریب آیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہماری شکست کی خبر یقیناً مدینہ پہنچ گئی ہوگی، پس ہم کیا منہ لے کر آنحضور ﷺ کے سامنے جائیں گے؟ اور کس منہ سے گھر والوں کا اور مسلمانوں کا سامنا کریں گے؟ چنانچہ بعض کی رائے ہوئی کہ واپس لوٹنا چاہئے اور دوبارہ مقابلہ کرنا چاہئے خواہ انجام کچھ بھی ہو، اور دوسری رائے یہ سامنے آئی کہ اب جبکہ ہم مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں تو حضور اقدس ﷺ سے ملے بغیر واپس نہیں جانا چاہئے، چنانچہ وہ لوگ رات میں چھپ گئے، اپنے گھر نہیں گئے، سیدھے مسجد نبوی میں جا کر پڑ رہے، جب نبی ﷺ فجر کی نماز کے لئے نکلے تو انھوں نے حجرہ جان لیا، نماز کے بعد اس حجرہ کے باہر دو قطاریں بنا کر کھڑے ہوگئے، جب آپؐ حجرے میں واپس جانے لگے تو دروازے پر بہت سے لوگوں کو دیکھا، آپؐ نے پوچھا: کون؟ ان لوگوں نے ٹوٹے ہوئے دل سے کہا: یارسول اللہ! ہم بھگوڑے ہیں! نبی پاک ﷺ کو جنگ کی صورتِ حال معلوم ہو چکی تھی، آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا مرکز ہوں'' یہ سورۃ الانفال آیت ۱۵و۱۶ کی طرف اشارہ ہے، ارشادِ پاک ہے: ''اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو، اور جو شخص ان سے اُس حال میں پشت پھیرے گا — ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلنے والا ہو، یا اپنی جماعت کی طرف سمٹنے والا ہو وہ مستثنیٰ ہے — تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا، اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت بری جگہ ہے'' ان آیاتِ پاک میں میدان سے بھاگنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، مگر دو صورتوں کا استثناء کیا ہے، ایک: لڑائی کے لئے پینترا بدلنے کے طور پر پیچھے ہٹنا جائز ہے، دوسری: اپنے مرکز کی طرف سمٹنا جائز ہے کہ

کمک لے کر دوبارہ حملہ کرے۔ آنحضور ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم بھاگے نہیں ہو تم اپنے مرکز کی طرف سمٹ آئے ہو، کمک لے کر دوبارہ حملہ کروگے، آنحضور ﷺ کی یہ بات سن کر ان لوگوں کے دل بلیوں اچھل پڑے!

[٣٦-] بابُ [ماجاء فِي الْفِرَارِ مِنَ الزَّحْفِ]

[١٧٠٦-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: بَعَثَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَرِيَّةٍ، فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً، فَقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، فَاخْتَبَأْنَا بِهَا، وَقُلْنَا: هَلَكْنَا! ثُمَّ أَتَيْنَا رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْنَا: يَارسولَ اللّٰهِ! نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ! قَالَ: "بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ، وَأَنَا فِئَتُكُمْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ زِيَادٍ؛ وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً" يَعْنِيْ: أَنَّهُمْ فَرُّوْا مِنَ الْقِتَالِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ": وَالْعَكَّارُ: الَّذِيْ يَفِرُّ إِلَى إِمَامِهِ لِيَنْصُرَهُ، لَيْسَ يُرِيْدُ الْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ.

لغت: حَاصَ عنه (ض) حَيْصًا: الگ ہونا، فرار ہونا، مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے، یعنی بالکل بھاگ نکلے، پلٹ کر بھی نہ دیکھا...... العَکَّارُ: اسم مبالغہ عَکَرَ (ن) عَکْراً: مائل ہونا، لوٹنا، عَکَرَ علی الشيئ: مائل ومتوجہ ہونا۔ ترجمہ: عکّار: وہ شخص ہے جو امام کی طرف پلٹے، تاکہ امام اس کی مدد کرے، میدان جنگ سے اس کا بھاگنے کا ارادہ نہ ہو۔

باب [ماجاء فِيْ دَفْنِ القتيلِ فِيْ مَقْتَلِهِ]

شہداء کو میدانِ جنگ ہی میں دفن کرنا

جس طرح عام اموات کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو اس کو وہیں دفن کیا جائے، دفن کے لئے دوسری جگہ نہ لے جایا جائے، اسی طرح شہداء کو بھی میدانِ جنگ ہی میں دفن کیا جائے، جنگ احد میں بعض لوگ شہداء کو مدینہ لے گئے تاکہ اپنے آبائی قبرستان میں دفن کریں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری پھوپی میرے ابا کو بھی مدینہ لے گئی تھیں، جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے منادی کرائی کہ شہداء کو ان کے قتل ہونے کی جگہ میں واپس لاؤ، چنانچہ سب شہداء احد ہی میں دفن کئے گئے۔

ملحوظہ: یہاں مصری نسخہ میں باب ہے۔

[٣٧-] باب [ماجاء فِيْ دَفْنِ القتيلِ فِيْ مَقْتَلِهِ]

[١٧٠٧-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَسْوَدِ بنِ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ نُبَيْحًا العَنَزِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ، جَاءَتْ عَمَّتِيْ بِأَبِيْ لِتَدْفِنَهُ فِيْ مَقَابِرِنَا، فَنَادَى مُنَادِيْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "رُدُّوْا الْقَتْلَى إِلٰى مَضَاجِعِهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فِيْ تَلَقِّي الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ

مسافر کا استقبال کرنا

مہمان کو رخصت کرنے کے لئے یا استقبال کرنے کے لئے ایک حد تک جانا جائز ہے۔ نبی ﷺ بعض حضرات کو رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے ہیں، اور جب آنحضور ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے ہیں تو صحابہ آپؐ کے استقبال کے لئے نکلے ہیں، سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ تبوک سے لوٹے تو لوگ استقبال کے لئے ثنیۃ الوداع تک نکلے، میں اس وقت بچہ تھا، میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا۔

فائدہ: حاجیوں کو رخصت کرنے کا اور استقبال کرنے کا جو طریقہ چل پڑا ہے وہ صحیح نہیں، جب حاجی جاتا ہے تو لوگ بس بھر کر چھوڑنے جاتے ہیں، اور راستے بھر ہوہا کرتے ہیں، اور تصویریں کھینچواتے ہیں، اور معلوم نہیں کیا کیا خرافات کرتے ہیں، اور جب حاجی آتا ہے تو اور زیادہ خرافات کرتے ہیں، استقبال کا یہ طریقہ قطعاً ممنوع ہے، ہاں معروف طریقہ پر دو چار آدمی حاجی کو چھوڑنے جائیں یا لینے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، بلکہ جانا چاہئے، مہمان کو رخصت کرنے کے لئے اور استقبال کرنے کے لئے ایک حد تک جانا آنحضور ﷺ سے اور صحابہ سے ثابت ہے۔

[٣٨-] باب ماجاء في تَلَقِّي الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ

[١٧٠٨-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، وَسَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، قَالاَ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بنِ يَزِيْدَ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ تَبُوْكَ، خَرَجَ النَّاسُ يَتَلَقَّوْنَهُ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ، قَالَ السَّائِبُ: فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ وَأَنَا غُلاَمٌ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الْفَيْءِ

مال فَی کا حکم

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنونضیر کے اموال ان مالوں میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عنایت فرمائے تھے، مسلمانوں نے ان پر گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، اس لئے وہ اموال نبی ﷺ کے لئے خاص تھے، آپؐ اس میں سے ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچہ نکالتے تھے اور جو بچتا تھا اس کو راہِ خدا میں، جہاد کی تیاری میں، گھوڑوں اور ہتھیاروں میں خرچ کرتے تھے۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ کفار سے جو اموال حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں، ایک: مال غنیمت، یہ وہ مال ہے جو جنگ وقتال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ مجاہدین کا حق ہے۔ دوسرا: مال فَی ہے، یہ وہ مال ہے جو لڑے بھڑے بغیر حاصل ہوتا ہے اس میں مجاہدین کا حق نہیں، بنونضیر کے اموال فَی تھے، وہ لڑے بھڑے بغیر مصالحت کے طور پر حاصل ہوئے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہ اموال انصار سے اجازت لے کر مہاجرین پر تقسیم فرمائے تھے، اور مہاجرین کے پاس انصار کی جو زمینیں تھیں وہ ان کو واپس کرادی تھیں، اور ان اموال میں سے ایک مقدار روک لی تھی، جس میں سے آپؐ ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچہ دیتے تھے، اور جو بچ جاتا تھا اس سے جہاد کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خریدے جاتے تھے۔

فائدہ: مال فَی کے مصارف اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر (آیت ۷-۱۰) میں بیان فرمائے ہیں، ارشادِ پاک ہے: ''جو مال اللہ تعالیٰ نے فَی کے طور پر دیا اپنے رسول کو، بستیوں کے لوگوں سے تو وہ اللہ کے لئے، اور رسول کے لئے، اور رسول کے رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں کے لئے اور مسافر کے لئے ہے...... اور ان حاجت مند مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے ہیں...... اور ان (انصار) کے لئے ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے دارالاسلام (مدینہ) میں اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں...... اور ان لوگوں کے لئے ہے جو ان کے بعد آئیں گے جو دعا کرتے ہونگے الی آخرہ۔ جب ان آیات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا تو فرمایا: اس (آخری) آیت نے تمام مسلمانوں کا استیعاب کرلیا ہے (مشکوۃ حدیث ۴۰۶۱) یعنی مال فَی میں سبھی مسلمانوں کا حصہ ہے، پس امام مال فَی کو پہلے زیادہ اہم کاموں میں خرچ کرے گا پھر اس سے کم اہم کاموں میں، اور وہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی مصلحت پیش نظر رکھے گا اپنی کسی مخصوص مصلحت کو پیش نظر نہیں رکھے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۴۱۶)

[٣٩-] باب ماجاء في الفَيْءِ

[١٧٠٩-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَوْسِ بنِ الْحَدَثَانِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بنَ الْخطَّابِ يَقُوْلُ: كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِيْ النَّضِيْرِ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ، مِمَّا لَمْ يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ، فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَالِصًا، فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَعْزِلُ نَفَقَةَ أَهْلِهِ سَنَةً، ثُمَّ يَجْعَلُ مَابَقِيَ فِيْ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ، عُدَّةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: أَوْجَفَ دَابَّتَه: سواری کو تیز دوڑانا...... الْكُرَاع: اصل معنی: پایے، کم گوشت والا پنڈلی کا پتلا حصہ، مراد گھوڑے اور سواریاں۔

سوال: جب نبی ﷺ ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچہ دیدیا کرتے تھے تو پھر آپؐ کے گھر میں دو دو ماہ تک آگ کیوں نہیں جلتی تھی؟ اور آپؐ نے ایک موقعہ پر یہ کیوں فرمایا تھا کہ آج میرے کسی گھر میں ایک صاع جو ہے نہ کھجور؟ اور وفات سے قبل آپؐ نے زرہ گروی رکھ کر گھر کے خرچ کے لئے جو کیوں خریدے تھے؟

جواب: یہ سوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا جاچکا ہے، انھوں نے یہ جواب دیا تھا کہ بیشک آپؐ ہمیں سال بھر کا خرچہ دیدیا کرتے تھے، مگر وہ ہمارے پاس رہتا کہاں تھا، وہ تو مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ ہوجاتا تھا یعنی ازواج مطہرات اپنی مرضی سے اس کو راہِ خدا میں خرچ کردیتی تھیں۔

فَجَزَاهُنَّ اللّٰهُ خَيْراً عن أمةِ محمدٍ صلى الله عليه وسلم

﴿الحمد للہ! ابواب الجہاد کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بحمد للہ! یہ جلد مکمل ہوگئی، جلد پنجم أبو اب اللباس سے شروع ہوگی

تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی

اہل علم کی نظر میں

(تحفۃ الالمعی پر دو وقیع تبصرے آئے ہیں، ایک ترجمان دارالعلوم دیوبند (جلد۴ شمارہ۲-۴) میں حضرت مولانا عمید الزماں صاحب کیرانوی مدظلہ (کارگزار صدر تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند) کے قلم سے ہے، موصوف والد ماجد مدظلہ کے درس کے ساتھی ہیں، آپ بارہا مجالس میں حضرت موصوف کا تذکرہ کرتے ہیں، دوسرا تبصرہ ندائے شاہی (جلد۱۹ شمارہ۵) میں حضرت مولانا محمد سلمان منصور پوری صاحب زید مجدہم کے قلم سے ہے، اس جلد کے آخر میں تین صفحات خالی تھے، میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ قارئین کرام انہیں ملاحظہ فرمالیں) حسین احمد پالن پوری

پہلا تبصرہ: بہ قلم حضرت مولانا عمید الزماں صاحب مدظلہ

زمیل گرامی قدر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی زیر تبصرہ کتاب سال رواں کے شروع میں منظر عام پر آئی تھی، لیکن ان کی مہربانی سے اسے دیکھنے کا اتفاق اب ہوا ہے، حالانکہ کتاب کی عظمت واہمیت اور مصنف یا شارح کے علمی مقام کا تقاضا تھا کہ اسے بلا تاخیر حاصل کر کے فکر وبصیرت کا سامان بنایا جائے۔

اس کتاب کی دو جلدیں دستیاب ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر دونوں جلدیں بالترتیب ۶۰۰ اور ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہیں اور یہ دونوں جلدیں شروع کتاب سے ابواب الزکاۃ (مکمل) تک پر مشتمل ہیں۔ جلد اول کے شروع میں پہلے عرض مرتب کے چند صفحات کے بعد ۵۵ صفحات پر مشتمل مصنف یا شارح کے قلم سے ایک طویل مقدمہ زیب کتاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ اپنے آپ میں ہی ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے حدیث کی حیثیت، حجیت، اس کی تدوین وترتیب کے تاریخی مراحل پر فن کی حیثیت سے، حدیث کی غرض وغایت وغیرہ پر عمومی انداز میں اور ان مباحث کے پہلو بہ پہلو دوسرے بہت سے اہم اور معرکۃ الآراء اور پیچیدہ ومختلف فیہ مسائل پر نہایت محققانہ کلام کیا ہے۔ ان مسائل میں خاص طور پر تقلید کی ضرورت واہمیت پر موصوف نے اعلی اور استدلالی انداز میں علمی توازن کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ وحی کے تعلق سے وحی اور صاحب وحی (رسول اللہ ﷺ) کے مقام پر جس علمی انداز میں انھوں نے بحث کی ہے، اس سے صاحب فہم اور کد وعناد سے پاک ایسے لوگوں کے ذہنی دریچے وا ہو جانے چاہئیں جو منکرین حدیث کی پھیلائی ہوئی ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں کو روشنی کا بدل تصور کر بیٹھے ہیں۔

مولانا پالن پوری صاحب ایک طویل عرصے سے دارالعلوم دیوبند جیسے عالمی سطح کے عظیم ومشہور ادارے میں حدیث کی تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ترمذی جیسی اہم کتاب ان سے منسلک ہے،جس کی تدریس کا وہ صحیح معنی میں حق ادا کرتے رہے ہیں،اس کی سب سے بڑی شہادت دورۂ حدیث کے طلبہ کی مولانا موصوف کے تعلق سے گرویدگی ہے۔ان کا جو جوہر اب تک ترمذی کی تدریس میں کھل کر دنیا کے سامنے آتا رہا ہے،اب وہ زیادہ مضبوط اور واضح شکل میں تحریری طور پر سامنے آ گیا ہے،بظاہر تو یہ کتاب ترمذی کی شرح ہے لیکن حقیقت میں اس میں مختلف ابواب کے تحت شرعی امور ومعاملات پر گفتگو کے ضمن میں ایسے دقیق اور معنی خیز نکات شامل ہو گئے ہیں جن کے لئے درجنوں ضخیم مجلدات کی پیہم ورق گردانی بھی کافی نہیں ہے۔

مفتی صاحب فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی۔اس لئے فقہی احکام ومسائل میں ان کے یہاں انتہائی توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔اس کتاب میں جا بجا ترجیح کے بجائے انھوں نے حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے مابین توفیق ومطابقت کی کوشش کی ہے۔کتاب کو پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے شاہ ولی اللہ کا باضابطہ اثر قبول کیا ہے۔اس وقت وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے شارح ہیں،دیگر علمی خدمات کے علاوہ صرف حجۃ اللہ البالغہ کی شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' ہی حضرت مفتی صاحب کی ایسی خدمت ہے جو ان کے نام کو علمی حلقوں میں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

عربی اور اردو میں علمائے ہندوپاک کی طرف سے ترمذی کی کئی قابل ذکر شرحیں موجود ہیں۔اردو میں مولانا تقی عثمانی صاحب کی درس ترمذی اور عربی میں معارف السنن (علامہ یوسف بنوریؒ) اور تحفۃ الاحوذی (مبارک پوری) حدیث کے طلبہ،اہل ذوق ومستفیدین میں مقبول ہیں،تحفۃ الالمعی اس سلسلے کی ایک نہایت نمایاں اور قیمتی کڑی ہے،امید ہے کہ طلبہ واہل ذوق بیش از بیش اس سے مستفید ہو سکیں گے اور یہ علمائے دیوبند کی حدیث کے باب میں خدمات اور کارناموں کا ایک اہم باب شمار ہوگا۔اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو اس نوع کی قیمتی علمی اسلامی خدمات کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا تبصرہ: بہ قلم حضرت مولانا سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ

دارالعلوم دیوبند علوم نبوت کا وہ عظیم گہوارہ ہے جہاں ایک سے ایک بڑھ کر ماہرین علوم شریعت جمع ہیں جن کے بیک وقت اجتماع کو اگر مایۂ ناز ''علمی کہکشاں'' سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہوگا،ان میں سے ہر ایک اپنے اندر الگ شان رکھتا ہے،اور نادرۂ روزگار کہلائے جانے کے لائق ہے،انہی عظیم المرتبت اساتذہ میں ہمارے حضرت الاستاذ المکرّم؛ محدث جلیل،فقیہ وقت،متکلم اسلام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم ومدت فیوضہم بھی ہیں جن کے ''درسِ ترمذی شریف'' کو علمی حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے،حضرت الاستاذ کا بے نظیر انداز تفہیم، مباحث کی شان دار ترتیب،مشکل سے مشکل دلائل کی ایسی عمدہ انداز میں تسہیل کہ غبی سے غبی طالب علم بھی بآسانی سمجھ

جائے، ائمہ مجتہدین کے کامل احترام کے ساتھ ان کے مابین اختلافی مسائل کی ایسی وضاحت کہ بات دل میں اترتی چلی جائے، اور شروع کتاب سے آخری صفحات تک علوم ومعارف کا ایسا فیضان کہ ہر نکتہ پر طبیعت عش عش کرا ٹھے، یہ اور اس طرح کی دیگر خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ طلباء آپ کے درس میں دل جمعی کے ساتھ پوری طرح ہمہ تن گوش رہتے ہیں؛ بلکہ طلبہ کی اکثریت آپ کی تقریر کو لفظ بلفظ کاپی میں نوٹ کرتی ہے، حتی کہ بعض صاحب ذوق طلبہ آپ کی درسی تقاریر ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر لیتے ہیں، اور آپ کے درسی نوٹ امتحان کے مواقع پر اور بعد میں تدریس حدیث کے موقع پر سب سے زیادہ معین اور مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح آپ کا علمی فیضان تقریراً وتحریراً دنیا کے کونے کونے میں بفضلہ تعالی پہنچ رہا ہے، اور خدا کرے کہ یہ فیض مزید آب وتاب کے ساتھ تادیر جاری رہے۔ آمین۔

عرصۂ دراز سے آپ کے ہزاروں تلامذہ اور خدام کے دلوں میں یہ آرزو رہ رہ کر انگڑائی لے رہی تھی کہ حضرت الاستاذ کے درسی افادات آپ ہی کی نگرانی اور نظر ثانی کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوں؛ تاکہ آنے والی نسلیں تا قیامت آپ کے فیوضات عالیہ سے مستفیض ہوتی رہیں، مگر ہر کام کا عند اللہ ایک وقت مقرر ہوتا ہے، اب الحمد للہ وہ وقت آ پہنچا، جس کی تمنا سالوں سے کی جارہی تھی۔ خوش قسمتی ہے کہ خود حضرت الاستاذ مدظلہ نے اس اہم کام کی جانب توجہ فرمائی اور اپنے ہونہار اور لائق فرزند جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری زید علمہ (جو جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں خود بھی کئی سال حدیث شریف کی اعلی کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں) ان کو امروہہ سے بلا کر اس اہم کام کی تکمیل پر مامور فرمایا۔ موصوف نے ۱۴۲۶ھ میں پورے سال ترمذی شریف کے سبق میں حاضر رہ کر تمام اسباق ریکارڈ کیے اور پھر انہیں پوری جاں فشانی کے ساتھ مرتب کر کے حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا اور حضرت نے ان دروس کا ایک ایک لفظ پڑھ کر اور حذف واضافہ فرما کر اشاعت کی منظوری مرحمت فرمائی، ان قیمتی درسی افادات کا نام حضرت الاستاذ نے ''تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی'' رکھا ہے، جو پوری طرح کتاب پر منطبق ہے، اس وقت اس سلسلہ کی پہلی جلد پیش نظر ہے، جس میں شروع میں مقدمہ، اس کے بعد امام ترمذیؒ کی کتاب العلل، اور پھر کتاب الطہارۃ سے ''باب التكبير عند الركوع والسجود'' تک ابواب کی شرح آگئی ہے، اسی طرح دوسری جلد بھی شائع ہو چکی ہے، جس میں ''کتاب الزکوٰۃ'' تک کے مباحث آگئے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی اس کی اگلی جلدیں بھی شائع ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بلا شبہ یہ شائقین اور تشنگانِ علم کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے، جس سے اساتذہ وطلبہ سب یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اللہ تعالی صاحب افادات اور محترم مرتب کو اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر مرحمت فرمائیں، اور جلد اس سلسلہ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

> الحمد للہ تحفۃ الالمعی کی جلد چہارم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس میں ترمذی جلد اول تقریباً مکمل ہوگئی ہے، اور ترمذی جلد دوم کا سبق بعد عشاء شروع ہو گیا ہے، ان شاء اللہ اس کے بعد تحفۃ الالمعی کی جلد پنجم ابواب اللباس سے شروع ہوگی۔